WWW.PAKSOCIETY.COM
ماہنامہ
کرن
اپریل 2015
پاک سوسائٹی ڈاٹ کام
WWW.PAKSOCIETY.COM
گھر کا ڈاکٹر
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY
FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

چاند گروپ آف پبلیکیشنز

MEMBER
APNS
CPNE

رکن آل پاکستان نیوز پیپرز سوسائٹی
رکن کونسل آف پاکستان نیوز پیپرز ایڈیٹرز

بانی ـــــ محمود بابر فیصل
نگران ـــــ محمود ریاض
مدیرہ ـــــ نادرہ خاتون
مدیر اعلیٰ ـــــ عامر محمود
نائب مدیرہ ـــــ شعاع عمیر
مدیرہ خصوصی ـــــ امت الصبور
اشتہارات ـــــ خالدہ جیلانی

انٹرویو

ناول

مکمل ناول

ناولٹ

افسانے

زرِ سالانہ بذریعہ رجسٹری

پاکستان (سالانہ) ----- 700 روپے

ایشیا، افریقہ، یورپ ---- 5000 روپے

امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا --- 6000 روپے

اپریل 2015

جلد 38 شمارہ 1

قیمت 60 روپے

خط و کتابت کا پتہ

کرن

37- اردو بازار کراچی

خط و کتابت کا پتہ: ماہنامہ کرن، 37- اردو بازار، کراچی۔

پبلشر آزر ریاض نے ابن حسن پرنٹنگ پریس سے چھپوا کر شائع کیا۔ مقام: بی 91، بلاک W، نارتھ ناظم آباد، کراچی

Phone: 32721777, 32726617, 021-32022494 Fax: 92-21-32766872

Email: kiran@khawateendigest.com Website: www.khawateendigest.com

مدیرہ

ماہ اپریل کا شمارہ آپ کے ہاتھوں میں ہے۔
موسم بہار عروج پر ہے۔ وطن عزیز میں پھولوں اور پھلوں کے بے حد خوبصورت مناظر رنگینیاں اور خوبصورتیاں بکھیر رہے ہیں۔ جابجا ہریالیاں اور شادمانیاں ہیں۔ پوری وادیاں پھولوں سے لدگئی ہیں۔ شاخیں پھولوں کے بوجھ سے جھکی بلکہ ٹوٹنے کو ہیں۔ کسانوں کی محنت رنگ لا رہی ہے۔ وہ رحمت باری تعالیٰ کو سمیٹ رہے ہیں اور سنہری خوشیوں میں موجود رزق کو اکٹھا کرکے مخلوق کا سامان زیست کر رہے ہیں۔ ملک کے سیاسی سمندر میں کبھی کبھی مدوجزر کی ہلکی لہریں ابھرتی اور پھر غائب ہوجاتی ہیں۔ مملکت خداداد پاکستان کو اگرچہ اندرونی اور بیرونی محاذوں پران دیکھے خطرات درپیش ہیں مگر ہمارے جیالے سپوت بڑی تن دہی اور مستعدی سے دشمن کی ہر چال اور ہر حربے کو ناکام بنا رہے ہیں۔ اور آزمائش کی ہر گھڑی میں پوری قوم کی دعائیں ملک کے ہونہار فرزندوں اور ملکی سرحدوں کے محافظوں کے ساتھ ہوتی ہیں۔ آج کل یمن اور سعودی عرب کی محاذ آرائی نے پوری قوم کو تشویش میں مبتلا کردیا ہے۔ حرم کی پاسبانی ہر مسلمان کا جزو ایمان ہے لیکن عالم اسلام کو کفار کی شاطرانہ اور مکارانہ چالوں سے ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے۔ تاکہ کفار ہمیں باطنی اختلافات اور خانہ جنگی میں الجھا کر اپنے مذموم مقاصد کی تکمیل نہ کرسکیں۔ ان شاء اللہ قوم آزمائش کی اس گھڑی میں بھی ملت اسلامیہ کے مفادات کو سامنے رکھ کر مصالحتی کردار ادا کرے گی۔ اللہ تعالیٰ ہمیں نیک مقاصد میں کامیاب کرے۔ آمین۔

اس شمارے میں،

- اداکار عمران رضوی سے شاہین رشید کی ملاقات،
- اداکارہ صنم جنگ کہتی ہیں "میری بھی سنیے"،
- "آواز کی دنیا سے" اس ماہ مہمان ہیں "علینا شاہ"،
- اس ماہ روبینہ لیاقت کے "مقابل ہے آئینہ"،
- "اک ساگر ہے زندگی" نفیسہ سعید کا سلسلے وار ناول،
- "ردائے وفا" فرحین اظفر کا سلسلے وار ناول،
- "میں گمان نہیں یقین ہوں"، نبیلہ ابر راجہ کا مکمل ناول،
- "منتہا" صائمہ اکرم چوہدری کا مکمل ناول،
- "دیا"، عتیقہ ملک کا مکمل ناول،
- "خالہ، سالا اور راوی والا" فاخرہ گل کی دلچسپ مزاحیہ تحریر
- "اذن بہار" فہمینا زصدیق کا ناولٹ،
- ام طیفور، شبانہ شوکت، در ثمین بلال اور سویرا فلک کے افسانے،
- اور مستقل سلسلے،

مفت،
"گھر کا ڈاکٹر" کرن کے ہر شمارے کے ساتھ علیحدہ سے مفت پیش خدمت ہے۔

جب قدم راہِ بطحا پہ ڈالے گئے
سب مسافر غموں سے نکالے گئے

جب گئے بارگاہِ رسالتؐ میں ہم
پھول دامن میں رحمت کے ڈالے گئے

اپنی آنکھوں سے دیکھا مدینے کو جب
سارے ارمان دل کے نکالے گئے

غم ہوئے پیش آقا کی خدمت میں جب
درد خوشیوں کے سانچے میں ڈھالے گئے

نام احمدؐ کا جب آگیا ذکر میں
مرحلے سب مصیبت کے ٹالے گئے

وقتِ ہجرت زمانے کا جو کچھ بھی تھا
کرکے سب کچھ علیؓ کے حوالے گئے

بھیک مانگو کہ مضطرؔ وہی در تو ہے
جن کے در پر سبھی دنیا والے گئے

مضطر بخاری

رستے میں مسافر کو تری یاد اگر ہے
پُرلطف سفر ہے وہی پُرلطف سفر ہے

چلنے کا مزا آتا ہے اس راہ گزر میں
کیا خوب تیری راہ گزر، راہ گزر ہے

تیرے بنا بنتا نہیں ہے کام کسی کا
محتاج ترا دہر میں ہر فرد و بشر ہے

تیرے ہی کرم سے ہیں شب و روز منور
ہے شام اگر تیری تو تیری ہی سحر ہے

کوئی نہیں در ایسا جہاں ملتا سکوں ہو
عالم کے لیے جائے اماں تیرا ہی در ہے

بن مانگے عطا کرتا ہے وہ شان ہے تیری
کیا کس کو ضرورت ہے تجھے سب کی خبر ہے

پاتا ہے سکوں آکے ترے گھر میں ہر انساں
محفوظ ہر اک رنج و بلا سے ترا گھر ہے

صدیق فتح پوری

عمران رضوی سے ملاقات

شاہین رشید

عمران رضوی ایک بہت اچھے فنکار تو ہیں ہی لیکن ان کا ایک تعارف تو یہ بھی ہے کہ یہ معروف فنکارہ "دیبا بیگم" کے صاحبزادے ہیں۔ عمران کافی عرصے سے اس فیلڈ میں ہیں بے شمار اچھے رولز کر چکے ہیں۔ ایک وقت میں ایک ہی سیریل یا سوپ کرتے ہیں اور لاجواب کرتے ہیں۔ آج کل آپ انہیں "بڑی بہو" اور "میری ماں" میں دیکھ رہے ہیں "میری ماں" سوپ ہے اور کافی عرصے سے جاری ہے اور "بڑی بہو" حال ہی میں شروع ہوا ہے۔

★ "کیسے ہیں عمران رضوی صاحب؟"

※ "اللہ کا شکر ہے۔"

★ "بڑی بہو" میں بہت اچھا پرفارم کر رہے ہیں۔ لیکن لوگ تو تنقید کرتے ہوں گے۔ "بھائی کی جڑیں کاٹ رہے ہیں۔ رسپانس کیا ہے؟"

※ ہنستے ہوئے "لوگ یہی کہتے ہیں۔ پرفارمنس کا رسپانس بہت پوزیٹو ہے اور جب ہم اس کی ریکارڈنگ کر رہے تھے تو ہمیں یہ آئیڈیا نہیں تھا کہ لوگ اسے اتنا پسند کریں گے۔ لوگ مجھ سے نفرت کا اظہار کرتے ہیں اور کئی لوگوں نے تو آکر یہ تک کہا کہ آپ کس قسم کے بھائی ہیں خاص طور خواتین بہت سوال کرتی ہیں تو میں یہی جواب دیتا ہوں کہ اس طرح کے کردار ہوتے ہیں بھائی نہیں ہوتے۔"

★ "پھر ماں کا رجحان بھی آپ کی طرف ہے تو کیا ماں کی محبت یک طرفہ ہوتی ہے؟"

※ "میرا یقین ہے کہ حقیقی دنیا میں بھی ایسا ہوتا ہے اولاد میں کوئی نہ کوئی ہوتا ہے جو آپ کے زیادہ قریب ہوتا ہے اور اس ڈرامے میں کمال ان کا ہے جو بڑی مہارت سے اپنی ماں کے کان بھرتے ہیں اور اصل زندگی میں بھی ایسا ہوتا ہے۔"

★ "آج کل کیا مصروفیات ہیں۔ کتنا کام انڈر پروڈکشن ہے آپ کا؟"

※ "جو آن ایئر ہیں وہ تو آپ کو معلوم ہی ہے اور عنقریب ایک اور سیریل دیکھیں گی جو ابھی لاہور سے مکمل کر کے آیا ہوں کاشف سلیم کا سیریل بھی آن ایئر آنے والا ہے۔ ایک "بگ مین" کا سوپ کر رہا ہوں۔ آج کل اس کی ریکارڈنگ چل رہی ہے۔ تو تین پروجیکٹ انڈر پروڈکشن ہیں اور ایک آن ایئر ہے۔"

★ "زیادہ تر نگیٹو رول کرتے ہیں آپ کیوں؟"

※ "اصل میں میں نگیٹو رول کرنا نہیں چاہتا' میری بھی خواہش ہے کہ پوزیٹو رول کروں' لیکن کیا کروں کہ زیادہ تر نگیٹو رولز کی ہی آفرز آتی ہیں اور

اس کی وجہ شاید یہ ہے کہ جب میں نے اپنا پہلا سوپ "تیرے پہلو میں" میں کیا تھا تو اس میں جو میرا رول تھا درحقیقت وہ نگیٹو نہیں تھا مگر لوگوں نے اس کو نگیٹو سمجھا۔ جبکہ وہ پوزیٹو کردار تھا' پوری فیملی کے لیے وہ ایک اچھا انسان تھا' صرف اس لڑکی کے پیار کی جہاں بات آئی تھی اور وہ کسی اور کی مداخلت پسند نہیں کرتا تھا تو وہاں وہ نگیٹو ہو جاتا تھا۔ تو بات یہ ہے کہ پھر مجھے زیادہ تر آفرز نگیٹو رول کی ہوتی ہیں۔"

★ "آپ نے نہیں چاہا کہ اس سے باہر نکلوں کہ ولن ہی نہ بن جاؤں کہ لوگ یہ سوچیں کہ یہ آیا تو یقیناً" کوئی فساد ہی کرنے آیا ہوگا؟"

✻ "کاشف سلیم کا جو سیریل کر رہا ہوں اس میں میرا پوزیٹو رول ہے۔ ہوتا یہ ہے کہ اکثر ڈراموں میں میرا رول نگیٹو لگتا ہے مگر لوگ اس بات پر غور نہیں کرتے کہ یہ نگیٹو کیوں ہوا۔۔۔ جیسے کہ میں ایک سوپ کر رہا ہوں اس میں میرا نگیٹو رول ہے۔ جس کا پس منظر یہ ہے کہ اس کے باپ سے لوٹ کر پیسہ کھا گئے سارے تو جنہوں نے اس کے ساتھ برا کیا یہ ان کے ساتھ برا کر رہا ہے اصل میں ہر نگیٹو کردار کے پیچھے اس کی کوئی نہ کوئی نوجک ضرور ہوتی ہے تو انسان اگر پیار محبت سے بدلہ لے تو وہ ہیرو ہو جاتا ہے اور اگر ذرا اگریسو ہو کر بدلہ لے تو وہ ولن ہو جاتا ہے۔"

★ "نگیٹو رول کر کے آپ کی شخصیت پہ اس کے اثرات ہوتے ہیں؟ یا سیٹ سے باہر آتے ہیں تو پہلے جیسے ہو جاتے ہیں؟"

✻ "مجھے لگتا ہے کہ شخصیت پہ اثرات ہوتے ہیں۔ جب آپ کردار کرنے کھڑے ہوتے ہیں تو آپ کہیں نہ کہیں اپنی زندگی سے' اپنی زندگی کے کسی واقعہ سے Relate کرتے ہیں۔ مثلاً" میں آپ کو اپنی بات بتاؤں کہ مجھے غصہ بہت آتا ہے دوستوں یاروں میں اور سب کو پتا ہے کہ مجھے غصہ بہت زیادہ آتا ہے تو میری امی ہمیشہ مجھے ایک بات کہا کرتی تھیں کہ "بیٹا غصہ مت کیا کرو' اس کو سنبھالو لوگوں کے اوپر مت نکالا کرو" تو میں کہتا کہ کیوں؟ تو کہتی تھیں کہ اسے کام پہ نکالنا۔ کریکٹر کے حساب سے تو تم کامیاب رہو گے' عام جلوؤں پر مت نکالا کرو۔ جب سیٹ پہ ہوتے ہیں تو کسی نہ کسی سین میں آپ کو اپنا کوئی دشمن بھی یاد آجاتا ہے۔"

★ "اسکرین پہ کم نظر آتے ہیں۔ چوزی یا سلیکٹو ہیں؟"

✻ "میں زیادہ سلیکٹیو نہیں ہوں' لیکن میں بہت زیادہ سوشل نہیں ہوں' مگر پھر بھی میں کہیں جاتا ہوں تو لوگ مجھ سے پوچھتے ہیں کہ آپ نے کیا کیا کیا' اور فیلڈ کے بندے پوچھتے ہیں تو مجھے زیادہ حیرت ہوتی ہے

کیونکہ اس فیلڈ میں رہتے ہوئے میں نے ہر بندے کو دیکھا ہوا ہے۔ تو کیا مجھے کسی نے نہیں دیکھا ہو گا۔"

★ "آپ نے کہا کہ آپ سوشل نہیں ہیں۔ تو کیوں نہیں ہیں؟"

* "سوشل کیوں نہیں ہوں' تو یہ میرا ایک پرسنل پرابلم ہے کہ مجھے ایسا لگتا ہے کہ مجھے زندگی میں کوئی Sincere بندہ ہی نہیں ملا میں بے انتہا قسم کا Sensitive انسان ہوں اور میں expressive بالکل بھی نہیں ہوں۔ تو یہ پرابلمز آپ کو لوگوں سے دور کر دیتی ہیں۔ لوگ آپ سے ڈیمانڈ کرتے ہیں کہ میں ان سے کہوں کہ یار تو میرا دوست ہے۔ تو ایسا ہے تو ویسا ہے۔ تو یہ مجھ سے ہوتا نہیں ہے کوئی اچھا لگتا ہے تو میں اس کا اظہار نہیں کر سکتا۔ شاید اس کی وجہ یہ ہے کہ میرے پاس الفاظ کا ذخیرہ نہیں ہے جب میں بات کرنے لگتا ہوں تو مجھے خود احساس ہوتا ہے کہ میں اپنی بات کو explain نہیں کر پا رہا یا کس طرح Explain کروں اور یہ بھی ہے میرے ساتھ کہ کوئی بندہ میرے ساتھ غلط کرتا ہے تو پھر فوراً" وہ میرے دل سے اتر جاتا ہے اور سچ بات یہ بھی ہے کہ مجھ سے دکھاوا نہیں ہوتا' جیسا کہ ہمارے یہاں ہوتا ہے کہ منہ پر اچھے ہوتے ہیں اور پیٹھ پیچھے برائیاں ہوتی ہیں۔ تو میں منہ پر بھی وہی ہوں جو پیٹھ پیچھے ہوں۔ صاف گو بندہ ہوں۔"

★ "کردار لیتے وقت کس بات کو مدنظر رکھتے ہیں کہ رائٹر اچھا ہو یا ڈائریکٹر یا پھر بڑی کاسٹ؟"

* "میں یہ دیکھتا ہوں کہ جو کردار مجھے آفر ہوا ہے اس کو کرنے کا مجھے مزا آئے گا یا نہیں میں یہ نہیں دیکھتا کہ اس کے سین کتنے ہیں' ایک ہیں دو ہیں یا زیادہ ہیں ہم نے بہت سی ایسی موویز دیکھی ہیں اور ایسے ڈرامے دیکھے ہیں جن کو عوام نے پسند نہیں کیا' لیکن جب ہم اسے ٹیکنیکلی گھر میں بیٹھ کر دیکھتے ہیں تو ہم کہتے ہیں کہ یہ تو بہت اچھی مووی ہے یا ڈرامہ ہے یہ کیوں نہیں پبلک میں چلا تو پبلک کو سوچ کر آپ کام نہیں کر سکتے کہ انہیں آپ کی بہت چیزیں اچھی بھی لگ سکتی ہیں اور بری بھی۔۔۔ تو میں کام کرتے وقت یہ سوچتا ہوں کہ مجھے مزا آئے گا؟ اور آپ کو یہ سن کر حیرت ہو گی کہ مجھے سیٹ پہ جا کر پتا چلتا ہے کہ ایکٹر کون کون ہیں۔ میں نے کبھی نہیں پوچھا کہ کون ہے کون نہیں ہے یا کہ فلاں ہو گا تو میں کام کروں گا فلاں نہیں ہو گا تو میں کام نہیں کروں گا۔ میں دل کے لیے کام کرتا ہوں۔ کئی لوگ کچن چلانے کے لیے کام کرتے ہیں۔"

★ "بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں آپ 'کیونکہ لوگ دیکھتے ہیں کہ کردار کتنا بڑا ہے اور اس میں پیسے کتنے ملیں گے؟"

* "اس کی بھی کچھ وجوہات ہیں اور ان لوگوں کو بھی یا ایسے لوگوں کو میں غلط نہیں کہوں گا کیونکہ اگر آپ کا مشن یہ ہے کہ میرا بہت بڑا نام ہونا چاہیے اور میں ٹاپ آف دی لسٹ میں کھڑا ہوں اور لوگوں کو نظر آؤں اور ون ٹو تھری کی لائن میں ہوں' تو اس کے لیے ضروری ہوتا ہے کہ آپ دیکھیں کہ آپ کے ارد گرد کی کاسٹ کونسی ہے اور آپ کے کردار میں ایکٹنگ مارجن ہے یا نہیں' بس آپ کا کردار لیڈ میں ہونا چاہیے۔۔۔ ہمارے یہاں کا المیہ یہ ہے کہ آرٹ کی خدمت کوئی بھی نہیں کر رہا تو پھر ایکٹر کیوں کرے۔"

★ "فیلڈ میں آمد والدہ ربا بیگم کی وجہ سے ہوئی یا لوگوں نے خود سے آفر دی؟"

* "مجھے نہ والدہ لے کر آئیں اور نہ ہی مجھے کام کی آفر آئی مجھے خود شوق تھا اور میں کام کرنا چاہتا تھا اور اپنے شوق کی خاطر میں نے کافی آڈیشن دیے اور سترہ اٹھارہ آڈیشنز میں فیل ہو گیا تھا۔ اس فیلڈ کا ایک بہت بڑا نام ہے۔ میں ان کے پاس آڈیشن کے لیے گیا۔ انہوں نے آڈیشن کے بعد کیمرہ بند کروا لیا اور کہا کہ "نکلو تم یہاں سے" اور انہوں نے میری اماں کو فون کیا اور کہا کہ اس کو کوئی اور کام کروائیں' اداکاری اس کے بس کی بات نہیں ہے۔۔۔ تو اماں نے کہا کہ ٹھیک ہے' اگر یہ تمہاری سمجھ میں نہیں آتا تو مت دو اسے کام میری اماں نے کبھی میری سفارش نہیں کی' تو خیر میں نے انتھک محنت کی لگا رہا لگا رہا مجھے بڑا سوپ "تیرے

پہلو میں" کام مل گیا پھر ایک دو ڈرامے اور کیے تو پھر جنہوں نے مجھے نکالا تھا ان کا ایک دن میرے پاس فون آیا کہ "میں تمہیں کاسٹ کرنا چاہتا ہوں" میں اس وقت مری میں شوٹ کر رہا تھا۔ میں نے وہ شوٹ چھوڑا اور واپسی کا راستہ لیا' میرے ڈائریکٹر نے کہا کہ تم پاگل ہو گئے ہو' اتنا بڑا تمہارا رول ہے اور تم اسے چھوڑ کر جا رہے ہو' میں نے کہا کہ میری سوچ تھوڑی مختلف ہے میرے لیے اس بندے کے ساتھ کام کرنا زیادہ ضروری ہے جس نے مجھے گھر سے نکالا تھا' میں نے ان کو شرمندہ نہیں کرنا۔ آج ان کو کچھ لگ رہا ہے تو وہ مجھے بلا رہے ہیں نا۔ میں ان کے پاس گیا' میں نے ان کا سیریل کیا اور مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ انہوں نے مجھے بلایا' مجھے گلے سے لگا کر کہنے لگے یار تم نے بڑا اچھا پرفارم کیا۔ تو یہ میرے لیے بڑے فخر کی بات ہے کہ جنہوں نے مجھے نکالا' انہوں نے مجھے بلایا اور میری تعریف بھی کی۔ تو میں اس بات کے لیے شکر گزار ہوں ان کا کہ انہوں نے میری اماں کے حوالے سے مجھے نہیں لیا بلکہ میرے اپنے ٹیلنٹ کو تسلیم کیا۔"

★ "آڈیشن میں اتنی ناکامیاں ہوئیں تو سوچا نہیں کہ اس فیلڈ کے لیے خواری کرنے کی بجائے کچھ اور کر لوں' کوئی جاب کر لوں؟"

✱ "جب انسان جوان ہو رہا ہوتا ہے تو اس کی طبیعت میں ضد بڑی ہوتی ہے اسکول میں جب فیل ہوتے تھے تو سوچتے تھے کہ کیوں ہوئے۔ اب پاس ہو کر دکھانا ہے اور میرا ماننا ہے کہ جس کام میں ٹھوکریں لگتی ہیں اور جس کام میں بہت محنت کرنی پڑتی ہے وہ کام ہی پائیدار ہوتا ہے اور کامیابی بھی دیرپا ہوتی ہے۔ بڑی ناکامیوں کے بعد "تیرے پہلو میں" ملا' پہلا سوپ اور سپرہٹ گیا پھر فیصل بخاری کا سیریل کیا' وہ بھی ہٹ گیا۔ اور جب ایک کے بعد ایک کامیابی ملی تو ایسا لگا کہ بس ہم تو چھا گئے ہیں۔۔۔ اب تو شاہ رخ خان کو بھی گرا دیں گے' مگر ان کامیابیوں کے بعد جب گرے یعنی ڈاؤن ہوئے تو سمجھ آئی کہ کام محنت مانگتا ہے راتوں رات شہرت نہیں ملتی۔ شہرت کو قائم رکھنے کے لیے بہت کچھ کرنا پڑتا ہے۔۔۔ اور ایک بات اور بتاؤں کہ ہمارا کام "قسمت" کا بھی مرہون منت ہے کبھی ایک اچھی چیز بن جاتی ہے' ہم اچھا کام بھی کر لیتے ہیں۔ مگر وہ نہیں چلتی' اگر وہ ہی چیز چل جائے تو وارے نیارے ہو جاتے ہیں۔ "ہم سفر" سپرہٹ گیا۔ اس سیریل نے کس کو فائدہ دیا "فواد خان" کو سب وہیں کے وہیں ہیں اور فواد خان کہیں سے کہیں نکل گیا۔ ایک چیز چل بھی جاتی ہے تو کچھ پتا نہیں ہوتا کہ اللہ نے اس میں کس کے لیے بہتری لکھی ہے۔"

★ "ہوائی روزی ہے۔۔۔ تو یہ نہیں سوچا کہ کچھ اور کام کر لوں' اسے سائیڈ پہ رکھوں؟"

✱ "ایک پوائنٹ پہ آکر سوچا اور بڑی کوشش بھی کی۔ میں نے کوئی تین چار بزنس کرنے کی کوشش کی اور بری طرح ناکام رہا۔۔۔ اور بڑی کوشش کی اس بحران سے نکلنے کی اور پھر مجھے لگا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اشارہ ہے کہ ابھی تم لگے رہو۔۔۔ تو بس پھر اپنے آپ کو قسمت پر چھوڑ دیا۔"

★ "آج کل کے ڈراموں کے موضوعات تقریباً ایک جیسے ہیں رائٹرز کسی موضوع کے پیچھے نہ پڑ جائیں' جیسے "بڑی بہو" "سسرال میرا" "سرتاج میرا تو سسرال میرا" "سسرال میری بہن کا" تو یہ سب کیا ہو رہا ہے؟"

✱ "ہمارے یہاں ہمیشہ سے ہی ایسا رہا ہے۔ جو چیز یا جو موضوع کلک کرتا ہے بس پھر وہ ہی اسکرین پہ نظر آتا ہے۔ دراصل ہم تجربات تو بالکل بھی نہیں کرتے اور جب مارکیٹنگ کے لوگوں کے ساتھ بیٹھ کر ڈسکشن کریں تو وہ یہی کہتے ہیں کہ خواتین زیادہ ٹی وی دیکھتی ہیں۔۔۔ خواتین ڈرامے دیکھتی ہیں' اگر انہیں مظلوم دکھائیں گے تو ڈرامہ چلے گا۔"

★ "لوگ جانتے ہیں تو عزت ملتی ہے؟"

✱ "بالکل ملتی ہے اور تقریباً" 99 فیصد لوگ عزت دیتے ہیں۔ کچھ دن پہلے کی بات ہے کہ میں اپنی Sim کی تصدیق کرانے گیا تو دیکھا کہ بہت لمبی لائن لگی ہوئی ہے میں بھی لائن میں کھڑا ہو گیا۔ میرے آگے کوئی

30 بندے کھڑے ہوئے تھے۔ جو بندہ تصدیق کر رہا تھا اس نے دو تین بار میری طرف دیکھا اور پھر اس نے مجھے اشارہ کر کے اپنے پاس بلایا اور کہا کہ میں نے آپ کا فلاں ڈرامہ دیکھا تھا۔ آپ ذرا ایک سائیڈ پہ کھڑے ہو جائیں اور پھر اس نے میری Sim کی تصدیق کر کے دے دی۔ تو میرے ایک دوست نے کہا کہ تم نے ان لوگوں کے ساتھ زیادتی کی ہے جو لائن میں لگے ہوئے ہیں۔ تو میں نے کہا کہ ہم اپنے ساتھ ساتھ ان لوگوں کے لیے بھی تو کام کرتے ہیں۔ ان کی تفریح کا ذریعہ بھی تو ہم ہیں۔ تو یہ عزت مجھے بہت اچھی لگتی ہے۔ مجھے یاد ہے کہ "تیرے پہلو" کے ذوالفقار صاحب اور عثمان صاحب نے مجھے بہت کچھ سکھایا بھی ہے۔ ایک بار عثمان صاحب نے مجھے کہا کہ بیٹا اگر تم سے کوئی ملنا چاہ رہا ہے تو اپنی گاڑی سائیڈ پہ لگا کر اتر کر اس سے ملنا' میں نے کہا کہ "کیوں؟" تو کہنے لگے کہ اس لیے کہ وہ تمہیں دیکھتا ہے تو تم چلتے ہو' اور اگر تم گاڑی سے اتر کر اس سے ملو گے تو پھر وہ ساری زندگی تم کو دیکھے گا۔"

★ "باتیں تو بہت ہیں آپ سے کرنے کے لیے... اور ان شاء اللہ کریں گے بھی لیکن پہلے اپنے بارے میں کچھ بتایئے؟"

✱ "ہم تین بہن بھائی ہیں۔ سب سے بڑا بھائی ہے۔ پھر میں ہوں اور پھر بہن ہے۔ بڑے بھائی دبئی میں ہوتے ہیں اور ایک مرکنٹائل کمپنی میں جاب کرتے ہیں۔ اور میں نے ایم بی اے کیا ہے اور شادی شدہ ہوں اور مجھے مارننگ شو سے فون آیا کہ ہم ایک ٹاپک پہ ڈسکشن کے لیے آپ کو بلانا چاہتے ہیں ٹاپک ہے "نئی نئی شادی"۔ میں نے کہا کہ "میں پروگرام میں شرکت کے ڈبل پیسے لوں گا" کہنے لگے "کیوں؟" میں نے کہا کہ "یہ وہ المیہ ہے' جو ہر بندہ بھولنے کی کوشش کرتا ہے اور آپ یاد دلا رہے ہیں تو اس کے ڈبل پیسے ہوں گے (قہقہہ) تو بس شادی ہو گئی۔ اور ماشاء اللہ سے میرا ایک بیٹا ہے اور میرا بیٹا ڈھائی سال کا ہے۔ بیٹے سے پہلے دو بیٹیاں ہوئیں مگر ان کا انتقال ہو گیا۔ شادی جون جولائی میں ہوئی تھی اور سال یاد نہیں ہے اور میں پیدا ہوا ہوں 17 مئی کو۔"

★ "اور کیا مصروفیات رہیں آپ کی؟"

✱ "کرکٹ کا بہت شوقین رہا اور پروفیشنل کرکٹ کھیل چکا ہوں اور کھیل کے دوران ہی شوبز میں آ گیا اور بس پھر ادھر کا ہی ہو کے رہ گیا۔"

★ "ورلڈ کپ دیکھ رہے ہیں... مزا آ رہا ہے؟"

✱ "دیکھ رہا ہوں اور بالکل بھی مزا نہیں آ رہا اور ہم ہاریں یا جیتیں ہم تنقید نہیں کرتے' کرتے بھی ہیں تو بس بہت ہلکی پھلکی اور یہ پروفیشنل لوگ ہیں اور بڑے بڑے بزنس میں سے زیادہ یہ کماتے ہیں تو یہ ہائلی پیڈ پروفیشنل لوگ ہیں ________ اور اپنے ہی پروفیشن میں یہ %100 فیصد مخلص نہیں ہیں۔"

★ "اگر میں سلیکٹر ہوتی یا مجھے اختیار ہوتا تو میں اچھا کھیلنے پہ 100 فیصد معاوضہ دیتی اور برا کھیلنے پہ %50 فیصد معاوضہ دیتی؟"

✱ "بالکل صحیح۔ چیک اینڈ بیلنس بہت ضروری ہے اور یہ لوگ اپنے ہی پروفیشن کے ساتھ مخلص نہیں ہیں۔"

★ "ماڈلنگ کی آپ نے؟"

✱ "جی ماڈلنگ بھی کی ریمپ بھی کیا۔ مگر اپنے کیریئر کے شروع میں۔"

★ "کھانے پینے کے شوقین ہیں؟"

✱ "جی بے انتہا... اور مجھے دیسی فوڈ بہت پسند ہے اور اس کی مثال یوں دوں گا کہ اگر رات کو مجھے بھوک لگی ہے اور قیمہ فریج میں رکھا ہوا ہے تو میں ایسے ہی قیمہ گرم کر کے نہیں کھاؤں گا بلکہ اس قیمے کو فرائی پین میں ڈالوں گا اس میں مکھن ڈالوں گا' اس میں انڈے توڑ کر ڈالوں گا اور مسالے شامل کروں گا اور پھر کھاؤں گا... تو بس اس قسم کا دیسی فوڈ مجھے بہت پسند ہے۔"

اس کے ساتھ ہی ہم نے شکریے کے ساتھ عمران رضوی سے اجازت چاہی۔

میری بھی سنیے

صنم جنگ

شاہین رشید

1 "میرا نام؟"
"صنم جنگ۔"

2 "پیار کا نام؟"
"صنو، صنی۔"

3 "جنم دن؟"
"30 ستمبر کراچی۔"

4 "ستارہ۔ قد بغیر ہیل کے؟"
"5 فٹ 4 انچ اور ستارہ لبرا ہے۔"

5 "فیملی ممبرز؟"
"ہم چار بہنیں، والدین۔ میں گھر میں بڑی ہوں۔"

6 "ڈگری؟"
"ایم بی اے ان مارکیٹنگ۔"

7 "شادی؟"
"جب اوپر والا چاہے گا۔"

8 "شہرت ملی؟"
"ڈرامہ سیریل "دل مضطر" سے اور صبح کا ستارہ۔"

9 "میں حیران ہوتی ہوں جب؟"
"جب لوگ شوبز کی برائیاں کرتے ہیں۔ اللہ کا شکر ہے مجھے تو سب اچھے ہی لوگ ملے ہیں۔"

10 "میرا پہلا پروگرام؟"

"نیوز ٹیلے کی ڈی جے تھی۔"

11 "خوشی کی انتہا نہیں تھی؟"
"جب مجھے پہلے پروگرام کے 15 ہزار ملے تھے۔"

12 "لاپرواہوں؟"
"وقت کے معاملے میں اکثر دیر ہو جاتی ہے۔ مگر مارننگ شو نے بہت کچھ سکھا دیا ہے۔ کیونکہ لائیو پروگرام میں تو وقت کی پابندی کرنی ہی پڑتی ہے۔"

13 "بہت فریش محسوس کرتی ہوں؟"
"آج کل تو صبح کے وقت جب مارننگ شو کے لیے تیار ہو رہی ہوتی ہوں۔"

14 "زندگی میں نیا پن آیا؟"
"اس فیلڈ میں آکر شہرت و عزت پاکر... بہت شکر گزار ہوں اپنے رب کی۔"

15 "زندگی حسین ہو جائے گی؟"
"شاید اس وقت جب میری شادی ہو جائے گی۔ (ہنسی)"

16 "خدا سے کوئی شکوہ؟"
"نہیں بالکل بھی نہیں مکمل شخصیت بنایا ہے اور سب نعمتیں دی ہیں۔"

17 "فیلڈ میں آمد؟"
"اپنا ٹیلنٹ... کوئی سفارش نہیں کوئی تعارف نہیں اپنی دوست کے کہنے پر آڈیشن دیا اور کامیاب ہو گئی۔"

18 "گھر میں کس سے ڈر لگتا ہے؟"
"اپنے والد کے غصے سے وہ تھوڑے غصے کے تیز ہیں۔"

19 "لوگ تعریف میں کیا کہتے ہیں؟"
"آپ کتنی معصوم، کتنی پیاری اور کتنی چھوٹی ہیں۔"

20 "شاپنگ میں میری پہلی ترجیح؟"
"جوتے خریدنا اور پھر بیگ خریدنا پہلی ترجیح ہے۔"

21 "ایک قانون جو میں بنانا چاہتی ہوں؟"
"چائلڈ لیبر قانون... شاید ہو گا بھی مگر عمل نہیں ہوتا، میرے اختیار میں ہو تو بچوں کو سڑک پہ بھیک مانگنے کی اجازت بالکل بھی نہ دوں۔"

22 "میرا پسندیدہ لباس؟"
"شلوار قمیص۔"

23 "جب خوش ہوتی ہوں تو؟"
"تو سب کو گفٹ دیتی ہوں۔"

24 "صبح اٹھتے ہی پہلا کام؟"
"منہ دھوتی ہوں۔"

25 "نصیب سے زیادہ نہیں وقت سے پہلے نہیں کیا یہ درست ہے؟"
"نصیب سے زیادہ نہیں تو درست ہے۔ مگر وقت سے پہلے نہیں والی بات مجھ پر لاگو نہیں ہے۔ کیونکہ مجھے کامیابیاں اور شہرت وقت سے پہلے مل گئی۔ آپ کو پتا ہے میں جب بی اے کے فرسٹ ایئر میں تھی تو ایک میوزک چینل جوائن کر لیا تھا۔"

26 "جب کوئی گھورتا ہے تو؟"
"تو سنا دیتی ہوں اور پوچھتی ہوں کہ بھائی کیا پرابلم ہے۔ کیا مسئلہ ہے آپ کو۔"

27 "میرے اٹھنے کے اوقات؟"
"جب سے مارننگ شو شروع کیا ہے صبح جلدی اٹھ

جاتی ہوں اور جب چھٹی ہوتی ہے تو پھر دیر تک سوتی ہوں۔"

28 "اس فیلڈ کے علاوہ کہاں کام کی خواہش ہے؟"

"بینک میں۔"

29 "چھٹی کا دن کہاں گزارتی ہوں؟"

"صرف اور صرف اپنی فیملی کے ساتھ۔"

30 "اپنی خامی جو خود محسوس کرتی ہوں؟"

"کہ مجھ میں غصہ بہت زیادہ ہے۔"

31 "گھر میں کون سب سے اچھا پکاتا ہے؟"

"مجھے تو یہ کہنا چاہیے کہ گھر میں کون اچھا پکاتی ہیں۔ کیونکہ ہم گھر میں پانچ خواتین ہیں۔ تو امی سب سے اچھا پکاتی ہیں۔ مجھے انہی کے ہاتھ کا پکا ہوا پسند ہے۔"

32 "گہری نیند سے اٹھنا کیسا لگتا ہے؟"

"بہت برا۔۔۔"

33 "دنیا میں سب سے حسین چیز؟"

"سب کچھ۔۔۔ یہ پوری دنیا ہی بہت خوب صورت ہے۔"

34 "شرمندگی ہوتی ہے؟"

"اس وقت جب امی کچن سے باہر نکال دیتی ہیں اور کہتی ہیں کہ جاؤ بیٹا کچھ اور کرلو۔۔۔ کچن کا کام تمہارے بس کا نہیں۔"

35 "ایک ڈرامہ سیریل جو بھول نہیں سکتی؟"

"دل مضطر' کیونکہ اس میں میں نے سچ مچ مار کھائی تھی اور وہ بھی عمران عباس سے۔"

36 "خودکش حملہ آور کے لیے میری رائے؟"

"تم بہت ہی بزدل ہوتے ہو' جو یہ حرکتیں کرتے ہو۔ بہادر لوگ چھپ کر وار نہیں کیا کرتے۔"

37 "بہت دکھی ہو جاتی ہوں؟"

"جب اچھائی کا بدلہ برائی سے ملتا ہے اور کوئی بدتمیزی کرے تب بھی بہت تکلیف ہوتی ہے۔"

38 "3 چیزوں کے بغیر گھر سے نہیں نکلتی؟"

"موبائل فون' گاڑی کی چابی اور بیگ۔۔۔ بھول جاؤں تو واپس گھر آتی ہوں۔ کوشش کرتی ہوں سب کچھ بیگ میں ڈال کر رکھوں۔"

39 "کون سا ملک بے حد پسند ہے؟"

"سب ممالک گھومنے کے لیے اچھے ہیں۔ مگر رہنے کے لیے اپنے پاکستان سے بڑھ کر کوئی نہیں ہے۔"

40 "شاپنگ میں میری کمزوری؟"

"جوتے' بیگز' کپڑے' پرفیومز' میرے خیال میں ہر لڑکی کی کمزوری ہوتے ہیں۔"

41 "مارننگ شو میں کیا مشکل لگتا ہے۔ صبح اٹھنا یا پروگرام کرنا؟"

"کچھ بھی نہیں۔۔۔ صبح آسانی سے اٹھ بھی جاتی ہوں اور پروگرام کو بھی انجوائے کرتی ہوں۔"

42 "پرائز بانڈ اسکیم کیسی لگتی ہے؟"

"بہت اچھی۔۔۔ اور میرے تو کئی بار نکلے بھی ہیں۔ اس لیے مجھے پسند ہیں۔"

43 "میڈیا کی کیا بات بری لگتی ہے؟"

"کہ وہ اپنے ملک کے بارے میں بہت غلط تاثر

کریٹ کرتے ہیں۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ اپنا ملک بہت اچھا بہت خوب صورت ہے۔"

44 "گھر میں سب سے پیاری ہستی؟"

"میرے ابو۔۔۔ مجھے ان سے بہت پیار ہے اور انہیں گفٹ دینا مجھے بہت اچھا لگتا ہے۔"

45 "گھر میں سب سے بری شخصیت؟"

قہقہہ۔ "کوئی نہیں' سب بہت پیارے ہیں' بس اپنی بہن انعم سے بہت شکایتیں ہیں۔ گھر میں بڑی میں ہوں' مگر لگتا ہے کہ وہ بڑی ہے۔۔۔ ایمان سے بہت روک ٹوک کرتی ہے۔"

46 "میری خواہش ہے کہ؟"

"کہ میں ایک دیوانی لڑکی کا کردار کروں۔"

47 "جانوروں سے ڈرتی ہوں یا کیڑوں سے؟"

"جانوروں سے خاص طور پر شیر سے۔"

48 "غصے میں رد عمل؟"

"سنا دیتی ہوں۔ کوشش کرتی ہوں کہ نہ سناؤں۔ مگر جب برداشت نہیں ہوتا تو پھر سنا دیتی ہوں۔"

49 "مجھے انتظار رہتا ہے؟"

"چیک کا cheque۔"

50 "کس شخصیت کو انکار نہیں کر سکتی؟"

"اپنے ابو کو اگر ابا آدھی رات کو بھی کوئی کام کہہ دیں یا کہیں جانے کے لیے کہہ دیں تو میں کبھی انکار نہیں کرتی۔"

51 "کھانا مشرقی انداز میں کھاتی ہو یا۔۔۔؟"

"گھر سے باہر کھاؤں یا کہیں دعوت میں' تب تو ذرا مغربی انداز ہی اپنانا پڑتا ہے اور گھر میں تو سب چلتا ہے۔ چٹائی پہ بھی بیٹھ کر مزے سے کھاتی ہوں۔"

52 "میں خوش نہ و جانتی ہوں؟"

"جب کوئی میری تعریف کرتا ہے۔ میری حوصلہ افزائی کرتا ہے میرے کام کی تعریف ہو۔ تو سیروں خون بڑھ جاتا ہے۔"

53 "اچانک مہمان آجائیں تو؟"

"تو کوئی مسئلہ نہیں۔ سب مل کر ہینڈل کر لیتے ہیں۔"

54 "کیا فون نمبر آسانی سے دے دیتی ہوں؟"

"بالکل کوئی پیار سے مانگے تو انکار نہیں کر سکتی۔ مگر کسی اجنبی کو دینے سے گھبراتی ہوں۔۔۔ کیونکہ ہمارے یہاں فون کا صحیح استعمال نہیں کیا جاتا۔"

55 "اپنے سرہانے کیا کیا رکھتی ہوں؟"

"صرف اور صرف موبائل اور اس کا چارجر۔"

56 "گھر میں میری اہمیت؟"

"ایک نارمل انسان کی طرح' مجھے کوئی توپ چیز نہیں سمجھتا اور سچ تو یہ ہے کہ نہ میں ایسا سوچتی ہوں۔"

57 "تنہائی میں کیا سوچتی ہیں؟"

"یہی کہ میں دنیا میں کیوں آئی اور آگے میرا فیوچر کیا ہوگا۔"

58 "ہم دوسروں کو بہترین تحفہ کیا دے سکتے ہیں؟"

"پیار' محبت' عزت' کوئی اچھا کام کرے تو اس کی حوصلہ افزائی کریں۔"

59 "شادی میں پسندیدہ رسم؟"

"جوتا چھپائی۔"

60 "Sms سے لگاؤ؟"

"صرف اپنے ابو کو فوراً" جواب دیتی ہوں۔ باقی کو تب دیتی ہوں جب کوئی ضروری بات پوچھی گئی ہو۔"

☼ ☼

سرورق کی شخصیت

ماڈل ---------- حمیرا

میک اپ ---------- روز بیوٹی پارلر

فوٹوگرافر ---------- موسیٰ رضا

آواز کی دنیا سے

لینا شاہ

شاہین رشید

دنیا کے تقریباً" ہر شعبے میں جاب کے لیے انسان کی پرسنلٹی دیکھی جاتی ہے۔ مگر ریڈیو براڈ کاسٹ کی دنیا ایک ایسی دنیا ہے جہاں آواز اور انداز گفتگو کی خوب صورتی دیکھی جاتی ہے۔ پرسنلٹی کا اچھا ہونا اور خوب صورت بھی ہونا ایک ایکسٹرا کوالٹی ہوتی ہے۔۔۔ ایف ایم 103 کی لینا شاہ کی آواز جتنی خوب صورت ہے شکل بھی اتنی ہی اچھی ہے۔۔۔ ریڈیو کا جنون انہیں ریڈیو تک لے کر آیا' مگر وہ ٹی وی پر بھی بہت ایکٹو دکھائی دیتی ہیں۔ تو کچھ باتیں لینا شاہ سے کہ وہ ریڈیو کے علاوہ کیا کیا کرتی ہیں اور کس طرح اس فیلڈ میں آئیں۔

★ "کیسی ہیں لینا شاہ؟"

☼ "جی اللہ کا شکر ہے۔"

★ "آپ کا نام تھوڑا یونیک سا ہے۔ علینا تو سنا ہے مگر "لینا" نہیں تو کس نے رکھا یہ نام؟"

☼ "لینا بہت پرانا نام ہے اور یہ تقریباً" ہر زبان کا لفظ ہے یہ فارسی میں بھی ہے۔ عربی میں بھی ہے ہندو میں بھی ہے اور قرآن میں بھی اس نام کا ذکر ہے اور میرا نام عربک سے متاثر ہو کر رکھا گیا اور اسے میرے ماں باپ نے رکھا اس کا مطلب "آنکھوں کی ٹھنڈک" ہے اور "پھل" بھی ہے اور ہراں سبزہ بھی ہے۔"

★ "عربک بیک گراؤنڈ ہے آپ کا' یا ویسے ہی رکھ لیا یہ نام؟"

☼ "جی میرا عربک بیک گراؤنڈ ہے۔ میرا سارا بچپن سعودی عرب میں گزرا' اسکولنگ بھی وہیں سے ہوئی۔ پیدا پاکستان میں ہوئی' لیکن جب 3 ماہ کی تھی تو میرے والدین سعودی عرب میں موو ہو گئے۔ پھر جب میرے والد کا انتقال ہوا تو ہم لوگ پاکستان آ گئے۔۔۔ اور پھر

زندگی میں بہت تبدیلیاں آئیں۔۔۔ اور پھر اللہ کا شکر ہے کہ آہستہ آہستہ لاانفسمنٹل ہو گئی۔"

★ "پاکستان آکر کیسا لگا؟"

☼ "بہت اچھا لگا اور پاکستان کے لوگ محنتی ہیں۔ بہت رحم دل نرم ہیں۔ بہت باصلاحیت ہیں اور میں سمجھتی ہوں کہ ہر انسان اندر سے اچھا ہی ہوتا ہے۔ بس حالات وواقعات اسے برا بنا دیتے ہیں۔ لندن اور یو ایس اے میں گھومنے پھرنے کی نیت سے بھی رہی اور پڑھائی کے لیے بھی۔۔۔ میری پڑھائی میڈیا سوسائٹی سے Related ہے میں نے ویڈیو Related جاب بھی کی ہے اور ریڈیو میں بھی کام کیا۔ یو ایس میں تو

میری فیملی بھی ہے اور وہاں بھی میں نے ریڈیو پہ کام کیا اور 1998ء سے میں ریڈیو سے وابستہ ہوں اور میں نے اپنی ساری لائف اسی فیلڈ میں گزار دی ہے۔ اور بہت انجوائے کیا اور اس کے علاوہ اگر مجھے کوئی جاب ملی بھی تو نہیں کی' کیونکہ پڑھائی متاثر ہوتی ہے۔ اسٹوڈنٹ لائف میں پارٹ ٹائم کام ہی سوٹ کرتا ہے کیونکہ پیسوں کی ضرورت تو انسان کو ہمیشہ ہی رہتی ہے اور پھر جو دیگر جابز میں نے کی صرف اس لیے کہ اپنے آپ کو مالی طور پر تھوڑا اسٹرونگ کر سکوں اور ریڈیو پہ اپنے آپ کو سیٹ کرنے کے لیے' بہت سارے ایسے کام کیے جو کہ بہت مشکل تھے۔ اس فیلڈ کو Continue کرنا میرے لیے بہت مشکل تھا بہت سے جنوں پر کیونکہ جب آپ اس فیلڈ میں کام کرنا شروع کرتے ہیں تو آپ کو آپ کی محنت کے حساب سے پیسے نہیں مل رہے ہوتے۔ اتنے بھی نہیں کہ آپ اپنی فیملی کو سپورٹ کر سکیں۔ ابھی بھی ایسا ہوتا ہے کہ ریڈیو پہ بہت سے لوگ آتے ہیں۔ آڈیشن دیتے ہیں۔ جاب کرنا چاہتے ہیں اسے اپنا کیریئر بنانا چاہتے ہیں مگر جہاں پیسوں کی بات آتی ہے وہاں۔۔۔ مگر میں ہوں گی کہ ریڈیو پہ کام کرنا اگر آپ کا جنون ہے تو ابھی پیسہ کوئی معنی نہیں رکھتا۔ اپنے جنون کے ذریعے آپ اس فیلڈ میں آگے بھی بڑھ سکتے ہیں اور مالی طور پر اسٹرونگ بھی ہو سکتے ہیں۔"

★ "ریڈیو کے ساتھ ساتھ ٹی وی بھی کر رہی ہیں آپ' کب سے آئیں ٹی وی فیلڈ میں؟"

※ "مجھے ٹی وی پہ کام کرتے ہوئے دو سال ہوئے ہیں اور جب میں ریڈیو پہ کام کرتی تھی تو مجھے اندازہ تھا کہ میں کہیں بھی جاؤں گی تو مجھے آسانی سے جاب مل جائے گی۔ تو جب میں یو کے میں تھی تو وہاں کے "اے آر وائی" ٹی وی میں کام کیا' یو ایس میں اس لیے نہ کر سکی کہ وہاں کوئی پاکستانی ٹی وی چینل تھا ہی نہیں' وہاں دیسی ٹی وی ہے جو ہماری کمیونٹی کو Belong کرتا ہے اور میں وہاں اردو میں پروگرام کرتی تھی کیونکہ وہ ہی میرے لیے میرے اپنے اہم ہیں۔ اگر آپ مجھے کسی تو رہے کے چینل پہ شو کرنے کے لیے کہیں تو میں شو تو کر لوں گی۔ مگر میری نالج ان کے میوزک کے بارے میں' ان کی زبان کے بارے میں' ان کے کلچر کے بارے میں اتنی نہیں ہو گی جتنی مجھے اپنے میوزک اور ثقافت کے بارے میں ہو گی' میری انگریزی بہت اچھی ہے۔ مگر جتنا میں اپنے ملک اور اپنے ملک کے لوگوں کے بارے میں جانتی ہوں دوسروں کے بارے میں نہیں۔"

★ "پاکستان میں آکر جگہ بنانے میں مشکل ہوئی؟"

※ "پاکستان میں تو آپ کو پتا ہے کہ ہر جگہ پرچی چلتی ہے۔ اتنا آسان نہیں ہوتا کہ آپ آڈیشن دیں اور کامیاب ہو جائیں یا کہیں جاب کر کے اپلائی کریں اور آپ کو جاب مل جائے۔ خیر میں گزشتہ دو سال سے ٹی وی پروگرام کر رہی ہوں میں نے اے آر وائی کے مارننگ شو میں کام کیا' ایکسپریس ٹی وی میں بھی اور اب میں ڈان نیوز کے مارننگ شو میں پروگرام کرتی ہوں۔ میرا شو پیر' بدھ اور جمعہ کے دن ساڑھے دس بجے سے گیارہ بجے تک ہوتا ہے اس میں گپ شپ کے علاوہ کچھ تفریحی آئٹم بھی ہوتے ہیں۔ مثلاً" کسی ایونٹ کی کوریج کرنا آؤٹ ڈور شوٹ میں ڈرامہ موویز کی کوریج' کوئی نئی موی ریلیز ہوئی ہے تو اس کی کوریج وغیرہ کرنا میرا کام ہے۔"

★ "یعنی رپورٹنگ سائیڈ پہ آپ کا رجحان ہے۔ ڈراموں میں کام کرنے کا سوچا؟"

※ "نہیں نہیں۔۔۔ آپ مجھے انٹرٹینمنٹ ہوسٹ کہہ سکتی ہیں اور جہاں تک ڈراموں میں کام کرنے کی بات ہے تو دراصل مسئلہ یہ ہے کہ میں ٹریول بہت کرتی ہوں' میں اس وقت ایف ایم 103 پہ صرف ہوسٹ ہی نہیں ہوں بلکہ میں and creativety Country Head of Programs and Broadcaster ہوں اور 2009ء میں میں اس عہدے پر فائز ہوئی اور تقریباً" چھ سال ہو گئے ہیں مجھے کام کرتے ہوئے اور اسی وجہ سے مجھے بھی کراچی' لاہور' فیصل آباد' ملتان اور اسلام آباد یہ

ہمارے پانچ اسٹیشن ہیں جہاں مجھے ٹریول کرنا پڑتا ہے۔ اور ملک سے باہر بھی میری ٹریولنگ ہوتی ہے اور مجھے بہت شوق ہے۔ گھومنے پھرنے کا، نیچر سے مجھے بہت لگاؤ ہے ارتھ کو دیکھنے کا، نئی نئی جگہوں۔ جانے کا شوق ہے۔ تو کسی ڈرامے میں کام کرنے کے لیے یا وائس اوور کے لیے آپ کو کم سے کم ایک سال پاکستان میں قیام کرنا ضروری ہوتا ہے کیونکہ ڈرامے کافی اقساط پر مبنی ہوتے ہیں۔ تو اس طرح مستقل ایک جگہ پہ قیام مستی کا پروگرام ہوتا ہے۔"

★ "میوزک آپ کی پسند کا ہوتا ہے یا فرمائشی پروگرام چلتا ہے؟"

※ "میں کوئی ریکوسٹ نہیں لیتی۔ کیونکہ مجھے ریکوسٹ لینا بالکل بھی پسند نہیں ہے اور اگر کوئی ریکوسٹ کرے تو میں بہت مائنڈ کرتی ہوں۔ کیونکہ اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ میں جو گانے Play کر رہی ہوں وہ انہیں پسند نہیں آرہے اور بس۔"

کرنا [illegible] ہے۔ ہاں ریڈیو اور ٹی وی کی سگمنٹ کے لیے میں دنیا کے کسی بھی کونے میں ہوتی ہوں تو کر سکتی ہوں اور آپ کو بتاؤں کہ جب میں نے 103 ایف ایم کے لیے شو کرنا شروع کیے 2005ء میں تو یو ایس میں ہی تھی۔ تو دو تین سال تو وہاں سے ہی شوز کرتی تھی۔"

★ "روزانہ کی بنیاد پہ شوز نہیں ہوتے کیا؟ ایف ایم 103 پہ؟"

※ "میں روزانہ شو کرتی ہوں اور 1998ء سے باقاعدہ کر رہی ہوں۔ اور آج کل بھی رات کو 10 سے بارہ بجے تک میرا شو ہوتا ہے پیر سے جمعرات تک اور پروگرام کا نام "لینا شاہ لائیو" ہوتا ہے۔ میوزک اینڈ

★ "اتنی لیٹ نائیٹ پروگرام کیوں کرتی ہیں۔ کیا سارا دن مصروف رہتی ہیں؟ اپنے پروگرام خود سنتی ہیں؟"

※ "ارے نہیں میں نے اپنی لائف میں مارننگ شوز، لیٹ مارننگ، آفٹرنون، پرائم ٹائم شوز رات کو دو سے چار والے اور اب میں دس سے بارہ والے شوز بھی کیے ہیں۔ اور پہلے میں اپنے پروگرام بہت شوق سے سنا کرتی تھی۔ کیونکہ میری نظر میں انسان اپنا Critic خود ہوتا ہے۔ جو غلطی میں پکڑ سکتی ہوں وہ کوئی بھی نہیں پکڑ سکتا اور اب بھی کبھی کبھی ٹائم نکال کے میں اپنے شوز سنتی ہوں۔ کیونکہ میرا شیڈول بہت ٹائیٹ ہوتا ہے۔ کیونکہ میرا اسٹوڈیو بھی ہے۔ میں بزنس

وومن بھی ہوں۔ میں فوٹو گرافی بھی کرتی ہوں۔ پینٹنگ بھی کرتی ہوں اور میں گاتی بھی ہوں اور میرا پہلا گانا 2013ء میں ریلیز ہوا تھا اور پہلا گانا بالی ووڈ موی کے لیے گایا تھا پھر گزشتہ سال دوسرا گانا گایا اور اب میں اپنے تیسرے گانے پہ کام کر رہی ہوں۔ پہلا گانا Mashup تھا۔ دوسرا "میں نہیں مانتا" اور تیسرا "جو آنے والا ہے وہ "اجنبی محرم" اور میں نے کہیں سے نہیں سیکھا۔ بس مجھے گانے کا شوق ہے تو اچھا گا لیتی ہوں۔ میں بہت اچھی شاعرہ بھی ہوں اور میں نے بہت اچھی نظمیں غزلیں لکھی ہیں۔ انہیں ریکارڈ کر کے اپ لوڈ بھی کرتی ہوں اور اپنے شوز میں بھی لگاتی ہوں۔ گزشتہ سال کا گانا "میں تمہیں مانتا" کی شاعری میری اپنی تھی اور اب "اجنبی محرم" جو آنے والا ہے اس کی شاعری بھی میری ہے۔"

★ "اچھا گڈ۔۔۔ تو گاڈ گفٹڈ ہیں یا گھر میں کوئی اور بھی ہے؟"

※ "میری امی بھی ریڈیو براڈ کاسٹر رہ چکی ہیں ان کا نام "نیر سرینا" ہے میرا بھائی شہزاد شاہ بھی ریڈیو کرتے ہیں۔ ہم دونوں نے ایک ساتھ ہی ریڈیو شروع کیا تھا 1998ء میں۔۔۔ لندن جب گئے تو وہاں بھی ایک ساتھ ریڈیو کیا۔۔۔"

★ "کمرشلز کے لیے جنگلز بھی گائے ہیں آپ نے؟"

※ "جی بالکل۔۔۔ جنگلز بھی گائے ہیں وائس اوور بھی کی ہے کمرشلز کے تو ہر کام کیا ہے۔ ماشاء اللہ سے۔"

★ "پیسہ ہے اس فیلڈ میں؟ اور آپ اپنی مرضی کا پیسہ لیتی ہیں یا دوسروں کی مرضی کا؟"

※ "آپ کو بتاؤں کہ آپ پیسہ کما سکتے ہیں مگر پیسہ نکلوانا بہت مشکل کام ہے اس ملک میں۔ کوئی اپنی کمٹمنٹ کا اور زبان کا پکا نہیں ہے اور میں کبھی اگر اپ سیٹ ہوتی ہوں تو اس بات پہ ہوتی ہوں کہ سب سے اہم چیز کمٹمنٹ ہے میں نے اگر کوئی کمٹمنٹ کیا ہے تو اسے ہر صورت میں پورا کروں گی۔ اس لیے میں بھی یہ Expect کرتی ہوں کہ دوسرا بھی اپنی کمٹمنٹ کو پورا کرے مگر ایسا نہیں ہے۔ ہمیں پے منٹ کے لیے بہت رلایا جاتا ہے اور یہ اب روٹین بن گئی ہے اب لوگ اس کے عادی ہو گئے ہیں اور مائنڈ بھی نہیں کرتے مگر مجھے بہت مائنڈ ہوتا ہے۔"

★ "باتیں بہت ہو گئیں کچھ اپنے بارے میں بتائیں؟"

※ "میں جون 27th کو پیدا ہوئی۔ میرا ستارہ کینسر ہے اور میں نے جتنے بھی ستارہ شناس سے بات کی ہے انہوں نے مجھے بتایا کہ آپ آدھی کینسرین ہیں اور آدھی جیمنائی ہیں اور اتنے سالوں میں اپنے آپ کو سمجھنے اور انڈر اسٹینڈ کرنے کے بعد میں یہ محسوس ہوتا ہے کہ پرسنل لائف میں فیملی کے ساتھ دوستوں کے ساتھ میں کینسرین ہوں اور پروفیشنل لائف میں میں جیمنائی ہوں اور میں ان باتوں کو بہت مانتی ہوں کہ یہ بھی سائنس ہے۔۔۔ اور میرا ایک ہی بھائی ہے۔"

★ "اور شادی؟"

※ "آپ میری خوشیوں کی دشمن کیوں ہو رہی ہیں۔ کیا میں آپ کو intellectual باتیں کرتی ہوئی اچھی نہیں لگ رہی۔"

★ "اسکرپٹ لکھتی ہیں؟"

※ "اسکرپٹ نہیں لکھتی۔۔۔ اور اگر آپ مجھے ریڈیو پہ سنیں یا فون پر بات کریں میں ایک جیسی ہوں۔ میں ریڈیو پہ بھی ایسے ہی بولتی ہوں جیسے میں ابھی آپ سے بول رہی ہوں۔ اگر میں اسکرپٹ کو فالو کروں تو سمجھیے کہ میں دل سے نہیں بول رہی میں پوائنٹ بھی نہیں لکھتی۔"

★ "فیلڈ میں اور خاص طور پر ریڈیو آنے کا خیال کیسے آیا؟"

※ "جب میں پاکستان واپس آئی تو میری ماں نے کہا کہ ایف ایم 101 پہ آڈیشن ہو رہے ہیں۔ اس وقت ایف ایم 101 لانچ نہیں ہوا تھا۔۔۔ یہ یکم اکتوبر 1998ء کو لانچ ہوا تھا اور میں نے آڈیشن ستمبر میں۔۔۔

میں اور میرا بھائی گئے' ہم نے آڈیشن دے دیا اور ہم سلیکٹ ہو گئے اور صبح پہلا شو جو کہ 7 بجے ہوا تھا وہ میرا شو تھا۔ تب سے اب تک کر رہی ہوں اور کوئی دن ایسا نہیں ہوتا کہ میں نے ریڈیو پہ شو نہ کیا ہو۔ ریڈیو نے بہت کچھ مجھے دیا اس فیلڈ میں میں نے بہت کچھ سیکھا ہے۔"

★ "کس دن پروگرام بہترین ہوتا ہے؟"

☼ "جس دن گھر سے کوئی موڈ خراب کر کے نکلوں یا راستے میں ٹریفک میں پھنس جاؤں اس دن میرا شو بہت اچھا گزرتا ہے کیونکہ میں بولتی بہت زیادہ ہوں مجھے بولنے کا بہت شوق ہے۔ اور میں بہت ایکسپریسو ہوں اور ہر چیز کے بارے میں بات کرتی ہوں۔"

★ "کوئی ایسا پروگرام جس کو کر کے اپ سیٹ ہو گئی ہوں؟"

☼ "مجھے یاد ہے کہ جب 2008ء میں زلزلہ آیا تھا اس وقت میں یو ایس اے میں 103 کے لیے پروگرام کرتی تھی تو زلزلے کے بعد جو شوز میں نے کیے تھے وہ کرنا میرے لیے بہت مشکل تھے میں پاکستان سے دور تھی اور میرے لیے بہت ضروری تھا کہ میں کسی بھی طریقے سے وہاں کے لوگوں کے لیے بات کروں اور میں نے کی 'بہت دکھ اور تکلیف کے ساتھ۔ اور دوسرا شو جو اپ سیٹ ہو کر کیا وہ "سانحہ پشاور" تھا اس ٹائم بھی میں یو ایس میں تھی اور مجھے کچھ نہیں پتا تھا کہ پاکستان میں کیا ہوا ہے تو وہاں کے ٹائم کے مطابق میرا شو صبح 9 سے گیارہ بجے ہوتا تھا اس وقت پاکستان میں رات کے 10 بجے ہوتے تھے۔ تو جب وہاں (یو ایس اے) کے سات ساڑھے سات بجے میں اٹھی اور سوچا کہ پروگرام سے پہلے کچھ ریسرچ کرلوں کہ پاکستان کی کیا خبریں ہیں تو جب فیس بک پہ' ٹوئیٹر پہ یہ سب کچھ دیکھا تو میں اتنی جذباتی ہو گئی تھی کہ بیان سے باہر ہے اور وہ شو میرے لیے کرنا بہت مشکل ہو گیا تھا اور میں نے ایک ہی گھنٹے کا پروگرام کیا اور یہ کہہ کر پروگرام ختم کر دیا کہ اتنے بڑے سانحے پر الفاظ اور میرے جذبات میرا ساتھ نہیں دے رہے۔

★ "ایک وقت تھا جب مصروف لوگوں سے آٹو گراف کی فرمائش کی جاتی تھی اور اب شاید Selfie کی کی جاتی ہو گی' ایسا ہے؟"

☼ "بالکل ہے اور میں ضرور Selfi بنواتی ہوں۔ مجھے اچھی لگتی ہے اپنی پہچان اور عزت دیکھ کر اور میں بالکل بھی Irritate نہیں ہوتی۔"

★ "تیچر میں غصہ ہے؟"

☼ "جی جی بالکل ہے پہلے بہت زیادہ تھا لیکن جب میں لندن میں پڑھ رہی تھی تو میرا غصہ ختم ہو گیا کیونکہ وہاں کوئی تھا ہی نہیں کہ جس پہ میں غصہ نکالتی۔ غصے کے معاملے میں میں ایک آتش فشاں ہوں۔ جس کو پھٹنے میں کئی سو سال لگ جاتے ہیں۔ اور جب پھٹتا ہے تو بہت خطرناک پھٹتا ہے۔ میں اگنور کرتی رہتی ہوں دوسروں کی غلطیوں کو' ان کے جھوٹ کو' ان کی غلط باتوں کو' لیکن جہاں مجھے پتا چلتا ہے کہ سامنے والا مسلسل جھوٹ بول رہا ہے اور وہ یہ سمجھ رہا ہے کہ میں اسے "ماموں" بنا رہا ہوں تو میں پھر یہ ضرور کہتی ہوں اب میں تمہاری غلط فہمی دور کرتی ہوں تو بس پھر مجھے غصہ آجاتا ہے۔"

★ "گھرداری سے لگاؤ ہے۔ جیسے کوکنگ وغیرہ؟"

☼ "نہیں بالکل بھی نہیں میں ہر چیز جلا دیتی ہوں۔ کوئی ایسا کھانا نہیں کہ جس کو میں نے جلایا نہ ہو۔ سوائے سلاد کے کہ اسے پکانا نہیں پڑتا۔ کھانا پکانے سے دلچسپی اس لیے بھی نہیں ہے کہ ناخن خراب ہو جاتے ہیں۔ Skin خراب ہو جاتی ہے۔ کھانا پکانا بہت ہی خطرناک کام ہے۔ میں جس فیلڈ سے ہوں اس میں مجھے اچھا دکھائی دینا بہت ضروری ہے میرے لیے ہر طرح سے فریش رہنا بہت ضروری ہے۔"

اور اس کے ساتھ ہی لینا شاہ سے اجازت لی' اس شکریے کے ساتھ کہ انہوں نے ہمیں ٹائم دیا۔

☼ ☼

روبینہ لیاقت

ادارہ

☆ "آپ کا پورا نام۔۔۔ گھر والے پیار سے کیا پکارتے ہیں؟"

○ "پھوپھو نے "روبینہ" رکھا کہا جانے لگا "بینا" پیار سے کون کیا پکارتا ہے یہ مت پوچھیے۔۔۔"

☆ "کبھی آئینہ نے آپ سے یا آپ نے آئینہ سے کچھ کہا؟"

○ "میں آئینہ کم دیکھتی ہوں جب بھی دیکھتی ہوں تو آئینہ کی "شکایات" شروع ہو جاتی ہیں کبھی کہتا ہے دیکھو تو سہی کتنی موٹی ہو گئی ہو۔۔۔ اپنی آنکھیں دیکھی ہیں کتنی کالی ہو گئی ہیں اپنے حلقے کم کرو۔ جب ہم خفگی سے دیکھتے ہیں تو شرارتی انداز میں کہتا ہے۔ "بہت بولتی ہو تم۔"

☆ "اپنی زندگی کے دشوار لمحے بیان کریں؟"

○ "ابو کی وفات کے بعد سگے رشتوں کا منہ موڑنا ۔۔۔ امی کی بیماری کا وہ ایک کٹھن سال جب ایک ماہ تک امی کو ہوش نہیں تھا اور ہم بہن بھائیوں کا برا حال ایک کڑے وقت سے گزرے ہم۔۔۔ اور پھر شکر ہے اللہ کا کہ وہ صحت یاب ہوئیں اللہ ان کا سایہ ہمارے سروں پر سلامت رکھے۔۔۔ (آمین)"

☆ "آپ کے لیے محبت کیا ہے؟"

○ "میرے لیے محبت عزت ہے۔ محبت عزت کے بغیر بے معنی۔"

☆ "مستقبل قریب کا کوئی منصوبہ جس پر عمل کرنا ہے؟"

○ "منصوبہ نہیں ارادہ ہے اپنی تعلیم مکمل کرنا اور ایک اور کام کرنے کا ارادہ ہے باحال کوشش جاری ہے۔ ہو جانے پر بتاؤں گی (ان شاء اللہ)"

☆ "آپ اپنے گزرے کل، آج اور آنے والے کل کو ایک لفظ میں کیسے واضح کریں گی؟"

○ "اللہ پر پختہ یقین، شکر اور اللہ سے اچھے کی امید۔"

☆ "آپ اپنے آپ کو بیان کریں؟"

○ "صاف گو (دوسروں کی نظروں میں منہ پھٹ) منافقت مجھے پسند نہیں جذباتی تھی اور اب اپنی جذباتیت پر قابو پایا (شکر ہے) بقول سائرہ (کولیگ) منہ پھٹ ہو پر دل کی اچھی ہو۔ (اہم) باتونی، خوش اخلاق، صفائی پسند (بقول حنا بہن) سلیقہ مند اور دل کی نہیں دماغ کی سننے والی۔"

☆ "کوئی ایسا ڈر جس نے آج بھی اپنے پنجے آپ میں گاڑے ہوئے ہیں؟"

○ "ہاں بہت سے ہیں کہ اب کیا ہو گا یا اب کیا ہونے والا ہے کیونکہ بچپن سے اب تک ہمارا ہر لمحہ بہت کٹھن گزرا ہے۔ جس کا اثر ہماری زندگی پر ہوا ہے ناقابل بیان ہیں وہ لمحات بس اللہ سے دعا ہے کہ اب جو ہوا اچھا ہو۔"

☆ "آپ کی کمزوری۔۔۔ آپ کی طاقت کیا ہے؟"

○ "مزمل (میرا بھائی) میری کمزوری میری بہن میری طاقت، خوش مزاجی، صاف گوئی اور اللہ پر پختہ یقین۔"

☆ "آپ کے نزدیک دولت؟"

○ "دولت کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا اتنا ہو گزر بسر آسانی سے ہو سکے۔ زیادہ کی خواہش نہیں مجھے۔"

☆ "آپ خوش گوار لمحات کس طرح گزارتی ہیں؟"

○ "اچھل کود کر (ہنسے مت) ہنس کر بچوں سے شرارتیں کر کے (میرے نہیں بھابھی کے) نوافل ادا کرتی ہوں۔"

☆ "گھر آپ کی نظر میں؟"

○ "محفوظ پناہ گاہ۔"

☆ "کیا آپ بھول جاتی ہیں اور معاف کر دیتی ہیں؟"

○ "بھول جاتی ہوں معاف نہیں کرتی شاید اور یہ بھی منحصر ہے کہ سامنے والے سے آپ کا رشتہ کیا ہے تو ظاہر ہے معاف کر دیتی ہوں ایک دفعہ جو

دل سے اتر جائے مشکل ہے اسے اس مقام تک لانا مجبور ہوں نہیں کر سکتی ایسا۔"

☆ "کامیابی کیا ہے آپ کی نظر میں؟"

○ "آگے بڑھنے کا راستہ۔"

☆ "سائنسی ترقی نے ہمیں مشینوں کا محتاج کر کے کاہل کر دیا ہے یا واقعی یہ ترقی ہے؟"

○ "یہ ترقی بھی ہے اب اور کچھ معاملوں میں انسان کاہل ہو گیا ہے "تبدیلی" فطرت انسانی ہے۔"

☆ "کوئی عجیب خواہش یا خواب؟"

○ "ہیں بہت سی (چھوڑیئے)"

☆ "برکھا رت کو کیسے انجوائے کرتی ہیں؟"

○ "ہلکی ہلکی بوندا باندی میں ایک کافی یا چائے کا کپ اور دعا کرتی ہوں کہ اللہ تعالیٰ بارش کی ہر "بوند" ہمارے لیے باعث رحمت ہو (آمین)"

☆ "آپ جو ہیں وہ نہ ہوتیں تو کیا ہوتیں؟"

○ "اب میں کچھ بھی نہیں۔ ہوتی تو "لیکچرار" ہوتی۔"

☆ "آپ بہت اچھا محسوس کرتی ہیں جب؟"

○ "کسی کے کام آکر اور میری وجہ سے کسی کا کوئی مسئلہ حل ہو۔ گھر کی مکمل صفائی کر کے اور مریض کے چہرے کی اداسی دور کر کے۔"

☆ "آپ کو کیا چیز متاثر کرتی ہیں؟"

○ "خوب صورت مسکراہٹ، پر خلوص لوگ، خوب صورت ہاتھ پاؤں، ہوا کی شرارتیں، گاؤں کا ماحول، مرد کی جھکی نظریں اور عورت "ذات" کی عزت کرنے والے مرد۔"

☆ "آپ کا غرور؟"

○ "کچھ نہیں کوئی نہیں ہے۔"

☆ "کوئی ایسی شکست جو آج بھی اداس کر دیتی ہے؟"

○ "میرا اعلا تعلیم کا خواب یہ ایسی شکست ہے جو مجھے اداس کر دیتی ہے۔"

☆ "کیا آپ نے پالیا جو آپ زندگی میں پانا چاہتی تھیں؟"

○ "نہیں ابھی بہت کچھ پانا ہے (ان شاء اللہ)"

☆ "اپنی ایک خامی یا خوبی جو آپ کو مطمئن یا مایوس کرتی ہے؟"

○ "میری خوبی جو مجھے مطمئن کرتی ہے وہ میری خوش مزاجی اور کبھی کبھی میری "صاف گوئی" مجھے مایوس بھی کرتی ہے۔"

☆ "مطالعہ آپ کی نظر میں؟"

○ "بہترین دوست تنہائی کا بہترین ساتھی۔"

☆ "کوئی ایسا واقعہ جو آپ کو شرمندہ کر دیتا ہے؟"

○ "اپنی ہی "ناوانی" پر شرمندہ ہو جاتی ہوں۔"

☆ "کوئی شخصیت یا کسی کی حاصل کی ہوئی کامیابی جس نے آپ کو حسد میں مبتلا کیا ہو؟"

○ "نہیں ہوا (شکر ہے اللہ کا) دعا ہے اللہ سے کہ ہم اس بیماری سے دور رہے (آمین)"

☆ "آپ کے نزدیک زندگی کی فلاسفی؟ کیا ہے؟ جو آپ اپنے علم، تجربہ، مہارت میں استعمال کرتی ہیں؟"

○ "غم و خوشی کا مجموعہ۔

خواب خواہش واہمہ ہے زندگی
ایک بھیانک حادثہ ہے زندگی
آج تک یہ مسئلہ سلجھا نہیں
میں خفا ہوں کہ خفا ہے زندگی

☆ "آپ کی پسندیدہ شخصیت؟"

○ "حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم، مولانا طارق جمیل اور میرے تایا ابو۔"

☆ "متاثر کن کتاب، مصنف، مووی؟"

○ "قرآن مجید "عمیرا احمد" مووی کوئی نہیں۔"

☆ "پچھلے سال کی کوئی کامیابی جس نے آپ کو مطمئن کیا ہو؟"

○ "کوئی خاص نہیں۔"

☆ "کامیابی کیا ہے آپ کے لیے؟"

○ "آگے بڑھنے کا راستہ۔"

☆ "ہمارا پورا پاکستان خوب صورت ہے آپ کا خاص پسندیدہ مقام؟"

○ "پورا پاکستان دیکھنے کا ابھی اتفاق نہیں ہوا سوائے چند شہر ملتان، لاہور، کراچی ملتان کی باسی ہوں اور کراچی ننھیال ہے۔

☆ ☆

حسن و صحت

ادارہ

گھر بیٹھے مینی کیورنگ کیجیے

مینی کیور سیٹ

عام طور پر مینی کیور سیٹ میں مندرجہ ذیل اشیا ہوتی ہیں جن کی تفصیل نیچے دے رہے ہیں ان کے ناموں کے ساتھ۔

اورنج وڈ اسٹک

یہ ایک اورنج رنگ کی لکڑی ہوتی ہے۔ یہ بہت سے کام کرتی ہے' بلکہ یہ مینی کیورنگ کے لیے ہی اکیلی کافی ہو سکتی ہے' ناخن کے اوپر جہاں کھال ہوتی ہے۔ اس جگہ اس لکڑی کی نوک پر روئی لپیٹ کر کھال پر کیوٹیکل آئل لگایا جاتا ہے' تاکہ کھال نرم ہو اس اسٹک کے پچھلی طرف سے جو چپٹی ہوتی ہے کیوٹیکل نرمی سے پیچھے دھکیلا جاسکتا ہے اس کو Push کرنا کہتے ہیں۔ اس طرح اس لکڑی سے آپ "کیوٹیکل پشر" کا کام بھی لے سکتی ہیں۔ اس لکڑی کی نوک سے ناخنوں کے نیچے کا میل صاف کیا جاتا ہے' اس طرح اس سے "نیل کلینزر" کا بھی کام لے سکتے ہیں۔

کیوٹیکل پشر

کیوٹیکل کو پیچھے پش کرنے کے لیے یہ باقاعدہ Tool ہے۔ اکثر بیوٹی پارلرز میں یہ اسٹیل کا ہوتا ہے اور کہیں ربڑ کا ہوتا' یعنی پلاسٹک کے دستے میں ربڑ کا چپٹا حصہ لگا ہوتا ہے۔ کیوٹیکل کو پیچھے پش کرنے کے نتیجے میں ناخن بڑا ہو جاتا ہے۔

کیوٹیکل ریمور

یہ دو قسم کے ہوتے ہیں ' ایک نوک دار ہوتا ہے ' تاکہ ناخن کی سائیڈوں سے کیوٹیکل کو دور کیا جاسکے ' دوسرا ذرا چپٹا اور نوک دار ہوتا ہے ' تاکہ ناخن کے نیچے اور اطراف سے مردہ کھال کو کیوٹیکل اور میل صاف کیا جاسکے ' ان کو کیوٹیکل نپر (Nipper) بھی کہا جاتا ہے۔

نیل فائلر

فائلر دراصل انگریزی نام ہے اسے اردو میں ریتی کہتے ہیں۔ یہ ناخنوں کو گھسنے کے کام آتی ہے ' اس سے آہستہ آہستہ ناخنوں کو سائیڈ یعنی کونوں کی طرف سے آگے کی طرف گھسا جاتا ہے ' خیال رہے ہمیشہ ناخن اسی طرح فائل ہوتے ہیں۔ فائلر ہمیشہ ناخن کے کونے سے آگے کی طرف چلایا جاتا ہے ' اس سے ناخن بڑی تیزی سے بڑھتے ہیں اور ٹوٹتے بھی نہیں ہیں۔ اگر آپ نے ناخن کے آگے سے پیچھے کی طرف فائلر چلایا تو ناخن ٹوٹنے کا خطرہ ہوگا۔

ایمری بورڈ

ایمری کا بنا ہوا ایک سیدھا سادھا سا ٹکڑا ہوتا ہے ' یہ ناخنوں کا فائلر سے گھسنے کے بعد ان کے کناروں یعنی دھاروں کو مزید فائن اور چکنا کرنے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ اس سے ناخن گھسنے کا طریقہ بھی وہی ہے جو فائلر کا ہے۔

نیل کٹر

اس سیٹ میں ایک نیل کٹر بھی ہوتا ہے۔ جس سے ناخن تو خیر صرف پیر کے ہی کاٹتے ہیں۔ البتہ انگلیوں کے پوروں میں نکلنے والی چٹوں کو اس سے ضرور کاٹا جاتا ہے ' ویسے اگر باقاعدہ ناخنوں کی نگہداشت اور مینی کیورنگ کریں گی تو یہ چٹیں نکلنا بند ہو جائیں گی۔ ناخن کے قریب نکلنے والی چٹوں کو کبھی اکھیڑتے نہیں ہیں ' ان کو صرف نیل کٹر سے کاٹا جاتا ہے ' ورنہ زخم ہونے کا خطرہ ہوتا ہے۔

نیل برش

جب آپ اپنے ناخنوں اور انگلیوں کو شیمپو کے پیالے میں ڈبو چکیں تو پھر اس برش سے ناخنوں کا میل صاف کیا جاتا ہے۔ اس کے لیے کوئی بھی پرانا ٹوتھ برش لے سکتے ہیں۔ ناخنوں سے میل صاف کرنے کے لیے یہ برش بہت بہتر رہتے ہیں۔

ہینڈ میک اپ ٹرے / بیس کوٹ

یہ نیل پالش کی چمک اور پائیداری کے لیے ہوتا ہے اور اس کو نیل پالش لگانے سے پہلے لگاتے ہیں۔

ٹاپ کوٹ یا سیلر

اس سے ناخن سخت ہوتے ہیں اور اس کو ناخن پالش لگانے کے بعد لگاتے ہیں ' تاکہ پالش چھوٹے نہیں اور ان پر چمک آجائے۔

کیوٹیکل کریم

یہ کریمی کیوٹیکل ریمور کے نام سے بھی دستیاب ہے ' اس کے اندر نیل پالش کی طرح کا برش ہوتا ہے جس سے یہ کریم ناخنوں کے اوپر کیوٹیکل پر لگاتے ہیں۔ اگر یہ دستیاب نہ ہو تو آپ اس کام کے لیے وائٹ پیٹرولیم جیلی یا کولڈ کریم بھی استعمال کر سکتی ہیں۔

کیوٹیکل آئل

یہ بھی کیوٹیکل کو نرم کرنے کے لیے استعمال ہوتا ہے آپ اس کی جگہ بے بی آئل بھی استعمال کر سکتی ہیں۔

شیمپو

ایک بڑے سے پیالے میں نیم گرم پانی بھر کر اس میں ذرا سا شیمپو ملا دیا جاتا ہے ' تاکہ اس میں جھاگ پیدا ہو جائے ' اس کے بعد اس میں تین ' چار قطرے ڈیٹول کے بھی ڈال دیں ' انگلیوں اور ناخنوں کو شیمپو کے پانی میں تقریباً ' پانچ منٹ ڈبونا ضروری ہے۔

نیل پالش ریمور

پرانی نیل پالش چھڑانے کے لیے اس کا ہونا نہایت ہی ضروری ہے۔

ہینڈ لوشن

یہ مینی کیورنگ کرنے کے بعد ہاتھوں کی کھال کو ملائم کرنے کے لیے لگاتے ہیں' یہ بازار میں ہینڈ باڈی لوشن کے نام سے ملتا ہے' اس کو ویسے بھی ہاتھوں میں لگاتے رہنا چاہیے' اس سے ہاتھوں کی کھال ملائم اور چمکدار رہتی ہے۔

اب مینی کیورنگ شروع کرتے ہیں!

اسٹیپ 1

سب سے پہلے پرانی نیل پالش کو صاف کریں' اس کے لیے پہلے روئی پر نیل پالش ریمور لگائیں پھر روئی کو سب سے پہلے چھوٹی انگلی پر رکھیں' کچھ دیر روئی کو انگلی پر رہنے دیں۔ اس سے پرانی نیل پالش نرم پڑ جائے گی اور اچھی طرح سے اتر بھی جائے گی' اسی طرح سے سارے ناخن صاف کرلیں۔

اسٹیپ 2

نیل فائلر سے ناخنوں کو صحیح شیپ و شکل میں لائیں۔ فائل کرتے وقت فائلر کا رخ ناخن کے کونے سے درمیان کی جانب ہونا چاہیے' اس سے ناخن بڑی تیزی سے بڑھتے ہیں۔ ناخنوں کو فائلر سے گھسنے کے بعد ایمری بورڈ سے گھسیں' تاکہ ناخن چکنے اور چمکدار ہوجائیں۔ یاد رکھیے ناخنوں کو چار مختلف شیپ دیے جاتے ہیں' گول' انڈے نما' چوکور' نوکدار۔

اسٹیپ 3

اورنج اسٹک کی نوک سے تمام ناخنوں کے کیوٹیکل پر کیوٹیکل کریم یا وائٹ پیٹرولیم جیلی لگائیں' تاکہ کیوٹیکل نرم ہوجائیں۔ کریمی کیوٹیکل ریمور کے لیے ایک چھوٹا سا برش آتا ہے۔

اسٹیپ 4

اب پیالے میں تھوڑا سا پانی لیں' اس میں تین چار قطرے ڈیٹول کے ڈالیں۔ پھر تھوڑا سا شیمپو ڈالیں' اب اس نیم گرم پانی میں پانچ منٹ تک انگلیوں کو بھیگے رہنے دیں۔ پھر ہاتھ باہر نکال کر صاف تولیے سے آہستہ آہستہ ہاتھ تھپتھپائیں' تاکہ ہاتھ خشک ہوجائیں۔

اسٹیپ 5

اب نیل برش سے ناخنوں کا میل صاف کریں اور دوبارہ انگلیوں کو شیمپو میں ڈبوئیں' تاکہ ناخن بالکل صاف ہوجائیں۔

اسٹیپ 6

اب نیل برش سے ناخنوں کے اوپر کی کھال کو جس کو کیوٹیکل کہتے ہیں پیچھے کی طرف دھکیلیں یعنی Push کریں۔ اس کام کے لیے اورنج ووڈ اسٹک کی چپٹی سمت یا نوکدار سمت کوئی سی بھی استعمال کرسکتے ہیں' لیکن اس پر روئی لپیٹ لیں' یہ کام "کیوٹیکل پشر" سے بھی بہتر طور پر لیا جاسکتا ہے۔

اسٹیپ 7

اب پھر سے ہاتھوں کو آخری بار شیمپو میں دھویئے اور سادہ نیم گرم پانی سے بھی دھولیجیے' تاکہ شیمپو کے اثرات ہاتھوں پر سے ختم ہوجائیں۔

اسٹیپ 8

اب ہاتھوں پر ہینڈ باڈی لوشن یا کوئی کولڈ کریم لگا کر ہلکا سا مساج کریں۔ یہ مساج زیادہ تر انگلیوں پر ہی کیا جاتا ہے اور اس طرح کیا جاتا ہے کہ آپ انگلیوں پر سے کوئی تنگ انگوٹھی اتار رہی ہیں۔

لیجیے "مینی کیورنگ" کا عمل مکمل ہوگیا۔

☼ ☼

نفیسہ سعید

ملک صاحب اپنے گھر والوں کو بے خبر رکھ کر اپنے کم سن بیٹے ایشال کا نکاح کر دیتے ہیں جبکہ ایشال اپنی کزن عریشہ میں دلچسپی رکھتا ہے اور سن بلوغت تک پہنچتے ہی وہ اس نکاح کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیتا ہے' ملک صاحب ہار مانتے ہوئے اس کی دوسری شادی عریشہ سے کر دیتے ہیں۔ جس کی شرط صرف اتنی ہے کہ وہ اپنی پہلی منکوحہ کو طلاق نہیں دے گا۔

حبیبہ تعلیم حاصل کرنے کراچی آئی ہے جہاں وہ شاہ زین کے والد کے آفس میں جاب کرنے لگتی ہے۔ جس دوران شاہ زین حبیبہ میں دلچسپی لینے لگتا ہے' مگر حبیبہ کا رد عمل اس معاملے میں خاصا عجیب و غریب ہے وہ شاہ زین کو اپنا دوست تو مانتی ہے' مگر اس کی محبت کا مثبت جواب نہیں دے پاتی۔

فرہاد تین بھائی ہیں اس کے دونوں بڑے بھائی معاشی طور پر مستحکم ہونے کے ساتھ ساتھ اپنی بیوی' بچوں کی ضروریات بھی کھلے دل سے پوری کرتے ہیں جبکہ فرہاد اس معاملے میں خاصا کنجوس ہے یہی سبب اس کی بیوی زینب کو فرہاد سے بدظن کرنے کا باعث بن جاتا ہے۔

فضا' زینب کی جٹھانی ہے' جو اس کی خوب صورتی سے حسد کرتی ہے اور اپنی اس حسد کا اظہار وہ اکثر و بیشتر اپنے رویہ سے کرتی رہتی ہے۔ سالار' صباحت کا کزن ہے۔ جو شادی شدہ ہونے کے باوجود زینب کو پسند کرنے لگتا ہے' اسی لیے وہ بہانے بہانے اسے قیمتی تحائف سے بھی نوازتا ہے۔

(اب آگے پڑھیے)

اب کی بار جو اماں کی طبیعت خراب ہوئی تو سنبھلنے میں ہی نہ آئی بخار کی شدت کم ضرور ہوتی مگر ختم نہ ہوتا' کبھی کبھی تو اسے لگتا جیسے ماں کے اندر کوئی ایسا روگ پل رہا ہے جو اسے گھن کی طرح کھائے جا رہا ہے جو بھی تھا اس کے لیے ماں کی زندگی بہت اہمیت رکھتی تھی یہ ہی تو اس کا ایک واحد سہارا تھا جس نے اسے تحفظ کا احساس دے رکھا تھا خدانخواستہ یہ سہارا اس سے چھین جاتا تو وہ کہیں کی نہ رہتی۔

ماں کی لحہ لحہ بڑھتی بیماری اسے تشویش میں مبتلا کر رہی تھی کراچی سے آنے والے فون کے بعد وہ بہت پر امید تھی' اسے محسوس ہونے لگا جیسے اس کی پریشانیوں کے دن ختم ہونے والے ہیں' مگر اس کی یہ امید بھی گزرتے وقت کے ساتھ دم توڑ گئی' اس فون کے بعد دوبارہ نہ تو کوئی فون آیا اور نہ ہی اماں نے خود کسی کو فون کرنے کی ضرورت محسوس کی۔

اکثر اس کا دل چاہتا وہ ماں سے پوچھے کہ وہ کون سے حالات تھے جس کے تحت تنہائی کی زندگی اس کا مقدر بن گئی۔

اسے لگتا ماں اس سے بہت کچھ چھپا رہی ہے وہ جاننا چاہتی تھی کہ اس کا ماضی کیا ہے وقت اور حالات نے اسے بہت سمجھ دار بنا دیا تھا' وہ سمجھ چکی تھی کہ اپنے بارے میں ہر بات جاننا اب اس کے لیے بہت ضروری ہو گیا ہے' اسے انتظار تھا کہ اماں کی طبیعت جیسے ہی کچھ سنبھلے وہ اماں سے پوچھے کہ ٹرنک میں رکھے اس چھوٹے سے باکس میں ایسا کیا ہے جو ماں اسے ہمیشہ تالا لگا کر رکھتی ہے۔ شاید اس باکس میں کوئی ایسا راز تھا جو اماں کے ماضی سے جڑا تھا' اب یہ راز اس کے لیے جاننا اشد ضروری تھا' اماں سے بات کس طرح شروع کی جائے وہ اسی ادھیڑ بن میں مبتلا تھی' جب فاطمہ خالہ اماں کو اسپتال سے دوا دلا کر گھر واپس لائیں۔

"بیٹا اپنی ماں کے لیے کچھ کھانے کو لاؤ پھر میں اسے دوائی پلاؤں۔" اسے ہدایت دے کر وہ واپس اندر کمرے میں چلی گئیں' اس نے اماں کے لیے تیار کیا ہوا دلیہ پیالی میں نکالا اور اندر آ گئی۔

"بیٹا آفتاب کراچی جا رہا ہے میں نے اسے نمبر دے دیا ہے وہ ان شاء اللہ وہاں جا کر انہیں ضرور ڈھونڈ لے گا اور مجھے امید ہے تمہارا حال سن کر وہ ضرور اپنا غصہ بھول کر تم سے ملنے آئیں گے۔"

خالہ نے اماں کا ہاتھ پیار سے تھپتھپایا۔

"ویسے تو آفتاب تمہارے بھائی کے ایک دوست کو بھی جانتا ہے میں نے کہا تھا کہ وہاں جا کر تمہارے بھائی کی معلومات لے اگر کوئی اتا پتا ہے تو اسے بھی ایک خط لکھ دے۔"

"نہیں خالہ میں ان لوگوں کو اپنی بیماری کی اطلاع نہیں دینا چاہتی۔"

اماں نے خالہ کو فوراً" سے بیشتر منع کر دیا۔

"میرے بہن بھائیوں کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں ہے وہ ہمیشہ سے جانتے تھے کہ میں کہاں اور کس حال میں ہوں مگر اللہ بھلا کرے ان لوگوں کا ایسا تعلق ختم کیا کہ کبھی پیچھے مڑ کر نہ دیکھا کہ میں کن حالوں میں زندہ ہوں۔ ان کا مجھ پر یہ بھی احسان بہت ہے جو اس مکان میں کسی نے اپنا حصہ نہ جتایا اگر جو وہ اس کے حصے بخرے کرنے آ جاتے تو شاید میرے سر پر یہ چھت بھی نہ ہوتی۔"

بولتے بولتے اماں کے گلے میں پھندا سا لگ گیا' شاید وہ رو رہی تھیں۔

"مکان کا ایک حصہ کرایہ پر دے کر جانے میری کتنی مشکلیں حل ہوئیں' ان کے اس احسان کو دل سے مانتے ہوئے میں نے ہمیشہ انہیں دعائیں دیں اللہ انہیں ہمیشہ خوش رکھے مگر خالہ میں یہ نہیں چاہتی کہ وہ مجھے آج یہاں آ کر اس حال میں دیکھیں میں اپنا بھرم ختم نہیں کرنا چاہتی میری تو صرف اتنی سی خواہش ہے کہ میری بیٹی اپنوں میں واپس چلی جائے جس کی خاطر میں اتنی کوشش کر رہی ہوں ورنہ کسی سے ملنے کی کوئی خوشی میرے دل میں نہیں

ہے۔"

"اچھا بیٹا تم اب رومت تمہاری طبیعت خراب ہوجائے گی' صبح سے بھوکی ہو یہ دلیہ کھالو اللہ تعالیٰ تمہیں صحت و تندرستی دے تمہارا سایہ اس بچی کے سر پر ہمیشہ سلامت رکھے۔"

خالہ اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے باہر کی طرف چل دیں جب اس نے بھاگ کر انہیں پیچھے سے جالیا۔

"خالہ ایک منٹ مجھے آپ سے کام ہے۔" خالہ دروازہ کھولتے کھولتے رک گئیں۔

"خالہ اماں کو آخر ایسی کون سی بیماری ہے جو ان کی حالت دن بدن خراب ہوتی جارہی ہے' اماں کا بخار ٹھیک کیوں نہیں ہو رہا' انہیں کیا بیماری ہے' آپ مجھے سب کچھ صاف صاف بتا دیں۔" وہ خالہ کا بازو پکڑے کھڑی تھی۔

"کیا بتاؤں بیٹا۔" انہوں نے ایک گہرا سانس خارج کیا۔

"تمہاری ماں کو ٹی بی ہے' جو اس کی ہڈیوں میں پھیل گیا ہے۔"

خالہ کی بات سنتے ہی اس کے پاؤں تلے سے زمین سرک گئی۔

"اس کے پھیپھڑے بھی خراب ہو چکے ہیں سمجھ نہیں آتا وہ ابھی تک زندہ کیسے ہیں۔"

خالہ کی بات ختم ہوتے ہی وہ وہیں فرش پر بیٹھ کر بلک بلک کر رونے لگی' خالہ نے کچھ دیر اسے اسی طرح رونے دیا جانتی تھیں کہ یہ خبر ہی ایسی ہے' جس نے اس معصوم بچی کا دل ہلا دیا ہے۔

"دیکھو بیٹا میں شاید تمہیں' تمہاری ماں کی بیماری کا کبھی نہ بتاتی مگر اب یہ ضروری ہو گیا تھا کہ تمہیں سب کچھ بتا دوں' جانے حالات کیا پلٹا کھائیں' کم از کم تمہیں آنے والے وقت کے لیے خود کو تیار تو رکھنا چاہیے' اب اپنے آپ کو مضبوط کرو یہ وہ وقت ہے جب تمہاری ماں کو تمہاری ضرورت ہے' اس کی خدمت کرو اس پر ظاہر نہ ہونے دو کہ تمہیں کچھ پتا ہے' آفتاب کراچی جا کر تمہارے تایا کو ڈھونڈنے کی کوشش کرے گا ایک دفعہ ان سے رابطہ ہو جائے تو تمہاری ماں کا علاج بھی ہو جائے گا اور تمہیں بھی یقیناً سہارا مل جائے گا سمجھ لو ان کا ملنا تمہاری تمام پریشانیوں کا حل ہے۔"

خالہ نے ہر بات کی مکمل وضاحت کر دی اس کے لیے اس وقت سوائے اپنی ماں کی بیماری کے ہر بات غیر ضروری تھی۔

"اٹھو بیٹا وضو کر کے نماز پڑھو اور اپنی ماں کے حق میں دعا کرو۔"

خالہ نے اسے بازو سے پکڑ کر کھڑا کیا' انہیں اس وقت وہ انتہائی قابل ترس لگی انہوں نے اسے اپنے گلے سے لگا کر خاموش کروایا۔

"فکر نہ کرو اللہ بڑا کارساز ہے کوئی نہ کوئی سبیل ضرور پیدا کرے گا۔"

"ان شاء اللہ' اس نے پورے یقین کے ساتھ آمین کہا اور وضو کرنے چل دی۔

☼ ☼ ☼

"تم نے یاسمین آپا سے کیا کہا ہے۔"

فرہاد گھر میں داخل ہوتے ہی اس کے سامنے آن کھڑا ہوا اس کا لہجہ اس کے غصے کی گواہی دے رہا تھا۔

"کچھ بھی نہیں کیوں کیا ہوا؟" زینب نے کرسی سے اٹھتے ہوئے جواب دیا۔

"جھوٹ مت بولو زینب ان کا مجھے کچھ دیر قبل فون آیا تھا اور جب میں نے پوچھا تو بتایا کہ تم نے بے عزتی کی ہے بلاوجہ کی باتیں سنائیں اور وہ فضہ بھابھی کے گھر واپس چلی گئیں۔"

"اک ذرا سی بات کا انہوں نے اتنا بتنگڑ بنایا کہ آپ کو فون کر کے میری چغلی لگادی 'خوب کیا بات ہے۔"
یاسمین آپا کی اس حرکت نے زینب کو بتا دیا آخر وہ بھی انسان تھی کب تک یہ سب کچھ برداشت کرتی۔
"انہوں نے کوئی چغلی نہیں کی 'انہیں تو مجھ سے کام تھا جس کے لیے فون کیا مجھے ان کی آواز بھاری محسوس ہوئی تو میں نے پوچھ لیا' وہ بے چاری تو کچھ بتا ہی نہ رہی تھیں میرے بار بار اصرار کرنے پر صرف اتنا بتایا کہ تم نے بد تمیزی کی ہے اور ساتھ ہی سختی سے منع بھی کیا کہ گھر جا کر تم سے ایسی کوئی بات نہ کروں جس سے گھر میں لڑائی ہو۔"

"وہ ہر کام کرنے کے بعد اسی طرح سچی ساوتری بننے کی کوشش کرتی ہیں۔"
"یہ تم کس طرح بات کر رہی ہو جانتی ہو یاسمین آپا ہماری بڑی بہن ہیں۔جن کے سامنے کبھی ہم بھائیوں نے بھی اونچی آواز میں بات نہیں کی اور ایک تم ہو جو ان سے بد تمیزی کرنے کے بعد بھی پشیمان نہیں ہو اور ابھی بھی مسلسل ان کے بارے میں غلط سلط باتیں کر رہی ہو۔"
"میں نے کون سی غلط بات کی ہے۔جو سچ ہے۔وہ بتا رہی ہوں' ہماری بھی اپنی بھابھی سے اونچ نیچ ہو ہی جاتی ہے مگر ہم نے تو کبھی اپنے بھائیوں کے پاس بیٹھ کر ایسی باتیں نہیں کیں۔جن سے دونوں میاں بیوی کے دلوں میں فرق آئے۔"
"جو بھی ہے مجھے یہ بالکل اچھا نہیں لگا کہ تمہاری کی ہوئی کسی بات سے آپا کو تکلیف پہنچے انہوں نے تم سے کوئی غلط بات نہیں کی تھی لہٰذا آئندہ خیال رکھنا ایسا دوبارہ نہ ہو۔"
فرہاد کے لہجہ میں چھپی دھمکی صاف محسوس کی جاسکتی تھی۔
"ویسے بھی ضروری نہیں کہ۔جو کچھ تمہارے گھر میں ہوتا ہو وہ روایت ہمارے ہاں بھی پروان چڑھ جائے ہمارا تعلق ایسے گھرانے سے ہے۔جہاں آج بھی اپنے سے بڑوں کی عزت کی جاتی ہے لہٰذا دوبارہ میرے سامنے اپنے گھر کی مثال نہ دینا۔"
"مجھے ضرورت بھی نہیں ہے دوبارہ ان سے کوئی بات کرنے کی۔"
"وہ یہاں آئیں گی تو بات کرو گی مجھے اپنی بہن کا پتا ہے۔جہاں اس کی عزت نہ ہو۔وہاں وہ دوبارہ کبھی پلٹ کر نہیں جاتیں۔"
"خود جب دل چاہے کسی کی بھی بے عزتی کر دیں عزت صرف ان کی ہے باقی سب تو بے عزت ہیں۔" اس کی تیز آواز سے مریم ذرا سا کسمسائی۔
"آہستہ بولو بچے اٹھ جائیں گے تم سے۔جب بھی کوئی بات کرو اسی طرح چیخ چیخ کر جواب دیتی ہو۔"
فرہاد کی آواز حسب دستور خاصی دھیمی تھی' زینب کو مکمل طور پر چپ کرانے کے بعد وہ نہایت مطمئن انداز میں ریموٹ ہاتھ میں لیے چینل سرچ کرنے میں مصروف ہو گیا۔زینب کے نزدیک اب مزید کچھ کہنا سوائے بیوقوفی کے کچھ نہ تھا وہ جگنو کو گود میں لیے خاموشی سے کمرے سے باہر نکل آئی۔

☼ ☼ ☼

"یہ عمو لغاری یہاں کیوں آیا تھا۔"
شاہ زین اس کے سر پر کھڑا جواب طلب کر رہا تھا' حبیبہ نے نظریں اٹھا کر حیرت زدہ انداز میں اسے دیکھا' شاہ زین کے ماتھے پر پڑی تیوریاں اس کی ناگواری کو ظاہر کر رہی تھیں۔
"شاید میں نے پہلے بھی بتایا تھا کہ وہ میرا یونیورسٹی فیلو ہے اور ویسے بھی مجھے کسی سے ملنے کے لیے یقیناً" آپ

کی اجازت کی ضرورت نہیں یہ بات میں پہلے بھی سمجھا چکی ہوں۔"
ٹیبل پر رکھا فولڈر ہاتھ میں لیے وہ اٹھ کھڑی ہوئی ساتھ ہی اس نے چور نظروں سے اپنے چاروں طرف دیکھا کہیں کسی نے شاہ زین کو اس طرح بات کرتے ہوئے دیکھ تو نہیں لیا مگر شاید لنچ ٹائم کے باعث اس وقت وہاں کوئی موجود نہ تھا اس نے دل ہی دل میں اللہ کا شکر ادا کیا۔
"تم نے کہا تھا مجھے یاد ہے مگر جانے کیوں مجھے اچھا نہیں لگتا جب تم اس طرح کسی سے ہنس کر بات کرتی ہو خاص طور پر عمیو لغاری جو مجھے بالکل پسند نہیں۔"
"یہاں ایک لسٹ لگا دیں نا کہ مجھے علم رہے کہ آپ کو کون پسند ہے اور کون ناپسند۔"
وہ اس کے سامنے تن کر کھڑی تھی غصہ اس کے چہرے پر سرخی بن کر چھلک رہا تھا۔
"کوئی بھی ایسا مرد جو تم سے ہنس کر بات کرے مجھے ناپسند ہے۔"
اپنے سینے پر ہاتھ باندھے وہ اس کی آنکھوں میں جھانک رہا تھا۔
"مجھے سمجھ نہیں آتا اگر میں کسی سے بات کروں یا کوئی مجھ سے ہنس کر بات کرے تو اس میں آپ کو کیا پرابلم ہے۔"
حبیبہ حیرت کے عالم میں تھی وہ سمجھ نہ پائی کہ آج شاہ زین کو کیا ہو گیا ہے آج سے پہلے تو اس نے کبھی اس طرح بات نہ کی تھی شاہ زین کا عجیب و غریب رویہ حبیبہ کے لیے حیران کن تھا۔
"پتا نہیں حبیبہ تم سمجھ کیوں نہیں رہیں کہ میں کیا کہنا چاہتا ہوں یا شاید میں تمہیں سمجھا نہیں پا رہا۔"
اک بے بسی سی اس کے لہجے میں در آئی۔
"فی الحال تو میرے سامنے سے ہٹیں مجھے یہ فائل سر کو دے کر آنی ہے۔"
شاہ زین کی نظروں میں ضرور ایسا کچھ تھا۔ حبیبہ تھوڑا سا گھبرا گئی اب شاہ زین مزید کچھ کہے بنا سامنے سے ہٹ گیا۔ حبیبہ اس کے نہایت قریب سے گزرتی ہوئی باہر نکل گئی۔
"یہ آج شاہ زین کو کیا ہوا تھا؟"
شاہ زین کا بدلہ رویہ اسے سارا دن پریشان کرتا رہا شاید پہلی بار ایسا ہوا تھا کہ اس نے شاہ زین کی اس گفتگو کا ذکر کرن سے بھی نہ کیا' جانے اس کی نظروں میں ایسا کیا تھا کہ اس رات ایک پل حبیبہ کی آنکھ نہ لگی وہ جب بھی سونے کی کوشش کرتی شاہ زین اپنے پورے استحقاق کے ساتھ اس کے سامنے آن کھڑا ہوتا ایسے میں سوتے جاگتے صبح ہو گئی رات جاگنے کے باعث اس کے سر میں شدید درد تھا اس نے صبح اٹھ کر اچھی طرح ناشتا کر کے سر درد کی ٹیبلٹ لی اور جا کر لیٹ گئی آج اس کا ارادہ آفس جانے کا بالکل نہ تھا۔
"میرا شاید دماغ خراب ہو گیا تھا جو ساری رات ایک فضول سی بات کو لے کر ضائع کر دی کیا ضرورت تھی مجھے شاہ زین کی کسی بھی بات کی اتنی ٹینشن لینے کی اب اسے خود پر غصہ آنے لگا۔
"ایک نارمل سی بات کو خوامخواہ اتنی اہمیت دے کر اپنے سر پر سوار کر لیا اب مجھے سکون کی نیند لینی چاہیے اور یہ بھول جانا چاہیے کہ کل کیا ہوا۔"
اس سوچ کے ساتھ ہی وہ مطمئن ہو گئی۔ قریب ہی رکھا اپنا سیل فون اٹھایا' آف کر کے تکیے کے نیچے رکھا اور بالکل سیدھی لیٹ کر آنکھیں بند کرتے ہی اپنے ذہن کو تمام سوچوں سے آزاد کر دیا اور کچھ ہی دیر بعد وہ نیند کی گہری وادیوں میں اتر گئی۔

✲ ✲ ✲

صباحت بھابھی کا بیٹا پیدا ہوا تھا جو غالباً "پیدائش کے ایک گھنٹہ بعد ہی فوت ہو گیا" سنا تھا ان کی اپنی حالت بھی

کچھ زیادہ بہتر نہ تھی مگر وہ اتنی دور تھیں کہ عیادت کے لیے جانا کم از کم اس کے لیے ممکن نہ تھا' سوائے اس کے کہ وہ فون پر ان کی خیریت دریافت کرے' مگر فی الحال وہ فون پر بھی بات کرنے کے قابل نہ تھیں۔

یاسمین آپا دو دن قبل ہی واپس اپنے گھر گئی تھیں۔ اب ان کی پوری کوشش تھی کہ کسی بھی طرح صمد بھائی انہیں ٹکٹ بھیجیں اور وہ دبئی روانہ ہوں بقول ان کے اس حالت میں صباحت کو کسی اپنے قریبی رشتہ دار کی ضرورت تھی جبکہ صباحت کی امی پہلے ہی وہاں ان کے پاس موجود تھیں۔ وہ دن میں کئی بار فرہاد کو فون کرتیں اس وقت بھی فرہاد ان ہی سے فون پر بزی تھا' زینب وہیں بیٹھی مریم کو ہوم ورک کروا رہی تھی' جب اچانک ہی بالکل اتفاقی طور پر سنے گئے جملے نے اس کے کان کھڑے کردیے۔

"بس اللہ کی مرضی ہے آپا وہ جسے جو چاہے عنایت کردے خواہش تو ظاہر ہے میری بھی بہت ہے مگر کیا کروں اللہ تعالیٰ سے مقابلہ نہیں کیا جاسکتا۔"

"ہاں ہاں آپ بالکل ٹھیک کہہ رہی ہیں میں ابھی صمد بھائی کو فون کرکے کہتا ہوں کہ آپ کے لیے ٹکٹ کا جتنی جلدی ہوسکے ارینج کردیں۔"

وہ صرف یک طرفہ گفتگو سن رہی تھی جس کے باعث اندازہ لگانا مشکل تھا کہ دوسری طرف کیا کہا گیا ہے مگر فون بند کرتے ہی فرہاد کی بات نے اس پر سب کچھ واضح کردیا۔

"آپا نے مجھے ایک اچھی لیڈی ڈاکٹر بتائی ہے میرا خیال ہے تم کل تیار رہنا ہم ان کے پاس چلیں گے تاکہ پتا لگے تمہارے اندر کوئی بیماری تو نہیں پیدا ہوگئی اور اگر ایسا ہے تو علاج کروایا جاسکے' ہوسکتا ہے اس دفعہ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی بیٹے سے نواز دے۔"

وہ کیا کہنا چاہتا تھا گفتگو کے آخر میں زینب کی سمجھ میں آگیا مگر اسے یہ سمجھ نہ آیا کہ آخر آپا اسی ایک بات کے پیچھے کیوں پڑ گئی ہیں۔

"فرہاد آپ اچھی طرح جانتے ہیں کہ جگنو شروع سے ہی بہت کمزور رہی ہے اس لیے میں چاہتی تھی کہ کم از کم وہ اس قابل ہوجائے کہ اپنے پاؤں پر چل سکے اور یہ بات آپ کو اچھی طرح پتا ہے اور میرا خیال ہے بجائے میری کسی وضاحت کے آپ کو خود آپا کو یہ سب بتادینا چاہیے تھا۔"

اسے برا تو لگا مگر وہ برداشت کرگئی اور کوشش کی کہ نہ اس کی آواز بلند ہو اور نہ ہی چہرے پر ایسے تاثرات آئیں جن سے اس کی خفگی کا اندازہ لگایا جاسکے۔

فرہاد نے شاید اس کی کوئی وضاحت سنی ہی نہیں کیونکہ وہ اسے مکمل طور پر نظر انداز کرکے فون پر ایک بار پھر سے مصروف ہوگیا اس دفعہ اس نے دبئی کال ملائی تھی اور دوسری طرف اس کا رابطہ بحال ہوگیا تھا زینب اٹھ کھڑی ہوئی اسے کوئی دلچسپی نہیں تھی کہ وہ صمد بھائی سے کیا بات کررہا ہے۔ وہ جگنو کو اٹھائے اندر آگئی تاکہ اسے نہلا کر اس کے کپڑے تبدیل کرسکے۔

☆ ☆ ☆

"تم نے اکیڈمی کیوں چھوڑدی جبکہ تمہارا حساب بہت خراب ہے اور امتحان بھی قریب ہیں۔" ارم کی بات سن کر وہ حیران ہوتے ہوئے بولی۔

"وہاں دو تین بار پولیس آئی تھی۔ وہ روما کی تمام دوستوں سے پوچھ گچھ کررہی ہے اور ہر بار مجھے ایسا محسوس ہوا کہیں غلطی سے بھی میرے منہ سے رضا کا نام نہ نکل جائے بس اسی خوف کے سبب میں نے اکیڈمی چھوڑدی۔"

"تو کیا انہیں وہاں سے رضا کے متعلق کچھ پتا نہیں چلا۔"

"کچھ کہہ نہیں سکتی مگر جس دن سے روبا کا قتل ہوا ہے رضا تو غائب ہے ہی سنا ہے شوکا بھی اپنے گھر نہیں ہے مجھے تو لگتا ہے اس واردات میں رضا اکیلا نہیں تھا ضرور شوکا بھی اس کا شریک جرم رہا ہو گا۔" وہ نہایت رازداری سے بولی۔

"جو بھی ہے کم از کم ان دنوں اس منحوس سے میری جان چھٹی ہوئی ہے آج کل کہیں راستے میں بھی نہیں ہوتا۔"

"وہ شاید سالا بھی تبھی پولیس کے خوف سے کہیں چھپا بیٹھا ہے بے غیرت۔"

"بہر حال جو بھی ہے اللہ تعالیٰ روبا کے قاتلوں کو ضرور کیفر کردار تک پہنچائے پتا نہیں کیسے ہوتے ہیں وہ لوگ جو اس طرح ہنستی کھیلتی لڑکیوں سے زندگی چھین لیتے ہیں۔"

ارم کے الفاظ سنتے ہی اس کے جسم میں ایک جھرجھری سی آگئی' اسے لگا اگر خدانا خواستہ روبا کی جگہ وہ ہوتی تو اس تصور سے ہی وہ گھبرا اٹھی۔

"اور تم بتاؤ آنٹی کی طبیعت کیسی ہے اب۔" ارم اس کی حالت پر توجہ دیے بنا بولی۔

"ویسی ہی ہے کوئی خاص فرق نہیں پڑا۔"

"اللہ تعالیٰ انہیں صحت عطا فرمائے۔" ارم نے خلوص دل سے دعا دی۔

"آمین۔"

اس کی آنکھیں پانی سے بھر گئیں' اس کی زندگی میں ماں سے زیادہ کچھ اہم نہ تھا ماں کی اہمیت کا اندازہ ہر گزرتا دن اسے دے رہا تھا۔

☼ ☼ ☼

وہ کسی کام سے باہر نکلے تو اپنی جگہ ٹھہر گئے' حبیبہ کے قریب کھڑا شاہ زین انہیں یہ منظر اچھا لگا' بے شک حبیبہ کے چہرے کے تاثرات کچھ بہتر نہ تھے مگر شاہ زین کے چہرے پر پھیلی نرم سی محبت انہیں اتنی دور سے بھی واضح طور پر دکھائی دے رہی تھی۔

حبیبہ انہیں شروع دن سے ہی بے حد پسند تھی۔ شاہ زین اور اس کا ساتھ ان کی دلی خواہش تھی مگر وہ کسی سے اس کا اظہار کرتے ہوئے ڈرتے تھے' انہیں خطرہ تھا کہیں شاہ زین منع نہ کر دے' وہ حبیبہ کا ساتھ رد نہ کر دے' مگر آج انہیں لگا کہ ایسا نہیں ہو گا شاہ زین کی طرف سے وہ مطمئن ہو کر دروازے سے ہی واپس اپنے کمرے میں پلٹ گئے اب انہیں خدشہ تھا تو صرف حبیبہ کا جس سے اس موضوع پر بات کرنا شاید مشکل تھا بہر حال جو بھی تھا اب اگر شاہ زین اس رشتہ پر تیار ہو جائے تو باقی تمام مسئلے بھی حل ہو جائیں گے۔

یہ سوچ کر دل ہی دل میں مطمئن ہوتے ہوئے انہوں نے کرسی کی پشت سے سر لگاتے ہوئے خود کو ڈھیلا چھوڑ دیا۔

☼ ☼ ☼

"میں شاید یاسمین آپا کے ساتھ دبئی چلا جاؤں کچھ دنوں کے لیے صمد بلا رہا ہے۔"

فرہاد کی طرف سے دی جانے والی یہ اطلاع اتنی غیر متوقع تھی کہ زینب کا منہ کھلا ہی رہ گیا۔

"کیوں کیا آپ کا ٹکٹ بھی صمد بھائی بھیج رہے ہیں۔"

پہلا خیال اس کے ذہن میں یہ ہی آیا' پائی پائی پر جان دینے والا فرہاد جیسا شخص ایک دم ہی اتنا پیسہ کیسے خرچ کر سکتا تھا اسے حیرت ہوئی۔

"نہیں میرا کیوں بھیجے گا یا سمین آپا تو بہن ہیں انہیں وہ اس لیے ٹکٹ بھیج رہا ہے۔" زینب کی کم عقلی پر وہ ہلکا سا ہنس دیا۔

"میں اب اتنا بھی غریب نہیں ہوں کہ بھائی سے ملنے جانے کے لیے اس سے پیسہ مانگوں کرایہ دار کا ایڈوانس جوں کا توں رکھا ہے اسے استعمال میں لے آؤں گا۔"

"اور اتنے دنوں تک دکان کیسے چھوڑیں گے۔" وہ سب کچھ جان لینا چاہتی تھی۔

"وہ شیر دل سنبھال لے گا اب اسے کافی سمجھ آگئی ہے کاروبار کس طرح کرتے ہیں وہ جان چکا ہے۔"

شیر دل تو شروع سے ان کی دکان پر ملازم تھا مگر شاید آج کچھ ایسا خاص ہو گیا تھا کہ وہ یک دم سمجھدار قرار دے دیا گیا۔

سچ ہے ہر انسان اپنے فیصلے اپنی ضرورت کے حساب سے کرتا ہے کہاں تو فرہاد کا دکان سے چند گھنٹے غائب رہنا لاکھوں کے نقصان کے مترادف کہاں اب ایک ماہ دکان چھوڑنے پر کوئی پریشانی نہیں واہ میرے مولا۔

وہ صرف سوچ سکی مگر بولی نہیں۔

"مزے کی بات تو یہ ہے کہ میرے پاس پاسپورٹ بھی نہیں ہے۔ کبھی بنوایا ہی نہیں کیونکہ ضرورت نہیں پڑی اب پہلی فرصت میں وہ بنوالوں گا۔"

دبئی جانے کی خوشی اس کے چہرے سے امڈی پڑی تھی "صباحت بھابھی کی طبیعت کیسی ہے اب۔"

فرہاد اکثر ہی صمد بھائی کو فون کرتا اسی لیے وہ اس سے ہی صباحت بھابھی کی طبیعت پوچھ لیا کرتی۔

"اب تو کافی بہتر ہیں صمد بتا رہا تھا گھر شفٹ ہو گئی ہیں۔"

"چلیں شکر ہے۔"

فرہاد کے اس طرح دبئی جانے کا سن کر اس کی دل آزاری ضرور ہوئی مگر وہ یہ سب فرہاد پر ظاہر نہیں کرنا چاہتی تھی اسی لیے خاموشی سے اٹھ کھڑی ہوئی کہ اچانک کسی نے باہر کا دروازہ بجایا۔

"زینب دیکھنا ذرا کون آیا ہے۔"

زینب اس کے کہنے سے قبل ہی باہر کی طرف چلدی' اتنی دیر میں اطلاعی گھنٹی بج اٹھی 'یقیناً" مریم ہو گی اس وقت وہ ساتھ والی خالہ سے سپارہ پڑھ کر آیا کرتی تھی یہ ہی سبب تھا جو اس نے بنا پوچھے دھڑ سے دروازہ کھول دیا۔

باہر مریم نہ تھی بلکہ ایک اجنبی شخص کھڑا تھا کالی شلوار قمیص میں ملبوس گورا چٹا اونچا لمبا مرد ایک دم زینب کو اپنے سامنے دیکھ کر فوراً" دروازے کے سامنے سے ہٹ گیا زینب اپنی اس لاپرواہی پر دل ہی دل میں شرمندہ ہوتے ہوئے دروازے کی اوٹ میں ہو گئی۔

"السلام علیکم جی میں آپ کی کرایہ دار کا بھائی ہوں' وہ ہی جو آپ کے گھر کے اوپر رہتی ہیں۔"

"جی بولیں کیا بات ہے؟" زینب دروازے کے پیچھے سے ہی بولی۔

"میری بہن کے داخلی دروازے کی چابی نہیں مل رہی اسے میرے ساتھ ڈاکٹر کے پاس جانا ہے اگر مزید دیر ہوئی تو ڈاکٹر کا کلینک بند ہو جائے گا۔" وہ سانس لینے کے لیے رکا۔

"تو پلیز آپ ذرا سیڑھیوں کی طرف سے کھلنے والے اپنے اندرونی دروازے کا لاک کھول دیں تاکہ وہ میرے ساتھ ڈاکٹر کے پاس جاسکے' واپس آکر میں اسے چابی بنوا دیتا ہوں۔"

اس شخص نے ہر بات تفصیل سے بیان کر دی' زینب بنا جواب دیے کچن میں آگئی جس کے شیلف کی دراز میں چابیوں کا ایک گچھا پڑا ہوا تھا' زینب نے جلدی جلدی ڈھونڈ کر مطلوبہ چابی نکال کر دروازے پر آگئی۔

"یہ چابی لے لیں اوپر والے گھر کی ہی میرے پاس غلطی سے رہ گئی تھی کئی بار سوچا فائزہ کو دے دوں مگر ہر بار

بھول جاتی تھی۔"

اس شخص نے ہاتھ بڑھا کر زینب سے چابی تھام لی۔

"بہت بہت شکریہ آپ کا۔"

زینب نے کوئی جواب نہ دیا دروازہ بند کر کے واپس اندر کمرے میں آگئی جہاں فرہاد الماری کے دونوں پٹ کھولے کچھ ڈھونڈ رہا تھا۔

"کون تھا باہر۔" زینب کو دیکھتے ہی اس نے پوچھا۔

"فائزہ کا بھائی تھا اس کے داخلی دروازے کی چابی گم ہو گئی ہے' چاہ رہا تھا کہ میں سیڑھیوں کی سائیڈ کا دروازہ کھول دوں۔"

"پھر۔" فرہاد اپنی تلاش کا کام ادھورا چھوڑ کر اس کی طرف مکمل طور سے متوجہ ہوتے ہوئے بولا۔

"اوپر والے گھر کی ایک ایکسٹرا چابی کچن میں رکھی تھی میں نے اسے وہ دے دی۔" "تمہارا دماغ تو ٹھیک ہے؟" فرہاد کا سوال خاصا غیر متوقع تھا' وہ نا سمجھی والے انداز میں اسے دیکھتی رہ گئی۔

"تم نے کنفرم کیا تھا کہ وہ فائزہ ہی کا بھائی ہے؟"

واقعی یہ تو اس نے سوچا بھی نہیں تھا' اب فرہاد نے جو پوچھا تو یک دم گڑبڑا سی گئی۔

"نہیں مجھے کنفرم تو نہیں ہے مگر اس نے کہا تھا کہ آپ اندر سے دروازہ کھول دیں فائزہ نے باہر جانا ہے تو یقیناً اس کا بھائی ہی ہو گا نا۔" وہ شرمندہ ہوتے ہوئے بولی۔

"کوئی بھی تم سے آکر کہہ دے گا کہ میں فائزہ کا بھائی ہوں تو دروازہ کھول کر اسے اندر بلا لینا بے شک وہ کوئی ڈاکو ہی کیوں نہ ہو' جانے کیسی کم عقل عورت ہو تم' پتا نہیں کیسے گھر کی چابی تھما دی' اب اگر اوپر کوئی واردات ہو گئی تو تم بھگتنا بیوقوف عورت....."

اپنے نرم انداز میں اسے باتیں سناتا چپل پہن کر وہ کمرے سے باہر نکل گیا' زینب نے دیکھا مریم دروازے کے عین درمیان کھڑی اسے حیرت سے تک رہی تھی' وہ خاموشی سے اٹھی اور باتھ روم کی سمت بڑھ گئی تاکہ اس کی آنکھ سے گرنے والا کوئی آنسو مریم نہ دیکھ سکے۔

☼ ☼ ☼

"دیکھو شاہ زین کسی سے شادی کرنے کے لیے سب سے پہلے یہ جاننا ضروری ہے کہ وہ کون ہے؟ اس کا تعلق کس خاندان سے ہے؟ اور تم حبیبہ کے بارے میں کچھ نہیں جانتے سوائے اس کے کہ وہ تمہارے آفس میں جاب کرتی ہے اور ایک اچھی لڑکی ہے؟ تم تو اس کے گھر اور گھر والوں کے بارے میں بھی کچھ نہیں جانتے صحیح کہہ رہی ہوں نا میں؟" فون کے دوسری طرف موجود آپا نے اس سے اپنی بات کی تصدیق چاہی۔

"جی بالکل درست فرمایا آپ نے میں اس کے بارے میں کچھ نہیں جانتا مگر یہ سچ ہے کہ اس کا تعلق ضرور کسی اچھے خاندان سے ہو گا جس کا اندازہ اسے دیکھ کر بخوبی لگایا جا سکتا ہے۔" اس نے حبیبہ کی وکالت کی۔

"اگر تم دلی طور پر مطمئن ہو تو پھر حبیبہ سے بات کرو اسے بتاؤ کہ تم اسے پسند کرتے ہو اور اس سے شادی کرنا چاہتے ہو نیز یہ کہ تمہیں اس کے گھر والوں سے ملنا ہے' بات ختم اور جب وہ تمہارا پرپوزل قبول کر لے تو پھر پاپا سے بات کرو مجھے امید ہے کہ وہ تمہیں منع نہیں کریں گے۔"

"آپی آپ جو کہہ رہی ہیں وہ سب ٹھیک ہے مگر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ میں یہ سب کچھ حبیبہ سے کہنے کی ہمت خود میں نہیں پاتا وہ بہت موڈی لڑکی ہے اگر بلاوجہ ناراض ہو گئی تو مجھے امید ہے کہ دوبارہ کبھی بات نہ کرے گی۔"

یہ ہی وہ سبب تھا جس کے تحت وہ حبیبہ سے بات کرتے ہوئے تھوڑا سا گھبرا جاتا تھا۔
"ویسے مجھے یقین ہے کہ پاپا اس کے بارے میں ضرور جانتے ہوں گے کیوں کہ مجھے نیجر صاحب نے بتایا تھا کہ حبیبہ، پاپا کے کسی قریبی دوست کی بیٹی ہے۔ جس کی فیملی کسی دور دراز گاؤں میں رہتی ہے اور وہ یہاں تعلیم حاصل کرنے آئی ہے۔"
یہ سب باتیں وہ تھیں جو اس نے کافی عرصہ قبل حبیبہ کے بارے میں سنی تھیں۔
"چلو ٹھیک ہے اب تم یہ بتاؤ کہ تم مجھ سے کیا چاہتے ہو؟"
جاذبہ نے اس کی پوری بات سننے کے بعد سوال کیا۔"میں چاہتا ہوں کہ آپ جلد از جلد پاکستان آئیں اور آکر حبیبہ سے ملیں اسے اوکے کردیں اور پھر مما سے میری سفارش کریں۔"
"ان شاء اللہ میں دو ماہ تک پاکستان آرہی ہوں کیونکہ تمہارے بھائی کو چند دن کی چھٹی مل رہی ہے تو میرا ارادہ ہے کہ ہم پاکستان کا ایک چکر لگالیں۔"
"ارے واہ! یہ تو آپ نے بڑی اچھی خبر سنائی بس تو پھر مجھے صرف آپ کی آمد کا انتظار ہے امید ہے اس کے بعد میرے سارے مسائل حل ہوجائیں گے۔" وہ ہنستے ہوئے بولا۔
"تمہارا تو فی الحال ایک ہی مسئلہ ہے اور وہ ہے حبیبہ۔" جاذبہ بھی ہنس کر بولی۔
"اور میں ان شاء اللہ اس مسئلہ کو ضرور حل کروں گی اب میں فون بند کرتی ہوں تم مما کو میرا سلام دے دینا۔"
"اللہ حافظ۔"
جاذبہ کے فون بند کرتے ہی وہ حبیبہ کے خوب صورت تصور میں کھو گیا۔

✿ ✿ ✿

زینب کی طبیعت کچھ دنوں سے خراب تھی عجیب متلی سی محسوس ہوتی اور کچھ بھی کھانے کو جی نہ کرتا، سارا دن نڈھال پڑی رہتی، غالباً بلڈ پریشر لو ہو گیا تھا گھریلو ٹوٹکوں سے کوئی فائدہ نہ ہوا تو سوچا شام میں سادیہ کے ساتھ ڈاکٹر کی طرف جائے گی، ابھی بھی وہ مریم کو اسکول سے لے کر گھر واپس آئی تو شدید چکر محسوس ہوئے چنانچہ ہنڈیا کچھ پکائے تب سے ایسے ہی پڑی تھی۔
مریم بھاگ کر سادیہ کو بلا لائی۔
"خیریت ہے تم ایسے کیوں پڑی ہو۔" سادیہ بھی اس کی حالت دیکھ کر گھبرا گئی۔
"میں فرہاد بھائی کو بلاتی ہوں آکر تمہیں ڈاکٹر کے پاس لے کر جائیں۔" اسے سیدھا کر کے سادیہ نے ماتھا چھوتے ہوئے کہا۔
"فرہاد کو چھوڑو میں تمہارے ساتھ چلتی ہوں گلی کے کونے پر جو لیڈی ڈاکٹر ہے اسے ہی دکھا آتی ہوں۔" فرہاد کا نام سنتے ہی وہ سیدھی ہو بیٹھی۔
"چلو اگر ہمت ہے تو آجاؤ۔"
سادیہ نے چپل اٹھا کر اس کے نزدیک کی، اس سے قبل کہ وہ اٹھ کر کھڑی ہوتی بیرونی دروازہ کھول کر فرہاد اندر داخل ہوا۔
"تم کہاں جارہی ہو؟" فرہاد حیرت سے بولا۔ وہ چادر اوڑھے باہر جانے کے لیے تیار کھڑی تھی۔
"طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ سادیہ کے ساتھ ڈاکٹر کے پاس جارہی ہوں۔" وہ بمشکل بول پائی۔
"اچھا ایسا کرو جلدی سے کھانا دے دو مجھے کھا کر واپس دکان جانا ہے۔"

زینب کی بات کو قطعی نظر انداز کرتا اپنا حکم نامہ جاری کر کے وہ واش روم کی جانب بڑھ گیا' سادیہ نے ایک خاموش نظر فرہاد پر اور دوسری بالکل ساکت کھڑی زینب پر ڈالی اسے پہلی بار اندازہ ہوا کوئی مرد اتنا بے حس بھی ہو سکتا ہے اس کا شوہر جیسا بھی تھا کم از کم اتنا بے حس نہ تھا اس نے دل ہی دل میں خدا کا شکر ادا کیا۔

"تم لیٹ جاؤ میں کھانا گرم کر کے لے آتی ہوں۔"

زینب کو اپنی جگہ کھڑا چھوڑ کر وہ بھاگ کر کچن کی طرف گئی۔

جلدی جلدی دو روٹیاں بنائیں اور رات کا سالن گرم کر کے ٹرے میں رکھے واپس آ گئی' فرہاد خاموشی سے ٹرے آگے رکھے کھانے میں مصروف ہو گیا یہ بھی نہ پوچھا کہ تمہارے پاس پیسے ہیں یا نہیں' سادیہ کے سامنے پیسوں کا تقاضا کرنا زینب کو بالکل اچھا نہ لگا اسی لیے خاموشی سے سادیہ کے ساتھ چلتی ڈاکٹر کے کلینک تک آ گئی' ڈاکٹر نے اس کا اچھی طرح چیک اپ کیا اور کچھ ٹیسٹ لکھ کر دیے۔

"خیریت ہے ڈاکٹر صاحبہ کیا ہوا ہے اسے۔" جیسے ہی اس نے ٹیسٹ سلپ تھامی سادیہ بول اٹھی۔

"ہاں بالکل خیریت ہے۔"

ڈاکٹر نے مسکرا کر زینب کے تھکے ہوئے چہرے پہ ایک نظر ڈالی جو کسی بھی احساس سے عاری تھا۔

"میرا خیال ہے کہ یہ پریگننٹ ہیں اسی لیے ٹیسٹ لکھ دیے ہیں تاکہ تصدیق ہو سکے۔"

ڈاکٹر نے سادیہ کو مخاطب کیا جبکہ ڈاکٹر کی یہ بات سن کر زینب بری طرح چونک اٹھی۔

"اوہ گڈ یہ تو بہت اچھی نیوز ہے۔"

فرہاد کی بیٹے والی خواہش زینب کے ذریعہ سادیہ تک پہنچ چکی تھی۔ اسی لیے اس نے خوشی کا اظہار کیا۔

"نیوز تو اچھی ہے بس ذرا یہ کمزور ہیں خون کی کمی بھی ہے اسی لیے کچھ دوائیں لکھ کر دے رہی ہوں ساتھ ہی دس انجکشن کا ایک کورس بھی لکھ دیا ہے وہ بھی جلدی لگوا لیتا اور ان کے ہزبینڈ سے کہنا ان کا پوری طرح خیال رکھے یہ کافی کمزور ہیں۔"

ڈاکٹر کی تمام ہدایت نہایت خاموشی سے سنتے ہوئے وہ اٹھ کھڑی ہوئی فیس دی اور باہر نکل آئی اسے سمجھ نہ آیا وہ یہ خبر فرہاد کو کس طرح سنائے اور اگر تیسری بار بھی بیٹی ہو گئی تو۔۔۔

"کیسی عورت ہو جو بیٹیوں پر ہی قناعت کیے بیٹھی ہو۔"

یاسمین آپا کی آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی اس نے گھبرا کر یہاں وہاں دیکھا۔

"پریشان مت ہو ان شاء اللہ تعالیٰ اس دفعہ تمہارا بیٹا ہی ہو گا۔" سادیہ نے اس کا ہاتھ تھام کر دعا دی۔

"اللہ کرے ایسا ہی ہو۔" ٹیسٹ کی پرچیاں تھامے وہ بوجھل قدموں سے سادیہ کے ساتھ گھر کی سمت چل دی۔

☼ ☼ ☼

اسے کروٹیں بدلتے کتنا ہی ٹائم گزر گیا' مگر نیند تھی کہ آنکھوں سے کوسوں دور' رات کے اندھیرے میں طاری سناٹا ایک عجیب سا ماحول پیدا کر رہا تھا سردیوں کی کالی اندھیری راتیں اسے ہمیشہ اسی طرح خوف زدہ کرتی تھیں اور پھر وہ ماں کی رضائی میں اس کے ساتھ چپک کر سویا کرتی' مگر اب تو جانے کتنے سال گزر گئے یہ راتیں تنہائی میں کاٹتے ہوئے۔

سکینہ اس کے کمرے میں ضرور سوتی تھی' مگر وہ ماں نہ تھی اور اب تو آج تین دن سے سکینہ بھی یہاں نہ تھی وہ گاؤں اپنی بیٹی کے پاس گئی ہوئی تھی اس کے نواسے کی طبیعت بہت خراب تھی جب تک وہ لاہور میں تھی سکینہ

کبھی گاؤں جا کر رات نہ رکی تھی' مگر اب اتنی دور سے اس کا اتنی جلدی واپس آنا ناممکن تھا اب تو جو کچھ تھا اس کے لیے صرف سکینہ اور چاچا فضل دین ہی تھے جن کے سہارے وہ اپنی زندگی کے دن کاٹ رہی تھی۔

"اور اگر خدانا خواستہ سکینہ کو کچھ ہو گیا تو۔۔۔" اس خیال کے ذہن میں آتے ہی وہ اٹھ بیٹھی۔

"کیا یہ تنہائی ہمیشہ کے لیے میرے مقدر میں لکھ دی گئی ہے۔"

اس نے پاس رکھا موبائل اٹھایا' ٹائم دیکھا ابھی تو صرف دو بجے تھے۔یا خدا اتنی لمبی رات کس طرح گزرے گی اور یہ نیند منحوس بھی جانے کہاں غائب ہو گئی ہے۔جو آ کر ہی نہیں دے رہی۔اپنا غصہ سوائے نیند کے وہ کسی پر نہ اتار سکی تھی۔

"ملک انکل آپ کو میرے ساتھ ایسا نہیں کرنا چاہیے تھے۔" تکیہ سیدھا کر کے دوبارہ لیٹنے سے قبل اس کے دل میں ایک ہلکا سا شکوہ ابھرا۔

مگر اس میں ان کا کیا قصور' انہوں نے تو ہمیشہ میرے اچھے کے لیے ہی سوچا اور جو کچھ کیا میری بہتری کو مد نظر رکھ کر کیا' سارا قصور میرے مقدر کا ہے یہ سب تو میرے نصیب کی خرابی ہے۔"

ملک صاحب کو بری الذمہ قرار دیتے ہوئے اس نے اپنے مقدر کو کوسا۔

"اس سے تو اچھا تھا کہ انکل میرا نکاح نہ کرتے اور مجھے اسی طرح ایک بیٹی کی حیثیت سے اپنے ساتھ اپنے گھر لے جاتے' آنٹی وہاں مجھ سے جیسا بھی سلوک کرتیں ہوتے تو سب میرے اپنے ہی نا۔ایشال کے ساتھ نکاح نے تو خود مجھے بھی اپنی نظروں میں بھی ذلیل کر دیا' اس نے تو مجھے اس قابل بھی نہ جانا کہ کبھی اتنے سالوں میں ایک دفعہ مجھ سے فون پر ہی بات کر لیتا' منکوحہ نہ سہی ایک کزن ہی سمجھ کر' مگر شاید میری حیثیت اس کے نزدیک ایک پتھر سے زیادہ نہ تھی جسے ٹھوکر مار کر اپنے راستے سے ہٹانا اس کے لیے کچھ مشکل نہ تھا اور اس نے مجھے راستے کے پتھر ہی کی طرح اپنی زندگی سے دور پھینک دیا۔"

یہ سب سوچتے اس کا دل بھر آیا۔چھوکیلا ہو گیا تھا۔وہ رو رہی تھی۔

"میرے پروردگار شاید میں بہت گناہ گار سہی' مگر تیری ایک ادنیٰ بندی ہوں میرے مولا زندگی میں ایک بار ایشال کو میرے سامنے ضرور لانا' مگر اس حال میں کہ اس کے دل میں مجھے کھونے کا دکھ اور پچھتاوا ضرور ہو اور اس لمحہ مجھے اس کے سامنے مضبوط رکھنا' مجھے کمزور نہ پڑنے دینا' شاید زندگی میں' میں نے تجھ سے کچھ نہیں مانگا سوائے اس چھوٹی سی خواہش کے' میرے مالک میری یہ خواہش ضرور پوری کرنا۔"

اپنی دعا کے اختتام پر دل میں ہی "آمین" پڑھتے ہوئے اس نے آنکھیں موند لیں اور اپنے دماغ کو بالکل خالی چھوڑ دیا اور پھر کچھ ہی دیر میں وہ نیند کی گہری وادیوں میں اتر گئی۔

☼ ☼ ☼

وہ تار پر کپڑے پھیلا رہی تھی جب باہر کا دروازہ کھول کر فاطمہ خالہ اندر داخل ہوئیں۔

"تمہاری ماں کہاں ہے؟"

وہ آج کئی دنوں بعد ایک بار پھر اسے پرجوش سی دکھائی دیں شاید ان کے پاس آج پھر کوئی نئی خبر تھی۔

"کچن میں آجائیں خالہ روٹی بنا رہی ہوں۔"

اس کے جواب دینے سے قبل ہی ماں کچن سے پکاری۔

"آفتاب کراچی سے واپس آگیا ہے تو جلدی سے فارغ ہو کر کمرے میں آ تجھے ضروری بات بتانی ہے۔"

خالہ ہدایت دیتیں اندر چلی گئیں' اس نے جلدی جلدی باقی کپڑے بھی تار پر پھیلائے اور بالٹی باتھ روم میں

رکھی' ہاتھ منہ دھو کر اندر کمرے میں ہی آ گئی جہاں خالہ' ماں کے پاس ہی چارپائی پر بیٹھی تھیں ماں کی گود میں رکھے نیلے نیلے نوٹ دیکھ کر وہ حیران رہ گئی۔

"دیکھو بیٹا یہ رقم انہوں نے خود تیرے لیے بھیجی ہے۔"

"مگر خالہ مجھے اب ان روپوں کی ضرورت نہیں رہی' ماضی بن گئی ایسی خواہشیں جو کبھی ہوا کرتی تھیں اب تو صرف زندگی کے چند بچے کچھے دن ہیں جو اس آس پر گزار رہی ہوں کہ میری بیٹی اپنوں تک پہنچ جائے۔"

آخری جملہ اماں نے اس پر ایک نظر ڈالتے ہوئے ادا کیا۔

"ان شاء اللہ پہنچ جائے گی آفتاب کی بات ہوئی ہے وہ خود تو پاکستان میں نہیں تھا' مگر دفتر والوں نے فون پر بات کروادی تھی آفتاب نے صرف تیری بیماری کا بتایا یا من کر بہت دکھی ہوا وعدہ کیا پاکستان آتے ہی تجھ سے ملنے آئے گا دفتر والوں نے اس کی ہدایت کے مطابق یہ رقم آفتاب کو دے دی وہ خود ہوتا تو شاید آفتاب بھی نہ لیتا' مگر بیٹا تجھے اپنے علاج کے لیے تو ان پیسوں کی ضرورت تھی نا تو میری مان رکھ لے ان سے اپنا علاج کروا۔"

خالہ نے ماں کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے پیار سے سمجھایا' ماں کی آنکھوں سے بہتے آنسوؤں نے اسے بے چین کردیا وہ ان کے قدموں کے قریب جا بیٹھی۔

"پیسہ بہت بری چیز ہے خالہ' ہر رشتہ چھین لیتا ہے پتا نہیں میں غلط تھی یا اس کا باپ' مگر سچ تو یہ ہے کہ ہم دونوں کو ہی پیسے سے محبت تھی۔"

"نہیں بیٹا' تو شاید اپنی ضرورت کے ہاتھوں مجبور تھی قصور تو اس کا تھا جس نے سب کچھ ہوتے ہوئے بھی تجھے کبھی تیرا حق نہ دیا' وہ بھی ذمہ دار ہے' تیری اس تباہی و بربادی کا' میں تو تجھے بہت اچھے سے جانتی ہوں تو تو بڑی صابر سی بچی تھی اس نے تیری قدر ہی نہ کی اور جب اپنا مرد ہی قدر نہ کرے تو نا سمجھ عورت شاید بھٹک ہی جاتی ہے اسی لیے تو ہمارے مذہب نے مرد پر بڑی بھاری ذمہ داری عائد کی ہے' اس رقم کو بہترین قرار دیا ہے جو اپنے اہل و عیال پر خرچ کی جائے' مگر افسوس نا سمجھ لوگ نہیں سمجھ پاتے اور اپنے ہاتھوں سے ہی سب کو تباہ و برباد کردیتے ہیں بس میری تو صرف اتنی ہی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی بھی مغفرت کرے اور تیرے لیے بھی زندگی کو آسان بنائے۔"

خالہ نے روتی ماں کو ساتھ لگاتے ہوئے خلوص دل سے دعا دی۔

"بیٹا یہ فون نمبر بھی رکھ لے تیرا تو کوئی نمبر تھا نہیں جو آفتاب دیتا' اپنے گھر کا دے آیا ہے اور اس نے اپنا موبائل نمبر دیا ہے' جو پاکستان آکر وہ استعمال کرتا ہے شاید دس' پندرہ دنوں تک واپس آجائے۔" خالہ اٹھ کھڑی ہوئیں۔

"یہ رقم سنبھال لے تیرے کام آئے گی۔" ماں کو ہدایت کرتی وہ باہر نکل گئیں۔

"اماں۔"

خالہ کے باہر نکلتے ہی وہ ماں کے قریب ہوئی۔

"یہ اتنے روپے کس نے بھیجے ہیں؟"

ماں خاموشی سے اپنی گود میں دھرے ہاتھوں کو تکتی گئی۔

"بتاؤ نا ماں کون ہے وہ' جس کے انتظار میں تم جی رہی ہو وہ میرا باپ نہیں ہے یہ تو میں جانتی ہوں کیونکہ ابا تو شاید اس دنیا میں نہیں ہے اس لیے خالہ نے اس کے لیے مغفرت کی دعا کی تو پھر وہ کون ہے ماں۔ جس نے بنا کچھ کہے تمہارے لیے اتنی رقم بھیج دی کون دیتا ہے کسی کو اتنا پیسہ۔

ماں آج مجھے سب کچھ بتادو۔ میں کون ہوں؟ اور ہم یہاں تن تنہا سب سے کٹ کر کیوں زندگی گزار رہے ہیں ایسا کیا کیا تھا تم نے ماں جو سب نے تمہیں چھوڑ دیا۔ پیچھے پلٹ کر بھی نہ دیکھا کہ تم جی رہی ہو یا مرگئیں بتاؤ نا

اماں۔"

روتے روتے اس نے ماں کو جھنجھوڑ دیا۔

"میرے ٹرنک سے وہ چھوٹا باکس نکال کر لاؤ۔"

اماں کی مدھم آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی۔

"میں آج تمہیں سب کچھ بتا دوں گی وہ سب کچھ جو اندر ہی اندر مجھے گھن کی طرح کھا گیا میں تمہیں بتاؤں گی کہ میں کون ہوں؟ اور وہ کون سے حالات تھے جو مجھے یہاں لے کر آئے تمہیں سب کچھ بتاؤں گی پہلے تم وہ باکس نکال لاؤ۔"

وہ خاموشی سے اٹھ کھڑی ہوئی اور اگلے ہی سیکنڈ ٹرنک سے باکس نکال کر ماں کے پاس آبیٹھی جو آنکھیں موندے بالکل خاموشی سے چت لیٹی تھیں وہ منتظر تھی کہ ماں کب اپنی بات شروع کرے مگر وہ تو شاید بھول گئی تھیں کہ اسے کچھ بتانا ہے وہ بنا کچھ کہے وہیں ماں کے پاس بیٹھی رہی۔ کیوں کہ آج وہ سب کچھ جان لینا چاہتی تھی چاہے ماں کے جاگنے کے انتظار میں اسے ساری رات وہیں بیٹھنا پڑتا۔

☼ ☼ ☼

وہ چت لیٹا چھت کو گھورے جا رہا تھا' جسمانی طور پر تو وہ اپنے کمرے میں تھا' مگر اس کا ذہن کئی سال قبل مغل پورہ کی ان گلیوں میں بھٹک رہا تھا جہاں اس کا بچپن گزرا تھا' گلیوں میں کرکٹ کھیلتے بچوں کا شور جن کا بیٹ لکڑی کی ایک ڈنڈی ہوا کرتی تھی' پرچون کی دکان میں چلنے والا ٹیپ ریکارڈر جو بنا رکے سارا دن بجے جاتا۔

گلی کے کونے پر لگا بڑا سا آم کا درخت جس کے سائے تلے وہ اور اس کے دوست ساری دوپہر گلی ڈنڈا کھیلتے اور ذرا نہ تھکتے' ایسے میں اسکول سے گھر واپس آتی استانی جی کی بیٹی' جو ایک قریبی سرکاری اسکول کی طالبہ تھی' یونیفارم کی نیلی قمیص اور سفید دوپٹا میں ملبوس وہ آج تک وجاہت کے ذہن میں نقش تھی جانے اس میں ایسا کیا تھا جو اس کے بعد اسے کبھی کوئی لڑکی نہ بھائی یہاں تک کہ وہ خود کو کبھی شادی کے لیے بھی دلی طور پر آمادہ نہ کر سکا حالانکہ ان دونوں کے درمیان کچھ بھی نہ تھا یہاں تک کہ وہ تو شاید وجاہت کو جانتی بھی نہیں تھی۔

ایسی انجان لڑکی سے وجاہت کو کب اور کس طرح محبت ہوئی پتا ہی نہ چلا اور جب پتا چلا تب تک وہ اس کی زندگی سے کہیں دور جا چکی تھی' وہ اس کے تصور کو بڑی مشکل سے اپنے ذہن سے نکال پایا تھا' مگر آج بھی جہاں کہیں وہ کسی خوب صورت عورت کو دیکھتا' ایک بار پھر ماضی میں اسی طرح کھو جایا کرتا اسے ہر خوب صورت عورت میں وہ ہی دکھائی دیتی جب کہ وہ اس کی شکل بھی تقریباً" بھول چکا تھا جانتا تھا اتنے سالوں میں وہ کافی تبدیل بھی ہو چکی ہو گی۔

مگر پھر بھی وجاہت کو یقین تھا کہ اگر وہ اسے کہیں نظر آئی تو وہ ضرور اسے پہچان جائے گا اس پہچان کا اب کوئی فائدہ نہ ہونے کے باوجود وہ اسی کوشش میں خاموشی سے مصروف تھا جس میں پتا نہیں وہ کبھی کامیاب بھی ہو پاتا یا نہیں' وہ یہ نہیں جانتا تھا اور نہ ہی جاننا چاہتا تھا۔

وہ تو صرف غیر ارادی اور لاشعوری طور پر اسے یاد رکھے ہوئے تھا' اس یک طرفہ محبت کی آگ نے ہمیشہ ہی وجاہت کو جلائے رکھا' مگر اسے محبت کی اس آگ میں سلگنا اچھا لگتا تھا' وہ جو اس کی زندگی میں کبھی تھی ہی نہیں' جو ماضی کی ایک حسین یاد سے زیادہ کوئی حیثیت نہیں رکھتی تھی' اس سب کے باوجود وہ آج بھی وجاہت کے دل میں زندہ تھی' اور دلوں میں بسنے والے لوگ آسانی سے بھلائے نہیں جاتے۔

☼ ☼ ☼

"یہ لو۔"
کمرے میں داخل ہوتے ہی فرہاد نے ہاتھ میں پکڑا لفافہ اس کی جانب بڑھایا۔
"یہ کیا ہے؟" اسے حیرت ہوئی۔
"آپا نے فون پر ایک حکیم کا ایڈریس دیا تھا جس کی دوا کھانے سے اللہ تعالیٰ نے بہت سے لوگوں کو بیٹے کی نعمت سے نوازا ہے سوچا میں بھی لے لوں شاید اسی بہانے اللہ تعالیٰ ہم پر بھی مہربان ہو جائے ایک لمبی لائن میں لگ کر یہ دوا لی ہے پورے یقین اور عقیدے کے ساتھ کھانا آپا کا کہنا ہے کہ۔"
"آپ کو کنفرم ہے یہ دوا کھانے سے یقینی طور پر بیٹا ہی ہو گا۔"
اس نے فرہاد کی بات کاٹتے ہوئے تیزی سے سوال کیا۔
"ظاہر ہے یقین تھا تو اپنا ٹائم اور پیسہ برباد کر کے آیا ہوں۔"
شاید اسے زینب کا سوال پسند نہیں آیا تھا جس کا اندازہ اس کے ماتھے پر ابھرنے والی تیوریوں سے بخوبی لگایا جا سکتا تھا۔
"اور اگر نہ ہوا تو۔"
اس نے فرہاد کے ماتھے پر ابھرنے والی تیوریوں کو قطعی نظرانداز کرتے ہوئے ایک اور سوال کیا۔
"کبھی زندگی میں اچھی بات نہیں کرنا ہمیشہ ایسی بات کرنے کی کوشش کرنا جو دوسروں کو آگ لگا دے۔"
فرہاد تپ گیا' زینب جانتی تھی کہ آپا کا فرمان پتھر پر لکیر کی مانند ہے اگر انہوں نے کہہ دیا تو اسے یہ دوا ہر حال میں کھانی ہو گی اس نے لفافہ اٹھا کر الماری کی دراز میں ڈال دیا۔
"اب یہ یہاں ہی نہ پڑا رہ جائے پورے ڈھائی سو روپے کی دوا ہے۔"
باہر نکلتے نکلتے فرہاد کی آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی' مگر اس نے جواب دینا ضروری نہیں سمجھا اور خاموشی سے باہر نکل آئی۔

☆ ☆ ☆

"نازیہ کا بیٹا۔"
زینب کو لگا شاید اس نے غلط سنا ہے۔
"ہاں اب تو ماشاء اللہ ایک ماہ کا ہو گیا۔"
صباحت بھابھی کے چہرے پر نظر آنے والی خوشی ان کے سچ کی غمازی تھی جبکہ زینب کے چہرے پر چھائی حیرت کسی طور کم نہ ہوئی۔
"مگر بھابھی اسے تو شاید ڈاکٹرز نے جواب دے دیا تھا کہ وہ کبھی ماں نہیں بن سکتی۔" اسے کسی طور یقین نہیں آ رہا تھا۔
"ہاں' مگر اللہ سے بڑی کوئی طاقت نہیں جسے جب چاہے اپنی رحمت سے نواز دے' سچ تو یہ ہے زینب کہ اس سے بڑا کوئی ڈاکٹر نہیں۔ ویسے اس نے وہاں لندن میں کسی اچھی گائنا کولوجسٹ سے اپنا علاج بھی کروایا تھا اور میں تو سمجھی کہ تمہیں علم ہو گا' شاید اس نے کوئی فون وغیرہ کیا ہو' مگر سچ تو یہ ہے کہ بیماری کی حالت میں ڈلیوری کا ہونا اور پھر اتنے سال بعد بچے کی ذمہ داری سنبھالنا کافی مشکل امر ہے اس لیے شاید اسے ٹائم ہی نہیں ملا ہو گا اب تو خیر سے وہ میرے پاس دبئی شفٹ ہو گئی ہے سالار نے تمہارے بھائی کے ساتھ پارٹنر شپ شروع کر دی ہے۔"
اسے ان تمام باتوں سے کوئی دلچسپی نہیں تھی سوائے اس کے کہ نازیہ ماں بن گئی' ساتھ ہی اسے دل ہی دل میں

افسوس بھی ہوا کہ سالار اور نازیہ میں سے کسی نے بھی اسے اس قابل نہ سمجھا کہ اس سے اپنی خوشی شیئر کرتے۔
"اگر تمہیں نازیہ سے بات کرنی ہو تو میں کروا دیتی ہوں۔"
صباحت نے ہینڈ بیگ سے اپنا موبائل نکالتے ہوئے اس کی جانب دیکھا۔
"نہیں بھابھی اس وقت تو نہیں' میں کھانا بنانے جا رہی ہوں فارغ ہوں گی تو پھر ضرور کروں گی۔"
اس نے کہہ تو دیا' مگر اس کا ایسا کوئی ارادہ نہیں تھا' اسے تو رہ رہ کر افسوس ہو رہا تھا کہ یہاں سے جانے کے بعد اتنے عرصے میں ایک بار بھی سالار یا نازیہ نے اس سے رابطہ نہ کیا جبکہ ایک بار اس نے بڑی کوشش کر کے نازیہ کو فون بھی کیا تھا تاکہ اس کی طبیعت پوچھ سکے اس دن صرف تین منٹ کی کال میں اس کی بڑی مختصر سی بات ہوئی تھی۔
اپنی حیثیت سے بڑھ کر پیسہ خرچ کرنے کے بعد اسے احساس ہوا کہ نازیہ وہ پہلے والی نازیہ نہیں رہی تھی یا شاید اپنی طبیعت کی خرابی کے باعث اس کا رویہ کچھ سرد سا تھا' مگر جو بھی تھا زینب کو اس دن نازیہ سے بات کر کے کچھ اچھا نہیں لگا تھا یہی وجہ تھی کہ جو اس نے آج صباحت بھابھی کو ٹال دیا۔

☼ ☼ ☼

فون کب سے بج رہا تھا' بڑی مشکل سے اس نے اپنی موندھی ہوئی آنکھیں کھولتے ہوئے اسکرین پر ایک نظر ڈالی جہاں "شاہ زین کالنگ" جگمگا رہا تھا۔
یس کا بٹن دباتے ہوئے اس نے سامنے لگی ہوئی گھڑی پر ایک نظر ڈالی جو شام کے پانچ بجا رہی تھی۔
"کب سے فون کر رہا ہوں کہاں تھیں تم....."
دوسری طرف شاہ زین کے لہجہ میں چھلکتی بے چینی صاف محسوس کی جا سکتی تھی جو حبیبہ کے لیے باعث حیرت تھی۔
"میں سو رہی تھی خیریت۔"
اپنی حیرت پر قابو پاتے ہوئے وہ آہستہ سے بولی۔
"سوری یار میں نے تمہیں ڈسٹرب کیا۔"
شاید حبیبہ کے سرد لہجہ نے اسے شرمندہ کر دیا تھا۔
"اٹس اوکے' ویسے بھی پانچ بج گئے میں اٹھنے ہی والی تھی۔"
حبیبہ نے اپنے لہجہ کو حتی الامکان ــــ خوش گوار بنانے کی کوشش کی جبکہ اپنی نیند اس طرح خراب ہونے پر اس کا موڈ خاصا آف ہوا تھا۔ کیوں کہ نیند کے معاملے میں وہ خاصی کانشس تھی۔
"تم آج رات کہیں بزی تو نہیں۔"
آج سنڈے تھا اسی کی یونیورسٹی بھی آف تھی اور یہ بات شاہ زین اچھی طرح جانتا تھا کہ وہ عموماً "اتوار" کا دن ہاسٹل میں رہ کر ہی گزارا کرتی تھی۔
"نہیں....."
اس نے ایک پل سوچا۔
"میری ایک یونیورسٹی فیلو کی برتھ ڈے ہے وہاں انوائٹ ہوں ویسے تم کیوں پوچھ رہے ہو؟"
"دراصل میں آج ہمارے گھر ایک فیملی ڈنر ہے تو مما نے مجھ سے کہا کہ میں تمہیں بھی انوائٹ کروں اسی لیے فون کیا تھا بہرحال اگر تم بزی ہو تو کوئی مسئلہ نہیں پھر کبھی سہی۔"

حبیبہ کے جواب نے شاہ زین کو مایوس کردیا۔
"سوری شاہ زین اگر میرا پہلے سے پروگرام نہ ہوتا تو میں ضرور آتی۔" اس نے معذرت کرتے ہوئے کہا۔
"کوئی بات نہیں اصل میں آپا آئی ہوئی تھیں میں چاہ رہا تھا تم ان سے بھی مل لیتیں۔"
شاید وہ چاہ رہا تھا کہ حبیبہ اپنا پہلا پروگرام کینسل کردے۔
"پھر کبھی مل لوں گی۔ اللہ حافظ میں فون بند کررہی ہوں کیوں کہ مجھے تیار ہونا ہے۔"
شاہ زین کا جواب سنے بنا ہی اس نے فون بند کردیا۔
"شکر ہے میں نے بروقت جھوٹ بول دیا۔"
شاہ زین کے سوال کرنے کے انداز نے اسے سمجھا دیا تھا کہ وہ اسے اپنے ساتھ کہیں لے جانا چاہتا ہے جبکہ آج اس کا موڈ کہیں بھی جانے کا نہیں تھا خاص طور پر شاہ زین کے گھر تو وہ فی الحال بالکل بھی جانا نہیں چاہتی تھی کیوں کہ اسے پسند نہیں تھا بلاوجہ کسی کے گھر اس طرح منہ اٹھا کر چلے جانا۔
جب تک شاہ زین کی مما اسے خود انوائٹ نہ کرتیں اگر یہ بات وہ شاہ زین سے کہتی تو شاید اسے اچھا نہیں لگتا اسی لیے حبیبہ کا بولا گیا بے ضرر سا جھوٹ اسے بلاوجہ کی ٹینشن سے آزاد رکھنے کا سبب بن گیا جس پر اس نے اللہ تعالیٰ کا ایک بار پھر سے شکر ادا کیا۔
جانے کیوں اسے ہمیشہ سے ہی چڑ رہی کسی کے سامنے جا کر بلاوجہ کی فارمیلٹیز نبھانا اسے کبھی پسند نہ آیا نہ چاہتے ہوئے بھی دوسروں کی ہر بات پر مسکرا مسکرا اس کی تائید کرنا اس کے لیے خاصا ناپسندیدہ عمل تھا جس سے وہ ہمیشہ بچنے کی کوشش کرتی یہی وجہ تھی جو اس نے شاہ زین کی بات سمجھتے ہی فوراً جھوٹ کا سہارا لیا اور ان تمام باتوں سے بچ گئی جو اسے ناپسند تھیں۔

☼ ☼ ☼

صباحت بھابھی صرف پندرہ دن پاکستان رہ کر واپس چلی گئیں۔ انہوں نے کراچی کے کسی پوش ایریا میں ایک پلاٹ خریدا تھا اب اس پر کنسٹرکشن کا کام شروع تھا وہاں وہ اپنی مرضی اور پسند سے گھر تعمیر کروا رہی تھیں جس کے لیے انہوں نے پاکستان کا یہ مختصر سا چکر لگایا۔ ایک ہفتہ وہ کراچی کے کسی ہوٹل میں ٹھہریں اپنی پسند کی کسی کمپنی کو گھر کا ٹھیکہ دیا ہر چیز خود پسند کی۔
ان کے ساتھ تو صمد بھائی بھی تھے مگر سب کرتا دھرتا صباحت بھابھی تھیں اور یہ عمل کسی اور کے لیے نہ سہی مگر زینب کے لیے خاصا حیران کن تھا دونوں بھائیوں میں کتنا فرق تھا وہ جیسے جیسے سوچتی حیران ہوتی کہاں فرہاد اور کہاں صمد بھائی۔
فرہاد نے تو ساری زندگی اس سے کسی بھی بات میں مشورہ لینا ضروری نہیں سمجھا جبکہ صمد بھائی اپنا کوئی کام بھابھی کی مرضی کے بغیر کرنے کا تصور بھی شاید نہ کرتے تھے اس میں یقیناً سارا عمل دخل قسمت کا تھا ایک ہی گھر میں بیاہی جانے والی دو عورتوں کی الگ الگ قسمت جس کے آگے کسی کا کوئی زور نہیں۔

☼ ☼ ☼

پاؤں کے نیچے گرم تپتی ریت اور اوپر کھلا آسمان اس نے چاروں طرف نظر ڈالی کوئی بھی نہ تھا اس ویران ریگستان میں وہ تن تنہا کھڑی تھی یہ احساس ہوتے ہی وہ گھبرا اٹھی مارے خوف کے اس کے حلق میں کانٹے سے اگ آئے وہ بھاگنا چاہتی تھی مگر قدم تھے کہ من من بھاری ہوگئے چاروں طرف پھیلا ہو کا عالم اور رات کا اندھیرا ایک دم اس کے حلق نے تیز چیخ نکلی۔

"کیا ہوا بیٹا کیوں اس طرح چیخ رہی ہو۔"

کانوں میں پڑنے والی یہ آواز یقیناً "آنٹی سکینہ کی تھی اس نے فوراً" سے بیشتر آنکھیں کھول دیں 'وہ اپنے بستر پر تھی شاید لائٹ چلی گئی تھی 'کمرے میں پھیلے حبس سے اس کی سانس بند ہو رہی تھی۔

"کچھ نہیں آنٹی عجیب ڈراؤنا سا خواب دیکھ لیا تھا بس اسی لیے ڈر گئی۔"

دل ہی دل میں خدا کا شکر ادا کرتے ہوئے اس نے سکینہ کو جواب دیا۔

"فجر کی اذان ہونے والی ہے اٹھ کر وضو کر لو 'نماز پڑھ کر قرآن کی تلاوت کرو 'بہت دن ہو گئے تم نے اپنی ماں کو کوئی تحفہ نہیں بھیجا 'پڑھو اور پڑھ کر اسے بخشو اس کی مغفرت کی دعا کرنے والا اس دنیا میں تمہارے سوا اور کوئی نہیں ہے۔"

آنٹی سکینہ کی بات ختم ہونے سے بیشتر ہی وہ اٹھ کھڑی ہوئی 'آنٹی نے کمرے میں رکھی ایمرجنسی لائٹ اٹھا کر باتھ روم میں رکھ دی تاکہ وہ اطمینان سے وضو کر سکے۔

"شکریہ آنٹی آپ میرا بہت خیال رکھتی ہیں سچ تو یہ ہے کہ ماں کی جگہ بے شک کوئی نہیں لے سکتا مگر اس کی کمی کو ضرور پورا کیا جا سکتا ہے اور یہ کمی آپ نے ہمیشہ پوری کی آپ میرے لیے اپنوں سے بھی بڑھ کر ہیں۔"

بے اختیار ہی اس نے آنٹی سکینہ کے دونوں ہاتھ تھام لیے "کوئی ماں اپنی اولاد پر احسان نہیں کرتی اس لیے میرا تم پر کوئی احسان نہیں ہے۔" سکینہ نے اس کے سر پر ہاتھ رکھا۔

"جاؤ وضو کرو اور پھر باہر لاؤنج میں آجاؤ وہیں نماز پڑھیں گے" خاموشی سے سر ہلاتی وہ باتھ روم کی جانب بڑھ گئی۔

☼ ☼ ☼

"تم فرہاد کے ساتھ لیڈی ڈاکٹر کے پاس کیوں نہیں جاتیں تاکہ وہ تمہارا اچھی طرح چیک اپ کر کے تمہیں کوئی دوا دے 'ہو سکتا ہے اس سے تمہیں متلی ہونا بند ہو جائے۔"

سادیہ نے چائے کا کپ اس کے سامنے رکھتے ہوئے پوچھا "فرہاد کے ساتھ۔" زینب نے آہستہ سے دوہرایا۔

"اس کے پاس کہاں ٹائم ہوتا ہے رات گیارہ بجے تو وہ دکان بند کر کے گھر آتا ہے۔"

"ہاں تو کیا ہوا اس کی دکان پر اور ملازمین بھی تو ہیں ان میں سے کسی کو بھی بٹھا کر تمہیں لے کر جائے 'بیٹا پیدا کرنے کا بہت شوق ہے مگر بیوی کا ذرا خیال نہیں۔"

سادیہ اتنی ہی منہ پھٹ تھی 'زینب سمجھتی تھی کہ اتنا پیسہ خود کمانے کی بدولت اس میں یہ خود اعتمادی آئی ہے دوسروں لفظوں میں شاید جاب نے یہ اعتماد بخشا تھا۔

"بہرحال مجھے کوئی حرج نہیں ہے میں تمہیں خود ڈاکٹر عطیہ کریم کے پاس لے جاؤں گی اچھی ڈاکٹر ہے تمہارا معائنہ کر کے تمہیں طاقت کی دوائیں دے گی کیونکہ میرے خیال میں تمہیں کافی کمزوری بھی ہو رہی ہے۔"

سادیہ نے اس کے زرد چہرے پر ایک نظر ڈالی۔

"فیس کتنی ہے اس کی؟"

سادیہ کی تمام باتوں کے جواب میں وہ صرف اتنا ہی بولی۔

"پتا نہیں مجھے تو خود چار سال ہو گئے اس کے پاس گئے ہوئے 'تم فرہاد بھائی سے کہو کہ تمہیں ڈاکٹر کے پاس جانا ہے پیسے دیں 'بیٹے کے لیے حکیم سے ڈھائی سو کی دوا تو خرید لایا اور یہ بھی پتا ہے کہ دوسرا مہینہ شروع ہوتے ہی کھانے لگو مگر بیٹا پیدا کرنے والی ماں کے لیے کیا کرنا ہے اس بارے میں کوئی علم نہیں 'مجھے تو حیرت ہے تمہاری دو

بیٹیاں کیسے ہو گئیں۔"

"مریم تو میری امی کے گھر ہوئی تھی وہ میری حالت دیکھ کر مجھے شروع میں ہی اپنے ساتھ لے گئی تھیں کیونکہ مجھے الٹیاں بہت تھیں' جگنو کی دفعہ بھی ساری ذمہ داری انہوں نے ہی اٹھائی تھی۔"

سادیہ کی طرف دیکھتے ہوئے زینب ہلکا ہنس دی "یہ پہلی ذمہ داری ہے جو فرہاد پر پڑی ہے اب دیکھو کیسے نبھاتا ہے۔"

"بس تو پھر فرہاد بھائی کو بگاڑنے میں تمہارا خود اپنا ہاتھ ہے۔ جب ساری زندگی ایک مرد پر کوئی ذمہ داری نہ ڈالو گے تو وہ ایسا ہی ہو گا اس میں فرہاد بھائی کا کوئی بھی قصور نہیں ہے۔"

سادیہ نے تاسف سے سر ہلایا۔

"وہ تو اب بھی سوچ رہے ہوں گے کہ شاید تمہیں پھر تمہاری امی ہی لے جائیں گی۔" سادیہ کی بات کافی حد تک درست تھی۔

"نہیں اس دفعہ جو کچھ بھی ہو گا میرے اپنے گھر پر ہی ہو گا' اب ماں کا گھر بھابھی والا ہے اور میں نہیں چاہتی کہ اس حوالے سے وہ کوئی بات کریں۔"

زینب کی سوچ کافی حد تک درست تھی۔

"چلو پھر تم شام میں ریڈی ہو جانا' ہم رکشہ میں چلیں گے ڈاکٹر عطیہ کے کلینک اور ہمارے گھر سے تو بس اسٹاپ بھی خاصا دور ہے' اس لیے رکشہ ہی بہتر رہے گا۔" سادیہ نے اسے پوری تفصیل سمجھائی۔

"ٹھیک ہے تم آجانا میں تیار ہو جاؤں گی۔"

وہ اپنی چادر سنبھال کر اٹھ کھڑی ہوئی' سادیہ اسے رخصت کرنے باہر دروازے تک آئی۔ وہ ہمیشہ سے ہی زینب کی اسی طرح چاہت کیا کرتی تھی۔

☆ ☆ ☆

"تمہیں شاہ زین کے ساتھ اس طرح جھوٹ نہیں بولنا چاہیے تھا۔" حبیبہ کی بات ختم ہوتے ہی کرن بول اٹھی۔

"اگر وہ تمہیں اپنے گھر والوں سے ملانا چاہتا تھا تو تمہیں جانا چاہیے تھا آخر اس میں حرج ہی کیا تھا۔"

"ضروری تو نہیں ہے' جو وہ چاہتا سو میں بھی ویسا ہی چاہوں!"

چیونگم کھول کر منہ میں ڈالتے ہوئے اس نے کرن پر ایک نظر ڈالی۔
"ہم بھی شاید شروع میں ہی میں نے تمہیں وضاحت دے دی تھی کہ مجھے بلاوجہ لوگوں پر جا کر مسلط ہونا بالکل پسند نہیں۔ اب سوچو ذرا ایک فیملی ڈنر جہاں آپ کے سارے اپنے موجود ہوں' آپ ایسے موضوع پر بات کر کے ہنس رہے ہو جو آپ سب کا مشترکہ ہے وہاں اچانک ایک اجنبی لڑکی آجائے جسے سوائے نام کے کوئی دوسرا نہ جانتا ہو تو یقیناً" آپ ہنستے ہنستے رک جائیں گے" آپ کا موضوع گفتگو تبدیل ہو جائے گا۔ آپ سب ریزرو ہو جائیں گے صحیح یا غلط؟"
بات کرتے کرتے ایک دم ہی حبیبہ نے کرن سے اپنی بات کی تصدیق چاہی۔
"جو تم کہہ رہی ہو وہ بالکل ٹھیک ہے حبیبہ مگر اجنبیت دور کرنے کے لیے کوئی ایک پہلا قدم تو اٹھانا پڑتا ہے۔"
"مجھے اتنا عرصہ ہو گیا اس آفس میں آج تک شاہ زین کی مما سے میری سلام سے زیادہ گفتگو نہیں ہوئی تو پھر سوچو بھلا میں کیسے ان کے گھر ڈنر کرنے چلی جاتی مجھے تو عجیب بد دماغ سی خاتون لگتی ہیں۔"
ٹانگ پر ٹانگ رکھتے ہوئے اس نے اپنا تجزیہ پیش کیا۔
"حیرت ہے یہ تم کہہ رہی ہو۔" اس کے انداز گفتگو نے کرن کو واقعی حیران کر دیا۔
"یاد ہے تم نے کافی عرصہ قبل مجھ سے کہا تھا کہ ضروری نہیں جو سامنے سے جیسا نظر آئے ویسا ہی ہو اور اپنی اس رائے کا اظہار تم نے میڈم کے لیے بھی کیا تھا۔"
"کیا ہو گا اس وقت جب میں یہاں نئی نئی آئی تھی اور انہیں جانتی نہ تھی۔"
اس نے کرن کی بات کو جھٹلایا نہیں "مگر اب ان کے بارے میں میرا خیال کافی حد تک تبدیل ہو چکا ہے میرے خیال میں وہ خاصی نک چڑھی اور بد دماغ سی خاتون ہیں۔"
"السلام علیکم سر۔"
کرن کے اس طرح بوکھلا کر سلام کرنے پر اس نے پلٹ کر دیکھا' دروازے کے عین درمیان شاہ زین کھڑا تھا وہ کب آیا دونوں کو اپنی گفتگو میں پتا ہی نہیں چلا اب جو دیکھا تو عجیب شرمندہ سی ہو گئی۔
"شاید اس نے ہماری گفتگو سن لی ہے۔"
شاہ زین کے چہرے کے تاثرات دیکھتے ہی اس نے اندازہ لگایا جس کی تصدیق اگلے ہی پل ہو گئی۔
"ایک مشورہ دوں آپ کو حبیبہ۔"
وہ آہستہ آہستہ چلتا حبیبہ کے سامنے آن کھڑا ہوا' سینے پر دونوں بازو باندھے لب بھینچے وہ سیدھا حبیبہ کی آنکھوں میں ہی جھانک رہا تھا اس کی سمجھ میں نہ آیا وہ کیا جواب دے' جبکہ کرن اپنے سامنے رکھی فائل اٹھا کر فوراً" ہی کمرے سے باہر کھسک گئی' اب وہاں وہ بالکل تنہا تھی۔
"کسی کے بارے میں کوئی رائے اس وقت تک قائم مت کیا کریں جب تک آپ اسے اچھی طرح جان نہ لیں کیونکہ کئی بار آپ کا لگایا ہوا اندازہ خود آپ کو بعد میں شرمندہ کر دیتا ہے۔"
یہ تو شاید اس کے اپنے الفاظ تھے جو وہ اکثر دوسروں سے کیا کرتی تھی۔
"سوری شاہ زین اگر میری کسی بات سے آپ کی دل آزاری ہوئی ہو۔"
"سوری کی کوئی بات نہیں ہے آپ ایک جمہوری ملک کی شہری ہونے کے ناطے اظہار رائے کی آزادی رکھتی ہیں اس پر کسی بھی قسم کی کوئی پابندی نہیں لگائی جا سکتی۔" وہ بدستور اپنی سابقہ سنجیدگی سے ہی بولا۔
"میں تو جسٹ مشورہ دے رہا ہوں' جسے ماننا یا نہ ماننا آپ کے مکمل اختیار میں ہے' میری طرف سے کوئی زبردستی نہیں ہے۔"

آہستہ آہستہ کہتا ہوا واپس پلٹ کر کمرے سے باہر نکل گیا۔
"شکر۔"
اس کے باہر نکلتے ہی حبیبہ نے اپنی کتنی دیر سے رکی سانس بحال کی۔
"مجھے لگتا ہے انہوں نے ہماری ساری باتیں سن لی تھیں۔"
شاہ زین کے باہر نکلتے ہی کرن فوراً" اندر داخل ہوتے ہوئے بولی۔
"ہاں۔"
شرمندگی حبیبہ کے لہجہ سے بھی جھلک رہی تھی۔
"مجھے پتا ہی نہیں چلا وہ کب ہمارے پیچھے آکر کھڑا ہوا۔"
"میرا خیال ہے وہ ہم سے ناراض ہو کر گئے ہیں۔"
تاسف کرن کے لہجہ سے بھی جھلک رہا تھا۔
"میں نے معذرت تو کردی تھی مگر شاید اس کا غصہ کم نہیں ہوا۔" حبیبہ کرسی پیچھے کھسکا کر اٹھ کھڑی ہوئی۔
"ذرا اس کا غصہ کم ہو تو میں ایک بار پھر ایکسکیوز کرلوں گی اب وہ مانے یا نہ مانے اس کی مرضی' جو الفاظ میرے منہ سے نکل گئے اب انہیں تو واپس نہیں لیا جاسکتا ہاں اگر ان الفاظ سے کسی کی دل آزاری ہو تو معذرت ضرور کی جاسکتی ہے۔"
حبیبہ اپنی ٹیبل کی طرف بڑھتے ہوئے بولی جبکہ کرن بنا کوئی جواب دیئے خاموشی سے اپنے کام میں مصروف ہوگئی۔

☼ ☼ ☼

"فرہاد۔ فرہاد۔"
اس نے فرہاد کا پاؤں ہلاتے ہوئے آواز دی۔
"کیا ہوگیا؟"
اپنی منہ سے کپڑا ہٹاتے ہوئے بمشکل اس نے آنکھیں کھولیں۔
"مریم کو اسکول چھوڑ آؤ' میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔"
اسے رات سے بخار تھا اس وقت تو بہت زیادہ نقاہت محسوس ہو رہی تھی' سر میں بھی شدید درد تھا۔
"تو چھٹی کروالو"
مشورہ سے نوازتے ہوئے اس نے دوبارہ چادر سر تک تان لی۔
"کروالیتی مگر آج اس کا پیپر ہے۔"
"کیا مصیبت ہے سکون سے سونا بھی نصیب نہیں۔"
چادر دور پھینکتا وہ اٹھ کھڑا ہوا۔
"بجائے مجھے بھگانے کے زیادہ بہتر تھا کہ تم اسے سادیہ کے ساتھ بھیج دیتیں وہ بھی تو اسی کے اسکول میں پڑھاتی ہے۔"
"ہاں مگر وہ صبح سویرے اسکول کے لیے نکل جاتی ہے۔"
"بات صرف اتنی ہے کہ تمہیں میرا سونا برداشت نہیں۔"
منہ ہی منہ میں بڑبڑاتا وہ مریم کی انگلی تھامے باہر نکل گیا۔ زینب میں بالکل کھڑے ہونے کی ہمت نہ تھی۔ وہ

تکیہ سیدھا کر کے وہیں لیٹ گئی آنکھ لگے کچھ ہی دیر ہوئی تھی جب فرہاد کی تیز آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی۔

"زینب۔ زینب۔"

اس نے آنکھیں کھول کر سامنے گھڑی پر ایک نظر ڈالی گیارہ بج گئے تھے۔

"اوہ۔" وہ اٹھنے کی کوشش کرنے لگی تاکہ فرہاد کو ناشتا بنا کر دے سکے۔

"تم نے میری دراز سے پیسے نکالے ہیں۔"

فرہاد کا آواز دے کر جگانے کا مقصد بھی غالباً "یہ ہی تھا۔

"کون سے پیسے۔"

کچھ تو طبیعت کی خرابی اور کچھ اچانک نیند سے بے داری وہ سمجھ نہ پائی فرہاد کیا کہہ رہا ہے۔

"مکان کے کرایہ کی رقم میں نے یہاں دراز میں رکھی تھی اس میں کچھ پیسے کم ہیں۔"

"اوہ اچھا۔"

زینب کو یک دم جیسے کچھ یاد آگیا۔

"مریم کو امتحان کی فیس دینی تھی آج آخری تاریخ تھی وہ رات کو نکالی تھی شاید پچاس روپے تھے۔" اس نے مکمل وضاحت دی۔

"پوچھ کر نکالنے چاہئے تھے۔" فرہاد کے لہجہ میں ناگواری تھی۔

"بنا پوچھے اس طرح اگر تم ہی رقم نکالو گی تو کل کو بچیوں کو کیا سبق دو گی؟ تمہیں دیکھ کر بچوں کو بھی چوری کی عادت ڈلے گی۔"

وہ بنا سوچے بولے چلا گیا۔

"چوری۔"

زینب کو فرہاد کی بات سن کر عجیب سا لگا۔

"یہ چوری نہیں ہے فرہاد گھر کی رقم گھر کی ضرورت کے لیے نکالی میں آپ سے لینا بھول گئی تھی بس اسی لیے۔"

شرمندگی کے ساتھ ساتھ اسے ہلکا سا غصہ بھی آگیا فرہاد کا رویہ گزرے وقت کے ساتھ کافی تبدیل ہوتا جا رہا تھا جانے کیوں وہ دن بدن نہ صرف چڑچڑا ہو رہا تھا بلکہ ذرا ذرا سی بات پر غصہ بھی زیادہ کرنے لگا تھا۔

"آئندہ ایسا مت کرنا کیونکہ مجھے یہ سب پسند نہیں۔"

پیسوں والی دراز کو تالا لگا کر چابی جیب میں ڈالتا وہ باہر نکل گیا۔

"بہت ہی گھٹیا شخص ہے اس حالت میں بھی ایک پچاس روپوں کو لے کر میری بے عزتی کر گیا۔"

غصہ میں پہلی بار زینب کے منہ سے فرہاد کے لیے اس طرح کے غلط الفاظ نکلے جن پر اسے بالکل افسوس نہیں تھا۔

☼ ☼ ☼

فاطمہ خالہ کے ساتھ گھر میں داخل ہونے والا وہ شخص اس کے لیے قطعی اجنبی تھا مارے حیرت وہ چارپائی سے اٹھ کھڑی ہوئی اس کے اس قدر حیرت زدہ ہونے کا سبب اس شخص کا حلیہ تھا نہایت سوٹڈ بوٹڈ ایک امیر و کبیر شخص، جس کے قیمتی پرفیوم کی خوشبو سے پورا صحن مہک اٹھا بنا پوچھے وہ جان چکی تھی کہ آنے والا کون ہے؟ اس نے پلٹ کر دیکھا ماں کچن کے دروازے سے باہر نکلی۔

"کون آیا ہے؟"

سوال کے ساتھ ساتھ ماں کی نظر اپنے سامنے کھڑے شخص پر پڑی وہ وہیں ساکت ہو گئی۔

"سالار۔"

ماں کے لبوں سے سرسراہٹ کے ساتھ وہی نام نکلا جو وہ سننا چاہتی تھی۔

"مجھے یقین نہیں آ رہا یہ تم ہو تم یہاں اس حلیہ میں یا خدا اگر میں نے تمہیں خود یہاں نہ دیکھا ہوتا تو شاید کبھی کسی کی بات پر یقین نہ کرتا۔"

اس نے نظر اٹھا کر دیکھا انکل سالار رو رہے تھے۔ کسی بھی مرد کو اس طرح روتے اس نے آج پہلی بار دیکھا تھا' ماں کے جسم پر کپکپی طاری تھی اس کے ہونٹ کانپ رہے تھے کہیں وہ گر نہ جائے' اسی خوف سے اس نے دیوار کا سہارا لے رکھا تھا۔

"میں نے تم سے کہا تھا زندگی میں جب میری ضرورت پڑے مجھے پکار لینا مگر تمہیں شاید مجھ پر بھروسا نہ تھا تم نے مجھے کبھی نہیں پکارا میں تو یہ ہی سمجھتا رہا کہ تم اپنی نئی زندگی میں خوش اور مگن ہو کر ہمیں بھول چکی ہو مگر یہ کیا تم اس حال میں۔۔۔ یقین جانو مجھے اس قدر شرمندگی ہو رہی ہے کہ میں لفظوں میں بیان نہیں کر سکتا۔"

وہ ماں کے قریب کھڑے آہستہ آہستہ بول رہے تھے اور ماں تھی کہ بس روئے جا رہی تھی' دونوں میں سے کسی کی بھی توجہ اس پر نہ تھی شاید وہ اس وقت وہاں بالکل مس فٹ تھی۔ مگر اسے خواہش تھی کہ انکل سالار' یہاں تک آ گئے یقیناً "اب ان کی زندگی سے تمام پریشانیاں دور ہونے والی تھیں ماں کی باتیں سن کر اسے ہمیشہ یہ ہی لگا کہ جیسے انکل سالار اس کے تمام دکھ اور پریشانیوں کو دور کرنے والی جادو کی چھڑی لے کر اس گھر میں آئیں گے اور آج وہ آ گئے۔

(باقی آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیں)

شبانہ شوکت

ذونا کشہ اس وقت بریانی کو دم لگا کر کباب فرائی کر رہی تھی کہ دھم سے وہ کھڑکی کے ذریعے اندر کودا' وہ بدک کر پیچھے ہوئی "تم کبھی نہیں سدھرو گے ہمایوں"

"کرنا بھی کیا ہے سدھر کر' کام تو چل رہا ہے نا' چلنے دو۔"

"کام ہی چلانا' ساری زندگی۔"

"بندے تو نہیں چلاتا نا یہ اچھی بات ہے۔"

"اپنی تعریفیں ہی کرتے رہو گے یا میرا ہاتھ بھی بٹاؤ گے؟"

"میں کیا تمہیں اپنی سہیلی نظر آرہا ہوں جو تمہارا ہاتھ بٹاؤں؟"

"دوست تو ہو نا' اب دیکھو میں اکیلی لگی ہوئی ہوں۔" اس نے خود پر بے چارگی طاری کی۔

"خالہ کہاں ہیں؟"

"وہ نہانے گئی ہیں۔"

"انہوں نے کوئی کام نہیں کیا؟" وہ بھی کائیاں تھا۔

"تم نے کچھ کروانا ہے تو ٹھیک ورنہ گول ہو جاؤ" وہ تپ گئی تھی۔

"واہ یہ ہے دوستی' چلو دو کباب ایک پلیٹ میں رکھ کر رائتے کے ساتھ دو' کھانے کے بعد ذرا اینر جٹک (Energetic) ہو کر تمہاری ہیلپ کروں گا۔"

"یہ لو کھاؤ مرو" وہ جل بھن گئی تھی۔ اس نے بہت تسلی اور اطمینان سے کباب نوش فرمائے اور مزید فرمائش داغ دی۔

"ایک کپ چائے ہو جائے۔"

"یہ تم میرا کام کروا رہے ہو یا میرا کام بڑھا رہے ہو۔" اب تو اس کا پارہ چڑھ گیا۔

"پریکٹس کروا رہا ہوں تاکہ ایکسپرٹ ہو جاؤ' وہاں سسرال میں کون مدد کروائے گا؟"

"کیا پتا حملو خود کروا دیں۔" اس نے شرارت سے کہا۔

"اوہ..." اس نے اوہ کو لمبا کھینچا "بڑی امیدیں لگائی ہوئی ہیں' وہ موصوف تو مل کر پانی نہیں پیتے' تمہیں کچن کا کام کروائیں گے' ایسا تو خواب بھی نہ دیکھنا۔" اس نے وارننگ دی۔

"چلو تم یہ برتن دھو دو' یا تمیں کم بناؤ' جب دیکھو ان کے متعلق کوئی نہ کوئی نیگیٹو بات ہی کرو گے۔"

"یہ نیگیٹو بات ہے۔ بہت سے مرد ہوتے ہیں ایسے جو گھر کا کام نہیں کرتے' ان کی اپنی مرضی' ویسے بھی مرد باہر جا کر کما کر لاتا ہے وہ ہی بڑی بات ہے' یہ تو میرے جیسے رحم دل لوگ ہوتے ہیں جو اپنی کزن پر رحم کھا کر گھر کے کام کروا دیتے ہیں۔"

"رحم..." وہ صدمے سے بے حال ہو گئی "کس پر رحم کھا رہے ہو تم؟"

"ہے ایک سست اور کاہل لڑکی' جس سے کچن کا آدھا کام بھی کروایا جائے تو ہلکان ہو جاتی ہے۔" وہ کون سا کم تھا۔

ذونا کشہ نے کفگیر اٹھا کر اسے مارنا چاہا مگر وہ کھڑکی کے راستے غائب' اس نے کوفت سے کفگیر سلیب پر پٹخا اور برتن دھونے لگی "کمینہ انسان' کباب بھی ٹھونس گیا اور کام بھی نہیں کروایا۔"

وہ جلتی بھنتی برتن دھو کر لاؤنج میں آئی تو اچھل ہی

پڑی۔ وہ سامنے امی کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔

"تم۔ تم۔" وہ غصے سے آگے بڑھی۔

"خالہ۔ خالہ مجھے بچالیں، یہ تو بہت خونخوار ہو رہی ہے۔" وہ امی کے پیچھے چھپنے کی ناکام کوشش کر رہا تھا اور وہ ادھر ادھر سے اچک اچک کر اس پر حملہ کرنے کی کوشش کر رہی تھی اور امی بے چاری اسے بچانے میں ہلکان "آئے ہائے زونی یہ کیا بدتمیزی ہے؟"

اچانک ہمایوں کے حلق سے ایک چیخ نکلی اور وہ نیچے کارپٹ پر گر کر تڑپنے لگا۔

"کیا تم کیا ہوا ہے ہومی، یہ کیا ہو رہا ہے تمہیں؟" امی کے تو ہاتھ پاؤں پھول گئے، زونائشہ پہلے تو اسے اس کی ایکٹنگ سمجھی مگر جب وہ کچھ زیادہ تڑپنے لگا تو اسے بھی گھبراہٹ نے آن گھیرا، پنجوں کے بل اس کے نزدیک بیٹھ کر وہ جیسے ہی جھکی اس نے اسے آنکھ ماری اور پھر سے تڑپنے لگا، کچھ دیر تو وہ ساکت ہی رہ گئی پھر تو جیسے اس کے تلووں پہ لگی اور سر پر بجھی۔ ایک ساتھ

دونوں ہاتھوں کے دھموکے اس کی پشت پر دے مارے۔ اب کی بار اس کے حلق سے نکلنے والی چیخیں حقیقی تھیں۔ وہ پے در پے اسے مکے مارنے لگی۔

"خالہ، خالہ بچائیں۔"

امی آگے بڑھ کر اسے روکنے لگیں۔ "تم تو بالکل ہی آؤٹ ہو جاتی ہو بھلا ایسے مارتے ہیں۔ اپنے سے بڑے بھائی کو؟"

"اللہ نہ کرے یہ میرا بھائی ہو۔" وہ چیخی۔

"یہاں کون مرا جا رہا ہے۔" اس نے مزید سلگایا تھا۔ اس کے ساتھ ہی وہ چھلانگ مار کر صوفے کے دوسری طرف پہنچ گیا کیونکہ وہ ایک بار پھر حملہ آور ہو چکی تھی۔

"زونائشہ، یہ کیا ہو رہا ہے بیٹا؟"

وہ جو اس کے پیچھے جانے کے لیے صوفے پر چڑھ چکی تھی۔ ابو کی آواز پر گھبرا کر مڑی تھی، ابو کے ساتھ ہی حماد بھی کھڑا تھا۔

"السلام علیکم" وہ جھٹ اتر آئی تھی۔

"وعلیکم السلام۔" صورت حال دیکھ کر دبی دبی سی مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر پھیلی ہوئی تھی، وہ کچن میں آئی، امی بھی پیچھے ہی آ گئیں "کیا سوچتا ہو گا حماد، ہر وقت اچھل کود ہی مچا رہی ہوتی ہو، ویسے ٹھیک بھی تم وہیں جا کر ہو گی، تمہاری ممانی نہیں اتنی چلبلی لڑکی برداشت کر سکتیں۔ دو دن میں سیدھا کر دیں گی۔"

"افوہ امی، اب ایسا بھی کیا ٹیڑھا پن ہے مجھ میں؟" اسے غصہ آیا۔

"یہ تمہیں معلوم ہو جائے تو رونا ہی کیا ہے۔ چلو اب ٹیبل لگاؤ میں سب کو بلا کر لاتی ہوں۔"

کھانا شروع ہوا تو ہمایوں ڈشز اٹھا اٹھا کر حماد کے آگے رکھنے لگا۔ "یہ کھاؤ حماد، بریانی زونائشہ نے بنائی ہے، یہ گرین چکن، یہ کباب، یہ سلاد اور رائتہ اور یہ فش بنائی تو اللہ تعالیٰ نے ہے لیکن اسے مسالا لگا کر فرائی زونائشہ نے کیا ہے۔" وہ نان اسٹاپ شروع ہو گیا حماد اور ابو ہنس پڑے تھے، امی نے مسکراہٹ چھپا کر فہمائشی نظروں سے اسے گھورا، اس ڈھیٹ پر کیا خاک اثر ہوتا تھا۔

"ابھی زونی ہمیں شاندار چائے پلائے گی۔" زونی نے بمشکل خود کو روکا تھا ورنہ تو کوئی پھڑکتا ہوا جواب دے ہی دیتی لیکن حماد کے سامنے تہذیب کا مظاہرہ کرنا مجبوری تھی لیکن ہمایوں کو ظاہر ہے کوئی مجبوری نہیں تھی۔

"ایک بات ہمیشہ کے لیے ذہن نشین کر لو کہ اس سے کوئی فرمائش کرو تو اس کی طرف سے مکمل احتیاط اور ذرا دور دور سے ہی فرمائش کرنا۔"

حماد نے بھنویں اچکائیں "دور، دور سے؟"

"وہ مم۔۔۔ میرا مطلب ہے، یہ پے در پے فرمائشوں سے گھبرا جاتی ہے نا تو اس کے ہاتھ سے چیزیں چھوٹ کر آپ کو چوٹ بھی پہنچا سکتی ہیں۔"

اس بار سوائے زونائشہ کے سب ہنس پڑے تھے۔

"بڑا تجربہ لگتا ہے۔" حماد نے چوٹ کی جواباً "ایک لمبی آہ بھری گئی" "تجربہ بھی، تازہ تازہ۔"

زونائشہ نے مسکراہٹ چھپانے کے لیے چاولوں کا چمچہ بھر کر منہ میں رکھا تھا، کھانے کے بعد زونائشہ چائے بنانے کے لیے کچن میں آ گئی۔ ساس پین میں چینی، پتی ڈال کر مڑی تو دروازے میں حماد کو کھڑا پایا

"کچھ چاہیے؟"

"کیا دے سکتی ہو؟" وہ شرارت سے مسکرایا تو وہ جھینپ گئی۔

"ویسے مجھے فی الحال تو پانی چاہیے تھا، وہاں ٹیبل پر نہیں تھا تو میں نے سوچا، کچن میں چل کر پانی بھی پی لوں اور۔۔۔"

"محترمہ کا کھل کر دیدار بھی کر لوں۔" وہ شیطان کی طرح نازل ہوا تھا۔ زونائشہ جو گلاس لے کر مڑی ہی تھی، اس کے یوں اچانک بولنے پر گھبرا کر گلاس ہاتھ میں چھوڑ بیٹھی جو سیدھا حماد کے پاؤں پر جا گرا، وہ بدک کر پیچھے ہٹا۔ ہمایوں کا قہقہہ بے ساختہ تھا۔

"میں نے کہا تھا نا کہ اس سے فرمائش دور رہ کر کرنا مگر تمہیں زبانی سمجھ نہیں آئی، اب اس نے عملی طور پر سمجھا دیا ہے، ان شاء اللہ آئندہ کے لیے اچھی طرح

عقل آ گئی ہو گی۔"

حماد بھی ہنس پڑا تھا "یار پانی تو فرمائش کے زمرے میں نہیں آیا یا آتا ہے؟؟"

"اچھا تو کسی بھاری فرمائش کی تیاری ہے تو آگے سے بھی کسی بھاری برتن کی امید رکھنا۔"

حماد مسلسل ہنس رہا تھا جبکہ زونائشہ کا تو بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ اس کے ساتھ کیا کیا کر ڈالے۔ ہمایوں نے آگے بڑھ کر پانی گلاس میں ڈال کر حماد کو پیش کیا۔

"اگر چائے پینی ہے تو باہر چل کر بیٹھو' ورنہ یہ جس طرح گھورنے کا کام کر رہی ہے تو دوسرے کام کے لیے اسے فراغت نہیں مل پا رہی۔"

حماد کو تو اچھو لگتے لگتے بچا۔ وہ تو خیر ہوئی ہے چائے پیتے ہی حماد کے ساتھ ہی ہمایوں بھی چل پڑا ورنہ زونائشہ اسے چھوڑنے والی نہیں تھی۔

☼ ☼ ☼

ہمایوں اور زونائشہ خالہ زاد تھے اور حماد ان کا ماموں زاد۔ حماد پانچ بہن بھائی تھے' دو بہنیں اور تین بھائی' ہمایوں تین بھائی ہی تھے' جبکہ زونائشہ کے بھی دو بھائی اور تھے یعنی وہ خود ایک بہن اور دو بھائی' وہ اکلوتی ہونے کا فائدہ اٹھانا تو چاہتی تھی مگر امی ہرگز اسے کوئی رعایت دینے پر تیار نہیں تھیں وہ اسے کم از کم کھانا بنانے میں طاق کر دینا چاہتی تھیں' وہ اپنی بھابھی کو اچھی طرح جانتی تھیں جنہیں کسی کا بنایا ہوا کھانا بڑی مشکل سے پسند آتا تھا۔ حماد اور زونائشہ کی منگنی ہو چکی تھی اور کچھ ہی عرصے میں شادی متوقع تھی۔

حماد آرمی میں کیپٹن تھا اور رینجرز میں پوسٹڈ تھا' رینجرز میں پوری ونگ ایجوڈنٹ کیپٹن کے انڈر تھی' وہ رینجرز میس میں ہی رہتا تھا' فیملی کے ساتھ ہی اسے رہائش ملنی تھی۔ آج وہ گھر آیا تو پھپھو سے ملنے بھی چلا آیا تھا۔

ہمایوں کمپیوٹر انجینئر بن کر ایک اچھی ساکھ والی فرم میں جاب کر رہا تھا' اس کی چلبلی طبیعت اتنے سنجیدہ شعبے سے میچ ہی نہیں کرتی تھی لیکن دو سال سے تو بڑی کامیابی سے اپنی جاب کر رہا تھا۔ اس کا گھر چونکہ زونائشہ کے برابر میں ہی تھا اس لیے وہ کسی بھی وقت ان کے گھر پایا جا سکتا تھا۔ زونائشہ P.A.F.U (پاکستان ایئر فورس یونیورسٹی) سے سافٹ ویئر انجینئر بن رہی تھی' اسے اپنے نوٹس یا اسائنمنٹ کے لیے ہمایوں سے مدد لینی پڑتی تھی' بہرحال اس معاملے میں وہ زونائشہ کے بہت کام آتا تھا' ہاں مگر اپنی خدمات کا معاوضہ اس سے اپنی خدمت کروا کر وصول کرتا تھا۔

"میں تو شکر کرتی ہوں میری شادی آرمی مین سے ہو رہی ہے' بیٹ مین ہی آدھے سے زیادہ کام کر دیتے ہیں۔ یہاں تو امی کا بس نہیں چلتا وہ مجھ سے کیا کیا کروا ڈالیں۔" وہ کلس رہی تھی۔

"یعنی تم صرف اس وجہ سے حماد سے شادی کر رہی ہو؟" ہمایوں تو حیرت سے مرنے والا ہو گیا' وہ خفیف سی ہو گئی۔

"اب ایسی بھی بات نہیں' میرا کہنے کا مطلب ہے کچھ سہولت تو زندگی میں میسر آئے گی' مجھ سے نہیں ہوتی یہ گھر داری۔"

"شاباش' ایسی دو چار لڑکیاں اور ہمارے معاشرے میں پیدا ہو گئیں تو ہم تو تر گئے۔" ہمایوں کے یوں طنزیہ سراہنے پر وہ چڑ گئی۔

"تو تمہارا کیا مطلب ہے سارا دن یونیورسٹی اور گھر داری میں گزار کر بھی میں خوش باش نظر آؤں اور مزید سے مزید کام ڈھونڈتی رہوں۔"

"تو حرج بھی کوئی نہیں' آخر وہ بھی تو عورتیں ہی ہیں جو گھریلو کاموں کے ساتھ کم آمدنی والے میاں کے ساتھ تعاون کرتے ہوئے چھوٹے موٹے کام کاج یا سلائی وغیرہ کرتی ہیں۔"

"کتنے خوفناک خیالات ہیں تمہارے۔" اس نے ناک چڑھائی۔

"پتا نہیں کون بدنصیب تمہاری بیوی بنے گی؟"

"بہت خوش نصیب ہو گی وہ' راج کرے گی' میرے گھر پر اور دل پر۔"

"اور کچن پر بھی' ہر وقت چولہے کے آگے کھڑا رکھو

گے اسے۔" اس نے لقمہ دیا۔ وہ ہنس پڑا" نہیں اگر اسے نہیں پسند ہوا تو بٹلر رکھ دوں گا۔"

"ہائے سبحان اللہ' مجھے تو اتنے لیکچر دیے گئے اور بیوی کے لیے بٹلر۔" "تو تم نے تو دوسرے گھر جانا ہے نا' میرے گھر آتیں تو میں تمہارے لیے بھی یہ فیسلٹز پروائیڈ کرتا۔"

اس کے شرارت سے کہنے پر وہ چیخ اٹھی۔ "ہمایوں کے بچے" وہ جمپ لگا کر دروازے تک پہنچا" میں تو حماد پر ترس کھا کر یہ آفر کر رہا تھا" اس کی جوتی اڑتی ہوئی دروازے کو لگی' وہ تو فرار ہو چکا تھا۔

✲ ✲ ✲

حماد کا فون آیا تھا۔ بات ختم کر کے وہ مسکراتی ہوئی لاؤنج میں آئی جہاں سامنے ہمایوں جلوہ افروز تھا" کھوں کھوں" وہ معنی خیز انداز میں کھنکارا تھا۔ وہ ڈھیٹ بن کر سامنے آبیٹھی۔

"کیا فرما رہے تھے موصوف؟"

"تمہیں اس سے مطلب؟" وہ تلملائی اس نے کندھے اچکائے۔

"میں تو یونہی بائی دا وے پوچھ رہا تھا ورنہ بے بنائے کو مزید بے وقوف بنانا کیا مشکل ہے ویسے آج کل حماد اپنے کرنل کی بیٹی کے ساتھ اکثر نظر آتا ہے۔"

وہ جو اس کے بے وقوف کہنے پر اسے بے بھاؤ کی سنانے لگی تھی' بری طرح سے چونکی تھی "کون سے کرنل کی بیٹی؟"

"کرنل عباس غوری کی بیٹی شاہین عباس۔"

"تمہیں اتنی معلومات کیسے ملیں؟"

"رکھنی پڑتی ہیں تمہاری وجہ سے۔"

وہ بڑے اطمینان سے کہہ رہا تھا۔ زونائشہ سوچ میں پڑ گئی۔ حماد کی باتوں سے تو اس کے متعلق کچھ معلوم نہیں ہوا تھا' اسے تو کبھی شک بھی نہیں ہوا تھا مگر ہمایوں جھوٹ کیوں بولے گا۔

"اس کے کرنل صاحب ریٹائرمنٹ لینے والے ہیں' وہاں ملیر کینٹ میں اپنا گھر لے چکے ہیں اور فیملی سمیت شفٹ بھی ہو چکے ہیں' آئے دن حماد کو بلوایا ہوتا ہے اور وہ سر کے بل دوڑا جاتا ہے۔" وہ گم صم سی ہو گئی تھی۔ ہمایوں کچھ دیر کنکھیوں سے اس کا جائزہ لیتا رہا پھر اٹھ گیا۔

"میں چلتا ہوں۔ تم غور کرو' حماد کے رویے میں کوئی تبدیلی۔"

"مجھے تو ایسا کچھ محسوس نہیں ہوا" وہ چونکی ہی بات سوچ رہی تھی اس لیے جلدی سے کہہ اٹھی۔

"اچھی بات ہے' ہو سکتا ہے کلم سے ہی جاتا ہو' پھر بھی دھیان رکھنا' بہر حال لڑکی بہت شاندار ہے۔" وہ اسے اندیشوں میں مبتلا کر کے خود چلا گیا تھا' اسے اس ان دیکھی لڑکی سے خوف آ رہا تھا جو حماد کو چھیننے کے درپے تھی۔

دوسرے دن اس نے حماد کا نمبر ملایا' دو بیلز جانے کے بعد اس نے کاٹ دیا تھا' اسے جھٹکا لگا تھا۔ اس نے پھر ٹرائی کیا تو اس نے ریسیو کر لیا" پلیز زونائشہ' میں بزی ہوں پھر بات کرتے ہیں۔"

اس نے فون بند کر دیا مگر پس منظر میں نسوانی آواز میں کہا گیا ایک جملہ "کتنی دیر لگے گی حماد؟" سن کر وہ شاکڈ رہ گئی تھی تو ہمایوں سچ کہہ رہا تھا' حماد واقعی اسی لڑکی کے ساتھ تھا۔ تقریباً" ایک گھنٹے بعد حماد کا فون آ گیا۔

"میں پوچھ سکتی ہوں کہاں بزی تھے؟" اس نے جھنجھلائے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

"میرا خیال ہے یہ قبل از وقت ہے' ایسے سوال تو شادی کے بعد اچھے لگتے ہیں۔" وہ شریر لہجے میں بولا۔ زونائشہ کو غصہ آ گیا۔

"یہ تو پوچھ سکتی ہوں نا کہ وہ لڑکی کون تھی؟"

وہ بری طرح چونکا تھا "کون سی لڑکی؟"

"یہ تو آپ کو معلوم ہو گا کون سی لڑکی جو آپ سے پوچھ رہی تھی کہ ہمیں کتنی دیر لگے گی؟" دوسری طرف سناٹا چھا گیا تھا۔

"کیوں آپ کیوں خاموش ہو گئے؟" اس نے طنزیہ پوچھا۔

"ہاں وہ ایکچولی کرنل صاحب کی فیملی میرے ساتھ تھی۔ ہم ایک ڈیپارٹمنٹل اسٹور میں تھے۔"
وہ جس طرح بوکھلایا تھا اس سے زونائشہ کے شک میں کچھ اور اضافہ ہوا تھا۔
"یعنی آپ انہیں گروسری شاپنگ کروا رہے تھے' کیا یہ بھی آپ کی جاب کا حصہ ہے؟"
"بائے گاڈ' زونائشہ تم تو بہت شکی ہو یار' ویسے ہی ایک دو دفعہ کرنل صاحب نے کہہ دیا اور میں ان کے ساتھ چلا گیا۔ اس میں کیا مسئلہ ہو گیا؟"
"اچھی بات ہے اگر کوئی مسئلہ نہیں ہے' مسئلہ بننا بھی نہیں چاہیے۔"
"بڑے دبدبے والی خاتون ہیں آپ' میں تو مرعوب ہو گیا۔"
"بڑی جلدی رعب میں آجاتے ہیں آپ؟"
"آنا پڑتا ہے' جو صرف منگیتر ہو کر ایسے حساب کتاب رکھے' وہ بیوی بن کر کیا کرے گی' مجھے تو ہول آ رہے ہیں۔"
"زیادہ ہولنے کی ضرورت نہیں' اب ایسی بھی خوفناک نہیں ہوں میں" اس نے برا منایا حماد زور سے ہنسا تھا۔
"نہیں تم تو بہت پیاری ہو۔ میرے دل سے پوچھو کتنی پیاری لگتی ہو" زونائشہ کا رنگ گلابی ہو گیا۔ اس نے الوداعی کلمات کہہ کر فون بند کر دیا۔

☆ ☆ ☆

"کرنل عباس کے بیٹے کو کمیشن ملا ہے تو انہوں نے کل پارٹی دی تھی' ساری شام حماد وہیں رہا تھا۔"
"اب اس کی جاب ہی ایسی ہے تو میں اسے وہاں جانے سے روک تو نہیں سکتی۔"
"یہی تو پرابلم ہے' ابھی سے لگام میں کسو گی تو وہ اپنی ایکٹیویٹیز کم کرے گا ورنہ شادی کے بعد تو توقع بھی نہ رکھنا کہ وہ تمہارے قابو میں آئے گا۔" بات تو ہمایوں کی ٹھیک تھی۔
"امی سے بات کروں؟" وہ اچھل پڑا۔
"دماغ ٹھیک ہے' وہ ہرگز یقین نہیں کریں گی بلکہ تمہاری عزت افزائی کے کافی زیادہ چانسز ہیں۔" اس نے زونائشہ کو ڈرایا۔
"ہاں البتہ تم حماد سے بات کر لو۔"
"پتا نہیں حماد کیسے ری ایکٹ کریں۔" وہ کچھ گھبرائی۔
"جو بھی اس کا ری ایکشن ہو گا اس سے بات سمجھنے میں تو آسانی ہو جائے گی۔" اس نے تفہیمی انداز میں سر ہلایا۔
کچھ ہی دنوں میں حماد ان کی طرف چلا آیا۔ بڑی مشکل سے اسے تنہائی میں بات کرنے کا موقع ملا تھا۔
"کیا؟" وہ چیخ پڑا "تمہیں کس نے یہ سب بتایا ہے؟"
"کسی نے نہیں' مجھے ایسا لگا تو میں نے پوچھا۔"
"اگر ایسے شکوک و شبہات رکھو گی تو آگے بہت مشکل ہو جائے گی۔ اب اپنے کام کے سلسلے میں کس کس سے ملنا پڑتا ہے تو میں کیا تمہیں وضاحتیں ہی دیتا رہوں گا۔" وہ غصے میں آگیا تھا۔
"اگر میں کسی لڑکے سے ملوں تو آپ کو غصہ نہیں آئے گا؟"
"بلاوجہ ملو گی تو ظاہر ہے پوچھنا ہی پڑے گا' اطمینان رکھو' میں کسی سے اس وجہ سے نہیں ملتا جو تم سمجھتی ہو اور نہ مجھے تمہارے اوپر کسی قسم کا شک ہے۔" وہ خاموش ہو گئی' رہ بھی کیا گیا تھا کہنے کو۔

☆ ☆ ☆

اس دن وہ اور امی بازار آئی تھیں لان کے کپڑے لینے' دونوں ایک دکان میں داخل ہوئیں تو ٹھٹک گئیں' سامنے کاؤنٹر پر حماد ادائیگی کر رہا تھا اور ایک بے حد خوب صورت لڑکی اس کے ساتھ شاپرز تھامے کھڑی تھی۔
"یہ کون ہے حماد کے ساتھ؟"
امی خود کلامی کے انداز میں بڑبڑائیں۔ زونائشہ تیزی سے ان کے قریب پہنچی "السلام علیکم۔"

حماد نے چونک کر اسے دیکھا اور واضح طور پر اس کا رنگ اڑا تھا' امی بھی نزدیک آچکی تھیں۔ انہیں سلام کر کے وہ اس لڑکی کی طرف مڑا "شاہین یہ میری پھپھو ہیں اور یہ زونائشہ میری پھپھو کی بیٹی۔"

"اور فیانسی بھی" زونائشہ نے بہت چبا چبا کر کہا تھا۔

"یس آف کورس" حماد اب سنبھل چکا تھا' شاہین البتہ چونک گئی تھی۔

"تو یہ ہیں آپ کی فیانسی" وہ اب بغور اسے دیکھ رہی تھی۔ وہ بھی ڈٹ کر کھڑی ہو گئی۔ اس کے چہرے پر تناؤ کی کیفیت تھی۔ حماد قدرے محتاط تھا' امی نے زونائشہ کو آگے بڑھنے کے لیے کہا۔

"چلو کپڑے لیں اور گھر چلیں۔"

"اچھا پھپھو میں اب چلوں۔"

"تو یہ یہیں رہیں گی۔" زونائشہ نے طنزیہ اسے دیکھا۔

"نہیں' میں آئی جب حماد کے ساتھ تھی تو ظاہر ہے جاؤں گی بھی انہیں کے ساتھ۔" شاہین بھی جتا کر بولی تھی۔ حماد اور امی بیک وقت آگے بڑھے اور حماد شاہین کے ساتھ باہر کی طرف اور وہ امی کے ساتھ اندر کی طرف۔

زونائشہ کی دلچسپی ہر چیز میں ختم ہو چکی تھی' اس کے ذہن میں آندھیاں سی چل رہی تھیں' ہمایوں اسے بتا بتا کر تھک گیا اور وہ اسے جھٹلاتی رہی۔ گھر آنے کے بعد بھی اس کی یہی کیفیت رہی۔ اس دن ہمایوں بھی رات کو دیر سے آیا۔

"آج تو بہت تھک گیا ہوں۔ اتنا کام تھا آفس میں کہ سر اٹھانے کی فرصت نہیں ملی۔" وہ چپ بیٹھی اپنے ناخن کھرچتی رہی۔ وہ ٹھٹکا۔

"خیر تو ہے کوئی بات ہوئی ہے؟"

وہ پھر بھی چپ رہی تو وہ واقعی پریشان ہو گیا۔

"زونائشہ کیا ہوا ہے؟"

"تم ٹھیک کہہ رہے تھے حماد کے متعلق۔ آج میں نے بھی اسے اس لڑکی کے ساتھ دیکھا ہے۔" وہ تو اچھل ہی پڑا۔ "کب' کہاں؟"

"اکرم شاپ پر' وہ اس لڑکی کو شاپنگ کروا رہا تھا۔"

"اوہ۔" وہ کچھ دیر خاموش رہا۔ "تعارف نہیں کروایا اس نے؟"

"کروایا تھا۔ میرے متعلق کہا کہ یہ کزن ہے۔ میں نے بتایا کہ فیانسی بھی ہوں میں ان کی پھر محترم کو خیال آیا کہ جی ہاں یہ میری فیانسی ہیں۔"

ہمایوں نے بڑی محتاط نگاہوں سے اس کا جائزہ لیا۔

"فون نہیں آیا حماد کا؟"

"نہیں۔ ابھی تک تو نہیں آیا؟"

"دیکھو وہ کیا کہتا ہے۔"

"کیا کہے گا' اس دن بھی یہی کہہ رہا تھا کہ تم غلط شک کر رہی ہو اب آنکھوں سے دیکھ کر بھی میں خود کو ہی غلط سمجھتی رہوں۔"

"اس لڑکی کا کیا ریسپانس تھا؟"

"وہ تو زیادہ ہی فدا ہوئی لگتی ہے' میں تو جاؤں گی بھی حماد کے ساتھ اس نے نقل اتاری۔ ہمایوں نے مسکراہٹ دبائی اس خونخوار بلی کا کچھ پتا بھی نہیں تھا کہ اٹھا کر کچھ دے مارتی کہ میں رو رہی ہوں اور تم ہنس رہے ہو۔

کچھ دن گزرے کہ امی کی طبیعت موسمی بخار کی وجہ سے خراب ہو گئی تو ممانی انہیں دیکھنے کے لیے آئیں' حماد سے چھوٹا فواد ان کے ساتھ تھا۔ باتوں باتوں میں شاہین کا ذکر آگیا "بڑی پیاری بچی ہے ماشاء اللہ سے انگریز لگتی ہے لیکن عادت' اخلاق کی اتنی اچھی کہ لگتا نہیں کہ اتنی پڑھی لکھی اور ہائی فائی فیملی سے تعلق رکھتی ہے۔" ممانی شاہین کی تعریف میں رطب اللسان تھیں۔

"بڑی تعریفیں کر رہی ہیں بھابھی' کیا فواد کے لیے ارادہ ہے؟" ثروت خالہ (ہمایوں کی امی) کچھ کھٹک سی گئی تھیں۔

"نہیں بھئی ابھی سے کہاں فواد کے لیے' ویسے بھی اس کا اور اس کا جوڑ کہاں' بڑے خوش نصیب ہوں گے وہ جن کے گھر اجالا بکھیرے گی۔" انہوں نے

ٹھنڈی آہ بھری۔

"تو آپ یہ چھوٹا موٹا فرق نہ دیکھیں اور یہ اجالا اپنے گھر لے آئیں۔"

"میں کیا اور میری خواہش کیا' ہوتا تو وہی ہے جو آپ کے بھائی چاہتے ہیں۔" ان کے لہجے کی کاٹ پر ثروت تو کھول کر رہ گئیں۔

"بھابھی نے تو لگتا ہے ہم پر احسان کیا ہے یہ رشتہ کر کے' سعد بھائی جلدی نہ کرتے تو میں اپنے ہمایوں کے لیے زونائشہ کو مانگ لیتی۔"

عشرت پھیکے سے انداز میں مسکرا دی تھیں۔

☼ ☼ ☼

تقریباً" ایک ہفتے بعد حماد کا فون آیا تھا' وہ کچھ ہچکچایا ہوا سا تھا۔ "تم ٹھیک ہو نا؟" اس کے تیسری بار پوچھنے پر اسے تاؤ آ گیا۔

"آپ کو یقین کیوں نہیں آ رہا' آپ کے خیال میں میں آپ کو اس لڑکی کے ساتھ دیکھ کر صدمے سے بیمار پڑ گئی ہوں۔"

"خدانا خواستہ' میں ایسا کیوں سمجھنے لگا۔"

"سمجھنا چاہیے بھی نہیں' خوش فہمی کہلاتی آپ کی۔" وہ ہنس پڑا "یہ تو ہے' پھپھو کیسی ہیں اب؟"

"الحمدللہ ٹھیک ہیں' کچھ جلدی نہیں خیال آیا۔"

"میں ان سے پوچھ چکا ہوں' ویسے آج کیا صرف طنز ہی کیا جائے گا؟"

"نہیں بہت خوشگوار باتیں بھی ہو سکتی ہیں' اگر آپ چاہیں تو۔"

"میں کیوں نہیں چاہوں گا' عموماً" منگیتر کے ساتھ بات چیت ایک خوشگوار عمل ہی ہوتا ہے۔"

"یہ تو میری معلومات میں اضافہ ہے یقیناً"۔"

اب کی بار وہ کافی دیر ہنستا رہا تھا۔

"ماں بہت تعریف کر رہی تھیں شاہین کی بقول ان کے جس گھر میں جائے گی اجالا کر دے گی۔"

"اب اس بارے میں' میں کیا کہہ سکتا ہوں' یہ تو امی کے خیالات ہیں" "خیالات تو غالباً" آپ کے بھی یہی ہیں' تبھی تو اس کی خدمت میں ہر طرح سے حاضر رہتے ہیں۔"

"پلیز زونائشہ اسٹاپ دس' ٹھیک ہے تم میری منگیتر ہو لیکن اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ میں تمہیں اپنے ہر عمل کی وضاحت کرتا رہوں۔"

"مت کریں' لیکن اگر میں بھی آپ کو ہر جگہ کسی ایک لڑکے کے ساتھ نظر آؤں تو شک میں آپ بھی مبتلا ہو سکتے ہیں۔"

"میں کوئی دعوا تو نہیں کرتا لیکن تمہاری اور ہمایوں کی بے تکلفی پر میں نے کبھی شک تک نہیں کیا۔"

وہ سناٹے میں رہ گئی تھی' کتنے سکون سے اس نے اس کے پیروں کے نیچے سے زمین کھینچ لی تھی۔

☼ ☼ ☼

ہمایوں کب سے اس کی منتیں کر رہا تھا' اسے اپنے دوست کی شادی میں پہننے کے لیے چند ڈریسز لینے تھے' زونائشہ پتا نہیں کیوں کترا رہی تھی "یار' مجھے اس کے لیے گفٹ بھی خریدنا ہے۔ مجھے کچھ اندازہ نہیں' تم ہو گی تو کوئی مشورہ تو دو گی نا۔"

"زونی کیا ہو گیا ہے تمہیں' پہلے تو خوشی خوشی چل پڑتی تھیں اور اب وہ کتنی بار کہہ چکا ہے۔"

امی نے ناراضی سے کہا۔ وہ نہ چاہتے ہوئے اٹھی تھی۔ شاپنگ کے بعد وہ لوگ آئس کریم کھانے کے لیے رکے تو وہاں حماد کے ساتھ شاہین سمیت مزید ایک لڑکی اور ایک لڑکا موجود تھے۔ زونائشہ کے ہونٹ سختی سے بھینچ گئے تھے۔ وہ وہیں سے پلٹ جانا چاہتی تھی مگر ہمایوں ہیلو ہائے کرنے ان کے پاس پہنچ گیا تھا۔

"او زونائشہ' کیسی ہیں آپ؟"

شاہین اسے دیکھ کر کھڑی ہو گئی تھی اس نے سرد مہری سے اس سے ہاتھ ملایا تھا' ہمایوں تو ایسے گھل مل گیا تھا جیسے نجانے انہیں کب سے جانتا ہو' حماد کے البتہ واقعی حواس گم ہو چکے تھے۔ زونائشہ کھل کر اپنے شکوک کا اظہار کر چکی تھی اور وہ ایک دفعہ پھر شاہین کے ساتھ پایا گیا تھا۔

"آئیں' ہمیں جوائن کریں' یہ میری بہن ہے رامین اور یہ میرا بھائی ہے رومیل" شاہین نے تعارف کروایا۔ وہ دونوں مسکرائے تھے۔ ہمایوں ایک کرسی پر بیٹھ گیا تھا۔

"آؤ زونی' حماد کی جیب ہلکی کروائیں۔"

"نہیں' مجھے جانا ہے" وہ اسی طرح کھڑی تھی۔

"چلتے ہیں یار' گھر ہی تو جانا ہے۔"

"ٹھیک ہے تم بیٹھو' میں جا رہی ہوں۔" وہ مڑی اور تیز تیز چلتی ہوئی گلاس ڈور دھکیل کر باہر آئی ہی تھی کہ پیچھے سے ہمایوں نے بازو پکڑ لیا۔ "حد ہو گئی اتنا غصہ"

"کیوں آئے ہو۔ بیٹھے رہتے وہیں انجوائے کرتے۔" وہ بازو چھڑا کر اسی تیزی سے چلتی ہوئی گاڑی تک آئی تھی۔

"تم رو کتیں تو انجوائے کرتا نا' اب تمہیں ناراض ہو کر تو جانے نہیں دے سکتا تھا' جیسے لایا ہوں ویسے پہنچاؤں گا۔" اس نے گاڑی اسٹارٹ کی' ساتھ ہی انکھیوں سے اس کا جائزہ لیا' اس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔

"ویسے شامت میری آ گئی خواہ مخواہ' جن پر غصہ تھا' ان پر تو اتارا نہیں' وہاں ملے تو آ گئیں چپ چاپ۔" اس نے بھڑ کے چھتے کو چھیڑا تھا۔

"دوسری صورت میں بھی تکلیف تمہیں ہی ہوتی کہ میرے ساتھ آ کر یہ تماشا کھڑا کیا ہے۔" وہ اسی پر الٹ پڑی تھی۔

"واللہ' میری تکلیف کا اتنا خیال؟ ایسا کب سے ہونے لگا؟" اس نے شرارت سے پوچھا۔ اس نے غصے سے اسے دیکھا ضرور مگر بولی کچھ نہیں۔

"اچھا کہیں اور سے آئس کریم کھلا دوں؟ اس کیفیت میں تو بہت ضروری بھی ہے۔" ہمایوں کی تو لگتا تھا آج سچ مچ آئی ہوئی تھی۔

"زیادہ ضروری یہ ہے کہ تم مجھے اتار دو' میں رکشہ یا ٹیکسی سے گھر چلی جاؤں گی۔ تم اور تمہاری بکواس دونوں میری برداشت سے باہر ہیں۔" وہ کھلکھلا کر ہنس پڑا تھا۔ زونائشہ نے کھا جانے والی نظروں سے اسے دیکھا تھا۔ "ڈھیٹ انسان"

"یار بلیو کرو' مجھے کچھ سمجھ نہیں آ رہا' میں کیسا ری ایکٹ کروں اب نہ تو میری منگنی ہوئی ہے اور نہ میری منگیتر مجھے چھوڑ کر کسی اور کے ساتھ مصروف ہے کہ میں یہ فیلنگز سمجھ سکوں اور تمہارے دکھ میں شریک ہو سکوں۔" وہ شرارت سے بولا۔ جواباً" زونائشہ کی آنکھیں ڈبڈباتے دیکھ کر بوکھلا گیا تھا۔

"سوری' سوری یار ایکسٹریملی سوری' میں تو بس یونہی۔ آئی ایم جسٹ کڈنگ پلیز زونی۔" اس نے گاڑی ایک سائیڈ پر روک دی تھی۔ ٹشو باکس میں سے چند ٹشو کھینچ کر اس نے اس کے بہتے ہوئے آنسو صاف کیے۔

"پلیز سوری نا' اب بس کرو' مجھے بالکل اچھا نہیں لگ رہا تمہارا رونا۔"

"حالانکہ جب سے انہیں دیکھا ہے۔ تب سے تمہاری ہنسی ہی نہیں رک رہی تھی۔" وہ روتے روتے چلائی تھی۔ وہ کچھ دیر چپ چاپ اسے دیکھتا رہا۔

"بہت دکھ ہوا ہے۔ انہیں ساتھ دیکھ کر۔" اس کی آواز دھیمی تھی۔

"اگر یہ سب سچ ہوا تو سوچو' ہمارے رشتے کا کیا بنے گا۔ امی ابو پر کیا بیتے گی؟"

"تم صرف اپنا سوچو' کیونکہ تم براہ راست متاثر ہو گی' بلکہ تم ایک بار خالہ سے یہ بات کر کے دیکھو' وہ خود ہی کلیئر کروائیں گی۔" وہ اسے سمجھا بجھا کر گھر لایا' اپنے ہاتھوں سے چائے بنا کر دی اور اسے ریلیکس دیکھ کر ہی گھر گیا تھا۔

☆ ☆ ☆

"امی آپ سیریس ہو کر سوچیں' آخر ہر جگہ وہ لڑکی حماد کے ساتھ ہی کیوں ہوتی ہے' آپ لوگ کھل کر حماد سے باتیں کریں گے تو شاید وہ بتا بھی دیں' میری بات کو تو وہ کوئی اہمیت ہی نہیں دیتے۔"

اس نے صبح ناشتے سے فارغ ہوتے ہی امی کو بتایا تھا۔ وہ متفکر سی کچھ دیر اسے دیکھتی رہیں۔

"آپ ہمایوں سے بھی پوچھ لیں۔ وہ بتادے گا آپ کو اور امی۔۔۔" وہ جھجک کر رکی "اب اگر حماد اس سے ملنا نہیں چھوڑتے تو بعد کی کیا گارنٹی ہے۔"

"دیکھو بیٹا! منگنی' شادی کوئی کھیل تو نہیں جو محض شک کی بنیاد پر ختم کردی جائے' میں دیکھتی ہوں اس معاملے کو' تم پریشان مت ہو۔" انہوں نے اسے تسلی دے کر یونیورسٹی بھیج دیا مگر خود بہت بے چین ہو گئی تھیں۔

شام کو ہمایوں آیا تو وہ اسے اپنے کمرے میں لے آئیں۔ ہمایوں نے وہی بتایا جو ذونانشہ بتا چکی تھی۔ وہ واقعی پریشان ہو گئی تھیں۔

"میں خود حماد سے بات کر دیکھوں؟"

"میرے خیال میں تو آپ ماموں سے بات کریں۔ حماد آپ کو بھی بہلا لے گا۔ وہ سچ نہیں بتاتا مگر اس لڑکی کے ساتھ ہر جگہ پایا بھی جاتا ہے۔ ہو سکتا ہے وہ ماموں کی وجہ سے یہ رشتہ نبھا رہا ہے تو ایسے رشتے کی کیا گارنٹی ہے۔ شادی کے بعد تو آپ اس طرح سے پوچھ بھی نہیں سکتے تو ابھی معاملہ صاف کرلیں تو بہتر ہے۔"

"ٹھیک کہہ رہے ہو' میں آج سعد بھائی سے بات کرتی ہوں۔" انہوں نے سعد بھائی کو فون کرکے اپنے ہاں آنے کو کہا تھا۔ وہ رات کو آگئے تھے۔ انہوں نے دبے دبے لفظوں میں خدشہ ظاہر کیا تو وہ سوچ میں پڑ گئے۔

"فی الحال میں کچھ نہیں کہوں گا دو دن بعد میں آؤں گا تو پھر بات کریں گے۔" انہوں نے نہ بیٹے پر شک کرنے سے منع کیا نہ ہی کوئی وضاحت دی اور چلے گئے ان کے مبہم رویے نے عشرت کو مزید پریشان کیا تھا۔

"میرا خیال ہے' میں جہاں تک سمجھا ہوں' وہ لڑکی حماد میں بہت زیادہ انٹرسٹڈ ہے' اسے اس کی منگنی کا بھی علم ہے مگر اس کے باوجود وہ اس سے شادی کی خواہشمند ہے۔ حماد سے میں نے صاف بات کی ہے اگر وہ بھی اس میں دلچسپی رکھتا ہے تو میں اپنی بہن کو جواب دے دوں' میں سمجھتا ہوں کہ مجھے اس سارے معاملے کی مزید تحقیق کرنی پڑے گی تم فکر مت کرو' مجھے اگر میرے بیٹے نے تمہارے سامنے شرمندہ کروا بھی دیا تو میں ذونانشہ کی خود بہت اچھی جگہ شادی کرواؤں گا۔"

عشرت کو تو لگ رہا تھا کہ وہ کم از کم ایک گھنٹہ تو وہاں سے ہل بھی نہیں پائیں گی۔ سعد بھائی تحقیق کرنے والے نہیں تھے' کر چکے تھے' اتنا تو وہ بھی سمجھتی تھیں تبھی تو دکھ سے شل ہو گئی تھیں۔

✲ ✲ ✲

پھر کچھ ہی دنوں میں سعد بھائی کا معذرت کا فون آ گیا تھا' حماد نے شاہین کے حق میں فیصلہ دیا تھا۔ وہ بھی شاید کھل کر بات کرنے کا منتظر ہی تھا۔ پیچھے سے ماں کی سپورٹ بھی حاصل تھی۔ ایک اعصاب شکن مرحلہ تھا جس سے ہر صورت گزرنا تھا۔ عشرت کا صدمے سے برا حال تھا تو ٹوٹ پھوٹ تو ذونانشہ بھی گئی تھی۔ ثروت نے البتہ اپنا غصہ خوب ظاہر کیا تھا۔

"حد ہوتی ہے ہر بات کی بھی۔ پہلے ہی اس لڑکے سے اس کی مرضی پوچھتے پھر منگنی جیسی رسم کرتے اور ابھی تو شکر ہے پہلے پتا چل گیا ورنہ وہ تو یہی کچھ شادی کے بعد بھی کرتا۔ دو سال منگنی رہی ہے پہلے نہیں چھوٹا اب جب معاملہ کلیئر کروایا گیا تو محترم نے اعتراف کیا' یہ تربیت کی ہے بھابھی نے اور جب بھابھی خود ہی بڑھ چڑھ کر اس لڑکی کی اتنی تعریفیں کر رہی تھیں تو بیٹا کیوں نہ فدا ہوتا۔ یہ شرفا کے طور طریقے نہیں ہیں' آگے اپنی بھی بہنیں ہیں کچھ تو اللہ کا خوف کرے۔"

عشرت نے انہیں روکنا چاہا مگر انہوں نے خوب کھری کھری سنائیں سعد بھائی خاموشی سے سنتے رہے' کہتے بھی کیا' بیٹے نے بہنوں کے سامنے رسوا بھی خوب کیا تھا۔

"وہ کیسی پیاری میری بیٹی' میری نظر سے کوئی دیکھے تو پری بھی اس کے آگے پانی بھرتی ہے۔ کیسے وہ ناہنجار حماد کو پسند آگئی اور میری بچی کو ایسا روگ لگا دیا۔"

"اللہ نہ کرے ذونی کو کوئی روگ لگے۔" ہمایوں نے بے اختیار انہیں ٹوکا۔ انہوں نے ناراضی سے اسے

دیکھا۔

"کتنی ہنستی کھیلتی بچی ایسی گم صم ہوئی ہے کہ پاس جا کر بیٹھو تو اسے پتا ہی نہیں چلتا۔ کتنا عرصہ لگے گا اسے اس صدمے سے باہر آنے میں اللہ نے چاہا تو خوش حماد بھی نہیں رہے گا۔"

"ایسی تو نہ بولیں امی پلیز' اب ایسا بھی کیا کر دیا اس بے چارے نے۔"

"یعنی ابھی کمی رہ گئی ہے۔" وہ غضب ناک ہوئیں "تمہیں ذرا شرم نہیں آئی یہ بات کرتے ہوئے' اس سے بڑا دھوکا وہ کیا دے سکتا تھا۔"

"بہر حال امی' وہ آپ کے بھائی کا بیٹا ہے' اسے بد دعا تو نہ دیں غلطی تو ہر انسان سے ہو ہی جاتی ہے۔"

"ایسی غلطی معمولی کبھی نہیں کہلائی جا سکتی' تمہیں اندازہ ہے' زونائشہ کا دوبارہ رشتہ کرنے میں آئندہ کیا کیا مشکلات پیش آ سکتی ہیں' کتنی وضاحتیں دینی پڑیں گی منگنی ٹوٹنے کی۔ اتنا آسان نہیں ہے یہ سب' اللہ میری زونی پر رحم فرمائے' پتا نہیں اب کیسے لوگوں سے واسطہ پڑے گا۔"

"مجھے ایسا کیوں لگتا ہے کہ آپ کی میموری کمزور ہوتی جا رہی ہے۔" انہوں نے اس بے موقع بات پر اسے حیرت و ناراضی سے دیکھا۔

"جب ماموں نے زونائشہ کا رشتہ مانگا تھا تو آپ نے کہا تھا کہ میں نے دیر کر دی ورنہ میں اپنے ہمایوں کے لیے زونائشہ کو لیتی اور اب۔۔۔" اس نے ماتھے پر آئے بالوں کو پھونک مار کر اڑا لیا تھا۔

"آپ کو میں ہی نظر نہیں آ رہا؟"

انہوں نے خوشگوار حیرت میں گھر کر اسے دیکھا تھا۔ "واقعی ہمایوں" "میں نے یہ بات اس لیے نہیں کی کہ تم یہ نہ سوچو۔۔۔"

"پلیز امی' زونی کے لیے میں ایسا ویسا کچھ نہیں سوچتا بلکہ ہمیشہ بہت اچھا ہی سوچتا ہوں۔" وہ شرارت سے ہنسا تھا۔ وہ بھی ہنس پڑی تھیں۔

☼ ☼ ☼

"تمہیں بہت دکھ ہوا ہے حماد کے ساتھ منگنی ٹوٹنے کا؟" ہمایوں نے آہستگی سے پوچھا' وہ جو کب سے یونہی خاموش بیٹھی تھی چونک گئی۔

"اتنا عرصہ ایک نام' اپنے نام کے ساتھ جڑا سنتے رہنے سے اتنا تو تعلق بن ہی جاتا ہے کہ اگر وہ یوں ٹوٹ جائے تو دکھ تو محسوس ہوتا ہے۔" وہ افسردگی سے مسکرا دی تھی۔

"خیر یہ کوئی ضروری تو نہیں کہ تعلق ہونے سے یا نام جڑنے سے ہی کوئی اچھا لگنے لگے' بغیر کسی تعلق کے بھی کوئی یوں روح میں سما جاتا ہے کہ لاکھ اسے دل و دماغ سے نکالنے کی کوشش کرو۔ وہ کوشش رائیگاں ہی جاتی ہے' اس کا دکھ اپنا دکھ اور خوشی' اپنی خوشی لگتی ہے۔"

زونائشہ نے انتہائی متحیر ہو کر ہمایوں کو دیکھا تھا وہ اس کے تاثرات بھانپ کر بے اختیار ٹھٹکا تھا "میرا مطلب ہے۔۔۔"

"تم کہیں انوالو ہو؟"

"تمہیں یہ شک کیسے ہوا؟" وہ بلاوجہ ہی مسکرایا تھا۔

"اتنی گہری بات تو بندہ تب ہی کرتا ہے' جب اس پر یہ واردات گزر چکی ہو۔"

"مشاہدہ بھی کوئی چیز ہے مائے ڈیئر میں تو بائے دا وے بات کر رہا تھا۔"

پھر وہ ادھر ادھر کی کچھ باتوں کے بعد چلا تو گیا مگر وہ الجھ سی گئی تھی۔

☼ ☼ ☼

حماد اور شاہین کی شادی تھی۔ سعد خود آئے تھے بہن اور بہنوئی کو منانے عشرت نے صاف الفاظ میں منع کر دیا۔

"ہمارے دل میں آپ کے لیے کوئی ناراضی نہیں ہے لیکن شادی میں ہم شریک نہیں ہو سکتے' نہ تو لوگوں کی باتیں سننے کا حوصلہ ہے نہ ہی اپنی بیٹی کی ناراضی کا سامنا کرنے کا' زونائشہ ابھی بہت ڈسٹرب ہے اور معظم بھی' انہوں نے مجھ سے کچھ کہا تو نہیں لیکن

بہرحال حماد نے میرا بھتیجا ہو کر میرے ساتھ اچھا نہیں کیا' چلو اللہ اسے خوش رکھے۔ جو ہونا تھا وہ ہو گیا۔ فی الحال معذرت قبول کریں۔" ثروت کی فیملی صرف شادی اور ولیمے میں شریک ہوئی تھی۔ اس میں بھی ثروت تو کھنچی کھنچی ہی رہی تھیں۔

اس کے کچھ دن بعد ہی ثروت اور فریدوں' زونائشہ کے لیے ہمایوں کا رشتہ لیے چلے آئے تھے۔ "یقین مانیں آپا یہ صرف ہماری نہیں ہمارے بیٹے کی بھی دلی خواہش ہے' پلیز ہمیں ناامید نہ کیجیے گا۔"

"ثروت ہمیں کچھ وقت دو' اس دفعہ ہم زونائشہ سے پوچھ کر پھر ہاں کریں گے۔ اسے ابھی سنبھلنے دو۔" مختشم نے شائستگی سے کہا اور عشرت کی طرف تائید طلب نگاہوں سے دیکھا' انہوں نے اثبات میں سر ہلایا۔

"ضرور' آپ جتنا چاہیں وقت لے سکتے ہیں مگر جواب ہاں میں ہونا چاہیے۔" ثروت کی بات نے سب کو لبوں پر مسکراہٹ بکھیر دی تھی۔

☼ ☼ ☼

"پلیز امی' ہمایوں کے لیے تو میں نے کبھی اس طرح نہیں سوچا۔"

"تو اب سوچ لو' اس میں کیا مسئلہ ہے۔" عشرت کو یہی توقع تھی حماد کے اس طرح منگنی توڑ کر دوسری جگہ شادی کر لینے نے زونائشہ کا اعتماد جس طرح مجروح کیا تھا' اسے اب کسی اور پر اعتماد کرنے کے لیے یقیناً کچھ عرصہ درکار تھا۔

"اچھا ثروت تمہیں بلا رہی ہے بازار جانے کے لیے' چار بج رہے ہیں' تم تیار ہو کر چلی جاؤ پھر دیر ہو جائے گی۔"

وہ کپڑے تبدیل کر کے بال بنا کر خالہ کی طرف چلی آئی' خالہ نہا رہی تھیں' وہ ان کے کمرے سے نکلی تو اسے ہمایوں کے کمرے سے آتی آوازوں نے متوجہ کیا تھا۔

"میں بہت کریٹیکل پوزیشن میں تھا' ایک طرف شاہین دوسری طرف زونائشہ' شاہین کو چھوڑ نہیں سکتا تھا اور زونائشہ کو انکار کی صورت میں ابو اور پھوپھو کی ناراضی' معصوم سی زونائشہ کے دکھ کا احساس' ان سب نے مجھے چکرا دیا تھا' مگر پھر اس دن میں آیا تو تم واش روم میں تھے اور تمہاری ٹیبل پر تمہاری ڈائری پڑی تھی' جس میں لکھے تمہارے جذبات نے میرے لیے فیصلہ بہت آسان کر دیا۔ زونائشہ کو تو تم جیسا چاہنے والا مل جاتا تو اس کی زندگی بہت خوب صورت گزرنے والی تھی' میں پھر اپنی محبت کو پانے کے لیے آزاد ہو گیا۔ میں نے ابو کو یہ سب بتایا تو وہ میری اور شاہین کی شادی کے لیے راضی ہوئے' انہیں امید ہے کہ تمہاری اور زونائشہ کی شادی کے بعد وہ پھپھو کو راضی کر لیں گے۔"

"دعا کرو کہ یہ سب ایسے ہی ہو جیسے تم کہہ رہے ہو۔"

حماد کی اتنی لمبی بات کے جواب میں ہمایوں کی مسکراتی ہوئی آواز باہر تک آئی تھی۔ وہ سکتے کی سی کیفیت میں کھڑی تھی کہ وہ دونوں مزید کچھ کہتے باہر آئے تو اسے دیکھ کر دونوں ہی ٹھٹک گئے تھے۔ وہ اسی طرح ساکت کھڑی رہی' دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھا اور ہمایوں تیزی سے اس کی طرف بڑھا "زونی' یہاں کیوں کھڑی ہو ایسے؟"

وہ بغیر کوئی جواب دیے تیزی سے گھر آگئی تھی۔ خالہ نے کتنے فون کیے' حتیٰ کہ خود آئیں مگر وہ کمرے سے نہیں نکلی' امی ہی ان کے ساتھ بازار گئی تھیں۔

اس کے دل و دماغ میں طوفان برپا تھا۔ غم و غصے کی آندھی سب کچھ اڑائے لے جا رہی تھی۔ "ہمایوں مجھ سے محبت کرتا ہے' اس کی اطلاع حماد صاحب کو ہو گئی اور وہ اپنے مطلب کے لیے قربانی کا دیوتا بن گئے اور مجھے ہی کچھ خبر نہ ہو سکی' اس کا مطلب ہے ہمایوں نے جان بوجھ کر اسے وہ ڈائری پڑھوائی' وہ بھی اس کے ساتھ برابر کا شریک تھا' جبھی تو انہیں ساتھ دیکھ کر اسے اتنی ہنسی آ رہی تھی۔ تمہیں تو میں بتاؤں گی ہمایوں' تمہاری ساری محبت ناک کے راستے باہر

نکالوں گی 'کیا یاد رکھو گے تم بھی؟"

دوسرے ہی دن عرصم نے اسے ایک لفافہ لا کر دیا۔

"آپی یہ کوریئر سے آیا ہے 'آپ کے لیے۔" اس نے پلٹ کر دیکھا "حماد حسیب" وہ حیران رہ گئی۔ کھول کر دیکھا تو ایک ڈائری اور ایک خط تھا۔

ڈیئر کزن۔

آمنے سامنے تو تم بات کرنے کے لیے تیار نہیں ہو گی۔ یہ تو میں نے کل پھپھو کے ہاں ہی دیکھ لیا تھا اس لیے خط لکھنا پڑ رہا ہے۔ تمہاری ناراضی بجا سہی مگر یقین مانو ہمایوں تمہارے ساتھ بہت مخلص ہے یہ اس کی ڈائری پڑھ کر تمہیں اندازہ ہو جائے گا۔ اس کے خلوص و محبت کی قدر کرو اور خوش رہو 'اس کی ڈائری میں نے اپنے پاس اسی لیے رکھی تھی کہ تم تک پہنچا سکوں 'اجازت چاہتا ہوں اللہ حافظ۔

حماد حسیب۔

اس نے ڈائری کھولی بیچ کا صفحہ سامنے تھا۔

"پتا نہیں کیوں مجھے لگتا ہے حماد کا اس لڑکی سے کوئی تعلق ضرور ہے 'ان دونوں کا اتنا زیادہ ایک دوسرے کے ساتھ پایا جانا کوئی معنی تو رکھتا ہے 'اللہ کرے ایسا ہی ہو۔"

"میں نے زونی کو بھی بتا دیا ہے۔ وہ چپ سی ہو گئی 'اسے یوں دیکھ کر مجھے دکھ تو ہوا لیکن اس کا ذہن بھی تو بنانا ہے 'کیا کروں اسے دکھ میں دیکھنا بھی مشکل ہے 'اسے پانا بھی مشکل ہے۔"

"آج میں زونی کو لے کر شاپنگ کے لیے گیا تو وہاں حماد اور شاہین کو دیکھ کر وہ بہت ڈسٹرب ہوئی 'اتنی کہ مجھے اپنا دل ڈوبتا ہوا محسوس ہوا 'حالانکہ مجھے بہت خوشی تھی کہ حماد واقعی شاہین کے ساتھ انوالو تھا 'میرے لیے شاید راستہ صاف ہونے والا تھا۔"

"اب میں نے دیر نہیں کی 'امی سے خود کہا کہ وہ میرے لیے زونی کا رشتہ مانگ لیں 'میں نے اسے کتنی مشکل سے دوبارہ حاصل کیا ہے۔ یا پتا نہیں کیا بھی ہے یا نہیں۔" زونائشہ نے پیچھے صفحات پلٹائے۔

"میں اسے نہ دیکھوں تو جیسے کچھ بھی اچھا نہیں لگتا۔ صبح یا شام میں ایک دفعہ بھی مل لوں تو بس سکون ہی سکون میرے رگ و جان میں اتر جاتا ہے۔"

"امی بتا رہی تھیں کہ اب حماد اور زونائشہ کی شادی کے دن طے ہونے کی جلد توقع ہے 'مجھے کچھ دیر کے لیے کچھ بھی سنائی دینا بند ہو گیا 'اس کی شادی ہو جائے گی 'وہ چلی جائے گی 'پھر روز دیکھنا 'ملنا 'اسے چھیڑنا یہ سب تو ناممکن ہو جائے گا۔ میں اسے کیسے دیکھوں گا اور نہ دیکھ پایا تو جی کیسے پاؤں گا 'امی سب سمجھتی ہیں 'وہ اپنے تاخیر کر دینے پر پچھتاتی بھی ہیں مگر اب اس سب کا کیا فائدہ میں اسے کھو چکا ہوں شاید۔"

"زونی کہتی ہے میں سنجیدہ کیوں نہیں ہوتا۔ اسے کیا معلوم میں ہنسی مذاق میں دل کی باتیں بھی کہہ لیتا ہوں اور اپنے جذبات چھپا بھی لیتا ہوں 'ان جذبات کے اظہار کی اب کوئی ضرورت بھی تو نہیں 'یہ تو محض اس کی رسوائی ہیں اور اس کی رسوائی 'میں اپنی زندگی میں تو کبھی برداشت نہیں کر سکتا۔"

اس نے زور سے ڈائری بند کر دی تھی 'وہ ایک بار پھر اشتعال میں آ گئی تھی 'کچھ دیر اسی طرح بیٹھے رہنے کے بعد وہ ڈائری لے کر ہمایوں کے گھر آ گئی خالہ سے ہمایوں کا پوچھ کر اس کے کمرے کی طرف آئی تو وہ باہر آتا نظر آیا "اوہ زونی 'آؤ آؤ۔"

"تم کہیں جا رہے ہو؟"

"تمہیں کوئی کام ہے تو بتاؤ 'میں کچھ دیر بعد چلا جاؤں گا۔"

"آؤ بیٹھو۔" ہمایوں اسے بیٹھنے کا اشارہ کرتا خود بھی بیٹھنے لگا کہ اس کے ہاتھ میں پکڑی ڈائری دیکھ کر کھڑے کا کھڑا رہ گیا تھا۔

"دیکھ لی اپنی ڈائری 'اسے میرے پاس ہی ہونا چاہیے تھا نا۔ تو یہ میرے پاس موجود ہے 'نہ صرف موجود ہے بلکہ اس میں لکھے گئے تمہارے سارے جذبات بھی مجھ تک پہنچ چکے ہیں۔"

اس نے رک کر ایک لمبا سانس لیا اور اسے دیکھا جو اسی طرح بت بنا کھڑا تھا 'یہ یقیناً" تمہاری ایک کامیاب کوشش تھی لیکن افسوس کہ اس نے مجھے

کوئی انسپائریشن نہیں دی۔ اس نے وہ انسپائریشن اسی کو دی جو پہلے سے متاثر تھا' جس کی راہیں۔ ان الفاظ کی بدولت آسان ہو گئیں۔ تم نے یہ سب بہت پلاننگ سے کیا اور اس کی کامیابی کی مبارک قبول کرو' تم جو چاہتے تھے وہ کرنے میں کامیاب رہے لیکن مجھے تم کبھی نہیں پا سکو گے کیوں کہ یہ جذبات' یہ الفاظ میرے لیے صرف قابل نفرت ہیں' جن کی وجہ سے میرے والدین اور مجھے ایک ناقابل بیان صدمے سے دوچار ہونا پڑا۔ یہ سب پڑھنے کے بعد مجھے تم سے شدید نفرت ہو گئی ہے' آئندہ کبھی مجھ سے بات کرنے کی کوشش بھی مت کرنا۔"

اس نے ڈائری کھینچ کر ہمایوں کو دے ماری تھی اور تیزی سے کمرے سے نکل گئی تھی یہ دیکھے بغیر کہ ڈائری پوری قوت سے اس کے چہرے سے ٹکرا کر نیچے گری تھی' اس کی ناک سے خون بہہ نکلا تھا مگر وہ اسی طرح کھڑا تھا منجمد' ساکت' پتھرایا ہوا۔

☆ ☆ ☆

"دو دن ہو گئے ہمایوں نہیں آیا' کیا ہو گیا' خیر تو ہے؟" عشرت نے حیرت سے زونائشہ سے پوچھا جو کب سے ایک ہی زاویے پر بیٹھی تھی' اب بھی محض شانے اچکا کر لاعلمی کا اظہار کیا۔ "یہ تم کن خیالوں میں گم ہو؟"

اب انہوں نے اسے غور سے دیکھا تھا' اس سے پہلے کہ وہ کوئی جواب دیتی ابو اندر داخل ہوئے تھے۔ سلام کر کے وہ بیٹھ گئے زونائشہ ان کے لیے پانی لے آئی۔ وہ ایک سانس میں پی گئے۔

"آج کافی دیر ہو گئی آپ کو؟"

"ہمایوں کا ایکسیڈنٹ ہو گیا تھا بہت برا' ابھی بھی وہ آئی سی یو میں ہے۔" امی تو حواس باختہ ہو کر اٹھ کھڑی ہوئیں "ک... کیسے؟"

"بس موڑ کاٹتے ہوئے کتا سامنے آ گیا تھا' اسے بچاتے ہوئے گاڑی ہی الٹ گئی' گاڑی کی تو حالت ہی تباہ ہو چکی ہے' ہمایوں کو خود بہت چوٹیں آئی ہیں۔"

"مجھے لے چلیں" عشرت رونے لگ گئیں۔ "بس میں لباس تبدیل کر لوں پھر چلتے ہیں۔"

"میں بھی چلوں ابو۔" زونائشہ کی آواز کپکپا رہی تھی۔

"عرصم اور میشم کہاں ہیں؟"

اکیڈمی سے آٹھ بجے آئیں گے۔"

"ہاں جب تک ہم واپس آ جائیں گے' چلو جلدی کرو۔" ثروت خالہ' فریدوں خالو' ماموں اور زرغون آئی سی یو کے سامنے ہی بیٹھے تھے' تھکے تھکے نڈھال سے' ثروت خالہ کی آنکھیں سوجی ہوئی تھیں' امی کے گلے لگتے ہی رونے لگ گئیں' امی خود بھی رو رہی تھیں مگر انہیں تسلی دے کر چپ کروا رہی تھیں۔

"ثروت ہوش کرو اور دعا کرو بچے کے لیے۔" اسی وقت آئی سی یو کا دروازہ کھلا اور ماموں و حماد باہر آتے دکھائی دیے' ماموں نے ثروت خالہ کا سر تھپکا تھا۔

"کچھ فریکچر ز ٹائم لیں گے۔ ان شاء اللہ وہ بالکل ٹھیک ہو جائے گا۔"

"میں اندر جا کر دیکھ لوں۔" عشرت نے بے تابی سے پوچھا۔

"ہاں چلی جاؤ' بس جلدی واپس آ جانا اور رونا بالکل نہیں۔"

"امی میں بھی چلوں۔" وہ اٹھ کر پاس آئی تھی' انہوں نے اجازت طلب نظروں سے ابو کی طرف دیکھا تھا۔ انہوں نے اثبات میں سر ہلایا۔ اندر موجود اسٹاف نے دونوں کے ساتھ آنے پر اعتراض کیا تو وہ بمشکل یقین دہانی کروا پائیں کہ وہ کوئی ڈسٹربنس نہیں پھیلائیں گی اور صرف چند منٹ اسے دیکھ کر لوٹ جائے گی نرس انہیں ہمایوں کے بیڈ کے پاس لے آئی' اونچا سا بیڈ' آکسیجن ماسک' ڈرپ کی نلکی' ٹانگ اور بازو پر پلاسٹر' چہرے پر جگہ جگہ بینڈیجز اور اتنی سوجن کہ پہچانا نہیں جا رہا تھا' عشرت نے تو بری طرح رونا شروع کر دیا تھا' زونائشہ نے دونوں ہاتھ منہ پر رکھ کر اپنی آواز دبائی تھی' آنسوؤں پر تو کوئی اختیار ہی نہیں تھا جو مسلسل بہہ رہے تھے۔ "پلیز اب آپ باہر جائیں۔"

میل اسٹاف نے آکر کہا' وہ دونوں اسٹاف کی ٹیبل کے پاس آکر کھڑی ہوگئیں' کتنی ہی دیر خود پر قابو پانے میں لگی پھر باہر آئی تھیں۔ "دیکھ لیا' میرے بچے کا کیا حال ہوگیا۔"

ثروت بلکنے لگیں' عشرت نے انہیں خود سے لپٹا لیا تھا ابو اور ماموں جلدی سے آگے بڑھے اور انہیں تسلی دینے لگے۔

☼ ☼ ☼

دو دن بعد اس کی طبیعت بہت بہتر تھی' سوجن بھی کم ہوگئی تھی' زونائشہ ہمت کر کے سامنے آئی تھی۔

"کیسی طبیعت ہے؟" ہمایوں نے بغیر کوئی جواب دیے آنکھیں بند کرلی تھیں وہ کچھ دیر کھڑی انگلیاں مسلتی رہی مگر اس نے آنکھیں نہیں کھولیں' وہ وہاں سے ہٹ گئی۔

اس کے گھر آجانے کے بعد تو مہمانوں کا تانتا سا بندھ گیا تھا وہ خالہ کی مدد کے لیے وہاں موجود رہتی تھی۔ بس ہمایوں کے کمرے میں نہیں جاتی تھی۔

ہمایوں نے ٹھیک ہو جانے کے بعد بھی ان کی گھر کا رخ نہیں کیا تھا' اس کا سامنا ہونے پر وہ ادھر ادھر ہو جاتا تھا اسے مخاطب کرنا تو درکنار' اس کی طرف دیکھتا تک نہیں تھا۔

زونائشہ کے فائنل سمسٹر اسٹارٹ ہونے والے تھے اسے ویب انجینئر کے ڈیٹا کے لیے کچھ معلومات درکار تھیں جو ہمایوں ہی مہیا کر سکتا تھا۔ سو آج دل کڑا کر کے اس کے کمرے میں چلی آئی۔ وہ بہت ایزی ہو کر بیڈ پر بیٹھا اپنے Tab پر مصروف تھا۔ اس کے ناک کرنے پر چونک کر سامنے دیکھا اور اسے سامنے پا کر اس کے چہرے کا رنگ تبدیل ہوگیا تھا۔

"السلام علیکم" اس نے اپنے شعور میں غالباً "پہلی بار یوں ہمایوں کو سلام کیا تھا۔ وہ بغیر کوئی جواب دیے اٹھا اور اس کے پاس سے گزرنے لگا کہ اس نے اس کا بازو اپنے دونوں ہاتھوں میں دبوچ لیا۔

"میں تم سے بات کر رہی ہوں ہمایوں۔" اس نے تم پر زور دیا۔

"میرا بازو چھوڑو۔" اس نے صرف اتنا کہا تھا۔

"نہیں میں نہیں چھوڑوں گی' تم مجھے آخر کیوں ایوئیڈ کر رہے ہو؟"

"تم خود بھی تو یہی چاہتی تھیں" وہ تلخی سے بولا۔ وہ اس کی طرف دیکھ بھی نہیں رہا تھا۔

"میں نے یہ کب کہا؟"

"اچھا تو وہ کوئی اور تھی' جس نے کہا تھا کہ وہ مجھ سے شدید نفرت کرتی ہے' میں اس سے بات کرنے کی کوشش بھی نہ کروں۔" اس دفعہ اس نے زونائشہ کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا تھا اور وہ بے اختیار نظریں چرانے پر مجبور ہوئی تھی۔

" I am extremely sorry for my those words

"اچھا اتنی جلدی خیالات بھی بدل گئے' وجہ؟"

"پلیز ہمایوں اب بس بھی کر دو میں اس وقت جس مینٹل کرائسس سے گزر رہی تھی۔ اس میں مجھے یہی لگا کہ تم نے اور حماد نے مل کر مجھے let down کیا ہے۔"

"تمہیں کس چیز سے یہ لگا کہ میں حماد کے ساتھ ہوں۔" ہمایوں کا چہرہ سرخ ہوگیا تھا' زونائشہ کی گرفت غیر ارادی طور پر کمزور ہوئی' اس نے ہلکے سے جھٹکے سے بازو چھڑایا اور دونوں بازو سینے پر لپیٹ لیے۔

"اس دن وہ تمہارے کمرے میں تم سے۔۔۔"

"اس دن وہ مجھ پر احسان دھرنے آیا تھا کہ اس نے میرا راستہ صاف کر دیا ہے۔"

وہ اس کی بات کاٹ کر بڑے ہی تیکھے لہجے میں بولا تھا "اگرچہ اس نے فیصلہ کرتے ہوئے تو کسی کے فائدے یا نقصان کے بارے میں نہیں سوچا تھا' صرف اپنے دل کی سنی اور رہائی۔ میری ڈائری میری اجازت کے بغیر خود پڑھی ماموں کو پڑھوائی اور تمہیں بھجوا دی' صرف اور صرف اپنے آپ کو کلیئر کرنے کے لیے' میری محبت کا خیال کر کے نہیں تمہیں چھوڑا' اس نے تمہیں چھوڑنا ہی تھا' اسے شاہین چاہیے تھی تم نہیں

"تم اسے دیکھو تو سہی وہ کتنا خوش ہے اپنی محبت کو پا کر سب ایسے ہی خوش ہوتے ہیں۔

میں نے اپنی محبت کو اپنے دل میں چھپائے رکھا ' کبھی کسی پر کچھ ظاہر نہیں ہونے دیا ' جب تمہیں ہی معلوم نہیں ہو سکا تو کسی اور کو کیا پتا چلتا ' اگر حماد کو تم سے محبت ہوتی تو وہ میرے جذبات کا علم ہوتے ہی مجھے راہ سے ہٹانے کی کوشش کرتا نہ کہ میرے لیے راستہ ہموار کرتا ' تمہیں مجھ سے شادی نہیں کرنی ' مت کرو لیکن بلاوجہ کے الزام مت لگاؤ۔"

کتنا بدل گیا تھا ہمایوں ' وہ لاابالی ' چلبلا اور چھیڑ چھاڑ کرتا ہمایوں اتنا سنجیدہ اور دو ٹوک بولتا ہوا بالکل اجنبی لگ رہا تھا ' وہ حیرت سے بت بنی بولنا ہی بھول چکی تھی۔

"میں نے کسی ڈر ' خوف سے اپنے جذبات نہیں چھپائے میں صرف اپنے اسٹیبلش ہونے کا انتظار میں تھا تم ہمایوں پہل کر گئے ' میرے دل پر جو بھی گزری میں نے تمہیں ڈسٹرب نہیں کیا۔ حالانکہ بہت آسان تھا یہ سب ' میں ہر دم تمہارے ساتھ رہتا تھا۔ جب چاہتا تمہیں اپنے جذبات سے آگاہ کر کے تمہیں اپنی طرف مائل کر سکتا تھا لیکن میں وقت سے پہلے تمہیں پریشانی سے بچاتے بچاتے ' تمہیں ایک طرح سے کھو ہی بیٹھا۔

میں نے رفتہ رفتہ حماد کی غیر دلچسپی محسوس کر لی مگر کبھی تم سے ذکر نہیں کیا ' تمہاری برتھ ڈے ہو یا تمہارا بہترین رزلٹ ' اسے کبھی کوئی وش کارڈ یا گفٹ دینا یاد نہیں رہا ' عید پر بھی ماں جو دے گئیں سو دے گئیں ' حماد نے الگ سے تمہارے لیے کبھی کچھ نہیں بھیجا اور تم نے بھی کبھی نہیں سوچا کہ ایسا کیوں ہے ' میں نے انہیں بہت دفعہ ساتھ دیکھا مگر تمہیں بدگمان نہیں کرنا چاہتا تھا اس لیے خاموش رہا مگر یہ بات بڑھتی دیکھ کر تمہیں انفارم کیا تھا۔"

وہ سب سچ کہہ رہا تھا ' اس کی دوستوں نے کتنی بار اس سے حماد کے گفٹس کے متعلق استفسار کیا تھا ' وہ جواباً" چپ ہی رہتی اس کے برخلاف ہمایوں اسے ہر موقع پر قیمتی تحائف دیتا تھا۔ اس کی چھوٹی بڑی ہر پرابلم کا حل وہی ڈھونڈتا تھا ' اسے کوئی مسئلہ کوئی پریشانی ہوتی ' وہ دوڑی دوڑی ہمایوں کے پاس ہی جاتی تھی ' حماد سے تو اتنی بے تکلفی بھی نہیں تھی ' پرسنالٹی وائز بھی ہمایوں حماد سے زیادہ نمبر لیتا تھا۔

اس نے چور نظروں سے اس کا جائزہ لیا ' صاف رنگت ' تیکھے نقوش ' لائٹ براؤن آنکھیں ' شاندار سراپا ' اس کے اندر کوئی گڑبڑ ہونے لگی ' دل کچھ اور طرح سے دھڑکنے لگا ' وہ گھبرا کر پلٹی تو ہمایوں نے اسے روک لیا۔ "میری باتیں بری لگی ہیں تو سوری ' مگر وہ ہیں سچ۔"

"نہیں بری کیوں لگیں گی۔ بس دیر ہو رہی تو اس لیے جا رہی ہوں۔"

"تو آئی کیوں تھیں ' مجھے منانے یا کوئی اور کام بھی تھا؟" وہ یہ پوچھتے ہوئے بھول گیا تھا کہ آگے سے کتنی بچی ' صاف گو لڑکی کھڑی ہے۔ "ہاں ' ویب انجینئرنگ کا ڈیٹا چاہیے تھا؟"

"اوہ۔ یعنی کام ہی سے آئی تھیں۔" وہ مایوس ہوا تھا۔

"نہیں ' تمہیں منانا بھی تھا ' ورنہ تم سے کام کیسے کہہ سکتی تھی۔"

"اوہ" وہ مزید مایوس ہوا "یعنی منایا بھی اس لیے؟"

"نہیں ' نہیں۔" وہ سٹپٹائی "میرا یہ مطلب نہیں تھا۔"

"بالکل یہی مطلب تھا ' خیر اب تم جاؤ ' میں کچھ دیر میں آ جاؤں گا۔ تمہارے P.C پر ڈیٹا بنا دوں گا؟" وہ اتنا خوفناک حد تک سنجیدہ تھا کہ وہ مزید گھبرا گئی تھی۔

"تم تو اور ناراض ہو گئے ہو ' میں تو۔"

"کیا میں تو ' میں تو لگائی ہوئی ہے ' کہا نا ابھی جاؤ ' میں کچھ دیر میں آتا ہوں۔" اس نے ڈپٹا۔

"تم ایکسیڈنٹ کے بعد کتنے بدل گئے ہو ہمایوں۔" وہ دکھ اور حسرت سے اسے دیکھ کر بولی تھی۔ وہ جو اپنے بیڈ کی طرف بڑھ رہا تھا ' بے اختیار پلٹا تھا ' اتنے عرصے میں پہلی بار اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ

پھیلی تھی۔

"مثلاً" "میں کیا بدل گیا ہوں؟" وہ اس کے قریب آگیا تھا۔

"تم وہ پہلے والے ہمایوں تو رہے ہی نہیں جسے میری کسی بات پر غصہ نہیں آتا تھا' اب تو لگتا ہے تمہیں میری ہر بات ہی بری لگنے لگی ہے۔"

"میں وہی ہمایوں ہوں' حتیٰ کہ میرے جذبات بھی وہی ہیں میں تمہارے لیے کبھی نہیں بدل سکتا' کبھی بھی نہیں' رہی غصے کی بات تو یاد کرواپنے الفاظ جو میری ڈائری میرے منہ پر کھینچ کر مارتے ہوئے تم نے کہے تھے' میں نے اپنی ذاتی ڈائری میں جو کچھ بھی لکھا وہ سراسر میرا اپنا پرسنل میٹر تھا' اسے پڑھ کر اگر تم ایسا رویہ اپناؤ تو کیا مجھے ناراض ہونے کا بھی حق نہیں؟"

"میں سوری کرچکی ہوں۔"

"کس چیز کے لیے؟"

"اپنے برے رویے کے لیے' تمہیں غلط سمجھنے کے لیے' ہر اس چیز کے لیے جس نے تمہیں ہرٹ کیا۔"

وہ گہرا سانس لیتی ہوئی مڑی تھی "اب چلوں' بہت کام ہے' ویر مجھے قبول نہیں ہوتا۔"

"وہ تو خیر میں ہونے بھی نہیں دوں گا' میں اب مزید دیر نہیں ہونے دوں گا۔"

"کس چیز میں دیر؟"

"تمہیں یہاں لانے میں۔" وہ اچنبھے سے اسے دیکھنے لگی۔

"تمہیں ہمیشہ دیر سے سمجھ آتی ہے۔ سو اب کیسے ایک دم سے سمجھ جاؤ گی' بہرحال میں بتا دیتا ہوں' امی' ابو' خالہ سے بات کرچکے ہیں اور خالہ نے تمہارے ایگزیمز تک کا ٹائم لیا ہے' اس کے بعد تمہیں دھوم دھڑکے سے یہاں لایا جائے گا' آئی سمجھ۔" وہ بات کرتے ہوئے اس کے بالکل نزدیک آچکا تھا۔

"آؤ گی نا یہاں' اس کمرے میں' میرے پاس؟" اس کے کندھوں پر ہاتھ رکھ کر وہ اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے پوچھ رہا تھا' اس نے سرخ ہوتے چہرے کے ساتھ رخ موڑ لیا' وہی ہمایوں تھا جس سے اس کا کوئی تکلف نہیں تھا اور آج اسے اپنی کیفیت سمجھ نہیں آرہی تھی' وہ بہت اطمینان سے اس کے تاثرات کا جائزہ لے رہا تھا۔

"مجھے تو تم بدلی ہوئی سی لگ رہی ہو۔" اس کے لہجے میں شرارت تھی۔ وہ کچھ نہیں بولی۔

"اچھا یہاں آؤ' مجھے کچھ گفٹ کرنا ہے تمہیں۔" اس نے اس کا ہاتھ پکڑ کر صوفے پر بٹھایا اور خود اپنی سائیڈ ٹیبل سے کچھ نکال لایا۔ "صرف اور صرف تمہارے لیے" اس نے ایک ڈبیا کھول کر سامنے کی جس میں ڈائمنڈ رنگ جگمگا رہی تھی۔

"میں پہنا سکتا ہوں؟"

کیا انداز تھا اجازت طلب کرنے کا' ذونائشہ نے ہاتھ اس کے سامنے کیا' ہمایوں نے مسکراتے ہوئے اسے انگوٹھی پہنائی' "یہ منگنی میں اپنی مکمل رضامندی سے تمہارے ساتھ کر رہا ہوں۔" وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی تھی۔

کمرے میں جیسے پریاں رقص کرنے لگی تھیں۔ جیسے ہر سو' رنگ' روشنی کا سیلاب آگیا تھا یا اس کے اندر کا موسم ہی بہت رنگین ہو گیا تھا۔

☆ ☆

صائمہ اکرم

وہ ایک لمبی انٹرنیشنل فلائٹ کے بعد ایئرپورٹ سے باہر نکلی تو بارش کی تیز بوچھاڑ نے اس کا استقبال کیا۔ موسم سرما کی آخری بارشوں میں اتنی ٹھنڈک اور خنکی تو نہیں تھی لیکن پھر بھی ایک لمحے کو اسے عجیب سی خنکی کا گہرا احساس ہوا۔ اس نے کندھے پر ڈالے براؤن لیدر بیگ کو سر پر تان کر خود کو بھیگنے سے بچایا۔

"میم اپنی گاڑی اس سائیڈ پر ہے۔" اس کی ایئر لائن کی گاڑی کا ڈرائیور اس کے بالکل پاس آکر بولا تو وہ چونک گئی۔

"پتا نہیں کب ان یورپی فلائٹس سے جان چھوٹے گی میری۔" تھکن کے گہرے احساس کے ساتھ ہی ایک خیال اس کے ذہن میں ابھرا۔ یہ خیال آج کل ہر فلائٹ کے بعد کچھ زیادہ ہی اس کے سر پر سوار ہونے لگا تھا۔ وہ عجلت بھرے انداز سے گاڑی میں بیٹھی اور ٹشو سے اپنا چہرہ صاف کیا۔ گاڑی اب ایئرپورٹ کی حدود سے نکل کر روڈ پر آچکی تھی۔ بارش کی بوندوں کی شدت میں ایک دم ہی اضافہ ہوا۔

"پتا نہیں لوگوں کو اس بھیگے موسم میں اتنی اٹریکشن کیوں محسوس ہوتی ہے۔" اس نے گاڑی کی پچھلی سیٹ پر بیٹھے سڑک کے دائیں جانب دیکھا، جہاں ایک نوجوان لڑکا اپنی بائیک پر کسی خوب صورت، شوخ و چنچل سی لڑکی کو بٹھائے بڑی بے فکری سے بائیک چلا رہا تھا۔

وہ بائیک چلاتے چلاتے ایک دم شرارت سے اپنے دونوں بازو فضا میں بلند کردیتا اور لڑکی گھبرا کر اونچی آواز میں چیخیں مارنے لگتی، اس کی چیخوں کی آواز سے اس لڑکے کے ساتھ ساتھ دائیں بائیں سے گزرنے والے لوگ بھی لطف اندوز ہو رہے تھے۔

"پتا نہیں لوگوں کو ان چھوٹی چھوٹی بے معنی چیزوں سے خوشی کیسے ملتی ہے۔" اس نے گاڑی کی سیٹ کی پشت سے ٹیک لگاتے ہوئے افسردگی سے سوچا۔

"جب لوگوں کے اندر سے خوشی کا احساس مرجائے تو بڑی سے بڑی خوشگوار چیز بھی ان کے مزاج پر کوئی اثر نہیں ڈالتی۔" بہت سال پہلے مریم کی کہی ہوئی بات اسے آج اچانک ہی یاد آئی۔

بعض یادیں بھی تو کمپیوٹر میں آئے ہوئے کسی ڈھیٹ وائرس کی طرح ہوتی ہیں۔ ایک لمحے میں سارا اعصابی نظام درہم برہم کردیتی ہیں۔ انسان بلوجود کوشش کے ان سے پیچھا نہیں چھڑا سکتا۔ یہی حال اس وقت اس کے ساتھ ہو رہا تھا۔

"میم، آپ کا گھر آگیا۔" ڈرائیور کی مودبانہ آواز پر وہ ایک دم ہی حقیقت کی دنیا میں آئی۔ ڈرائیور اب ہارن دے کر گیٹ پر موجود چوکیدار کو متوجہ کر رہا تھا۔

"مجھے یہیں اتار دو۔" اس کی بات پر ڈرائیور کی آنکھوں میں حیرانگی در آئی۔

"میم موسم بہت خراب ہے۔" اس نے ہلکا سا جھجک کر یاد کروایا لیکن اس پر آج کسی چیز کا اثر نہیں ہو رہا تھا۔ شاید اس لیے کہ ایک طویل عرصے کے بعد اس نے اپنے کزن شاہ میر کو نیویارک ایئرپورٹ پر دیکھا۔ وہ چھٹیاں گزارنے کے لیے اپنی فیملی کے ساتھ ترکی جا رہا تھا۔

اپنی دراز قد خوب صورت بیوی اور دو کیوٹ سے بچوں کے ساتھ اس کے چہرے پر طمانیت کے وہ رنگ تھے، جو ہر خوشگوار ازدواجی زندگی گزارنے والے کپل

مکمل ناول

کے چہروں سے بے ساختہ جھلکتے ہیں۔

"کیسی ہو تم۔" وہ بے تکلفی سے پوچھ رہا تھا۔

"ٹھیک ہوں۔" اس کے افسردہ انداز پر وہ ہلکا سا بے چین ہوا۔

"بھئی ختم کرو یہ فیملی پلاننگ' کب تک تم دونوں میاں بیوی عیش کرتے رہو گے۔ بچوں کے بغیر بھی بھلا کوئی زندگی ہوتی ہے۔" اس کی بیوی نے ہنستے ہوئے اسے اس کی زندگی کی سب سے بڑی کمی کا احساس دلایا۔ یہ احساس تو آج کل اسے خود بھی شدت سے ہو رہا تھا۔

"ہوں۔" وہ بمشکل مسکرائی۔

"چھوڑ دو اس جاب کو بہت کمزور ہو گئی ہو۔؟" شاہ میر نے آہستگی سے کہا۔ اس کے لہجے کی فکرمندی کا پس منظر وہ اچھی طرح جانتی تھی۔ وہ اس محبت کے ہاتھوں مجبور تھا جو کسی دور میں اسے اس سر پھری لڑکی سے رہی تھی۔

"ہاں میں بھی یہی سوچ رہی ہوں آج کل۔" اس نے زبردستی مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

نیویارک ایئرپورٹ سے ترکی اور پھر ترکی سے پاکستان کے اس لمبے سفر میں وہ پہلی دفعہ حد درجہ کوفت کا شکار ہوئی۔ شاہ میر اس فلائٹ میں بزنس کلاس میں تھا' آتے جاتے' کھانا سرو کرتے ہوئے اسے پہلی دفعہ اپنی ایئرہوسٹس کی جاب پر شرمندگی ہوئی تھی۔ بار بار خجالت کے قطرے اس کے ماتھے پر ننھے ننھے موتیوں کی صورت میں ابھرتے اور وہ سب سے نظر بچا کر انہیں صاف کرتی رہی' اذیت کا یہ سفر استنبول ایئرپورٹ پر ختم تو ہو گیا تھا لیکن ترکی سے پاکستان کی فلائٹ میں بھی وہ ذہنی پژمردگی کا شکار رہی۔

"مالی کب سے نہیں آیا۔؟" وہ گیٹ سے جیسے ہی اندر داخل ہوئی لان میں وہی بے ترتیبی تھی' جو تین دن پہلے وہ چھوڑ کر گئی تھی۔

"اس کے خاندان میں کوئی فوتگی ہو گئی تھی بیگم صاحبہ۔" چوکیدار اس اچانک چھاپے پر کچھ حواس باختہ لگ رہا تھا۔ بارش رک چکی تھی۔ وہ تھکے تھکے انداز سے قدم اٹھاتی ہوئی اپنے گھر کے داخلی دروازے کی طرف بڑھنے لگی۔ سفید ٹائلوں والے فرش پر کیچڑ کے داغ نمایاں تھے۔ پورچ میں کھڑی ہنڈا سوک سے اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ اس کا شوہر گھر واپس آ چکا ہے۔

اس نے آہستگی سے دروازہ کھولا اور اپنا ہینڈ کیری اٹھانے کے لیے ہاتھ بڑھایا' لاؤنج سے آتی اس کے شوہر کی بلند آواز نے اس کے قدم ساکت کر دیے۔ وہ شاید نہیں یقیناً" سیل فون پر مسقط میں مقیم اپنی اسی کزن سے گفتگو کرنے میں مصروف تھا۔ وہ کزن جو شادی کے پانچ سال کے بعد بھی اس کے دل پر حکمرانی کر رہی تھی۔ جس کی یادوں سے وہ ایک لمحہ بھی غافل نہیں ہوا تھا۔ لاؤنج میں وہ اس صوفے پر براجمان تھا جس کی پشت دروازے کی جانب تھی۔ گلاس وال کے پاس راکنگ چیئر پر جھولتے ہوئے وہ سگار پی رہا تھا اور پاس ہی کافی کا خالی کپ رکھا ہوا تھا۔

"دیکھو تمہارے کہنے پر میں نے اس خودغرض' بے حس لڑکی سے شادی کی' لیکن اب تم جو کہہ رہی ہو' سوری میں اس پر عمل درآمد نہیں کر سکتا۔" اپنے شوہر کی بات پر اسے دھچکا لگا۔ وہ تو سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ وہ اس کی اصلیت سے واقف ہو گا۔ پہلی دفعہ اسے احساس ہوا کہ وہ بہت اچھا اداکار ہے۔ پچھلے پانچ سالوں میں اس نے کبھی بھی اسے ہلکا سا بھی نہیں جتنایا تھا۔

"اس کی خوب صورت شکل کے پیچھے بہت بدصورت دل ہے' جس کا عکس اس کے چہرے پر جھلکتا ہے' یقین مانو' میں نے اس سے زیادہ گھناؤنی شکل کی عورت کبھی نہیں دیکھی۔" اس کے زہر آلود جملوں نے ساتوں آسمان ہی تو سر پر گرا دیے تھے۔

"تم نے تو اتنی بڑی تلخ حقیقت چھپا کر مجھ سے اس کی شادی کروا دی' وہ تو اللہ بھلا کرے آپی کا جنہوں نے اس کے سارے پول کھول دیے۔" اپنے شوہر کی بات پر اس کے قدم زمین میں گڑ گئے۔

وہ چھوٹے چھوٹے گناہ جو انسان اپنے زعم میں بے دھڑک ہو کر' کرتا آتا ہے۔ وہ گناہوں کی بظاہر چھوٹی

چھوٹی سی پوٹلیاں جب کسی دن اچانک کھلتی ہیں تو اس کے اندر سے نکلنے والی غلاظت اور بدبو انسان کا سانس لینا محال کر دیتی ہے۔ وہ اپنے ہی اعمال کی سیاہی ماتھے پر لکھوا کر جہنم کے ٹکٹ خود اپنے ہاتھوں سے خریدتا ہے اور اسے احساس تک نہیں ہوتا۔

"میں اس عورت کو اپنے بچوں کی ماں نہیں بنانا چاہتا کیونکہ مجھے معلوم ہے خود غرضی اس کے جسم میں خون کے ساتھ دوڑتی ہے۔ میں ایک خود غرض اور بے حس اولاد کا باپ نہیں بننا چاہتا۔" شادی کے پانچ سال کے بعد آج پہلی دفعہ اسے اصل حقیقت کا ادراک ہوا تھا۔ وہ حقیقت جس کے دامن میں اس کے لیے تلخی، نفرت اور پچھتاوے کے علاوہ کچھ نہیں تھا۔

وہ پلٹ آئی اور اب لان کی سیڑھیوں پر آکر بیٹھ گئی۔ اس سے زیادہ تضحیک آمیز جملے آج کی تاریخ میں مزید نہیں سن سکتی تھی۔ اس نے اپنے بیگ سے آئینہ نکالا اور پریشانی سے اپنا چہرہ دیکھنے لگی۔

"تمہارا چہرہ دنیا کا وہ خوش قسمت چہرہ ہے، جو میک اپ جیسی مصنوعی چیزوں کا محتاج نہیں۔" اس کی کولیگ کا ایک رشک آمیز جملہ اس کے ذہن کے پردے پر لہرایا۔ آنکھوں سے دو گرم گرم آنسو بڑی روانی سے نکلے اور گالوں پر پھیل گئے۔

"انسان کی شخصیت کا عکس اس کے چہرے سے جھلکتا ہے۔ صرف دیکھنے والی آنکھ اور محسوس کرنے والا دل ہونا چاہیے، اور تم مجھے کبھی بھی اچھی نہیں لگیں۔" عروسہ آپی کا متنفر لہجہ اس کی سماعتوں میں گونجا۔ وہ اب دونوں ہاتھ چہرے پر رکھے پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی۔

☼ ☼ ☼

"آج میرا ٹھیکری والا کے اسکول میں آخری دن ہے۔" تیرہ سالہ ممتاز شوکت چھلانگ لگا کر تانگے سے اتری اور بڑے فخریہ لہجے میں اپنی سہیلیوں کو اطلاع دی۔ جو ایکدم ہکابکا رہ گئی تھیں۔

"موی، تو یہ پنڈ چھوڑ کر شہر چلی جائے گی۔" اس کی پکی سہیلی کشور ہاتھ میں پکڑی مولی کھانا بھول کر صدمے سے ممتاز کو دیکھنے لگی، جس کے انگ انگ سے خوشی کا احساس نمایاں ہو رہا تھا۔

"تو اور کیا، یہ اسکول بھلا اس لائق ہے جہاں میں پڑھوں۔" ممتاز شوکت نے اپنی خوب صورت لمبی گردن کو جھٹکا دے کر اپنی اکلوتی سہیلی کشور کو دیکھا۔ جو آنکھوں میں موٹے موٹے آنسو لیے ممتاز کو دیکھ رہی تھی۔ اسے اس اطلاع سے واقعی دکھ پہنچا تھا۔

"ہاں۔ کہہ تو تم ٹھیک رہی ہے۔ پورے اسکول میں تجھ جیسا سوہنا بھی تو کوئی نہیں۔" کشور نے ہاتھ میں پکڑی مولی اسکول کے گیٹ کے پاس پڑے کوڑے کے ڈھیر کی طرف اچھال دی، بھوک کا احساس ایکدم ہی مر گیا تھا۔ جبکہ ممتاز کو اپنی اکلوتی سہیلی کے جذبات کی کوئی فکر نہیں تھی بلکہ اسے تو کبھی بھی کسی کے جذبات و احساس کی پروا ہی نہیں رہی۔ وہ کنویں کے

گرد رہٹ میں ملے بیل کی طرح بس اپنی ذات کے ارد گرد ہی گھومتی رہتی تھی۔

نانی بخار میں تپ رہی ہوتیں اور ممتاز کے گڈے کی برات جانے کو تیار ہوتی۔

نانی سردیوں کی رضائیوں کو پیٹیوں سے نکالنے میں ہلکان ہو جاتیں اور ممتاز عین کام کے وقت جو گھر سے کھسکتی تو پھر اسی وقت لوٹتی جب نانی تھک کر نڈھال اپنے بستر پر گر چکی ہوتیں۔

المختصر ممتاز نے تیرہ سال کی عمر میں ہی نانی کو ایسے ناکوں چنے چبوائے کہ انہوں نے مجبور ہو کر اپنے اکلوتے بیٹے کے پاس کراچی جانے کا فیصلہ کرلیا۔ اسی سلسلے میں ممتاز آج اپنا اسکول چھوڑنے کا سرٹیفکیٹ لینے آئی تھی۔

اسکول کا مالی اسمبلی کا اعلان ایک تھی کے خالی کنستر پر چھڑی مار کر کر رہا تھا۔ دونوں سہیلیاں چلتے چلتے برآمدے تک آن پہنچی تھیں۔ فیصل آباد کی جھنگ روڈ پر موجود کسی بینڈ کے نزدیک ٹھیکری والا کا علاقہ تھا' جہاں موجود مڈل اسکول میں ارد گرد کی بچیاں پڑھنے کے لیے آتی تھیں۔ ممتاز شوکت کی نانی نے اپنے اکلوتی بیٹی کی واحد اولاد ممتاز کو اسکول آنے اور جانے کے لیے تانگا کر دیا ہوا تھا' جسے چاچا جیدی چلاتا تھا۔

"ہاں تو ممتاز شوکت' تمہارا کہنا ہے' میں اس سرٹیفکیٹ میں تمہارا نام بدل دوں۔" پرائمری اسکول کی ہیڈ مسٹریس نے آنکھوں پر لگا چشمہ پھونک مار کر صاف کرنے کی کوشش کی۔ اس وقت ممتاز ہیڈ مسٹریس کے آفس میں تھی۔

"جی میڈم' میری نانی نے کہا ہے۔" ممتاز نے اپنی بات میں وزن پیدا کرنے کے لیے جھوٹ بولا۔ نیلی قمیص اور سفید شلوار میں وہ بڑے پر اعتماد انداز سے کھڑی تھی۔ ہیڈ مسٹریس کو بھی آخر یقین آ ہی گیا۔

"اچھا' خیر سے کیا نام رکھنا چاہتی ہے تمہاری نانی' اپنی شہزادی کا۔" ہیڈ مسٹریس نے طنزیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"منتہا علی" ممتاز نے شان بے نیازی سے کہا۔

"مطلب پتا ہے تمہیں "منتہا" کا؟" ہیڈ مسٹریس نے اس کا صاف مذاق اڑایا۔

"جی ہاں۔" ممتاز کی بات پر ہیڈ مسٹریس نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"منتہا کا مطلب ہے' بلندی کی آخری حد۔" ممتاز نے انہیں صاف لاجواب کردیا۔

"کس نے بتایا ہے تمہیں؟" ہیڈ مسٹریس نے کھسیانے لہجے میں پوچھا۔

"ٹی وی پر کسی پروگرام میں سنا تھا۔" وہ لاپروائی سے گویا ہوئی۔

"ہاں بس ٹی وی کے ڈراموں کی طرف ہی دھیان ہے آج کل کے بچوں کا' پڑھنا لکھنا خاک ہے انہوں نے' خیر نام تو میں نے سرٹیفکیٹ میں یہی لکھ دیا ہے' لیکن کمیٹی میں بھی بدلوا لینا اپنی نانی سے کہہ کر۔" ہیڈ مسٹریس منہ بناتے ہوئے اس کا فارم فل کرنے لگی۔

اس روز ٹھیکری والا کے اس مڈل اسکول سے نکلتے ہوئے منتہا شوکت نے اپنے نام "ممتاز شوکت علی" سے چھٹکارا پا کر بلندیوں کی پہلی سیڑھی پر بڑے شان سے قدم رکھ دیا تھا۔ یہ نام جس سے اسے سخت چڑ تھی اس سے وہ بہت آسانی سے چھٹکارا پا چکی تھی۔

☼ ☼ ☼

"ہیڈ مسٹریس کون ہوتی ہے تمہارا نام بدلنے والی' میں آج ہی اس کی طبیعت درست کرکے آتی ہوں۔" شام کو اس کی لاپروائی سے دی گئی اطلاع پر نانی کی برہمی اس کی چھوٹی سی سمجھ' سمجھنے سے قاصر تھی۔ نانی نے ہاتھ میں پکڑا پھونکنا زور سے زمین پر پھینکا اور غصے سے کھڑی ہو گئیں۔ چولہے پر رکھی ہانڈی میں شوربہ پکنے کے قریب تھا' لیکن نانی کو سب کچھ ہی بھول گیا۔

"لو کون سا زیادہ فرق ہے ممتاز اور منتہا میں۔" اس نے آٹا گوندھتے ہوئے ٹھہر کر جواب دیا۔

"تمہاری مرحومہ ماں نے رکھا تھا یہ نام۔" نانی

نے اسے جذباتی کرنے کی کوشش کی۔
"جب ماں ہی نہیں رہی تو نام رکھ کر کیا کرنا۔" منتہا کے پاس ہر سوال کا گھڑا گھڑایا جواب موجود ہوتا تھا۔

"اس کا مطلب ہے تم نے ہی کہا ہو گا استانی کو ۔۔۔" نانی نے بروقت بہت درست اندازہ لگایا۔
"ہاں میں نے ہی کہا تھا سخت زہر لگتا تھا مجھے وہ نام' ایک تو ممتاز اور اوپر سے لگا ساتھ شوکت ۔۔۔" اس نے گوندھے ہوئے آٹے کو پرات میں باقاعدہ پٹخنے کے انداز میں رکھا اور تن کر کھڑی ہو گئی۔
نانی نے سخت صدمے کی کیفیت سے اپنی تیرہ سالہ نواسی کا یہ روپ دیکھا۔ ابھی تو اسے چک بچانوے سے صبح نکلنا تھا لیکن وہ ابھی سے اپنی شناخت' اپنے نام اور اپنی ولدیت سے بے زاری کا اظہار برملا کر رہی تھی۔
نانی کو اس شام جو چپ لگی وہ کراچی پہنچ کر ہی ختم ہوئی' نانی اور نواسی کو بڑے سارے لوہے کے ٹرنک کے ساتھ آتے دیکھ کر گلناز ممانی کے ماتھے کے بل جو گہرے ہوئے' دن بہ دن اس میں اضافہ ہی ہوتا گیا۔
اتنا تو گلناز بیگم کو بھی اندازہ تھا کہ ان کے سسر کے انتقال کے بعد بوڑھی ساس اور اکلوتی مرحومہ نند کی بیٹی کا اب گاؤں میں اکیلے رہنا ممکن نہیں' اس کے باوجود ان کی ساس نے چھ ماہ تو جیسے تیسے کر کے گزار ہی دیے' ویسے بھی اس اکلوتے بیٹے کے علاوہ ان کا کوئی نہیں تھا۔

"اماں آپ نے بہت اچھا کیا' جو گاؤں چھوڑ کر میرے پاس آ گئیں۔" ماموں جلیل اس رات کھانے کی میز پر بلاوجہ مسکرا رہے تھے اور ان کی یہ مسکراہٹ ممتاز کا حوصلہ بڑھا رہی تھی' تب ہی تو اس نے گلناز ممانی کی شعلہ اگلتی نگاہوں کو آرام سے نظر انداز کر دیا تھا۔

"جب تیرا باپ ہی مر گیا' تو وہاں جوان ہوتی لڑکی کے ساتھ اکیلے کیسے رہتی۔" نانی کو کرسی پر بیٹھ کر کھانا بہت عجیب لگ رہا تھا' کچھ ڈائننگ میز پر رکھی چائنیز ڈشز انہیں پریشان کر رہی تھیں۔

"بس اللہ کی مصلحت، وہ ہی جانتا ہے۔" جلیل ماموں بھی اداس ہوئے۔

"تم صبح ہی ممتاز کا داخلہ کسی اچھے اسکول میں کروادو۔" نانی کی فرمائش پر گلناز ممانی نے بے چینی سے پہلو بدلا۔

"نانی میرا نام ممتاز نہیں منتہا ہے۔" منتہا کی پراعتماد انداز پر اس کی کزنز عروسہ اور عنایہ نے بڑی دلچسپی سے اسے دیکھا۔ جبکہ گلناز بیگم کو ایک لمحے میں اندازہ ہوگیا کہ ان کی مرحومہ نند کی بیٹی انہیں مستقبل میں خاصا ٹف ٹائم دینے والی ہے جیسا کہ کسی زمانے میں ان کی نند نے دیا تھا۔ جلیل صاحب کو بزنس کے بہانے کراچی نکال کرلانے کے بعد بھی ان کا غم ابھی تک تازہ تھا۔

"بھئی مجھ سے نہیں بولا جاتا اتنا مشکل نام... من... تہا۔" نانی نے ناک سے مکھی اڑانے کے انداز میں اپنی بے زاری کا اظہار کیا۔ "میں زیادہ سے زیادہ منی کہہ سکتی ہوں۔" نانی کی بات پر منتہا نے برا سا منہ بنایا۔

"واہ اتنا آسان تو ہے۔" عنایہ نے آلو گوشت ان کی پلیٹ میں ڈال کر ان کی مشکل آسان کی۔

"ممتاز شوکت بھی بھلا کوئی نام تھا' پینڈو سا..." منتہا آہستگی سے بڑبڑائی اور پلیٹ پر جھک گئی' ماموں نے مسکرا کر اپنی اکلوتی بھانجی کو دیکھا۔

"یہ تو اپنی ماں سے بھی چار ہاتھ آگے ہے۔" گلناز ممانی نے ممتاز کی طرف دیکھتے دل ہی دل میں بڑا درست اندازہ لگایا اور بے دلی سے نوالے توڑنے لگیں' ان کی بھوک بالکل اڑ چکی تھی۔ آنے والے دنوں میں انہیں بہت جلد احساس ہوگیا تھا' منتہا شوکت کسی چڑیا کا نام نہیں بلکہ چلتی پھرتی بلا کا نام ہے جو گردن میں پنجے گاڑ کر دوسروں کا خون پیتی ہے اور اف بھی نہیں کرنے دیتی۔

☼ ☼ ☼

"اس منتہا کو کسی ہاسٹل میں ڈال دیں' میں نہیں رکھوں گی اسے اپنے گھر۔" وہ جولان میں خرگوش کے بچے کو دیکھ کر جذباتی ہوگئی تھی' اس کے تعاقب میں وہ جلیل ماموں کی کوٹھی کے پچھلے حصے کی طرف نکل آئی۔ جہاں ماموں اور ممانی کے کمرے کی کھڑکیاں کھلتی تھیں۔ ممانی کی محتاط آواز نے منتہا کے قدم روک لیے۔ وہ اب دبے پاؤں کھڑکی کے پاس آکر بیٹھ گئی۔ ویسے بھی دوسروں کی ٹوہ میں رہنا اس کا پسندیدہ مشغلہ تھا۔

"تمہیں اچھی طرح پتا ہے اماں اس بات کی اجازت نہیں دیں گی۔" ماموں کے لہجے کی پسپائی اسے اچھی نہیں لگی۔

"بھئی میں جوان اولاد کی ذمے داری نہیں اٹھا سکتی۔" ممانی کا مزاج سوا نیزے پر تھا۔

"وہ تو اٹھانی پڑے گی' ظاہر ہے میری اکلوتی بہن کی اولاد ہے' میرے پاس نہیں آئے گی تو اور کس کے پاس جائے گی۔" ماموں نے بھی دوٹوک انداز میں کہا' جسے سنتے ہی گلناز بیگم بھڑک اٹھیں۔

"پہلے اس کی ماں نے گھر سے بھاگ کر شادی کی' کل کو یہ بھی نکل گئی تو میں کس کس کو صفائیاں دوں گی۔" گلناز ممانی کا سلگتا لہجہ منتہا کے تن بدن میں آگ لگا گیا۔ اسے پہلے ہی دن ممانی سے سخت نفرت ہوگئی تھی۔

"کیا فضول باتیں کررہی ہو تم۔ آہستہ بولو' اماں سن لیں گی۔" ماموں ایک دم بھڑک اٹھے۔

"تو میں کون سا غلط کہہ رہی ہوں تو اسی کی بے لگام جوانی کو دیکھ کر ہی تو وہ اس مصیبت کو اٹھا کر یہاں لے آئی ہیں۔" گلناز بیگم کو بے تحاشا غصہ آرہا تھا۔

"یہ مصیبت تو یہیں رہے گی' تم نے اگر اپنا کوئی ٹھکانہ کرنا ہے تو کرلو' میری طرف سے اجازت ہے۔" ماموں کی بدلحاظی منتہا کے دل پر پھوار سی برسا گئی۔

"یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔" گلناز ممانی کے غبارے سے ساری ہوا نکل گئی۔

"وہ ہی کہہ رہا ہوں جو تم نے سنا ہے' خبردار اگر اس گھر میں میری بھانجی کے ساتھ کوئی برا سلوک کرنے کی

کوشش کی۔ میں ذرا بھی لحاظ نہیں کروں گا۔" ماموں دھمکی دے کر کمرے سے نکل گئے۔ منتہا نے کمرے کا دروازہ زور سے بند ہونے کی آواز سنی اور وہیں سہم کر بیٹھ گئی' ممانی نے شاید اپنا دل ہلکا کرنے کے لیے اپنی کسی رشتے دار کو کال ملائی تھی۔

"کیا حال سناؤں اپنا' جلیل کی اماں اپنی نواسی کو لے کر مستقل یہاں آن ٹپکی ہیں۔" ممانی فون پر کسی کے ساتھ شروع ہو چکی تھیں۔

"اُفوہ۔۔ جلیل کی وہی بہن جس نے محلے کی گلیاں صاف کروانے والے سینٹری انسپکٹر شوکت کے ساتھ عدالت میں جا کر نکاح پڑھوالیا تھا۔" ممانی جھنجلائے ہوئے انداز سے کسی کو یاد دلا رہی تھیں۔

"ہاں۔۔ ہاں وہی۔۔ جمعداروں کا ہیڈ۔۔ سارے خاندان نے ایسی تھو تھو کی' جلیل نے تو دوبارہ اس کے پچھواڑے میں قدم نہیں رکھا۔" منتہا کے اوپر ایک نئی دنیا کا در وا ہوا تھا۔ تیرہ سال کا ذہن بری طرح سے الجھا۔

"کہاں بسایا شوکت علی نے' چار دن عیاشی کی اور پھر لا کر ماں کے گھر میں پھینک گیا کہ گھر والے نہیں مانتے' وہیں ایک بچی کو پیدا کر کے مر گئی وہ اور مصیبت ہمارے سر ڈال گئی' میں کیسے حفاظت کروں اس کی' میرے گھر میں تو خود جوان بیٹا ہے۔" ممانی کا دکھ کسی صورت کم ہونے میں نہیں آ رہا تھا۔ جبکہ اگلے ہی لمحے ممانی کا "جوان" بیٹا اپنے سامنے دیکھ کر اس کی چیخ نکل گئی' سامنے ماموں کا بیٹا شاہ میر خرگوش اٹھائے کھڑا تھا۔

"ڈرو نہیں' میں شاہ میر ہوں' تمہارے ماموں کا بیٹا۔" منتہا کا سانس بحال ہوا۔

وہ اب حیرانگی سے اپنے سامنے کھڑے ساڑھے چار فٹ کے جوان لڑکے کو دیکھ رہی تھی۔ شاہ میر کا قد اتنا بھی چھوٹا نہیں تھا لیکن ماموں جلیل اور ممانی دونوں ہی دراز قد تھے اور ان کی بیٹیوں کی ہائٹ بھی اچھی خاصی تھی' لیکن شاہ میر قد کے معاملے میں اللہ جانے کس پر چلے گئے۔ حالانکہ نین نقش ان کے خاصے اچھے تھے اور رنگ بھی صاف تھا۔

"یہ بندہ کتنا ہینڈسم لگے' اگر صرف کرسی پر بیٹھا رہے۔" منتہا کے ذہن میں ایک بے تکی سی سوچ ابھری اور اگلے ہی لمحے وہ سر جھٹک کر شاہ میر کی باتوں کا جواب دینے لگی جو ایک پرخلوص اور بے ریا سی مسکراہٹ سجائے اس کے سامنے تھا۔

☆ ☆ ☆

"جلیل ہاؤس" پرانے طرز پر بنی ہوئی ایک ڈیڑھ کینال کی کوٹھی تھی۔ جسے ماموں نے اچھے وقتوں میں کسی دوست سے خرید لی تھی۔ کوٹھی کے سامنے اور پچھلی سائیڈ پر اچھا خاصا بڑا لان تھا۔ وہ اس کوٹھی میں اپنی بیوی اور تین بچوں کے ساتھ مقیم تھے۔

جلیل ماموں کا سب سے بڑا بیٹا شاہ میر تھا جو بزنس ایڈمنسٹریشن کی ڈگری لینے کے بعد باپ کا کاروبار سنبھال رہا تھا۔ عروسہ ایف ایس سی اور عنایہ' منتہا کی کلاس فیلو تھی۔ منتہا کو کچھ ہی دنوں میں اندازہ ہو گیا تھا کہ اس گھر میں اس کی صرف عنایہ سے بنے گی' بڑی بڑی آنکھوں والی سانولی سلونی عنایہ مزاج کے اعتبار سے خاصی سادہ بلکہ کسی حد تک بے وقوف واقع ہوئی تھی۔ اسے اپنی یہ گوری چٹی خوب صورت کزن منتہا پہلی ہی نظر میں اچھی لگی تھی اور کچھ منتہا نے اسے اپنی جھوٹی سچی کہانیاں سنا کر بہت جلد متاثر کر لیا تھا۔

عروسہ جو کہ ایف ایس سی کی اسٹوڈنٹ تھی اور خاصی سمجھ دار اور کسی حد تک تیز تھی۔ اسے منتہا کی چالاکیاں اور عیاریاں بہت جلد سمجھ میں آ گئی تھیں۔ اس لیے وہ اپنی ماں گلناز بیگم کے ساتھ مل کر منتہا کو ٹف ٹائم دینے سے باز نہیں آتی تھی' لیکن وہ لوگ اگر سیر تھیں تو منتہا سوا سیر۔ اس لیے گھر میں خوب مقابلہ آرائی کی فضا پیدا ہو گئی تھی۔ منتہا ماموں کے آفس سے آتے ہی لاؤنج کی ڈسٹنگ شروع کر دیتی اور کبھی سوکھی روٹی پر اچار رکھ کر ان کے سامنے بیٹھ کر کھانا شروع کر دیتی' ممانی لاکھ قسمیں

کھاتیں کہ فریج میں چار چار کھانے پڑے ہیں' لیکن منتہا کی ایک ہی رٹ ہوتی کہ تھوڑی دیر پہلے فریج کو تالا لگا ہوا تھا۔

منتہا کے آنے کے بعد ماموں اور ممانی کے تعلقات خاصے کشیدہ رہنے لگے تھے۔ تنگ آکر ممانی نے منتہا کو اس کے حال پر چھوڑ دیا تھا۔ وہ اس چھٹانک بھر کی لڑکی کا مقابلہ نہیں کر سکتی تھیں۔ جس کا واحد شوق اسکول سے آنے کے بعد اسٹار پلس کے ڈرامے دیکھ کر ویسے ہی ڈرامے کرنا تھا۔ اسی وجہ سے وہ اپنے ماموں کو اپنی مٹھی میں کر چکی تھی۔ نانی بے چاری تو اسے یہاں لا کر اپنی عبادت اور تسبیح میں اتنی مگن ہوئیں کہ صرف کھانے کے وقت ہی شکل دکھاتیں' انہیں بالکل علم نہیں تھا' ان کی نواسی پڑھائی کے علاوہ ہر میدان میں اپنی فتوحات کے جھنڈے گاڑ چکی ہے۔

"بھئی مجھ سے تو نہیں یہ سائنس وائنس پڑھی جاتی۔" منتہا نے میٹرک تھرڈ ڈویژن میں کرنے کے بعد اعلان کیا۔

"فکر مت کرو' جتنے مارکس ہیں' تمہیں ایف ایس سی میں ایڈمیشن ملے گا بھی نہیں۔" عروسہ نے اپنی چھوٹی بہن عنایہ کا فارم فل کرتے ہوئے مذاق اڑایا جو منتہا کے تن بدن میں آگ لگا گیا' عنایہ نے اے گریڈ میں میٹرک کیا تھا' جبکہ وہ مر مر کے پاس ہوئی تھی۔

"سائنس پڑھنے والی لڑکیوں کی آنکھوں پر موٹا چشمہ لگ جاتا ہے۔" منتہا نے شام کو عنایہ کو اکیلے پاتے ہی ڈرایا' ویسے بھی ہر ایک کی دکھتی رگ پر ہاتھ رکھنے میں اسے کمال حاصل تھا۔ اسے علم تھا عنایہ کو عینک سے سخت نفرت تھی۔

"کیا واقعی۔۔۔" ذہین و فطین عنایہ نے بوکھلا کر اپنی کزن کو دیکھا جو بڑے مزے سے کاپی پر اس کا اسکیچ بنا رہی تھی۔ منتہا پڑھائی میں جتنی بھی نکمی سہی' لیکن اس کی ڈرائنگ زبردست تھی۔

"تو اور کیا؟" منتہا نے اپنی تیکھی ناک چڑھا کر مزید کہا۔ "ویسے بھی سائنس پڑھنے والوں کی بھی کوئی زندگی ہوتی ہے' ہر وقت کتابوں میں سر دیے رہو' توبہ۔۔۔ توبہ' بہت ہی بورنگ کام ہے' سچ پوچھو مجھ سے تو نہیں ہوتا۔" منتہا نے بڑی مہارت سے عنایہ کے اسکیچ پر بنی خوب صورت آنکھوں کو مزید اجاگر کیا۔

"لیکن عروسہ آپی کہتی ہیں' مجھے سائنس پڑھنی چاہیے۔" عنایہ اپنی سادگی کی وجہ سے بہت جلد دوسروں کی باتوں میں آجاتی تھی۔

"بھئی عروسہ آپی کی اپنی زندگی اتنی بے رنگ ہے' وہ دوسروں کو انجوائے کرتا کہاں دیکھ سکتی ہیں۔" منتہا کی بات پر عنایہ الجھن کا شکار ہوئی۔

"ویسے بھی سچ پوچھو تو عروسہ آپی کو ڈکٹیٹر بننے کی عادت ہے' ممانی نے ضرورت سے زیادہ ہی سر پر چڑھا رکھا ہے انہیں۔" منتہا کو اپنی اس صاف گو کزن سے سخت چڑ تھی' جو صبح و شام منتہا کو آئینہ دکھانے سے باز نہیں آتی تھی۔

"نہیں' نہیں آپی' ایسی نہیں ہیں۔" عنایہ نے گھبرا کر وضاحت دی۔

"اچھا۔۔۔ پھر خود کیوں بی ایس کمپیوٹر سائنس کر رہی ہیں' ماموں نے کتنا کہا تھا کیمسٹری پڑھنے کو۔" منتہا کی حاضر جوابی کسی اور کی تو نہیں عنایہ کی بولتی تو ضرور بند کروا دیتی تھی۔ اس وقت بھی ایسا ہی ہوا تھا۔

"وہ تو۔۔۔" عنایہ اٹکی۔

"بس بس رہنے دو' عروسہ آپی کو صرف تم پر حکم چلانے کا شوق ہے' خیر چھوڑو یہ اپنا اسکیچ دیکھو۔" منتہا نے ایک کاغذ عنایہ کے سامنے لہرایا۔ عنایہ نے بڑی بے تابی سے اس صفحے کو دیکھا اور اگلے ہی لمحے اس کا رنگ اڑ گیا۔ عنایہ کے اسکیچ میں اس کی خوب صورت آنکھوں کے اوپر سجا چشمہ اس کا منہ چڑا رہا تھا۔ عنایہ نے خوف زدہ نگاہوں سے منتہا کی طرف دیکھا جو مسکرا رہی تھی۔ اسی لمحے عنایہ نے سائنس نہ پڑھنے کا پختہ ارادہ کر لیا' جو عروسہ کے بار بار سمجھانے کے باوجود بھی قائم رہا' تنگ آکر عروسہ اپنی ماں کے کمرے میں پہنچ گئی جو اپنی وارڈ روب سیٹ کر رہی تھیں۔

"آپ مانیں یا نہ مانیں' یہ اس مکار لومڑی کا کارنامہ

ہے۔" عروسہ سخت جھنجلا رہی تھی۔ مکار لومڑی کا نام اس نے منتہا کو اس دن دیا تھا' جب اس نے گھر میں قدم رکھنے کے ایک ہی ہفتے بعد جلیل صاحب کو بھڑکا کر اپنی ممانی کو ڈانٹ پڑوائی تھی۔

"سخت بے زار ہوں میں اس منتہا سے' اللہ جانے اتنی چالاکیاں کہاں سے آتی ہیں اسے۔" گلناز ممانی نے ہاتھ میں پکڑا سوٹ بیڈ پر پٹخا۔

"اچھی خاصی وہ ایف ایس سی کرنے کو تیار تھی' اب کہتی ہے آرٹس پڑھوں گی۔" عروسہ سر پکڑ کر بیٹھ گئی۔

"یہ بات اسی منحوس نے ڈالی ہوگی اس کے ذہن میں۔" ممانی خود بھی بے زار تھیں۔

"ہزار دفعہ سمجھایا ہے' مت آیا کرو اس لڑکی کی باتوں میں' مگر عنایہ جیسی بے وقوف لڑکی تو دنیا میں کہیں نہیں ہوگی۔" عروسہ کو بہت شکایتیں تھیں اپنی بہن سے۔

"اپنے باپ سے بات کرو۔" ممانی نے عروسہ کو راہ سجھائی۔

"ان سے کیا خاک بات کروں' وہ تو فارم فل کر رہے ہیں دونوں کے آرٹس کے۔" عروسہ کی بات پر گلناز ممانی صدمے کا شکار ہوئیں' انہیں شروع سے شوق تھا کہ وہ عنایہ کو ڈاکٹر بنائیں' لیکن عنایہ نے اچانک ہی اپنا ارادہ بدل دیا' جس کا انہیں خاصا دکھ تھا اور یہ دکھ اگلے کئی دن تک برقرار رہا۔

☼ ☼ ☼

"قسم سے' بہت تیز ہو تم۔" کالج میں لان میں بیٹھے ہوئے اس کی بیسٹ فرینڈ مریم نے سارا قصہ سننے کے بعد ہنستے ہوئے کہا۔ دونوں فری پریڈ میں کالج لان میں بیٹھیں چاٹ کھا رہی تھیں۔ مریم اس کالج کی پرنسپل کی بیٹی تھی اور پڑھائی میں اس کی طرح نکمی' اسی وجہ سے دونوں کی خوب بنتی تھی' مریم سے دوستی کی بڑی وجہ بھی پرنسپل کی بیٹی ہونا تھا' ورنہ منتہا اس عام سی شکل و صورت کی حامل لڑکی کو کبھی لفٹ نہ کرواتی۔

"مجھے تو آگ لگ گئی تھی عروسہ آپی کی بات پر۔ میں نے سوچا اگر سائنس میں نہیں پڑھ سکتی تو ان کی بہن بھی نہیں پڑھے گی۔" منتہا نے جلدی سے مرچوں کی تاثیر کم کرنے کے لیے کوک کی بوتل منہ سے لگائی۔

"بہت امپریس ہوں میں تم سے' جو سوچتی ہو' کر گزرتی ہو۔" مریم نے ستائشی نگاہوں سے اپنے کالج کی سب سے خوب صورت لڑکی کو دیکھا' جو پڑھائی میں جتنی پیچھے تھی خوب صورتی میں کالج کی سب لڑکیوں سے آگے تھی اور اسے اس بات کا خوب احساس بھی تھا۔

"میرا تو شروع سے یہ ہی نظریہ ہے' جو چیز پسند آئے' اسے چھین لو' بس اپنی خوشی دیکھو' دنیا جائے بھاڑ میں۔" منتہا کے زندگی گزارنے کے اپنے اصول تھے۔

"ویسے تو یہ خاصا خود غرضانہ نظریہ ہے' لیکن کچھ معاملات میں اب میں بھی متفق ہو گئی ہوں۔" مریم جس کی محبت کو گھر والوں نے رد کر دیا تھا۔ آج کل اس میں بھی بغاوت کے جراثیم بڑی تیزی سے پنپ رہے تھے۔ جن کو ہوا دینے میں منتہا کا زیادہ ہاتھ تھا۔

"مائی ڈیر زندگی انسان کو صرف ایک دفعہ ملتی ہے' وہ بھی اگر کسی کی خواہشات پر ہی قربان کرنی ہے تو اس سے اچھا ہے' بندہ ریڑھی لگا کر چنے بیچ لے۔" منتہا نے بیگ سے لپ اسٹک نکال کر بڑی مہارت سے لگانی شروع کر دی۔

"مسز جیلانی کی کلاس ہے' جان نکال دیں گی تمہاری' یہ چھٹی کے وقت لگا لیتا۔" مریم نے یاد دلایا۔

"میرا کوئی موڈ نہیں' اس موٹی بھینس کی کلاس لینے کا۔ ایک تو رنگ کالا' اوپر سے روز اورنج کلر کی لپ اسٹک لگا کر آجاتی ہیں۔" منتہا نے کھلم کھلا ان کا مذاق اڑایا۔

"حالانکہ میرا خیال ہے اورنج کلر تو بنا ہی تمہارے لیے ہے۔" مریم نے توصیفی نگاہوں سے منتہا کے چہرے کو دیکھا' جو ہلکی سی لپ اسٹک کے بعد ہی دمکنے

لگا تھا۔

"جبکہ میرا خیال ہے پر رنگ ہی میرے اوپر جچتا ہے۔" وہ خاصی خود آگاہ تھی۔ مریم اس کی بات پر مسکراتے ہوئے کتابیں سمیٹنے لگی۔

☆ ☆ ☆

"کچھ لوگ حد درجہ گھٹیا 'کمینے اور خود غرض ہوتے ہیں جو کسی کو آگے بڑھتا دیکھ ہی نہیں سکتے۔" عروسہ کا تلخ لہجہ اس وقت منتہا کی سماعتوں سے ٹکرایا 'جب وہ لاؤنج میں داخل ہو رہی تھی 'سامنے ہی عروسہ 'ممانی جان اور ان کے ساتھ شاہ میر موجود تھا۔

"بس بھی کرو عروسہ۔" شاہ میر اچانک ہی منتہا کو دیکھ کر بوکھلایا۔

"ظاہر ہے ماں 'باپ کا اثر تو آتا ہے اولاد میں۔" ممانی جان بھی بھری بیٹھی تھیں کسی بات پر۔ منتہا ان سب سے ڈائریکٹ پنگا لینے سے کتراتی تھی۔ اس لیے اس وقت بھی لاپروائی سے سلام کرکے نانی کے کمرے میں گھس گئی۔

"تمہیں کیا ضرورت تھی عنایہ کو مشورہ دینے کی۔" نانی نے کھا جانے والی نظروں سے اپنی نواسی کو دیکھا 'جو کھانے کی ٹرے لیے کمرے میں داخل ہو رہی تھی۔

"کیوں۔۔۔؟ عنایہ نے میرا نام لیا ہے کیا۔" اس کا اطمینان دیدنی تھا۔

"نہیں۔" نانی سٹپٹا سی گئیں۔

"پھر۔" اس نے ابرو چڑھا کر تیکھی نگاہوں سے نانی کو دیکھا جو ہلکی سی جھنجلاہٹ کا شکار ہو گئیں۔

"تمہاری ممانی اور عروسہ نے منہ پھلا رکھا ہے ایک ہفتے سے۔" نانی غصے سے بیڈ کی چادر ٹھیک کرنے لگیں۔

"تو آپ مکا مار کر ان کے غبارے سے ہوا نکال دیں۔" وہ مزے سے کھانا کھانے لگی۔

"بکواس مت کرو 'کیوں روز اپنے ماموں کو بھڑکاتی رہتی ہو۔" نانی کو کراچی آنے کے بعد اس سے شکایتیں بڑھ گئی تھیں۔

"بھڑکاتی نہیں صرف سچ بتاتی ہوں 'انہوں نے پچھلے ہفتے خود ناشتا بناتے دیکھ کر پوچھ لیا تو میں نے کہہ دیا 'ممانی صرف اپنے بچوں کا بناتی ہیں۔" وہ پرسکون انداز سے ان کو مزید آگ لگا گئیں۔

"ضرورت کیا ہے خوامخواہ جھوٹ بولنے کی؟" نانی کو بھی آخر کار غصہ آہی گیا۔

"ارے کم بخت 'ان کا یہ احسان کیا کم ہے 'سر چھپانے کو چھت دے رکھی ہے۔" نانی نے یاد دلایا۔

"پلیز نانی۔ اب یہ احسانات کی گٹھڑی کھول کر مت بیٹھ جانا 'جہاں تک اس چھت کی بات ہے تو ماموں نے نانا کی زمین بیچ کر بنایا تھا یہ گھر 'میری ماں کا حصہ بھی نکلتا ہے اس میں سے۔" منتہا کی تلخ بات پر نانی ہکا بکا ہوئیں۔

"کوئی حصہ وصہ نہیں نکلتا۔ تیرے نانا نے جائیداد سے عاق کر دیا تھا اسے 'جب اس نے۔" نانی اٹکیں تو منتہا نے تیزی سے ان کی بات کاٹی۔ "جب انہوں نے گھر سے بھاگ کر شادی کی۔۔۔ ہے نا۔" منتہا ہاتھ میں پکڑا لقمہ پلیٹ میں پٹخ کر کھڑی ہوئی اور شعلہ اگلتی نگاہوں سے انہیں دیکھا۔ "ایسا کریں میری ماں کا یہ کارنامہ سرخ روشنائی سے کسی تختی پر لکھ کر میرے گلے میں ڈال دیں۔ تاکہ جس کو نہیں بھی پتا اسے بھی پتا چل جائے۔" وہ بولی نہیں 'بلکہ پھنکاری تھی 'نانی کو سکتہ لاحق ہو گیا۔ منتہا پاؤں پٹختی ہوئی کمرے سے نکل گئی۔ اسی شام اس نے ماموں کے آنے پر جو رونا پیٹنا ڈالا 'انہوں نے کسی کا بھی لحاظ کیے بغیر ممانی کو خوب کھری کھری سنائیں۔ ممانی کے دل میں منتہا کے لیے بغض دن بہ دن بڑھتا ہی جا رہا تھا۔

"آخر ماں 'باپ کی غلطیوں کی سزا اولاد کو کیوں دیتے ہیں یہ دنیا والے؟" شام کو وہ عنایہ کے ساتھ پچھلے لان میں تھی۔ کچھ بھی تھا دونوں کی دوستی خاصی گہری تھی۔ اس وقت بھی چائے کے بڑے بڑے مگ پکڑے وہ دونوں کتابیں لیے لان میں بیٹھی تھیں 'منتہا کچھ اداس تھی۔

"آئی ایم سوری یار! ماما بعض دفعہ بہت زیادتی کرتی ہیں۔" حساس دل عنایہ پریشان ہوئی۔

"تم کیوں ایکسکیوز کر رہی ہو' تمہارا کیا قصور ہے۔" منتہا نے بے دردی سے گھاس اکھیڑی۔

"تم بہت اچھی ہو منتہا۔" عنایہ کی بات پر اس نے بے یقینی سے اس کی طرف دیکھا۔

"دیکھو نا! مجھے عینک سے سخت نفرت تھی' شکر ہے تم نے مجھے موقعے پر یاد دلا دیا' خوامخواہ ایف ایس سی کر کے اپنا دماغ خراب کر لیتی۔" اس کی سادگی پر منتہا مسکرائی اور دل ہی دل میں شکر ادا کرنے لگی کہ کہیں عنایہ نے اصل بات عروسہ آپی کو نہیں بتا دی تھی۔ ماموں نے دونوں کو کالج جانے کے لیے وین لگوا دی تھی۔ دونوں کے سبجیکٹ ایک تھے' لیکن یہ اور بات تھی کہ منتہا کالج میں عنایہ کو ذرا کم ہی لفٹ کرواتی تھی' تنگ آکر عنایہ نے اپنی اور فرینڈز بنالی تھیں' لیکن دونوں کی گھر میں خاصی دوستی تھی جو ممانی اور عروسہ کی بارہا کوششوں کے باوجود ختم نہیں ہو پائی۔

کالج میں ویلکم پارٹی کا اعلان ہوا تو منتہا نے عین اس وقت یہ ذکر چھیڑ دیا جب ماموں لاؤنج میں موجود تھے۔ مجبوراً" ممانی کو اپنے اس سوٹ کیس کو کھولنا پڑا' جس میں کافی سارے ان سلے سوٹ تھے۔

"جلدی جلدی بتاؤ' ان دونوں میں سے کون سا سوٹ تم نے رکھنا ہے۔" ممانی نے دو سوٹ عنایہ کے سامنے لہرائے۔ وہ ہمیشہ اپنی بیٹیوں کو فرسٹ چوائس کا موقع دیتی تھیں۔ منتہا کی ستائشی نگاہیں اس رائل بلیو سوٹ کے اوپر جو اٹکیں تو ہٹنا بھول گئیں۔

"ماما مجھے سمجھ نہیں آرہی۔" عنایہ میں قوت فیصلہ کی سخت کمی تھی اور اس وقت بھی وہ انکھیوں سے منتہا کو دیکھ رہی تھی جو خود کو لاپروا ظاہر کرنے کے لیے کتاب کھول کر بیٹھ گئی تھی۔

"اس کی طرف کیوں دیکھ رہی ہو' کبھی اپنی عقل بھی استعمال کر لیا کرو۔" ممانی کو غصہ آیا اور اسی وقت پی ٹی سی ایل فون کی گھنٹی پر وہ دونوں سوٹ صوفے پر پٹخ کر اس طرف بڑھ گئیں۔ عنایہ جلدی سے اس کی طرف متوجہ ہوئی۔

"کون سا زیادہ اچھا ہے۔" عنایہ نے ماں سے نظریں چرا کر آہستگی سے پوچھ ہی لیا۔ ویسے بھی ممانی جان اب فون پر مصروف تھیں۔

"براؤن تم پر زیادہ اچھا لگے گا۔" منتہا نے رائل بلیو سے نظریں ہٹا کر لاپروائی سے کہا اور کام میں مصروف ہو گئی۔

"یہ تو مجھے ڈل سا لگ رہا ہے۔" ممانی فون سن کر آئیں تو عنایہ کا فیصلہ سن کر کوفت کا شکار ہوئیں۔ اگلے ہفتے دونوں کی کالج میں ویلکم پارٹی تھی۔

"بس ماما مجھے پسند ہے نا۔" عنایہ کے اصرار بھرے انداز پر انہوں نے بے زاری سے سر ہلایا اور دوسرا سوٹ منتہا کی طرف اچھال دیا۔ "یہ خود سی لینا' ورنہ تمہارے ماموں کو ہول اٹھتے رہیں گے' بھانجی نے نیا سوٹ کیوں نہیں پہنا۔"

"جی ممانی۔" منتہا نے دل سے اٹھتی بے اختیار خوشی کی لہر کو دبایا اور بے تابی سے سوٹ اٹھا کر کمرے سے نکل گئی۔

"اچھا خاصا قیمتی سوٹ تھا' ذرا جو میرا دل ہو اس منحوس منتہا کو دینے کو' لیکن تمہارے پاپا نے رٹ لگا رکھی تھی' ابھی دے کر آؤ۔" گلناز ممانی غصے سے بڑبڑاتی ہوئی لاؤنج سے نکل گئیں۔ عنایہ نے غور سے براؤن کلر کے سوٹ کو غور سے دیکھا جو واقعی اب اسے پھیکا پھیکا سا لگ رہا تھا' لیکن اب کچھ نہیں ہو سکتا تھا۔

☆ ☆ ☆

"تمہاری ممانی آخر تمہیں برداشت کیسے کرتی ہیں؟" کالج کی لائبریری کی سیڑھیوں پر بیٹھے مریم نے سوٹ والا قصہ سن کر تجسس سے پوچھا۔

"ماموں کی وجہ سے۔" منتہا ایک رجسٹر پھاڑ کر جہاز بناتے ہوئے مزے سے بولی۔ "ماموں کا بہت رعب ہے گھر والوں پر اور ممانی ان کے سامنے تو کچھ نہیں کہتیں لیکن بعد میں بڑبڑ کرنے سے باز نہیں آتیں۔"

"تو ماموں تمہارے قابو کیسے آگئے؟" مریم حیران ہوئی۔

"یہ کون سا مشکل ہے ان کے آتے ہی میں گرگٹ کی طرح رنگ بدلتی ہوئی کبھی ڈسٹنگ شروع کردی' کبھی کچن میں برتن دھونے شروع کردیے اور کبھی نماز کے لیے جاء نماز بچھا کر بیٹھ گئی۔" منتہا نے کاغذ کا جہاز فضا میں اڑایا۔

"اف۔ ڈرامے تو تم پر ختم ہیں۔" مریم کھلکھلا کر ہنسی۔ "ویسے شاہ میر کو قابو کرو تو کوئی بات بھی بنے۔"

"اس کوڈو کو۔" منتہا نے منہ پھاڑ کر قہقہہ لگایا "اب میرا ایسا بھی گھٹیا ٹیسٹ نہیں۔"

"یار اچھا خاصا ہینڈسم ہے' کیا ہوا جو قد سے مار کھا گیا۔" مریم نے منہ بنایا۔

"اور مرد کی سب سے بڑی خوبی ہی میری نظر میں دراز قد ہونا ہے۔" منتہا نے رجسٹر کھول کر ایک اور صفحہ پھاڑا۔

"اکلوتا ہے' کروڑوں کی جائیداد کا تنہا وارث۔" مریم خاصی مادہ پرست تھی۔

"تو۔" منتہا لاپروائی سے ایک اور جہاز بنا رہی تھی۔

"بس بھی کرو یہ فضول کام کرنا۔" مریم کوفت کا شکار ہوئی۔

"ایک وقت آئے گا ان ہی جہازوں میں بیٹھ کر دنیا دیکھوں گی' ایئر ہوسٹس بنوں گی۔" منتہا کی بات پر مریم کا حیرت سے منہ کھلا اور بند ہونا بھول گیا۔

"ایئر ہوسٹس۔ تمہارے ماموں مان جائیں گے؟" وہ کچھ سنبھل کر بولی۔

"نہیں۔" اس نے مزے سے نفی میں سر ہلایا تو مریم نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔ "پھر کیا کرو گی؟"

"میو بھیا سے کہوں گی' وہ ان کی بات نہیں ٹالتے۔" منتہا کو ہر بندے سے بات منوانے کے گر آتے تھے۔

"تو میو بھیا کیسے قابو آئیں گے۔" مریم کی بات نے اسے سوچ میں مبتلا کیا اور اگلے ہی دن اس کی یہ خواہش بھی پوری ہوگئی۔ ویلکم پارٹی کا فنکشن کالج میں شام میں تھا' رائل بلیو لمبی قمیص کے ساتھ چوڑی دار پاجامہ اور پیروں میں کولہا پوری چپل پہنے وہ جب بڑی مہارت سے اپنا میک اپ کرکے فارغ ہوئی تو کمرے میں داخل ہوتی عنایہ ٹھٹک کر دروازے پر رک گئی۔ "بہت خوب صورت لگ رہی ہو۔" عنایہ کی ستائشی نگاہیں اس کے سراپے پر جمی ہوئی تھیں۔

"نانی بھی یہ ہی کہہ رہی تھیں۔" منتہا نے سلور کلر کے ٹاپس کانوں میں پہنے۔ آنکھوں میں گہرا کاجل اور لبوں پر ہلکی سی لپ اسٹک نے ہی اسے خاصا دلکش بنادیا تھا۔ جبکہ بے تحاشا گوری رنگت اسے باپ کی طرف سے وراثت میں ملی تھی۔ ورنہ اس کی ماں کا رنگ بھی نانی کی طرح سانولا تھا۔

"ماڈلز والی لک ہے تمہاری۔" عنایہ نے برش اٹھا کے اپنے سیاہ سلکی بالوں میں پھیرنا شروع کردیا۔ نین نقش تو اس کے بھی پیارے تھے' لیکن دونوں بہنوں کا رنگ گندمی تھا۔ البتہ عنایہ کے بال بہت لمبے' گھنے اور خوب صورت تھے۔ منتہا نے بمشکل آئینے سے نگاہ ہٹا کر عنایہ کی طرف دیکھا اور اس کے لمبے بالوں میں نظریں الجھ گئیں۔ حسد خون کے ساتھ رگوں میں گردش کرنے لگا۔ وہ کوفت کا شکار ہونے لگی۔ بال تو اس کے بھی اچھے تھے' لیکن اسٹیپ کٹنگ اور نت نئے تجربوں کی نظر ہو کر کندھوں تک رہ گئے تھے۔ اس وقت وہ ان کی فرنچ ٹیل بنا کر سلور موتی ان میں اٹکا رہی تھی۔ اس کے باوجود عنایہ کے خوب صورت بالوں کا بوجھ دل پر بڑھتا ہی جارہا تھا اور کسی بھی قسم کا بوجھ وہ دل پر رکھنے کی قائل نہیں تھی۔

"حد کرتی ہو تم لوگ۔" میو بھیا غصے سے دروازہ کھٹکائے بغیر کمرے میں داخل ہوئے' اگلے ہی لمحے ٹھٹک کر رک گئے۔ گردن میں نیکلس کے لاک سے الجھی منتہا نے چونک کر ان کی طرف دیکھا' جن کی توصیفی نگاہیں منتہا کے بے داغ چہرے پر جمی ہوئی

تھیں۔ "میو بھیا پلیز یہ لاک تو بند کر دیں۔" منتہا نے ایک سیکنڈ میں ان کی آنکھوں کو پڑھا اور بے تکلفی سے اپنی گردن ان کے آگے کی۔

"مجھ سے نہیں ہوتے یہ لڑکیوں والے کام..." ان کو کرنٹ لگا۔ وہ دو قدم پیچھے ہٹ کر کھڑے ہوئے اور اب الجھن بھرے انداز سے منتہا کو دیکھ رہے تھے، جو محظوظ ہونے والی نظروں سے انہیں دیکھ رہی تھی۔

"اپنی مسز کے تو ایسے کام بہت شوق سے کیا کریں گے۔" منتہا نے طنزیہ لہجے میں کہا اور اپنی گردن عنایہ کے آگے کی۔

"دو منٹ میں نیچے آؤ، ورنہ میں چھوڑنے نہیں جاؤں گا۔" وہ نظریں چرا کر آہستگی سے کمرے سے تو نکل آئے، لیکن اپنا دل وہیں کہیں منتہا کے قدموں میں چھوڑ آئے تھے۔ اس بات کا احساس منتہا کو پارٹی سے واپس آنے پر بخوبی ہو چکا تھا۔ پہلے پہل تو وہ ان کی دلچسپی پر کچھ بے زار ہوئی، لیکن اگلے ہی لمحے اسے بھی اس کھیل میں مزا آنے لگا۔ زندگی میں پہلی دفعہ جنس مخالف کی طرف سے اسے اہمیت ملی تھی۔

"بہت مہنگا سیل فون ہے آپ کا۔" منتہا آئی فون فائیو اٹھائے بڑی پر شوق نگاہوں سے دیکھ رہی تھی، جبکہ شاہ میر کی نگاہیں اس کے چہرے کا طواف کر رہی تھیں۔ اپنی یہ کزن انہیں کچھ دنوں میں اپنے دل کے بہت قریب محسوس ہو رہی تھی، لیکن وہ زندگی کے ہر معاملے کی طرح محبت میں بھی حدود و قیود کا خیال رکھنے والے تھے۔

"تمہیں پسند ہے تو تم لے لو۔" شاہ میر کا دل خاصا بڑا تھا۔

"رئیلی...؟" منتہا نے بے یقینی سے ان کا مسکراتا چہرہ دیکھا۔ وہ اس وقت ٹی وی لاؤنج میں ان سے کچھ فاصلے پر بیٹھی کوئی میگزین پڑھ رہی تھی، جبکہ شاہ میر کرکٹ کا کوئی پرانا میچ دیکھ رہے تھے۔ ممانی جان عروسہ اور عنایہ کے ساتھ مارکیٹ گئی ہوئی تھیں۔

"یقین کیوں نہیں آرہا۔" شاہ میر مسکرائے۔

"ممانی! میری جان نکال دیں گی۔" اس نے صاف گوئی سے جواب دیا۔

"کچھ نہیں کہیں گی، میں کہوں گا، میں نے گفٹ کیا ہے۔" شاہ میر کے پر اعتماد انداز پر منتہا کو ذرا بھی شک نہیں ہوا۔ اسے اچھی طرح علم تھا ماموں اور ممانی، ان کی کوئی بات نہیں ٹالتے۔ ویسے بھی شاہ میر گھر بھر کا لاڈلا تھا۔ طبیعت کے لحاظ سے کم گو، لیکن شخصیت میں ایک محسوس کی جانے والی خود اعتمادی اور بے نیازی تھی۔ انہوں نے اپنے چھوٹے قد کی کمی کو ذہانت کے ساتھ بیلنس کر لیا تھا۔

عروسہ اور عنایہ دونوں پر ہی ان کا خاصا رعب تھا۔ جبکہ منتہا نے تو شروع دن سے ہی انہیں کسی کھاتے میں نہیں رکھا تھا۔ شاہ میر کی خصوصی توجہ نے منتہا کی بہت سی نا آسودہ خواہشات میں رنگ بھرنے شروع کر دیے تھے۔ اسے پہننے اوڑھنے کا شوق تھا اور شاہ میر نے اچانک ہی بہنوں کے لیے شاپنگ میں دلچسپی لینا شروع کر دی، جو ممانی اور ان کی بیٹیوں کے لیے خاصی حیرانگی کا باعث بن رہی تھی۔ عروسہ اور عنایہ کے ساتھ منتہا کے لیے کی جانے والی شاپنگ ممانی کو بری طرح چبھ رہی تھی، لیکن اپنے اکلوتے بیٹے کو منع کرنے کی ہمت نہیں تھی۔

"آپ ماموں سے کہیں نا، ہمیں ٹرپ پر جانے کی اجازت دے دیں۔" وہ اپنے چھوٹے بڑے مسئلوں کے لیے اب شاہ میر کے کمرے کا ہی رخ کرتی تھی۔

"منع کر رہے ہیں وہ۔" شاہ میر کی سوالیہ نگاہوں پر اس نے گھبرا کر وضاحت دی۔

"کب جانا ہے۔" انہوں نے نرمی سے اپنے سامنے کھڑی اس لڑکی کو دیکھا جس کی کوئی بھی بات رد کرنے کا حوصلہ ان میں نہیں تھا۔ محبت انسان کو کتنا عجیب بنا دیتی ہے، اس چیز کا ادراک بہت کھل کر شاہ میر کو ہو رہا تھا۔

"پرسوں..." منتہا حقیقتاً پریشان تھی۔ ماموں نے صاف انکار کر دیا تھا۔ عنایہ نے تو ان کی بات پر سر جھکا دیا تھا، لیکن منتہا صرف اپنے دل کی سنتی تھی۔ اس وقت دل نے ہی اسے بے چین کر رکھا تھا۔

"کچھ نہیں کہیں گے وہ، تم جا کر تیاری کرو۔" شاہ میر کی بات پر وہ شادی مرگ کا شکار ہوئی۔

"سچ کہہ رہے ہیں آپ۔۔۔"

"کم از کم تم دنیا کی واحد لڑکی ہو، جس سے میں جھوٹ نہیں بول سکتا۔" ان کے لہجے میں کچھ تھا، منتہا ٹھٹک سی گئی۔ اس نے حیرانگی سے شاہ میر کی آنکھوں میں چھپے محبت کے طوفان سے آنکھیں چرائیں اور جلدی سے کمرے سے نکل آئی۔ ساری رات شاہ میر کی آنکھوں نے اسے بے چین رکھا، لیکن اس کے دل کی بنجر زمین پر کم از کم شاہ میر کے لیے کوئی پھول نہیں کھل سکتا تھا۔

☼ ☼ ☼
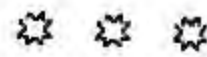
"اس کا مطلب ہے شاہ میر تمہارے لیے الہ دین کا چراغ بن گئے ہیں۔" وہ مریم کے ساتھ کالج میں لگے فوارے کی چھوٹی دیوار پر بیٹھی ہوئی املی کھا رہی تھی۔ اس نے ماموں کے مان جانے کا سارا قصہ مریم کو سنایا تو وہ ہنستے ہوئے بولی۔

"ہاں۔۔۔ ایسا الہ دین کا چراغ جسے رگڑنے سے "کوڈو جن" حاضر ہوتا ہے۔" منتہا نے کھل کر مذاق اڑایا۔

"اب اتنا بھی چھوٹا قد نہیں ہے ان کا۔" مریم کو اچھا نہیں لگا۔

"اتنا لمبا بھی نہیں ہے کہ انسان کمرے کے جالے اتروا سکے۔" وہ کھلکھلا کر ہنسی۔

"اپنے دل پر لگا جالا اتار دو، سب کچھ صاف نظر آئے گا، ویسے بھی محبت کرنے والوں کا مذاق نہیں اڑاتے۔" مریم کے لہجے میں ہلکی سی سنجیدگی در آئی۔ وہ پڑھائی میں نکمی سہی، لیکن اخلاقیات میں منتہا سے بہت آگے تھی۔

"بندہ کم از کم محبت کرنے سے پہلے اپنی اوقات تو دیکھے۔" وہ املی کا چٹخارہ لے کر بولی۔

"محبت اندھی، گونگی اور بہری ہوتی ہے، وہ صرف وہ دیکھتی ہے جو اس کا دل دکھاتا ہے، وہ صرف وہ سنتی ہے جو اس کا من چاہتا ہے اور محبت کے پانی سے وضو کرنے کے بعد عاشق کے منہ سے صرف وہ ہی نکلتا ہے جو اس کا محبوب سننا چاہتا ہے۔" مریم کو محبت کے نام پر خاصا غم ملا تھا۔ اپنے چچازاد کے لیے اس نے اپنے گھر میں اسٹینڈ لیا، لیکن اس کے چچا نہیں مانے۔ جس کے نتیجے میں اس کا کزن گھر والوں سے ناراض ہو کر دبئی شفٹ ہو گیا اور پچھلے چھ ماہ سے وہیں تھا۔

"ساڑھے چار فٹ کا عاشق کم از کم مجھے تو قبول نہیں۔ آخر کو پورے ایک فٹ چھوٹا ہے مجھ سے۔" منتہا ابھی بھی مذاق کے موڈ میں تھی۔

"تو پھر یہ عنایات لینا بند کر دو ان سے۔" مریم نے سنجیدگی سے مشورہ دیا۔

"یہ تو میرا حق ہے۔" اس نے بڑی ادا سے کندھے جھٹک کر مریم کو حیران کیا۔

"بہت عجیب ہو تم، بلکہ کسی حد تک سیلفش بھی۔" مریم کو آج نہ جانے کیوں منتہا پر غصہ آ رہا تھا۔

"سیلفش تو میں ہوں۔" منتہا اسے بھی اپنی کوئی خوبی ہی گردانتی تھی۔

"تم کیوں ہو ایسی؟" مریم نے ناراض نگاہوں سے اپنی دوست کو دیکھا، جس کی کوئی بھی چیز اس سے چھپی ہوئی نہیں تھی۔

"یہ خود غرضی وراثت میں ملی ہے مجھے۔ جن بچوں کی مائیں اپنی بے لگام خواہشات کی گٹھڑی اٹھا کر گھر والوں کی عزت کو نیلام کر دیں تو ان کے بچوں کو جینز میں خود غرضی، منافقت، ڈھٹائی اور ساری منفی عادات ہی ملتی ہیں اور وہ یہ ہی چیز معاشرے کو دوبارہ لوٹاتے ہیں۔" منتہا کی تھیوری خاصی عجیب لگی مریم کو، وہ اب حیرانگی سے اپنے سامنے بیٹھی اس لڑکی کو دیکھ رہی تھی، جس کی ملغوبہ سی شخصیت میں چھپے بھدے رنگ اسے بہت عرصے بعد نظر آئے تھے۔

"ضروری تھوڑی ہے، اگر نکمی چیزیں ملیں تو ہم جواب میں ویسی ہی دیں۔" مریم نے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔

"آئی ایم سوری مریم' میں نے کبھی بھی اچھی لڑکی ہونے کا دعویٰ نہیں کیا' مجھے اپنا حق کبھی سیدھے طریقے سے نہیں ملا اور میرا لڑکیوں کی اس قوم سے بھی تعلق نہیں' جو اپنے دل پر پاؤں رکھ کر گھر والوں کی خوشیوں کا خیال کریں اور خود ساری زندگی آہیں بھرتے ہوئے گزار دیں' مجھے اپنا حق اگر سیدھے طریقے سے نہ ملے تو میں انگلیاں ٹیڑھی کر لینے کو برا نہیں سمجھتی۔" منتہا کی شخصیت میں عجیب سا خلا رہ گیا تھا۔ جسے اس نے اپنی سمجھ کے مطابق بھر لیا تھا۔

"کیا فائدہ ایسی خوشی کا' جو دوسروں کو دکھ دے کر ملے؟"

"کیا فائدہ ایسے دکھ کا' جو کسی اور کو خوش کرنے کے چکر میں ہم اپنا نصیب بنا لیں۔" منتہا کے نظریات خاصے پختہ تھے۔

"اللہ ایسے لوگوں سے خوش نہیں ہوتا۔" مریم نے اسے ڈرایا۔

"یہ ہی تو مسئلہ ہے ہم لوگوں میں' جہاں خود سے بات نہ بنے' وہاں اللہ کو درمیان میں لے آتے ہیں۔" اس نے ہاتھ میں پکڑی املی کی گٹھلیاں فضا میں اچھالیں اور چھلانگ لگا کر فوارے کی منڈیر سے اتر آئی۔

"مجھے تم سے ڈر لگنے لگا ہے۔" مریم اس کے پاس آکر خوف زدہ انداز سے بولی۔

"اچھی بات ہے' اپنا تو زندگی کا اصول ہے یا تو ڈر جاؤ یا ڈرا دو۔" وہ اپنا بیگ کندھے پر ڈال کر لاپروائی سے چلنے لگی' جبکہ مریم اس کے پیچھے تھی۔ "تمہاری شخصیت میں ایک چیز کی کمی رہ گئی ہے منتہا۔" وہ چلتے چلتے رکی اور حیرانگی سے مریم کو دیکھا جو اپنی زبان پھسلنے پر ہلکی سی خفت کا شکار ہوئی تھی۔

"کس چیز کی؟" منتہا نے دونوں بازو سینے کے اردگرد لپیٹ کر اپنی واحد دوست کو دیکھا۔

"تربیت کی۔۔۔" مریم تھوڑا سا جھجک کر بولی' اسے ڈر تھا کہ منتہا مائنڈ کر جائے گی' لیکن اسے یہ دیکھ کر سخت حیرت ہوئی کہ وہ منہ کھولے بلند آواز میں ہنس رہی تھی۔ جیسے مریم نے اسے کوئی بہت بڑا لطیفہ سنا دیا ہو۔

"بے وقوف لڑکی' میری بات غور سے سنو۔" منتہا نے بے تحاشا ہنسنے کی وجہ سے آیا آنکھوں کا پانی صاف کیا۔

"جن بچیوں کی ماؤں کا ماضی داغ دار ہو ان کی تربیت کی ذمے داری کوئی نہیں لیتا اور دنیا میں کوئی ایسا واشنگ پاؤڈر نہیں' جس سے دامن پر لگے داغ دھل جائیں۔ مقدر میں لکھی سیاہی مٹ بھی جائے تو لوگوں کی یادداشت میں محفوظ دھبا کبھی ہلکا نہیں ہوتا۔" منتہا کے تلخ لہجے پر مریم اپنی جگہ پر کھڑی کی کھڑی رہ گئی تھی۔ جبکہ منتہا نے بیگ سے چیونگم نکال کر منہ میں ڈال لی اور اب غبارے بناتے ہوئے کالج وین کی طرف چل پڑی جہاں عنایہ کھڑی اس کا انتظار کرتی تھی۔

☼ ☼ ☼

"اچھا تو آپ ہیں منتہا۔" بلیو جینز پر وائٹ شرٹ پہنے وہ بے تکلفی سے بیٹ لان کی گھاس پر پھینک کر اس کی طرف آیا۔ وہ جو ایک ہفتہ کے بعد نانی کے ساتھ فیصل آباد سے واپس آئی تو گھر میں موجود حسنات کو دیکھ کر حیران ہوئی۔ اس وقت لان میں کرکٹ کا میچ ہو رہا تھا۔ عنایہ باؤلنگ کروا رہی تھی اور عروسہ وکٹ کیپنگ۔ جبکہ پڑوس کے دو بچے فیلڈنگ کے لیے لان میں موجود تھے۔

نانی تو گلناز ممانی کے بھانجے سے مل کر گھر کے اندر کی جانب بڑھ گئی تھیں' لیکن منتہا کی آنکھیں اس ہینڈسم شخص پر جمی ہوئی تھیں جو محبت بھرے انداز سے عنایہ کی طرف دیکھ رہا تھا۔ منتہا کو عجیب سا احساس ہوا۔

"جی۔۔۔ میں ہوں منتہا۔۔۔" وہ پراعتماد انداز سے گویا ہوئی۔ "آپ کی تعریف؟"

"یہ حسنات بھائی ہیں' ہمارے خالہ زاد کزن' اسلام آباد میں ہوتے ہیں۔" عنایہ نے مسکراتے ہوئے

تعارف کروایا۔

"وہ جو ایئر فورس میں تھے۔" منتہا کو یاد آیا۔

"تھے سے کیا مراد ہے' الحمد للہ ہوں۔" اس نے بے تکلفی سے بات کاٹ کر کہا تو منتہا نے چونک کر اس کی روشن بادامی آنکھوں کو دیکھا۔ اس کی کھڑی ناک کے نیچے ہونٹوں کے پاس چھوٹا سا تل تھا۔ زیر لب مسکراتا ہوا وہ بہت آسانی سے منتہا کے دل کے تاروں کو بھی ہلا گیا۔ منتہا گھبرا سی گئی۔

"بھئی عنایہ اپنی کزن کو چائے شائے پوچھو' ایک ہفتے بعد آئی ہے وہ۔" حسنات کی بات پر عنایہ نے مسکراتے ہوئے سر ہلایا تو اس کی پونی پنڈولم کی طرح جھولنے لگی۔ وہ اکثر اپنے بالوں کو سر کے بہت اوپر پونی کی صورت میں اکٹھا کر کے باندھ لیتی تھی۔ وہ اب گھر کے اندر کی جانب بڑھ رہی تھی' عروسہ بھی اس کے پیچھے چل پڑی' جبکہ وہ حسنات کے ساتھ لان چیئرز پر بیٹھ گئی' حسنات کی توصیفی نگاہیں عنایہ کے پشت پر لٹکتے لمبے بالوں پر تھیں۔ منتہا نے بے چینی سے پہلو بدلا۔ "اچھا تو آپ ایک ہفتے سے یہاں ہیں۔" منتہا کو سخت افسوس ہوا' وہ خواہ مخواہ نانی کی باتوں میں آکر پنجاب چل پڑی۔

"جی ابھی مزید دو مہینے رہوں گا' ایک ٹریننگ ہے میری یہاں۔" حسنات کی بات پر منتہا کچھ پرسکون ہوئی۔

"مجھے ایئر فورس بہت پسند ہے۔" منتہا کی بے تکلفی پر وہ مسکرایا۔

"اور پائلٹ؟" حسنات کا معنی خیز لہجہ منتہا کی دھڑکنوں میں طوفان برپا کر گیا۔

"ہاں۔۔۔ وہ بھی۔۔۔" وہ لاپروائی سے کندھے اچکا کر بولی۔ "میں ان شاء اللہ ایئر ہوسٹس بنوں گی۔"

"ہوں۔۔۔ گڈ۔۔۔" وہ اپنے سیل فون پر آنے والی کال کی طرف متوجہ ہو گیا۔ جبکہ منتہا اگلا پورا آدھا گھنٹہ اس کی کال کے ختم ہونے کا انتظار کرتی رہی' اتنے میں عنایہ چائے اور کچھ اسنیکس لیے وہیں چلی آئی' منتہا کا موڈ اچھا خاصا خراب ہو گیا۔ وہ حسنات سے اچھی طرح گفتگو نہیں کر سکی تھی۔

"تمہیں اتنے لمبے بالوں سے الجھن نہیں ہوتی۔" رات کو واک کرتے ہوئے منتہا نے اپنی اگلی مہم کا آغاز کیا۔

"ہرگز نہیں۔۔۔" عنایہ نے فوراً" جواب دیا۔

"اتنے لمبے بال تو اب فیشن میں بھی نہیں ہیں' بندہ بہت پینڈو لگتا ہے۔" منتہا نے سڑک پر پڑے پتھر کو ٹھوکر ماری۔

"ایسی بھی کوئی بات نہیں' کالج میں سب میری تعریف کرتے ہیں۔" عنایہ آج کسی صورت قابو نہیں آرہی تھی۔

"اچھا۔۔۔ لیکن حسنات تو بہت مذاق اڑا رہے تھے۔" منتہا کی اگلی بات نے عنایہ کا سکون برباد کیا۔

"کیا واقعی؟" وہ جلدی سے اس کا بازو پکڑ کر بے تابی سے بولی تو منتہا کو یقین ہو گیا' معاملہ دونوں جانب خاصا گڑبڑ ہے۔

"ہاں کہہ رہے تھے عنایہ کے بال دیکھ کر گھوڑے کی لمبی دم کا خیال آتا ہے۔" منتہا کے جھوٹ پر عنایہ کے چہرے پر ایک مایوسی کا سایہ دوڑا۔

"تم لوگ اسی بات پر لان میں بیٹھے ہنس رہے تھے؟" عنایہ فوراً" پریشان ہوئی۔

"ہاں۔۔۔ لیکن اب تم ان سے پوچھنے مت بیٹھ جانا' کیا سوچیں گے وہ' منتہا کے پیٹ میں چھوٹی سی بات بھی نہیں رہی اور فوراً" بتانے بیٹھ گئی' تمہیں پتا تو ہے اس گھر میں سب سے زیادہ مجھے تم سے پیار ہے۔ تمہارے خلاف مذاق میں کہی ہوئی بات بھی مجھے اچھی نہیں لگتی۔" منتہا اس کا ہاتھ پکڑ کر اب پارک کے بینچ پر بیٹھ گئی' وہ دونوں روزانہ شام کو قریبی پارک میں واک کرنے جاتی تھیں۔

"نہیں' نہیں۔۔۔ میں نہیں بتاؤں گی۔" عنایہ پھیکے سے انداز سے مسکرائی۔

"تم اسٹیپ کٹنگ کروالو' شولڈر تک' بہت سوٹ کرے گی۔" منتہا نے لگے ہاتھوں مشورہ بھی دے ڈالا۔

"ماما اور دادو جان نکال دیں گی میری۔" عنایہ کے لہجے میں ہلکی سی رضامندی در آئی۔

"تو کٹنگ کروا کر پھر بتانا' تھوڑا سا ڈانٹ کر خود ہی سیٹ ہو جائیں گی۔" منتہا نے چٹکی بجا کر مشورہ دیا۔

"نہیں۔۔۔ عروسہ آپی بہت خفا ہوں گی۔" عنایہ فطرتاً" ڈرپوک تھی۔

"ان کا تو کام ہی یہ ہی ہے' خود کیوں باب کٹنگ کروا رکھی ہے انہوں نے۔" عروسہ کے خلاف بولنے کا وہ بھی کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتی تھی۔ عنایہ سر جھکا کر خاموش رہی' منتہا نے بغور اسے دیکھا اور فیصلہ کن انداز میں کھڑی ہوئی۔

"چلو اسی بلاک کے پارلر میں چلتے ہیں۔" منتہا کی اگلی بات پر عنایہ گھبرا سی گئی۔ "ابھی میں کچھ اور سوچ لوں۔"

"پاگل ہو گئی ہو' کیوں اپنا مذاق بنا رہی ہو' چلو اٹھو میں کوئی غلط مشورہ دوں گی تمہیں۔" منتہا کا بازو پکڑ کر پارلر کی طرف چل دی۔ اگلے دو گھنٹوں میں عنایہ ایک نئے ہیر اسٹائل کے ساتھ گھر میں داخل ہوئی تو سب سے پہلے عروسہ کے سے سامنا ہوا۔

"او مائی گاڈ۔۔۔" عروسہ نے صدمے سے اپنے دونوں ہاتھ ہونٹوں پر رکھ لیے۔ وہ سخت بے یقینی سے اپنی لاڈلی بہن کا ہیر اسٹائل دیکھ رہی تھی جو اس پر بالکل بھی سوٹ نہیں کر رہا تھا۔ جبکہ منتہا گھبرا کر اپنے کمرے کی طرف چل دی۔

☼ ☼ ☼

"کسی دن وہ کہے گی کنویں میں چھلانگ لگا دو' تب بھی لگا دینا۔" عنایہ سر جھکائے گلناز بیگم کے کمرے میں رو رہی تھی' جبکہ عروسہ سخت ناراضی سے اس کا چہرہ دیکھ رہی تھی۔ اسے بال کٹوانے پر دونوں سے ہی سخت ڈانٹ پڑی تھی۔

"منتہا نے مجھے نہیں کہا تھا۔" وہ خلوص دل سے اپنی دوست کو بچانے کی ناکام کوشش کر رہی تھی۔

"بکواس بند کرو اپنی' ماں کے سامنے جھوٹ بولو گی۔" گلناز ممانی کا موڈ سخت خراب تھا۔

"ہزار دفعہ سمجھایا ہے' وہ خود غرض لڑکی اپنے مفادات کی خاطر ٹشو کی طرح استعمال کرتی ہے تمہیں اور پھینک دیتی ہے۔" عروسہ نے ناراضی سے کہا تو عنایہ نے بھیگی پلکیں اٹھا کر احتجاجی نظروں سے دیکھا۔

"آپی وہ میری دوست ہے۔"

"دوست ایسے ہوتے ہیں۔" عروسہ بھڑکی۔ "اس نے ہمیشہ تمہیں نقصان پہنچایا ہے۔ تم نے اس کی خاطر سائنس چھوڑ کر آرٹس رکھی اور وہ سارا دن کالج میں تمہیں لفٹ نہیں کرواتی۔ پرنسپل کی بیٹی مریم سے دوستی بھی اس نے محض اپنے فائدے کے لیے کر رکھی ہے۔"

"میں نے کہا نا' یہ مشورہ اس نے نہیں دیا۔" عروسہ کو کافی عرصے کے بعد اصل بات پتا چل ہی گئی تھی۔

"آپ چھوڑیں پچھلی باتوں کو۔" عنایہ جھنجلائی۔

"میں تو چھوڑ دوں گی پچھلی باتوں کو' لیکن تم اپنے اگلے مستقبل کا سوچو پاگل لڑکی' کسی دن بیچ آئے گی وہ تمہیں۔" عروسہ کا غصہ کم ہونے میں ہی نہیں آرہا تھا۔

"ایسے بے وقوفوں کو بڑی ٹھوکر لگنے پر ہی احساس ہوتا ہے۔" گلناز بیگم نے بھی کھا جانے والی نگاہوں سے اپنی سب سے بے وقوف بیٹی کو دیکھا۔ جو کسی طور بھی سمجھنا نہیں چاہ رہی تھی۔

"عنایہ کو تم نے مشورہ دیا تھا نئے ہیر اسٹائل کا۔" شام کو شاہ میر نے اسے لان میں اکیلے دیکھ کر پوچھ لیا۔ یقیناً" ممانی اور عروسہ آپی نے اس کے سامنے بھی خوب واویلہ مچایا تھا' ورنہ وہ زیادہ تر گھریلو معاملات سے دور ہی رہتے تھے۔

"نہیں تو۔۔۔" وہ صاف مکر گئی' شاہ میر الجھن کا شکار ہوا۔

"گلناز ممانی اور عروسہ آپی نے ہمیشہ کی طرح سارا مدعا میرے سر پر ڈال دیا ہو گا۔" منتہا کی بات پر شاہ میر گڑبڑا سا گیا۔

"کوئی بات نہیں، پہلی دفعہ تو نہیں ہوا میرے ساتھ ایسا۔" پودوں کو پانی دیتے ہوئے اس کا چہرہ خاصا مطمئن تھا۔

"لیکن وہ پیار لر تو تمہارے ساتھ ہی گئی تھی نا؟" شاہ میر بھی ایک نیا نکتہ نکال ہی لایا۔

"ہاں... لیکن اس نے مجھے وہیں جا کر بتایا تھا کہ اتنے لمبے بال وہ سنبھال نہیں سکتی' اس لیے کٹنگ کروانا چاہتی ہے' ظاہر ہے میں اسے منع تو نہیں کر سکتی تھی۔" منتہا کم از کم شاہ میر کو تو مطمئن کر سکتی تھی اور اس نے کر بھی دیا۔

"تمہیں پتا ہے عنایہ اور حسنات کی بچپن سے بات طے ہے۔" اس دن وہ حسنات کے ساتھ بیڈ منٹن کا ایک لمبا میچ کھیل کر لاؤنج میں آئی تو عروسہ نے سرسری سے انداز سے اسے اطلاع دی۔

"اچھا... پھر؟" دھچکا تو اسے ٹھیک ٹھاک لگا تھا لیکن وہ منتہا ہی کیا' جو خود کو موقع پر سنبھال نہ سکے۔

"میں نے تو یوں ہی بتایا ہے تمہیں۔" عروسہ کا لہجہ اسے بہت کچھ جتا گیا تھا۔ ایک چھوٹی سی بات کس طرح راتوں کی نیند چراتی ہے۔ اس کا احساس اسے اس رات ہوا تھا۔ نیند روٹھ کر ہزاروں میل کے فاصلے پر جا کھڑی ہوئی تھی۔ اس کا اور تانی کا بیڈ روم مشترکہ تھا' لیکن وہ زیادہ تر عنایہ کے کمرے میں پائی جاتی تھی۔ اس وقت بھی عجیب سی بے چینی کے زیر اثر وہ ننگے پاؤں ہی ٹیرس میں نکل آئی۔ اس کا روم فرسٹ فلور پر تھا۔ رات کے دو بجے لان میں چند لائٹیں جل رہی تھیں' لیکن ان چند لائٹوں کی روشنی میں بھی اس نے عنایہ اور حسنات کو لان میں چہل قدمی کرتے دیکھ لیا تھا۔ اس کے تن بدن میں گویا آگ ہی تو لگ گئی تھی۔ حسد' نفرت اور غصہ سارے منفی جذبات اس رات جو انگڑائی لے کر بے دار ہوئے عنایہ کو خود کو سنبھالنا مشکل ہو گیا۔

✡ ✡ ✡

"حسنات کا پرسوں برتھ ڈے ہے' سوچ رہی ہوں کیا گفٹ دوں؟" عنایہ نے اگلے دن وین میں بیٹھتے ہی سرگوشی کے انداز میں پوچھا۔

"مجھے کیا پتا۔" وہ ناراض سے انداز سے لمبی سڑک پر بھاگتی دوڑتی گاڑیوں کو دیکھنے لگی۔

"بتاؤ نا' تمہیں پتا تو ہے مجھے کسی چیز کا پتا نہیں چلتا' تمہارے مشورے کے بغیر تو میں ایک قدم بھی نہیں اٹھا سکتی۔" عنایہ کے معصومانہ انداز پر منتہا نے غور سے اس کی طرف دیکھا' وہ عام سے نقوش والی لڑکی اسے لمحے بہت خاص لگی۔

"آخر ایسا کیا تھا اس میں جو وہ اتنی آسانی سے حسنات کے دل میں جگہ بنا گئی۔ زندگی میں ساری چیزیں دوسروں کو ہی بن مانگے کیوں ملتی ہیں۔ میرا کاسہ ہمیشہ ہی خالی رہتا ہے۔ میں نے کسی کا کیا بگاڑا ہے۔" وہ ایک دفعہ پھر خود ترسی کی انتہا کو چھونے لگی۔

"بتاؤ نا۔" عنایہ نے اس کا کندھا ہلایا تو وہ حقیقت کی دنیا میں آ گئی۔

"مجھے کیا پتا' تمہاری ہی دوستی ہے ان کے ساتھ' تمہیں خود پتا ہونا چاہیے۔" منتہا نے بے رخی کے سارے ریکارڈ توڑ دیے۔

"ہم ایسی باتیں تھوڑی کرتے ہیں۔" عنایہ نے ایک دفعہ پھر اس کا دل جلایا۔

"ایسا کرو شاعری کی کچھ بکس گفٹ کرو۔" منتہا نے کچھ سوچ کر جواب دیا' اسے اچانک ہی یاد آیا حسنات کو شاعری سے بہت چڑ تھی اور اس کا اظہار وہ کئی دفعہ اس کے سامنے کر چکا تھا۔

"ہاں یہ ٹھیک رہے گا۔" عنایہ جلد ہی مطمئن ہو گئی۔ اس لمحے منتہا کے لبوں پر بڑی پراسرار سی مسکراہٹ پھیلی۔

"میرو بھیا مجھے بہت اچھی واچ چاہیے۔" اسی شام وہ کچھ سوچ کر شاہ میر کے کمرے میں تھی۔ اس کی بات پر وہ کچھ لمحے حیران ہوا۔

"واچ...؟"

"ہاں زبردست سی... میری ایک فرینڈ کی شادی ہے' اس کے ہسبینڈ کو گفٹ کرنی ہے۔ فرینڈ کے لیے

تو گفٹ لے لیا' جبکہ اس کے میاں کے لیے سمجھ نہیں آرہی تھی۔" منتہا کی بات پر وہ بے ساختہ انداز میں مسکرائے۔

"کل مل جائے گی۔" شاہ میر کی بات پر وہ مطمئن ہو کر دروازے کی طرف پلٹی ہی تھی کہ انہوں نے پیچھے سے پکار لیا۔ "منتہا... ایک بات کہوں... برا تو نہیں مانو گی؟" شاہ میر ہلکا سا جھجک کر بولے۔

"آپ کی کسی بات کا برا میں مان ہی نہیں سکتی۔" منتہا کا بے ساختہ انداز ہی تو شاہ میر کو پاگل بنائے ہوئے تھا۔ وہ اس کی خاطر تو اب ممانی سے بھی الجھنے لگے تھے۔ اس بولڈ سی لڑکی نے پہلی ہی بال پر ان کو کلین بولڈ کر دیا تھا۔ اب وہ پویلین میں بیٹھے بس اپنے دل کی پچ پر اس لڑکی کو اپنے جذبات سے کھیلتا ہوا دیکھتے رہتے تھے۔

"تم مجھے شاہ میر کہا کرو... صرف شاہ میر..." آج انہوں نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہہ ہی ڈالا تھا۔

"جی..." منتہا ہلکا سا ٹپٹائی اور اگلے ہی لمحے اس نے خود کو سنبھال لیا۔ "کوشش کروں گی۔" مختصراً کہہ کر وہ کمرے سے نکل آئی۔

☼ ☼ ☼

"تم نے شاہ میر سے واچ لے کر حسنات کو گفٹ کر دی۔" مریم کا منہ حیرت سے جو کھلا تو کافی دیر تک بند ہونا بھول گیا۔

"ظاہر ہے میرا کون سا میاں ابا بیٹھا ہوا ہے' جس سے فرمائش کر کے منگواتی۔" منتہا کا اطمینان دیدنی تھا۔

"اگر انہیں پتا چل گیا تو..." مریم پریشان ہوئی۔

"تو کیا؟ کہہ دوں گی فرینڈ کی شادی پر نہیں جا سکی' اس لیے حسنات کو گفٹ کر دی۔" منتہا کے پاس ہر بات کا جواب موجود تھا۔

"تم شاہ میر کے ساتھ اچھا نہیں کر رہی ہو' اتنی مہنگی فرمائشیں تو چلو ٹھیک ہیں وہ آرام سے افورڈ کر سکتے ہیں' لیکن کم از کم ان کے جذبات سے مت کھیلو۔" مریم نے ایک دفعہ پھر اسے سمجھانے کی کوشش کی۔

"میں نے تھوڑی کہا ہے' میرے اوپر اپنے قیمتی جذبات انڈیلتے پھریں۔" منتہا پر کسی بات کا اثر کم ہی ہوتا تھا۔ "اور حسنات..." مریم نے الجھ کر اس کا چہرہ دیکھا۔

"وہ اگر میرا نہ ہوا تو میں اسے کم از کم عنایہ کا بھی نہیں ہونے دوں گی۔" منتہا کی باتیں آج مریم کو سخت پریشان کر رہی تھیں۔

"لیکن عنایہ اس سے محبت کرتی ہے یار..."

"میں بھی تو کرتی ہوں۔"

"اس کی اور عنایہ کی بات بچپن سے طے ہے۔" مریم نے جھنجلا کر یاد دلانے کی کوشش کی۔

"تو کیا ہوا؟ بہت سے لوگوں کی ہوتی ہیں' لیکن بڑے ہو کر ختم ہو جاتی ہیں۔" منتہا ہر قسم کے حالات میں پر سکون رہتی۔

"تم واقعی لاعلاج ہو۔" مریم ناراض ہو کر چل پڑی۔

"محبت لاعلاج مرض ہی تو ہے۔" منتہا نے اسے چڑایا اور وہ چڑ گئی۔ "تو جا کر علاج کرواؤ اپنا۔"

"محبت سرطان کی طرح جسم میں پھیل جائے تو اس کا کوئی علاج نہیں۔ محبوب کے نرم لفظوں کی سرجری' توجہ کی کیمو تھراپی اور پیار بھری نظروں کی ریڈی ایشن تھراپی تو اثر کر سکتی ہے' اس کے علاوہ کسی چیز کا اس پر بس نہیں چلتا۔" منتہا کا سنجیدہ انداز پہلی دفعہ پر مریم کو دہلا گیا۔ اس سے اگلے کئی دن منتہا جان بوجھ کر حسنات کے آگے پیچھے پھرتی رہی' کبھی چائے بنا کر اس کے کمرے میں چلی جاتی اور کبھی لان میں بیڈ منٹن کھیلنے کو بلوا لیتی' وہ اپنے تمام تر ہتھکنڈوں کے ساتھ میدان میں اتر آئی تھی۔

☼ ☼ ☼

"کیا سوچ رہی ہو منتہا...؟" حسنات کافی کا کپ

اٹھائے لان میں داخل ہوا تو سامنے منتہا برگد کے بوڑھے درخت کے نیچے گھاس پر کتابیں بکھیرے بالکل تنہا بیٹھی ہوئی تھی۔ نظریں کاپی پر اور دماغ کہیں اور تھا تب ہی تو اسے حسنات کے آنے کا پتا نہیں چلا۔

"بولو نا کیا سوچ رہی ہو۔" وہ اس کے پاس ہی گھاس پر آلتی پالتی مار کر بیٹھ گئے۔

"سوچ رہی ہوں والدین کے بغیر بچے ایسے ہی ہوتے ہیں جیسے کوئی چیز خلا میں لٹک رہی ہو نہ زمین اپنی اور نہ آسمان اپنا۔" منتہا افسردگی سے گویا ہوئی آج صبح ناشتے پر ہی گلناز ممانی نے اسے گلاس توڑنے پر ٹھیک ٹھاک سنائیں تھیں سب کے سامنے۔

"تم اپنے بابا کے پاس کیوں نہیں چلی جاتی ہو منتہا؟" حسنات نے سر اٹھا کر اچانک اس لڑکی کو دیکھا جو اس افسردہ سی شام کا ہی ایک حصہ لگ رہی تھی۔

"جن بچیوں کی مائیں جذبات کی رو میں بہہ کر معاشرے کی اخلاقی حدود کو پار کر لیتی ہیں۔ ان کو کوئی قبول نہیں کرتا نہ معاشرہ نہ سگے رشتے دار نہ خونی رشتے۔" اس کا تلخ لہجہ حسنات کو عجیب لگا۔

"وہ تمہارے فادر ہیں۔" حسنات نے یاد دلایا۔

"ہاں۔ لیکن بہت بزدل اور خوف زدہ۔" وہ استہزائیہ انداز میں ہنسی تو حسنات نے نہ سمجھنے کے انداز میں اس کی طرف دیکھا۔

"پتا ہے حسنات جن بچوں کے والدین ایسا قدم اٹھالیں جو معاشرے کے لیے قابل قبول نہ ہو ان کی زندگی میں یہ خوف ہمیشہ ناگ کی طرح پھن پھیلائے ان کا تعاقب کرتا ہے کہیں ان کی اولاد بھی ایسا نہ کر گزرے۔ اس لیے وہ ہمیشہ ڈر ڈر کر زندگی گزارتے ہیں۔" وہ اب بے دردی سے لان کی گھاس اکھیڑ رہی تھی۔

"تم اس بات کو بھول کیوں نہیں جاتی۔" حسنات نے تاسف بھرے انداز سے اس لڑکی کی طرف دیکھا جو آج خاصی بکھری بکھری تھی ورنہ عام حالات میں تو وہ کسی کا بھی لحاظ کرنے کی قائل نہیں تھی۔

"کیسے بھولوں؟ دن میں چھتیس دفعہ تو مجھے یہ سوچ کر طعنہ دیا جاتا ہے کہیں میں اپنی اوقات نہ بھول جاؤں۔" وہ آج سب ہی سے خفا تھی۔

"تم سب کچھ چھوڑ کر شادی کر لو۔ اپنا گھر بساؤ جہاں کوئی بھی تمہیں ایسی فضول باتیں سنانے والا نہ ہو۔" حسنات نے خلوص دل سے مشورہ دیا۔

"کون ہوگا ایسا اعلا ظرف جو مجھ سے شادی کرے گا؟" وہ طنزیہ لہجے میں بولی۔ "آپ کریں گے؟" اس کے تلخ لہجے پر حسنات بری طرح گڑبڑا سا گیا۔

"میں تو انگیج ہوں عنایہ کے ساتھ؟"

"حالانکہ وہ بے چاری آپ سے شادی کرنا نہیں چاہتی۔" منتہا کے منہ سے پھسلا۔

"واٹ۔" حسنات کو کرنٹ سا لگا۔ "تمہیں کس نے کہا؟"

"کک۔ کسی نے نہیں۔" منتہا ایک جھوٹ بول کر بری طرح پھنس چکی تھی۔

"پلیز منتہا فار گاڈ سیک۔ مجھ سے کچھ بھی مت چھپاؤ تم سے عنایہ نے یقیناً کچھ شیئر کیا ہوگا تم دونوں کی دوستی بھی تو کافی ہے۔" وہ اپنی طرف سے اندازے لگا رہا تھا اور منتہا دل ہی دل میں سوچ رہی تھی کہ اس بات کو کس طرح سے ہینڈل کرے۔

"دیکھیں حسنات بھائی خوامخواہ سے ساری بات میرے اوپر آجائے گی میری تو پہلے ہی پوزیشن اس گھر میں بہت کمزور ہے۔" عنایہ نے اداکاری کی انتہا کر دی۔ حسنات بے تابی سے اس کے بالکل پاس آکر بیٹھ گیا۔

"تمہیں مجھ پر اعتبار نہیں ہے منتہا۔" حسنات کی التجائیہ آنکھوں کے سامنے وہ موم کی طرح پگھلتی گئی۔ وہ حسنات کی آنکھوں میں دم توڑتی محبت کا تماشا دیکھتی ہوئی بس بولتی گئی اسے خود نہیں پتا چلا کہ وہ کتنی بڑی کہانی باز ہے۔

"اچھا تو وہ اکیڈمی میں آنے والے لڑکے سے محبت کرتی ہے۔" حسنات کو یقین آہی گیا تھا۔ اس کے لہجے میں گہری افسردگی تھی۔

"وہ مر جائے گی' لیکن آپ کے سامنے کبھی اعتراف نہیں کرے گی۔" اس نے آخری ضرب زور سے لگائی اور کہانی لاک کر دی۔ حسنات کے چہرے پر پھیلتی دھند کے پیچھے وہ اپنی زندگی کا ایک روشن دن طلوع ہوتے دیکھ رہی تھی۔ اگلے ہی دو دن کے بعد پتا چلا کہ حسنات اپنی ٹریننگ چھوڑ کر واپس چلا گیا ہے اور اس نے میڈیکل بجوا کر نہ صرف ٹریننگ کرنے سے معذرت کر لی' بلکہ اگلے ہی ہفتے وہاں سے آنے والے ایک رشتے دار کے ہاتھوں اس رشتے سے انکار کا سندیسہ بھی بھجوا دیا۔

"حسنات نے اچھا نہیں کیا۔" عنایہ اس دن اس کے سامنے پھوٹ پھوٹ کر رو پڑی اور وہ جو پچھلے صحن میں اپنے دھلے ہوئے کپڑوں کو زور' زور سے جھٹک کر ڈال رہی تھی' اس نے لاپروائی اور کسی حد تک بے حسی سے عنایہ کو روتے ہوئے دیکھا۔

"میں اس سے ضرور پوچھوں گی' اس نے میرے ساتھ ایسا کیوں کیا؟" عنایہ کی بات پر منتہا کا اپنے دوپٹے کو جھٹکتا ہوا ہاتھ یوں ہی فضا میں معلق ہو گیا' اس نے اگلے ہی لمحے خود کو سنبھالا اور زور' زور سے اپنے دوپٹے کو نچوڑتے ہوئے بولی۔ "کوئی فائدہ نہیں' وہ تو تھا ہی فلرٹ۔"

"فلرٹ۔۔۔" عنایہ کسی صدمے کے زیر اثر اس کے پاس آئی اور مضبوطی سے اس کا بازو پکڑ لیا۔ "تمہیں کس نے کہا۔"

"رہنے دو یار' تمہیں دکھ ہو گا۔" وہ دونوں چلتی ہوئیں' لیموں کے درخت کے پاس آکر رک گئیں۔

"نہیں۔۔۔ نہیں تم بتاؤ۔" عنایہ کی آنکھوں میں اس قدر وحشت تھی کہ ایک لمحے کو منتہا کا دل بھی کانپ گیا' لیکن اگلے ہی لمحے برائی ایک دفعہ پھر اچھائی پر غالب آگئی۔

"میں نے تو تمہیں بتایا نہیں تھا کہ حسنات۔۔۔" وہ ایک دفعہ پھر شروع ہوئی۔

"ہاں ہاں بتاؤ۔" عنایہ کی اس کے بازو پر گرفت مضبوط ہوئی۔ وہ ہراساں نگاہوں سے اس لڑکی کو دیکھ رہی تھی' اگر کمینگی اور خباثت کا کوئی نام ہوتا تو اس وقت منتہا اس کا عملی ثبوت تھی۔

"مجھے کہہ رہا تھا کہ مجھے تمہارے جیسی خوب صورت اور فیئر کمپلکشن والی لڑکیاں اچھی لگتی ہیں۔" عنایہ کی اس کے بازو پر گرفت ڈھیلی پڑ گئی۔

"میں نے تو کھری کھری سنا دیں اس کو۔"

"اور کیا کہہ رہا تھا۔" عنایہ کے ہونٹ خشک ہوئے۔

"کہہ رہا تھا کہ مجھے تم سے محبت ہو گئی ہے' عنایہ نے اب منتہا کا بازو بالکل ہی چھوڑ دیا۔ وہ بے یقینی سے اس کا چہرہ دیکھنے لگی۔

"مجھے اس قدر غصہ آیا کہ میں نے ٹھیک ٹھاک اس کی انسلٹ کر دی' تب ہی تو غصے میں اپنی ٹریننگ ادھوری چھوڑ کر چلا گیا۔" عنایہ کے لفظ گم ہو گئے۔ وہ اب ٹکٹکی باندھے اسے دیکھ رہی تھی۔

"اب کیا تم اس سے محبت کی بھیک مانگو گی؟" وہ منہ بنا کر بولی۔

"نہیں۔۔۔" عنایہ کی آواز اسے پاتال میں سے آتی ہوئی محسوس ہوئی۔

"لعنت بھیجو اس پر' وہ تو اتنا گھٹیا ہے کہ تم سوچ بھی نہیں سکتی ہو۔" منتہا کی بات پر عنایہ خاموش رہی۔

"اس قدر چیپ انسان ہے' مجھے تو ڈر ہے کہیں مجھ پر ہی کوئی الزام تراشی نہ شروع کر دے۔" منتہا نے دانستہ پریشان انداز سے کہا۔ "مردوں کا کیا بھروسا کچھ بھی کہہ سکتے ہیں۔ لڑکی بے چاری ان کا کیا بگاڑ سکتی ہے۔"

"ہوں۔۔۔" عنایہ بمشکل بولی۔

"خدارا۔۔۔ تم یہ بات اب عروسہ آپی کو مت بتانا' میری تو پہلی ہی زندگی عذاب میں رہتی ہے' کہیں۔۔۔" منتہا کو اب واقعی پریشانی ہوئی۔

"نہیں بتاؤں گی۔" وہ سپاٹ لہجے میں بولی اور اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔ منتہا کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ کسی مورنی کی طرح پورے لان میں ناچنا شروع کر دے۔ یہ قصہ اتنی آسانی سے نپٹ جائے گا۔ اس

بات کا تو اسے بھی اندازہ نہیں تھا۔

عنایہ کو اگلے دن جو بخار ہوا وہ آہستہ آہستہ ٹائی فائیڈ میں تبدیل ہو گیا۔ گلناز ممانی کے اپنی سگی بہن کے ساتھ تعلقات سخت کشیدہ ہو گئے تھے۔ حسنات منگنی توڑنے کی وجہ بتانے پر راضی نہیں تھا۔ وہ بتا بھی کیسے سکتا تھا منتہا نے اسے اتنی ساری قسمیں جو دی تھیں۔ گھر کا ماحول عجیب سا ہو گیا تھا۔ عنایہ نے اس بات کو دل پر ہی لے لیا تھا۔ اس کے ہونٹوں پر چپ آکر ٹھہر سی گئی تھی۔ اب تو منتہا کو بھی اس سے بات کرنے میں مزا نہیں آتا تھا' وہ بالکل ایک ڈمی کی طرح سنتی رہتی اور پڑھائی سے اس کا دل بری طرح اچاٹ ہو گیا۔ یہ ہی وجہ تھی کہ وہ فرسٹ ایئر میں بری طرح فیل ہو گئی۔ عروسہ آپی تنگ آکر اسے اپنی ایک سائیکاٹرسٹ فرینڈ کے پاس لے گئی۔ عنایہ کے کچھ سیشن ہوئے جس کے نتیجے میں اس نے تھوڑا بہت زندگی کی طرف لوٹنا شروع کر دیا تھا' لیکن اس میں پہلے والی بات نہیں رہی تھی۔

❋ ❋ ❋
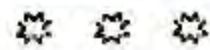
"تم نے مجھ سے جھوٹ کیوں بولا۔" اس دن وہ بڑے مزے سے لان میں بیٹھی کوئی ناول پڑھ رہی تھی' جب شاہ میر وہاں چلے آئے۔

"کون سا جھوٹ؟" وہ بڑی سرعت سے اپنے ذہن میں وہ سارے جھوٹ دہرانے لگی جو مستقبل قریب میں اس نے بولے تھے۔

"یہ ہی کہ گھڑی تم نے اپنی فرینڈ کے میاں کو دی ہے۔" شاہ میر بہت عجیب سی نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"اسی کو دینے کے لیے منگوائی تھی۔" ڈھٹائی تو اس پر ختم تھی۔

"تو وہ اڑ کر حسنات کے بازو پر کیسے پہنچ گئی؟" شاہ میر کے لہجے میں ہلکی سی برہمی جھلکی۔ وہ ہو چکا تھا جس کا مریم نے اسے کہا تھا۔

"ان کی برتھ ڈے اچانک آگئی تھی اور میرے پاس پیسے نہیں تھے۔ اس لیے وہ ان کو دے دی اور فرینڈ کی شادی پر جانا کینسل کر دیا۔" وہ اس قدر روانی سے جھوٹ بولی تھی کہ شاہ میر کے تنے ہوئے اعصاب ڈھیلے پڑ گئے۔

"تو تم مجھے بتا دیتیں' میں تمہیں اور گفٹ لا دیتا۔" شاہ میر کے سادہ لہجے پر منتہا دل ہی دل میں ہنسی۔

"اب روز' روز مانگنا اچھا تھوڑی لگتا ہے۔" اس نے ایک ادا سے ناک چڑھائی تو شاہ میر نے مسکرا کر اسے دیکھا۔ اس کا یہ اسٹائل ان کے دل کا سارا سکون غارت کر دیتا تھا۔ اس وقت بھی وہ اس لمحے کی زد میں آگئے جس میں انسان اپنے اوپر مزید بند نہیں باندھ سکتا۔

"منتہا۔ مجھ سے شادی کرو گی۔" شاہ میر کی بات پر اسے کرنٹ لگا۔ وہ ایک قدم پیچھے ہٹ کر کھڑی ہو گئی۔

"شش۔ شادی؟" وہ اٹکی' شاہ میر کھل کر مسکرایا۔

"یہ کوڈو تو بہت تیز نکلا۔" وہ دل ہی دل میں سخت کوفت کا شکار ہو گئی۔

"مجھے ممانی جان کے ہاتھوں شہید ہونے کا کوئی شوق نہیں۔" اس نے گھما پھرا کر جواب دیا۔

"تم ان کی ٹینشن مت لو' ان کو ہینڈل کرنا میرا کام ہے۔" شاہ میر نے سنجیدگی سے اس کی طرف دیکھا۔

"پتا نہیں۔ میں نے کبھی ایسا سوچا نہیں۔" وہ اتنی آسانی سے کہاں قابو آنے والی تھی۔

"تو اب سوچ لو۔" شاہ میر نے کھلے دل سے کہا تو وہ لاپروائی سے کندھے اچکا کر اندر کی جانب بڑھ گئی۔ اسے اس بات پر نہ آج سوچنا تھا اور نہ ہی کبھی بعد میں لیکن اس کے باوجود وہ اگلے دن مریم کو بتانے سے باز نہیں آئی' دونوں اب سیکنڈ ایئر میں پہنچ چکی تھیں۔

"تم فوراً 'ہاں' کہہ دو۔" مریم سے اسے 'اسی' ایک بات کی توقع تھی۔

"میرا دماغ خراب ہے جو میں ان سے شادی کروں۔" اس نے لان کی گھاس پر بکھری اپنی کتابیں

سمیٹنا شروع کردیں۔

"پھر کس سے کرو گی؟"

"حسنات سے۔" منتہا کی بات نے مریم کو حیران کیا۔ "لیکن ان سے تمہاری شادی کیسے ہو سکتی ہے؟"

"بس دیکھتی جاؤ کیسی کہانی بناتی ہوں۔" منتہا کو اپنی صلاحیتوں پر بھرپور یقین تھا۔

"کسی دن خود عبرت کا نشان بن جاؤ گی کہانیاں بناتے بناتے ایسا کردار بن جاؤ گی جسے لوگ اپنے بچوں کو سبق سکھانے کے لیے سنایا کریں گے۔" مریم نے اسے ڈرانے کی کوشش کی۔

"منتہا اپنی قسمت خود بنانے پر یقین رکھتی ہے۔" وہ بھی خوش فہمی کی سب سے آخری سیڑھی پر بیٹھی ہوئی مزے سے مسکرادی۔

"اللہ کرے ایسا ہی ہو۔" مریم کو اپنی اس دوست کی حرکتوں سے بےزاری ہونے لگی تھی۔

اگلے دو تین دن وہ حسنات سے فون پر رابطہ کرنے میں مصروف رہی' ایک' دو دفعہ تو اس نے نمبر اٹھایا ہی نہیں اور جب اٹھایا تو ان کی گفتگو میں ہر تیسری بات میں عنایہ کا ذکر سن کر منتہا کا بس نہیں چلتا تھا کہ اسے گولی سے اڑا دے۔ اکثر وہ رات کو نانی کے سونے کا انتظار کرتے ہی رضائی میں گھس کر کال ملالیتی اور چند فری لگا کر حسنات سے گھنٹوں باتیں کیے جاتی۔ نانی بے چاری عمر کے اس حصے میں تھیں جہاں ان کی سماعتوں نے بھی کافی حد تک کام کرنا چھوڑ دیا تھا۔

"تم آج کل کن چکروں میں ہو؟" نانی نے اس شام اسے زبردستی بیٹھا کر سر میں تیل ڈالنا جو شروع کیا' ساتھ ساتھ اس کی کلاس لینے کا کام بھی بھرپور طریقے سے سرانجام دینے لگیں۔

"پڑھائی نے مصروف کر رکھا ہے۔" اس نے جان چھڑانے کے لیے کہا۔

"بیٹا یہ چکر تم کسی اور کو دیا کرو' پڑھائی سے جتنی تمہیں محبت ہے' میں سب جانتی ہوں۔" نانی خاصی ضعیف ہوگی تھیں اور کچھ شوگر نے انہیں خاصا کمزور کر دیا تھا آج کل وہ سارا ٹائم اپنے کمرے میں لیٹی رہتیں۔ پھر بھی منتہا کی سرگرمیوں پر نظر رکھنے کی کوشش کرتی تھیں۔

"آپ تو ہمیشہ ہی مجھ پر شک کرتی رہتی ہیں۔" اس کا مزاج برہم ہوا۔

"تمہاری حرکتیں ہی ایسی ہیں۔" نانی کی بات پر اس نے منہ بنایا اور پاس رکھا اپنا سیل فون اٹھا کر حسنات کو فارورڈ شاعری بھیجنے لگی۔

"تمہیں کچھ پتا ہے گلناز کے بھانجے نے عنایہ سے شادی سے کیوں انکار کیا ہے۔" سیل فون کے کی پیڈ پر روانی سی چلتی اس کی انگلیاں ساکت ہوئیں۔

"مجھے کیا پتا۔" وہ صاف مکر گئی۔

"نہ وہ کچھ ڈھنگ سے بتا رہی ہے اور نہ جلیل اصل بات بتاتا ہے۔" نانی کا شکوہ اس نے ایک کان سے سنا اور دوسرے سے اڑا دیا۔ بڑی مشکل سے ان سے جان چھڑا کر وہ گھر کے پچھلے سائیڈ پر بنے لان میں آئی تو سامنے عنایہ اور عروسہ کو دیکھ کر گڑبڑا گئی۔ اس کا خیال تھا کہ وہ آرام سے یہاں رکھے' لکڑی کے جھولے میں بیٹھ کر حسنات سے فون پر ڈھیروں باتیں کرے گی' یہ اس کی پسندیدہ جگہ تھی۔

"کیا پڑھ رہی ہو۔" وہ دھڑام سے آکر عنایہ کے ساتھ بیٹھ گئی۔

"راجہ گدھ۔" عنایہ نے سپاٹ سے لہجے میں جواب دیا۔

"میں نے بھی پڑھا ہے۔" اس نے اپنی علمیت کا رعب جھاڑنے کے لیے قدرے بلند آواز میں کہا' تاکہ عروسہ آپا بھی سن لیں۔ انہوں نے نہ صرف سنا' بلکہ بلند آواز میں تبصرہ بھی کر ڈالا۔

"بانو قدسیہ کہتی ہیں کہ جینز میں حرام شامل ہونے سے اگلی نسلوں میں دیوانگی اور پاگل پن کے اثرات آنے لگتے ہیں۔ اسی طرح میرا خیال ہے کہ خود غرضی بھی اکثر بچوں کو جینز میں ماں' باپ کی طرف سے ملتی ہے۔" عروسہ آپی کا طنزیہ لہجہ اور جتاتی ہوئی نظریں منتہا کو بے چین کر گئیں۔

"بہت ہی بورنگ ناول ہے۔" عروسہ کی بات سے اختلاف کرنا تو منتہا اپنا پیدائشی حق سمجھتی تھی۔

"بندر کیا جانے ادرک کا مزا۔" عروسہ آپی بلاوجہ ہنسیں۔

"عنایہ میں بک ڈپو تک جارہی ہوں' چلوگی؟"

"یہ کہیں۔۔۔ نہیں جائے گی۔ تم نے جانا ہے تو چلی جاؤ۔" عروسہ کے دوٹوک انداز پر اس نے حیرانگی سے عنایہ کا سپاٹ چہرہ دیکھا اور لاپروائی سے کندھے اچکا کر رہ گئی۔ عنایہ کو واقعی محبت کا روگ لگ گیا تھا۔ وہ گھنٹوں چپ بیٹھی رہتی اور بلانے پر بھی اکثر ہوں ہاں سے زیادہ کسی بات کا جواب نہیں دیتی تھی۔ ان ہی دنوں شاہ میر کی شادی کا سلسلہ گھر میں چھڑ گیا' شاہ میر نے اس مسئلے میں سیدھا سادھا منتہا کا نام لے کر گویا گھر میں جنگ پلاسی چھیڑ دی تھی۔

"بدکردار عورت کی بدکردار بیٹی' میرے بیٹے کو پھانس لیا۔" گلناز ممانی سخت غصے میں جلیل ماموں کے سامنے بول گئیں۔

"خوامخواہ سے ایسے کسی پر الزام تراشی مت کیا کرو۔" ماموں بھڑک اٹھے۔

"پوچھیں' ذرا اس سے' آپ کے سامنے بیٹھا ہے' یہ کس بل بوتے پر اس کا نام لے رہا ہے۔" ممانی نے بھی آج کسی سے بھی نہ دبنے کی قسم کھا رکھی تھی۔ کمرے میں صوفے کے کونے پر سر جھکائے شاہ میر بیٹھے تھے۔

"کیا تمہارے اس فیصلے میں منتہا کی مرضی بھی شامل ہے۔" ماموں نے ناراض انداز سے اپنے بیٹے سے پوچھا۔

"جی۔۔۔" شاہ میر کی خفت زدہ انداز پر گلناز ممانی نے طنزیہ نگاہوں سے اپنے مجازی خدا کو دیکھا۔ جیسے کہہ رہی ہوں "اب تو یقین آگیا نا۔

"عروسہ' ذرا منتہا کو بھیجو' میرے کمرے میں۔" ماموں کو نہ جانے کیوں یقین نہیں آرہا تھا۔ انہوں نے اپنے کمرے کا دروازہ کھول کر لاؤنج میں بیٹھی عروسہ کو سنجیدہ انداز سے کہا تو وہ منتہا کو بلانے تائی کے کمرے میں چلی گئی جہاں وہ ہینڈ فری کانوں میں گھسائے بڑے مزے سے حسنات سے باتیں کرنے میں مگن تھی۔ عروسہ کو سامنے دیکھ کر اس نے سٹپٹا کر سیل فون غیر شعوری طور پر سائیڈ پر رکھ دیا۔

"چلو۔۔۔ پاپا بلا رہے ہیں تمہیں۔" عروسہ نے منہ بنا کر اسے مخاطب کیا تو وہ فوراً" کھڑی ہوگئی اور اس کے ساتھ چل پڑی۔

"بیٹھو بیٹا' مجھے تم سے کچھ ضروری بات کرنی ہے۔" ماموں کے کمرے کا ماحول اور ان کے لہجے میں چھپی سنگینی پر منتہا کے دماغ میں خطرے کی کئی گھنٹیاں ایک ساتھ بج اٹھیں۔ خاص طور پر گلناز ممانی نے جیسے اسے شعلہ اگلتی نگاہوں سے دیکھا تھا اس کے ہاتھوں کے توتے اڑ گئے۔ اگلے ہی لمحے ماموں کے منہ سے نکلنے والے محتاط جملوں میں منتہا کو ساری سچوئیشن سمجھادی تھی۔

"اگر بیٹا' واقعی تمہاری رضامندی شامل ہے تو یقین مانو' مجھے کوئی اعتراض نہیں۔" ماموں کی بات پر گلناز ممانی نے بے چینی سے پہلو بدلا۔ اتنا تو انہیں بھی اندازہ تھا۔ ان کے میاں اپنی پیاری بھانجی کی کوئی بات بھی ٹالنا کسی بڑے گناہ سے کم نہیں سمجھتے۔ منتہا نے نظر اٹھا کر کمرے کے ایک طرف بیٹھے شاہ میر کو دیکھا' جس کی آنکھوں میں آس کے ہزاروں ننھے دیے جل رہے تھے۔ وہ محبت کے اس مقام پر پہنچ چکے تھے' جہاں واپسی کا کوئی راستہ نہیں ہوتا۔

"ہرگز نہیں ماموں۔" وہ ایک دم تڑپ کر بولی' ماموں کے چہرے پر اطمینان اور سکون کے سائے جھلکے اور شاہ میر نے مضطرب انداز سے اس لڑکی کو دیکھا' جس کے لیے وہ ساری دنیا سے لڑنے کا حوصلہ کر بیٹھے تھے۔

"میں نے تو میرو بھیا کو ہمیشہ اپنا سگا بھائی سمجھا ہے۔" کمرے میں بلاسٹ ہی تو ہوا تھا۔ شاہ میر ایک جھٹکے سے کھڑے ہوئے ان کی آنکھیں بے یقینی کے دھوئیں سے بھر گئیں۔ چہرے پر گہری شرمندگی کا احساس پوری قوت سے نمودار ہوا اور اگلے ہی لمحے وہ

کمرے سے نکل گئے۔ ماموں نے فاتحانہ نظروں سے ممانی کو دیکھا جو خود بھی بوکھلا سی گئی تھیں۔ وہ تو منتہا کی ہاں کے بعد ماموں اور منتہا دونوں کی بے عزتی کے لیے الفاظ تک ذہن میں ترتیب دے چکی تھیں۔

"دیکھ لیا نا۔" ماموں نے جتاتے ہوئے لہجے میں کہا۔ "یہ صرف تمہارے بیٹے کے دماغ کا خناس تھا' یہ تربیت کی ہے تم نے اس کی۔" گیند اب ماموں جلیل کے کورٹ میں تھی اور انہوں نے بڑے عمدہ انداز سے شاٹ کھیلا۔

"پوچھتی ہوں اسے۔" گلناز ممانی بوکھلا کر کمرے سے نکلیں اور منتہا کے حلق سے ایک پرسکون سانس خارج ہوئی۔

"پتا نہیں ممانی مجھے اتنا غلط کیوں سمجھتی ہیں۔" منتہا نے معصومیت کے اپنے ہی بنائے ہوئے کئی ریکارڈ ایک ساتھ توڑے۔

"دماغ کی خرابی۔" ماموں کے تین لفظوں نے منتہا کے دل میں پھوار برسائی۔

"جاؤ بیٹا! اپنے کمرے میں' میرے ہوتے ہوئے تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔" وہ بڑے مطمئن انداز سے اٹھی اور مسکراتی ہوئی کمرے سے نکل گئی۔ شاہ میر کے کمرے کا دروازہ ہلکا سا کھلا ہوا تھا۔ اندر سے ممانی اور عروسہ آپی کے چیخنے کی آوازیں باہر آرہی تھیں۔

"آپ مانیں یا نہ مانیں' وہ فتنی' بھیا کو بے وقوف بناتی رہی ہے۔" عروسہ نے ٹھیک ٹھاک درست تجزیہ کیا تھا۔

"میں تو اسی دن سمجھ گئی تھی' جب یہ اتنے مہنگے مہنگے گفٹ اس کے لیے لانا شروع ہوا تھا۔" ممانی کا بس نہیں چل رہا تھا کہ اپنے اکلوتے بیٹے کی طبیعت ایک منٹ میں درست کردیں۔

"میں تو پہلے دن سے کہہ رہی ہوں وہ لڑکی ٹھیک نہیں ہے۔" عروسہ اپنی ماں کا بھرپور ساتھ دے رہی تھی۔

"جیسی ماں ویسی بیٹی۔" ممانی کا متنفر لہجہ منتہا کے دل میں آگ لگا گیا۔

"اندر جاکر کیوں نہیں ان کی باتیں سن لیتیں۔" عنایہ پیچھے سے آکر ایک دم بولی تو منتہا پر گھڑوں پانی پھر گیا۔ اس نے پلٹ کر دیکھا۔ عنایہ اسے بہت عجیب نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔

"میں تو ویسے ہی۔" اس نے خفت زدہ انداز سے بات ادھوری چھوڑی۔

"کیوں۔ کیا تم نے ایسا۔" عنایہ کے سوال سے زیادہ اس کا انداز منتہا کے لیے پریشان کن تھا۔

"میں نے ایسا کچھ نہیں کیا۔" وہ صاف مکر گئی۔

"میرو بھیا جھوٹ نہیں بولتے۔" عنایہ کے لہجے میں اپنے بھائی کے لیے چھپی محبت اور یقین پر ایک لمحے کو وہ ڈگمگائی۔

"تو مجھے کیا ضرورت ہے جھوٹ بولنے کی۔" وہ ٹھیک ٹھاک برا مان کر بولی۔

"یہ ہی تو آج تک پتا نہیں چل سکا کہ تمہیں ضرورت کس چیز کی ہے۔" عنایہ طنزیہ لہجے میں کہہ کر اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

"اس بونگی کو کیا ہوا۔" اپنے کمرے میں آکر بھی وہ چند گھنٹوں تک یہ ہی بات سوچتی رہی اور پھر تھک آکر سوگئی۔

گھر کا ماحول عجیب سا ہوگیا تھا۔ عنایہ کے بعد شاہ میر کے ہونٹوں پر بھی خاموشی ڈیرے ڈال کر بیٹھ گئی تھی۔ وہ تو پہلے ہی کم بولتے تھے۔ اب تو انہوں نے کھانے کی میز پر بھی آنا چھوڑ دیا تھا۔ وہ حتی الامکان عنایہ کا سامنا کرنے سے دانستہ گریز کررہے تھے۔ ایک دن وہ کالج سے گھر پہنچی تو تب تک شاہ میر بھیا نیویارک کے لیے پاکستان کی حدود سے نکل چکے تھے۔ ممانی' عروسہ اور عنایہ کی سوجی ہوئی آنکھیں اور ماموں کی سنجیدگی سے اسے اندازہ ہوگیا تھا کہ شاہ میر کے جانے میں ان میں سے کسی کی بھی رضامندی شامل نہیں تھی۔ زندگی بڑے سپاٹ سے انداز سے گزرنے لگی۔

☆ ☆ ☆

ان ہی دنوں گھر میں عروسہ اور عنایہ دونوں کی

منگنیوں کا ہنگامہ جاگ اٹھا۔ ایک لمحے کو تو منتہا بھی ہکا بکا رہ گئی۔ اس کی ناک کے نیچے کب اتنی اچھی فیملی سے دونوں بہنوں کے لیے ایک ہی گھر سے رشتہ آیا۔ کب ہاں ہوئی اسے پتا ہی نہیں چلا۔ عنایہ نے اب اس سے بات چیت بالکل ہی ختم کردی تھی اور منتہا کی صحت پر اس کا کوئی اثر نہیں ہوا تھا۔ شاہ میر کے جانے کے چھ ماہ کے بعد ہی دونوں بہنوں کی شادی کا فنکشن آگیا تھا۔

"اس کا مطلب ہے کہ اب گھر میں تمہاری اجارہ داری ہوگی۔" اس دن مریم نے مسکرا کر کہا۔

"ہاں میرے راستے کے سارے کانٹے ایک ایک کرکے خود ہی نکل گئے۔" وہ اب اچھی خاصی مطمئن تھی۔

"حسنات کیا کہتا ہے؟"

"وہ وقت آنے والا ہے' جب وہ خود کہے گا منتہا' تم میری کب بنوگی؟" اسے اپنی صلاحیتوں پر سو فیصد یقین تھا۔

"ایک بات پوچھوں منتہا۔" مریم کے لہجے کی سنجیدگی سے اسے اندازہ ہوگیا تھا کہ وہ کوئی خاص سوال کرنے والی ہے۔ اس نے اثبات میں سر ہلایا۔ "تمہارا ضمیر تمہیں ملامت نہیں کرتا۔"

"کس بات پر....." اس کا سادہ سا انداز مریم کو حیران کرگیا۔

"بھئی تم نے شاہ میر کا دل توڑا' پھر عنایہ اور حسنات کی محبت میں غلط فہمیاں پیدا کیں۔ اتنے دل دکھائے۔" مریم آج کل اس سے کچھ زیادہ ہی تیکھے سوال کرنے لگی تھی۔ منتہا اس کی بات پر کھل کر مسکرائی۔

"پتا نہیں۔۔۔ میں نے کبھی اس بات پر سوچا نہیں۔" وہ دنیا کی واحد لڑکی تھی۔ جس کے سامنے منتہا جھوٹ نہیں بولتی تھی اور سب سے بڑی بات کہ وہ اس کی کسی بات کا برا بھی نہیں مانتی تھی۔ پتا نہیں وہ یہ رعایت مریم کو کس لیے دیتی تھی۔

"کبھی وقت ملے تو سوچنا ضرور۔۔۔" مریم نے بیل کی آواز پر اپنا بیگ اٹھایا۔ وہ دونوں اب فورتھ ایر میں آگئی تھیں۔ عنایہ نے ایف اے کے بعد پڑھائی چھوڑ دی تھی' لیکن اس کا لولا لنگڑا سا تعلیمی سلسلہ جاری تھا۔

ان ہی دنوں گھر میں عروسہ اور عنایہ کی شادی کے فنکشن شروع ہوگئے۔ ان کی شادی میں حسب توقع حسنات نے شرکت نہیں کی اور شاہ میر صرف ایک ہفتے کے لیے آئے اور زیادہ تر شادی کے انتظامات میں مصروف رہے۔ منتہا خود بھی ان کا سامنا کرنے سے گریز کررہی تھی۔ ان کی شکوہ کناں آنکھوں اور سپاٹ انداز سے اسے نہ جانے کیوں اب الجھن ہونے لگی تھی۔ شادی کے فوراً" بعد وہ واپس امریکہ چلے گئے۔ کچھ ہی عرصے کے بعد عنایہ کے میاں کی بھی مسقط میں اچھی جاب ہوگئی اور وہ بھی پاکستان سے نکل گئی۔ عروسہ کبھی کبھار چکر لگالیتی تھی۔ دونوں بہنوں کو اللہ نے فوراً" ہی اولاد کی نعمت سے بھی نواز دیا تھا۔ گلناز ممانی نے اپنے جاننے والوں میں شاہ میر کی شادی طے کردی اور دو سال کے بعد ایک دفعہ پھر وہ پاکستان پہنچ گئے تھے شادی کے لیے۔ ممانی ان کی اس فرماں برداری پر بہت خوش تھیں۔

"تم نے ایسا کیوں کیا تھا میرے ساتھ۔۔۔" دو سال کے بعد شاہ میر اسی جگہ پر کھڑے ہو کر اس سے یہ سوال کررہے تھے۔ جہاں کھڑے ہو کر انہوں نے اسے شادی کی آفر کی تھی۔ اس وقت جب منتہا اس بات کو مکمل بھول چکی تھی اور اسے اندازہ بھی نہیں تھا کہ کبھی شاہ میر اسے عدالت کے کٹہرے میں بھی کھڑا کرسکتے ہیں۔ پریشان کن لمحہ آچکا تھا۔

"میں نے کبھی بھی آپ کے لیے ویسا نہیں سوچا تھا۔" وہ سنبھل کر گویا ہوئی۔

"جھوٹ مت بولو منتہا۔" انہوں نے فوراً" اس کی بات کو رد کیا۔

"تم نے مجھ سے شادی نہیں کرنی تھی' نہ کرتیں' لیکن وہ بات مت کرتیں' جو تم نے پاپا کے سامنے کی۔" وہ سپاٹ انداز سے بولے۔ "تم نے مجھے میری

نظروں سے گرادیا۔ کاش تمہیں زندگی میں کبھی اس چیز کا تجربہ ہو' ساٹھ منزلہ عمارت سے گرنے پر انسان کو اتنی تکلیف نہیں ہوتی جتنی اپنی ہی نظروں میں گرنے کے بعد ہوتی ہے۔" اپنی بات ختم کر کے وہ رکے نہیں اور بڑے بڑے قدم اٹھاتے ہوئے اس کے کمرے سے نکل گئے۔

"آپ مجھ سے ملنے کراچی کب آ رہے ہیں۔" اس شام وہ خوامخواہ فون پر حسنات سے الجھ پڑی۔

"جب عنایہ اس گھر سے چلی جائے گی۔" حسنات کا دکھ دو سال گزرنے کے بعد بھی پہلے دن کی طرح ترو تازہ تھا۔ انہیں علم تھا کہ عنایہ اپنے بھائی کی شادی کے سلسلے میں کراچی آئی ہوئی ہے۔ اس نے مایوس ہو کر فون بند کر دیا۔ حسنات سے اس کا تعلق بس اسی کی طرف سے کی جانے والی کالز کی وجہ سے زندہ تھا۔ وہ خود سے رابطہ نہیں کرتے تھے۔ ہاں جب وہ فون کرتی تو وہ بات ضرور کر لیتے۔ گفتگو کے اس مرحلے میں اب کئی لمبے لمبے معنی خیز وقفے آنا شروع ہو گئے تھے۔ منتہا اب خود بھی اس رشتے کو کسی انجام تک پہنچانا چاہتی تھی' کیونکہ حسنات کا سپاٹ انداز اسے اب تھکانے لگا تھا۔

شاہ میر کے ولیمے والے دن جب سب لوگ ہوٹل سے تھکے ہارے پہنچے' اس دن منتہا پر عجیب سی کیفیت طاری تھی۔ کمرے میں گھٹن کا احساس محسوس کرتے ہوئے وہ ننگے پاؤں گھر کے پچھلے حصے کی طرف نکل آئی۔ چودھویں کا چاند اس رات عجیب سی کیفیت میں تھا۔ درختوں سے چھن چھن کر آتی چاند کی روشنی نے اداسی کا لبادہ اوڑھ رکھا تھا۔ بڑے سارے برآمدے میں لگے لکڑی کے جھولے پر بیٹھی عنایہ کو دیکھ کر وہ ایک لمحے کو وہ ڈر گئی۔ سفید نفیس سی نیٹ کے سوٹ میں وہ کوئی بھٹکی ہوئی روح لگ رہی تھی۔

"تم اس وقت کیوں جاگ رہی ہو۔" منتہا نے حیرانگی سے پوچھا۔

"ویسے ہی نیند نہیں آ رہی تھی۔" عنایہ وقت سے پہلے ہی حد درجہ سنجیدہ ہو چکی تھی۔

"ایان سو گیا؟" منتہا نے اس کے ایک سالہ بیٹے کے متعلق پوچھا تو اس نے اثبات میں سرہلا دیا۔

"تم اپنے گھر میں خوش تو ہو نا؟" عنایہ نے ہلکا سا جھجک کر پوچھا۔ دونوں کے درمیان اب محسوس کی جانے والی اجنبیت کی دیوار کھڑی ہو گئی تھی۔ اس کی بات پر عنایہ عجیب سے انداز سے مسکرائی۔

"جب انسان کا دل مر جائے تو اس میں کسی بھی قسم کا کوئی احساس پیدا نہیں ہوتا نہ خوشی کا نہ غمی کا۔" وہ افسردہ سے انداز سے گویا ہوئی۔ منتہا اس کے ساتھ ہی جھولے میں آ کر بیٹھ گئی۔ اسے عنایہ کا وجود اس چاند کی طرح لگا تھا جو ستاروں کے جھرمٹ میں بھی ہمیشہ تنہا ہی لگتا ہے۔

"تم شادی کب کرو گی' دادو بتا رہی تھیں' تم نے بہت اچھے اچھے رشتوں سے انکار کر دیا۔" عنایہ نے بہت عرصے کے بعد اس سے ایک ذاتی قسم کا سوال کیا۔ ایک افسردہ سی مسکراہٹ منتہا کے لبوں پر ٹھہر گئی۔

"پتا نہیں۔" منتہا کے پاس واقعی اس سوال کا کوئی جواب نہیں تھا۔

"میں نے حسنات سے کہا ہے تم سے شادی کر لیں۔" عنایہ کی بات پر منتہا کو کرنٹ لگا۔ وہ ایک دم جھولے سے چھلانگ مار کر اتری۔ چاند کی چاندنی میں عنایہ واقعی کسی بھٹکی ہوئی روح کی طرح سپاٹ انداز سے بولی تھی۔ منتہا آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر بے یقینی سے اسے دیکھنے لگی اسے اپنی سماعتوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ وہ اس بات کی توقع تو مر کر بھی نہیں کر سکتی تھی۔

"کیا مطلب۔۔۔؟" وہ بوکھلا گئی' عنایہ کی اگلی بات نے ساتوں آسمان اس کے سر پر گرا دیے۔

"تم نے ان سے کہا تھا نا' میں اکیڈمی میں آنے والے کسی لڑکے کو پسند کرتی ہوں۔"

"ن۔ن نہیں۔۔۔" پہلی دفعہ جھوٹ بولتے ہوئے اس کی زبان لڑکھڑائی۔

"میری شادی کے بعد حسنات نے مجھے گلہ کرنے

اور مبارک باد دینے کے لیے فون کیا تھا۔ مجھے سارا قصہ سمجھ میں آگیا تھا۔" عنایہ کی بات پر منتہا کو ایسے لگا جیسے کسی نے اسے گردن سے دبوچ کر شرمندگی کے سمندر میں غوطہ دے دیا ہو۔

"میں نے ایسا کچھ نہیں کہا۔" اس نے خود کو بچانے کے لیے زور لگایا۔

"فکر مت کرو، میں نے حسنات کو ایسا کچھ نہیں کہا۔ جس سے تم اس کی نظروں سے گر جاؤ۔ میں نے وہ گناہ مان لیا جو میں نے کبھی کیا ہی نہیں تھا۔" عنایہ جھولے سے اتری اور اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر رنجیدہ سے انداز سے بولی اور اگلے ہی لمحے برآمدے سے نکل گئی۔

منتہا کو زندگی میں پہلی دفعہ احساس ہوا کہ انسان چاہے اپنی نظروں سے گرے یا کسی دوسرے کی، دونوں صورتوں میں جیتے جی زندہ درگور ہو جاتا ہے۔ اس رات وہ ایک لمحے کو نہیں سو سکی۔ خود احتسابی کی عدالت میں ساری رات اس پر پتھر برستے رہے۔ اس کا وجود سنگسار کیا جاتا رہا۔ اگلے روز نانی کی اچانک موت نے اسے بوکھلا کر رکھ دیا۔ اسے پہلی دفعہ احساس ہوا۔ نانی کا بوڑھا وجود اس کے لیے کتنی بڑی ڈھارس تھا۔ منتہا پر اچانک ہی زندگی کے سارے معنی آشکار ہو گئے تھے۔ اسے شدت سے احساس ہونے لگا تھا کہ دنیا اتنی بھی بے وقوف نہیں تھی جتنا وہ اسے سمجھتی رہی تھی۔

اس نے ایک فضائی کمپنی کی طرف سے آنے والی ایئر ہوسٹس کی جاب پر اپلائی کر دیا۔ ماموں سخت خفا ہوئے۔ شاہ میر جو شادی کے ایک ہفتے بعد اپنی بیوی کو لے کر امریکہ چلا گیا تھا۔ اس کے ایک فون نے ماموں کو بالکل ٹھنڈا کر دیا۔ گلناز ممانی نے اسے اس کے حال پر چھوڑ دیا تھا۔ اس کی جاب کو چھ ماہ ہی ہوئے تھے، جب ایک دن ممانی نے سپاٹ سے انداز سے بتایا کہ حسنات کی والدہ اس کے رشتے کے سلسلے میں آنا چاہتی ہیں۔ اس نے سب کچھ ماموں کی رضامندی سے مشروط کر دیا۔

وہ کب رخصت ہو کر حسنات کے گھر پہنچی۔ اسے پتا ہی نہیں چلا۔ حسنات کی پوسٹنگ کراچی ہو گئی تھی۔ ان دونوں کی ازدواجی زندگی عجیب سی تھی۔ منتہا کو لگتا تھا جیسے وہ کسی مٹی کے مادھو کے ساتھ زندگی گزار رہی ہے۔ حسنات کو اس کی کسی بات پر اعتراض نہیں ہوتا تھا۔ وہ جو چاہتی کرلیتی، حسنات کو اس کی کسی چیز میں دلچسپی نہیں تھی۔ شادی کے تین سال اس نے کڑھ کڑھ کر گزارے، لیکن یہ اس کا اپنا فیصلہ تھا اور اسے ساری زندگی بھگتنا تھا۔ حسنات کو بچے سخت ناپسند تھے اور منتہا نے اس بات پر اس سے بحث کرنا چھوڑ دی تھی، کیونکہ اسے علم ہو چکا تھا کہ وہ اس کی ساری باتیں مان کر بھی اس ایک بات سے ایک انچ بھی پیچھے نہیں ہٹے گا۔

پہلے ممانی اور پھر ماموں کی موت پر عنایہ، عروسہ اور شاہ میر اکٹھے ہوئے تو شاہ میر کے فیصلے نے اسے ایک دفعہ پھر اپنی نظروں سے گرا دیا۔ اس نے اپنا کراچی والا گھر منتہا کے نام کر دیا تھا۔ اس کے فیصلے پر اس کی دونوں بہنوں نے کوئی اعتراض نہیں کیا تھا۔ عنایہ مسقط میں تھی۔ اس کے تین اور عروسہ کے دو بچے تھے۔ دونوں بہنیں اپنے گھروں میں سیٹ تھیں۔ عروسہ کے میاں کی پشاور میں پوسٹنگ تھی، وہ آرمی میں میجر تھے۔ اسی طرح شاہ میر کے دو بچے تھے۔ وہ اپنی بیوی کے ساتھ امریکہ میں اچھی خوش گوار زندگی گزار رہا تھا۔ لیکن شادی کے تین سال کے بعد بھی منتہا کی گود خالی تھی اور اسے معلوم تھا اسے خالی ہی رہنا ہے۔

"میں یہ گھر نہیں لینا چاہتی۔" منتہا نے اس دن جی کڑا کر کے شاہ میر کو کہہ ہی دیا۔ وہ سب لوگ ماموں کے انتقال پر اکٹھے تھے۔

"کیوں؟" شاہ میر کے رویے میں بہت مثبت تبدیلی آچکی تھی۔ شاید وہ سب کچھ بھلا چکا تھا۔

"اس گھر پر میرا نہیں، آپ تینوں بہن بھائیوں کا حق ہے۔" منتہا نے اب دوسروں کے حقوق کو کھلے دل سے تسلیم کرنا شروع کر دیا تھا۔

"ہم نے تمہیں کبھی بھی اپنے سے الگ نہیں سمجھا منتہا۔" شاہ میر کی باتیں اسے اکثر ہی شرمندہ کرجاتیں۔

وہ شخص جس کا ساری زندگی اس نے کوڈو کے نام سے مذاق اڑایا تھا۔ اس کا قد ایک دم ہی اسے بلندیوں کو چھوتا ہوا محسوس ہونے لگا تھا۔ وہ اعلا ظرفی کی جس معراج پر تھا۔ منتہا تو اس کی پہلی سیڑھی پر بھی قدم نہیں رکھ سکتی تھی۔ وہ تینوں بہن' بھائی اتنے بھی برے نہیں تھے' جتنا برا وہ انہیں سمجھتی رہی تھی۔ اس کے اندر کی "خود غرضی" اور "خود پرستی" نے اسے بالکل ہی تنہا کردیا تھا۔ اسے پہلی دفعہ عروسہ کی بات پر یقین آیا کہ کچھ اچھی چیزوں کی طرح کچھ منفی علاوات بھی انسان کو جینز میں اپنے والدین کی طرف سے ملتی ہیں۔ منتہا کے والدین جنہوں نے اپنی منہ زور خواہشات کے ہاتھوں معاشرے کی اخلاقی حدود کی پاسداری نہیں کی اور پھر بری طرح سے چوٹ کھائی' لیکن افسوس منتہا ان کے انجام سے بھی کچھ نہیں سیکھ سکی۔ کچھ بھی ہو غلط اور درست کا انتخاب تو انسان کے اپنے اوپر ہوتا ہے اور جب انسان اشرف المخلوقات ہوتے ہوئے بھی ان میں تمیز نہ کرسکے تو پھر ساری زندگی وہ خسارے کے سودے ہی کرتا ہے۔

"میں یہ گھر نہیں لے سکتی۔" اس نے خلوص دل سے شاہ میر کو سمجھانے کی کوشش کی۔

"ساری زندگی تم نے اپنی منوائی ہے' کبھی تو کسی اور کی بھی مان کر دیکھو۔ یقین کرو یہ کبھی گھاٹے کا سودا نہیں ہوتا۔" شاہ میر کے نرم انداز پر وہ آنکھیں اٹھا کر دیکھنے کا حوصلہ نہیں کرپائی' اسے یقین تھا۔ وہ اس لمحے مسکرا رہا تھا۔

"ہم میں سے کوئی بھی یہاں نہیں رہ سکتا اور میری خواہش ہے میرے باپ کا گھر آباد رہے۔" شاہ میر کی بات پر وہ بالکل ہی نہیں بول پائی۔ ماموں کا گھر تو آباد ہوگیا تھا' لیکن اس کا دل کبھی آباد نہیں ہوسکا۔

☼ ☼ ☼

"تم حسنات سے کہو' مجھے ماں بننے کے اعزاز سے

محروم نہ رکھے۔" پانچ سال کے بعد وہ کسی انٹرنیشنل فلائٹ پر مسقط پہنچی تو عنایہ کے فلیٹ میں پہنچ کر پھوٹ پھوٹ کر رو پڑی۔ عنایہ پریشان ہو گئی۔ منتہا اپنے سارے گناہ تسلیم کرتی گئی۔ وہ پانچ سال سے پچھتاوے کی آگ میں جل رہی تھی۔ اس نے اپنے سارے خوب صورت رشتے خود اپنے ہاتھ سے گنوائے تھے۔

"تم ٹینشن مت لو میں بات کروں گی اس سے۔" عنایہ کے نرم انداز پر اس کے دل کو کچھ تسلی ہوئی۔ ان دنوں اس پر ڈپریشن کے لمبے لمبے دورے پڑنے لگے تھے۔ اس نے زیادہ تر ٹائم اپنی جاب پر گزارنا شروع کر دیا تھا۔ آج جب وہ ایک لمبی فلائٹ کے بعد گھر پہنچی تو حسنات کی باتوں نے اسے ایسا آئینہ دکھایا تھا جس میں ساری زندگی اسے اپنا بدصورت چہرہ ہی نظر آتا تھا۔

"میں نے بات کی ہے اس سے' ان شاء اللہ وہ مان جائے گا۔" عنایہ کی کال نے منتہا کو حیران نہیں کیا۔

"وہ تھوڑا ہرٹ ہے' لیکن فطرتاً" اچھا ہے' وہ تمہارے ساتھ زیادہ دیر تک زیادتی نہیں کر سکتا۔" عنایہ' حسنات کو زیادہ اچھی طرح جانتی تھی۔

"ہوں بس۔" منتہا کے پاس بولنے کے لیے سارے لفظ ختم ہو چکے تھے۔

"تم کب آئیں بس۔" وہ دروازہ کھول کر باہر نکلا تو اسے سیڑھیوں پر بیٹھے دیکھ کر حیران رہ گیا۔

"بہت دیر ہو گئی۔" اس کے معنی خیز جملے وہ الجھا۔ پہلی دفعہ منتہا نے بہت غور سے حسنات کا اجنبی چہرہ دیکھا۔

"میں اس عورت کو اپنے بچوں کی ماں نہیں بنانا چاہتا' کیونکہ مجھے معلوم ہے خود غرضی اس کے جسم میں خون کے ساتھ دوڑتی ہے۔ میں ایک خود غرض اور بے حس اولاد کا باپ نہیں بننا چاہتا۔" حسنات کا تلخ لہجہ اس کی سماعتوں میں گونجا۔

"اٹھو' جا کر ریسٹ کرو' بہت تھکی ہوئی لگ رہی ہو۔" وہ ایک کیئرنگ شوہر کا چولا پہن کر میدان میں اتر چکا تھا۔

"آپ نے کھانا کھایا۔" اس نے بھی وفاشعار بیوی کی اوڑھنی اوڑھ لی۔

"نہیں بس۔ تمہارے ساتھ کھاؤں گا۔" وہ دونوں بہت اچھے میاں' بیوی نہیں تھے' لیکن بہت زبردست اداکار تھے۔ یہ حقیقت دونوں پر ہی آشکار ہو چکی تھی۔

منتہا کو کئی سال تک پچھتاوے کے جہنم میں اکیلے جلنا تھا اور حسنات کو ایک طویل عرصے تک کئی جنگیں خود سے لڑنا تھیں۔ لیکن منتہا کو یقین تھا کہ ایک روشن منزل کی طرف جانے والا راستہ اس کی طرف ضرور کھلے گا۔ اسے معلوم تھا حسنات احمد' منتہا سے لاکھ نفرت کرے' لیکن عنایہ کی محبت سے مجبور ہو کر اس کی طرف ضرور پلٹے گا۔ منتہا اس کی نظروں میں لاکھ بری سہی' لیکن عنایہ کی اچھائی کو اس کا دل پوری شدت سے مانتا تھا۔

پھر سب سے بڑی بات کہ منتہا خود بھی برائی کے راستے پر چل چل کر تھک چکی تھی۔ برائی کا راستہ کتنا ہی خوشنما اور دلکش کیوں نہ ہو اس کی منزل ہمیشہ بھیانک اور اندھیروں میں ڈوبی ہوئی ہوتی ہے۔ منتہا کو اس بات کا ادراک ہو چکا تھا۔ وہ آدھے راستے سے پلٹ چکی تھی۔ لیکن اب اسے حسنات کے پلٹنے کا انتظار کرنا تھا۔

☼ ☼

ناولٹ

وہ اس سے نفرت کرتی تھی۔ شدید نفرت ایسا نہیں تھا کہ اس کی نفرت بے وجہ تھی۔ وجہ تھی اور وہ بھی بہت ٹھوس وہ طبعاً" نرم دل اور حساس لڑکی تھی۔ کسی سے بھی نفرت کرنے کا سوچ نہیں سکتی تھی مگر شاذر سلطان شاہ سے نفرت کرنے پر اسے خود شاذر نے ہی مجبور کیا تھا۔

وہ پڑھائی کی رسیا تھی مگر صرف اور صرف شاذر کی وجہ سے اسے اپنی پڑھائی ادھوری چھوڑنی پڑی۔ گریجویشن اس نے فرسٹ ڈویژن میں کیا تھا۔ وہ ماسٹرز کرنا چاہتی تھی۔ وہ یونیورسٹی میں پڑھنا چاہتی تھی اور یہ ہی شاذر کو ناپسند تھا اس کی وجہ سے اس کا خواب خواب ہی رہ گیا۔ وہ کو ایجوکیشن کے خلاف تھا اور اس کے یونیورسٹی نہ پڑھنے کی اصل وجہ بھی یہ ہی تھی۔ اس کا خواب ٹوٹا تھا جس کی اسے بہت تکلیف ہوئی تھی۔ اس نے مما سے ذکر کیا تو انہوں نے الٹا اسے ہی ڈانٹ دیا اور وہ اپنا سا منہ لے کر رہ گئی۔ اسے نقاب سے الجھن تھی مگر شاذر کی وجہ سے وہ نقاب استعمال کرنے پر مجبور ہو گئی۔ قطعی دو ٹوک الفاظ میں اس نے کہا تھا کہ یا تو وہ باہر جانا بند کردے یا پھر نقاب لے کر جائے۔

وہ اور تو کچھ نہ کر سکی سوائے اس کے کہ دل ہی دل میں اس سے سخت نفرت کرنے لگی۔ شاذر سلطان شاہ اس کا سگا تایا زاد۔۔۔ اس کی زندگی کا سب سے کڑوا سچ جس سے وہ منہ موڑنا بھی چاہتی تو موڑ نہیں سکتی تھی۔ وہ کس کس چیز کو نظر انداز کرتی شاذر سے نفرت کرنے کے۔۔۔ اس کے پاس ایک سو ایک جواز موجود تھے۔ اس کی عزیز از جان مما جنہیں وہ بہت چاہتی تھی اور جو اس سے زیادہ شاذر کو چاہتی تھیں۔ اس کی پسند ناپسند انہیں ہر وقت ازبر رہتی اور کبھی کبھی تو ایسا بھی ہوتا کہ اس کے وجود میں کھو کر وہ اس کا احساس وجود ہی بھول جاتیں اور اس وقت اس کے دل پر کیا گزرتی یہ صرف وہ ہی جانتی تھی۔

وہ بہت چھوٹی تھی جب روڈ ایکسیڈنٹ میں اس کے تایا تائی کی موت ہو گئی۔ بھائی کی آخری نشانی کو پاپا بخوشی دل سے لگا کر گھر لے آئے اور مما نے تو اسے دل میں بسانے میں پل نہ لگایا۔ بیٹے کی خواہش تھی یا پھر کچھ اور، مگر وہ اس سے زیادہ شاذر کے قریب ہوتی گئیں۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہ اس گھر میں اپنا مقام مستحکم کرتا گیا۔ وہ اصولوں کا پکا اور غصے کا سخت تھا۔ اکثر چھوٹی چھوٹی باتیں اسے غصہ دلا دیتیں۔ سب اس کی غصیلی طبیعت سے اچھی طرح واقف تھے اس لیے اس بات سے پرہیز کیا جاتا جو اس کے غصے کا باعث بن سکتی۔ تعلیم مکمل کرتے ہی وہ پاپا کا بزنس سنبھالنے لگا۔ قسمت کا دھنی تھا۔ جس چیز کو چھوتا اپنی ذہانت سے سونا بنا دیتا۔ اس کی وجہ سے پاپا کا بزنس دن دگنی اور رات چوگنی ترقی کرنے لگا' اور اس کی شخصیت اس پر غالب آتی گئی اور نہ چاہنے کے باوجود وہ مغلوب ہوتی گئی۔

☼ ☼ ☼

"مما میں گھر میں بور ہوتی رہتی ہوں کیوں نا کمپیوٹر کا کوئی شارٹ کورس کرلوں کمپیوٹر سینٹر ہمارے گھر کے قریب ہی تو پڑتا ہے۔"

"کیوں بور ہوتی رہتی ہو گھر کے کاموں میں حصہ لو تو بوریت خود بخود ختم ہو جائے گی۔" اس آواز پر وہ اچھلتے اچھلتے بچی۔ اس نے تو ارد گرد اچھی طرح دیکھنے کے بعد بات شروع کی تھی پھر وہ ایک دم کہاں سے بوتل کے جن کی طرح نازل ہو گیا۔ اس نے سرعت سے گردن موڑ کر دیکھا وہ کاریڈور سے اندر داخل ہو رہا تھا وہ دل مسوس کر رہ گئی۔

"چھوٹی امی آپ سارا دن کچن میں گھسی رہتی ہیں۔ اسے بھی کچھ سکھائیں نا۔" صوفے پر بیٹھتے وہ مزید گویا ہوا اور وہ یہاں سے اٹھنے کے لیے پر تولنے لگی۔ زہر سے بھی برا لگا تھا۔۔۔ اس کا یہ نیا آرڈر وہ دل ہی دل میں اسے کوس کر رہ گئی۔

"ہاں شاذر بیٹا کہہ تو تم ٹھیک رہے ہو۔ اس طرف تو میرا دھیان ہی نہیں گیا۔"

ایسا کبھی نہیں ہو سکتا تھا کہ وہ کوئی بات کرے اور مما کو اس سے اختلاف ہو۔ وہ اپنی معصوم سی خواہش کا اظہار کرکے پچھتائی۔

"مجھے چکن قورمہ اور بریانی پسند ہے اور میں چاہتا ہوں کہ صبا سب سے پہلے یہ ہی سیکھے "آپ کا کیا خیال ہے۔" وہ اندر ہی اندر پیچ و تاب کھا رہی تھی جب وہ سکون سے بولا مما اس کی ہاں میں ہاں ملانے لگیں۔

"آج ڈنر میں ہم سب صبا کے ہاتھ کا ہی کھانا کھائیں گے۔"

خوشی خوشی مما نے رات کا پروگرام بھی طے کرلیا۔ وہ کیا چاہتی ہے اس بات سے مما کو کوئی سروکار نہ تھا ان کا لاڈلا کیا چاہتا ہے یہ بات ان کے لیے بہت اہم تھی۔

وہ ـــ خاموشی سے اٹھی اور اپنے کمرے کی طرف چل دی۔ رات واقعی مارے بندھے وہ کوکنگ کررہی تھی مما اسے گائیڈ کرتی جارہی تھیں۔

"صبا بیٹا تم نے تو ہر کام بہت ہی اچھے طریقے سے کیا ہے شاباش۔" وہ بریانی دم پر رکھ رہی تھی جب مما تعریف کیے بغیر نہ رہ سکیں۔ وہ دھیرے سے مسکرادی۔ مما کے منہ سے نکلے ان سادہ سے تعریفی لفظوں نے اس کے اندر نئی توانائی بھردی اس کے لیے یہ بہت بڑی بات تھی کہ مما نے اس کی تعریف کی ہے۔ اس کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ رہا۔ وہ گھنٹوں کی محنت کے عوض ملنے والی تھکن اسے بھولتی ہوئی محسوس ہونے لگی۔

"فہد جانتے ہیں یہ سارا کھانا اپنی صبا نے بنایا ہے۔" کھانے کی ٹیبل پر مما فخر سے بتارہی تھیں۔

"اچھا... کیا واقعی۔" وہ حیران ہوئے اور پھر سجی سنوری ٹیبل پر ستائشی نظر ڈالی۔

"بیگم کھانا تو بہت مزے دار بنا ہے۔" بریانی سے بھرا چمچہ منہ میں ڈالتے انہوں نے بے ساختہ تعریف کی۔ ان کی تعریف اس کا سیروں خون بڑھا گئی۔ ہونٹ خودبخود مسکرانے لگے۔ نظریں بے ساختہ اپنی پلیٹ پر جھکے شاذر پر جم گئیں۔ لاشعوری طور پر وہ اس کے منہ سے بھی کچھ سننا چاہتی تھی مگر وہ رغبت سے کھانے میں مصروف تھا۔ مایوس نظریں واپس پلیٹ آئیں۔

"ہمارے بیٹے نے پہلی بار کھانا بنایا ہے اور وہ بھی اتنا مزے دار انعام دینا تو بنتا ہے۔" انہوں نے جیب میں ہاتھ ڈالا اور پھر ایک ہزار کا نیا نوٹ نکال کر اس کی طرف بڑھایا۔

"یہ آپ کا انعام بیٹا جی؟" اس کی آنکھیں چمکنے لگیں۔

"یہ ایک ہزار میرے لیے بہت قیمتی ہے پاپا' میں اسے ہمیشہ سنبھال کر رکھوں گی۔" وہ چہکی اور وہ بیٹی کے روشن چہرے کو دیکھ کر مسکرادیے۔

"کیوں بھئی شاذر تمہارا کیا خیال ہے؟ کیسا کھانا بنایا ہے اپنی صبا نے۔ تمہاری تو سب فیورٹ ڈشز ہیں اس لیے تمہاری رائے تو بہت اہم ہے۔" مما نے اسے بھی گھسیٹنا چاہا۔ جو ان سب سے بے نیاز کھانے میں مگن تھا۔

"ٹھیک ہی ہے چھوٹی امی' بس قورمے میں مرچیں زیادہ ہیں۔" وہ پانی کا گلاس ہونٹوں سے لگائے بولا۔ اس کی آنکھوں کی چمک پل میں ماند پڑی تھی۔ اس سے اسے کوئی اچھی امید تو نہیں تھی مگر پھر بھی اسے بہت دکھ ہوا تھا۔ بے اختیاری میں ہی وہ ایک ہزار کے نوٹ کو مٹھی میں بھینچ کر رہ گئی۔

"اچھا..." مما کی آنکھوں میں حیرانی ابھری۔ ایک پل کے لیے صبا کو لگا کہ مما کی آنکھوں میں بالکل ویسا ہی تاثر ابھرا تھا جیسا خود اس کی مگر پھر ان کے اگلے جملے نے اس کی ساری خوشی بھی دور کردی۔

"ٹھیک ہے آئندہ میں صبا سے کہوں گی کہ مرچوں کا خیال رکھے۔"

وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

"تم کدھر جارہی ہو؟ پہلے کھانا تو کھالو۔" مما کی نظر تو جیسے چاروں طرف ہوتی تھی۔

"مجھے بھوک نہیں ہے۔" آہستہ سے کہتے وہ اپنے کمرے میں آگئی۔ بیڈ پر بیٹھ کر اس نے بند مٹھی کھولی۔ نوٹ مڑ تڑ کر اپنی اصلی حالت کھوچکا تھا۔ کتنی دیر وہ آنسو بھری آنکھوں سے نوٹ کو دیکھتی رہی پھر آہستہ سے اس کی سلوٹیں ٹھیک کرتے اسے اپنی ڈائری میں محفوظ کرنے لگی۔

☆ ☆ ☆

"آخر تم خاموشی سے یہ سب کیسے برداشت کرلیتی ہو۔ وہ تمہارا گھر ہے' تمہارے مما پاپا ہیں پھر اندر ہی اندر گھٹ گھٹ کر جینے کا کیا سبب۔" وہ گردن جھکائے آنسو بہا رہی تھی جب مونا تاسف سے اسے دیکھتے بولی۔

"پلیز صبا خود کو بدلو' اعتماد پیدا کرو خود میں' ٹھیک ہے تمہیں زبان درازی پسند نہیں مگر کم از کم اپنا دفاع کرنا تو سیکھو۔ پتا نہیں کس جہاں میں رہتی ہو تم۔ ضد کرنا تمہیں پسند نہیں' بحث کرنا تمہیں زہر لگتا ہے۔ دوبدو جواب دینے کو تم اچھا نہیں سمجھیں پھر آخر تمہیں پسند کیا ہے؟" مونا تو آج اس کی اچھی خاصی کلاس لینے کے موڈ میں لگ رہی تھی۔

"اور یہ شاذر بھائی اسی لیے تم پر اتنا رعب ڈالتے ہیں' تم پر حاکم بنے روز کوئی نہ کوئی نیا آرڈر جاری کردیتے ہیں۔ وہ تمہاری مغلوب عادت سے اچھی طرح واقف ہیں۔ اگر چاہتی ہو کہ زندگی کو اپنے طریقے سے جی سکو تو بدلو خود کو' ہمت پیدا کرو اور کم از کم اپنا دفاع کرنے کے تو قابل ہوجاؤ۔" وہ تاسف سے اس کی جھکی گردن کو دیکھتے ہوئے بولی۔

"تم نے کبھی شاذر بھائی کا غصہ نہیں دیکھا نا اسی لیے ایسا کہہ رہی ہو۔"

"کیوں' وہ بندے کھاتے ہیں؟" مونا کو مزید غصہ آیا۔

"ان کی بات نہ مانی جائے تو وہ زمین آسمان ایک کردیتے ہیں۔ یہاں تک کہ مما پاپا بھی ان کے غصے سے کئی بار زیر ہوچکے ہیں۔ انہیں جب غصہ آتا ہے تو مما بھی ان کے سامنے نہیں بولتیں پھر میری کیا مجال؟" وہ سوں سوں کرتے بولی۔

"تمہارا کچھ نہیں ہوسکتا۔ تم خود کو بدلنا ہی نہیں چاہتی ہو تو پھر میں کیا کرسکتی ہوں۔" وہ متاسفانہ بولی اور وہ آہستہ سے گردن جھکا گئی پھر رسٹ واچ پر ٹائم دیکھتے۔ یکلخت اٹھ کھڑی ہوئی۔

"مونا اب مجھے چلنا چاہیے' کافی دیر ہوچکی ہے۔ شاذر بھائی بھی آچکے ہوں گے؟" وہ کچھ ہراساں سی گویا ہوئی اور مونا اسے ایک نظر دیکھ کر رہ گئی۔

☆ ☆ ☆

"کس کے ساتھ آئی ہو تم۔" وہ جیسے ہی اندر داخل ہوئی شاذر کو جارحانہ انداز میں اپنی طرف بڑھتے دیکھ کر وہیں سہم کر رک گئی۔ آواز اتنی بلند ضرور تھی کہ مما بھی ——— کمرے سے نکل آئیں۔

"کیا ہوا شاذر بیٹے سب ٹھیک تو ہے۔" اس کے مشتعل چہرے کو دیکھتے وہ افتاں و خیزاں سے اس کی طرف بڑھیں۔

"چھوٹی امی یہ صبا کہاں گئی تھی اور کیا آپ سے اجازت لے کر گئی تھی؟"

"یہ اپنی دوست مونا کی طرف گئی تھی اور میری اجازت سے ہی گئی تھی۔ آخر ہوا کیا ہے۔ تم مجھے بتاتے کیوں نہیں۔" وہ ابھی تک معاملہ سمجھنے کی کوشش میں ہی لگی ہوئی تھیں جبکہ صبا نظریں جھکائے کسی مجرم کی طرح کھڑی پلکیں جھپک کر آنسو پی رہی تھی۔

"کس کے ساتھ آئی ہو؟" "وہ' وہ میری گاڑی خراب ہوگئی تھی تو' تو مونا مجھے چھوڑنے آئی تھی۔ وہ' وہ مونا کے بھائی گاڑی چلا رہے تھے مگر میں ان کے ساتھ اکیلی نہیں آئی تھی بلکہ مونا بھی میرے ساتھ تھی۔" وضاحت دینا جیسے اس کی مجبوری بن گئی۔

"ڈرائیور کہاں مرگیا تھا۔" وہ دوبارہ غرایا۔

"وہ گاڑی کو ورکشاپ ———"

"ٹھیک ہے مجھے تمہاری زیادہ وضاحت نہیں درکار" ہاتھ اٹھا کر اس کی بات درمیان میں ہی کاٹ دی گئی۔

"آئندہ تم اپنی کسی دوست کی طرف نہیں جاؤ گی البتہ تمہاری دوستیں جب چاہیں تم سے ملنے آسکتی ہیں۔" ایک اور نیا آرڈر جاری ہوا اس کا دل تڑپ تڑپ گیا بے ساختہ اس نے امید بھری نظروں سے مما کی طرف دیکھا کہ شاید وہ ہی اس کی سائیڈ لے لیں مگر انہوں نے تو شاذر کے خلاف نہ بولنے کی قسم کھا رکھی

تھی۔ وہ بھی نڈھال سی اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی اس کی آنکھیں مسلسل بہہ رہی تھیں اپنی بے بسی پر اور شاذر کی بے حسی پر۔

☆ ☆ ☆

"مما مجھے مونا کے لیے گفٹ خریدنے بازار جانا ہے' ڈرائیور کے ساتھ چلی جاؤں؟" موہوم سی امید کے تحت اس نے پوچھ لیا ورنہ ان کے جواب کی اسے کسی حد تک توقع تو تھی۔

"شاذر نے ڈرائیور کے ساتھ جانے سے منع کیا ہے نا تو پھر کیوں ضد کر رہی ہو۔"

جواب حسب توقع تھا اس کا منہ ــــ کھلا رہ گیا۔ کن انکھیوں سے اس نے کچھ فاصلے پر آفس کی فائلز میں منہمک شاذر کی طرف دیکھا۔

میری زندگی پر میرا کوئی حق نہیں۔ کیا میں اسی طرح محکوموں سی زندگی بسر کرتی رہوں گی؟ میری سگی ماں کو میرے جذبات واحساسات کا کوئی خیال نہیں ہر طرف صرف اور صرف شاذر ہی تھا۔ اس کا وجود تو شاذر کی شخصیت میں کہیں گم ہو کر رہ گیا تھا اور اب تو مما نے اس پر ضدی ہونے کا لیبل بھی لگا دیا تھا۔ یہ جاننے کے باوجود بھی کہ ضد اس کی سرشت کا حصہ نہیں۔

نجانے کیا ہوا کہ اس کی آنکھیں بھر اسی گئیں۔ اپنی دوست کی برتھ ڈے پر گفٹ دینے کے لیے بھی اسے شاذر کی اجازت درکار تھی۔ اس کا موڈ دیکھنا تھا کہ کب وہ پرمیشن دے اور وہ کہیں جا سکے۔ آنسو گالوں پر پھیلنے کے لیے بے تاب ہونے لگے۔ اسی پل شاذر نے نظریں اٹھا کر اس کی طرف دیکھا۔ پہلے ان میں حیرت ابھری اور پھر کچھ لمحوں کے لیے وہ نظریں اس کے پرنم چہرے پر جم سی گئیں۔ وہ تیزی سے اٹھی اور اپنے کمرے کی طرف دوڑ گئی۔ جبکہ شاذر کی متعجب نظروں نے اس کا دور تک پیچھا کیا۔

"چھوٹی امی صبا کو کیا ہوا؟" وہ تمام معاملے سے انجان بولا۔

"ہونا کیا ہے' مونا کی سالگرہ ہے اس کے لیے گفٹ لینا چاہتی ہے' میں نے منع کیا تو موڈ خراب ہو گیا۔"

"مگر آپ نے کیوں منع کیا؟" وہ ناسمجھ انداز میں بولا۔ یسری بیگم نے حیرانی سے اسے دیکھا' وہ اتنی کمزور یادداشت کا مالک تو نہیں تھا۔

"اوہ۔۔۔" اسے سب یاد آ گیا۔ واقعی اس نے اسے ڈرائیور کے ساتھ جانے سے منع کیا تھا۔ یکلخت وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

"میں نے ڈرائیور کے ساتھ جانے سے منع کیا تھا مگر اس کا بازار جانا منع نہیں کیا تھا۔"

انہیں الجھن میں چھوڑ کر وہ صبا کے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔

دستک کے بعد وہ جیسے ہی اندر داخل ہوا حیران رہ گیا۔ وہ کارپٹ پر بیٹھی گھٹنوں میں سر دیے رونے میں مصروف تھی۔ اس کے دل کو کچھ ہوا۔ سرعت سے اس کے قریب جا بیٹھا۔

"صبا" بلا کی نرمی تھی پکار میں۔ اس نے تیزی سے گردن اٹھائی اور شاذر کو اپنے روبرو دیکھ کر حیران رہ گئی۔ اسے اپنے کمرے میں اس کی موجودگی کی توقع نہیں تھی۔ رو رو کر ناک اور آنکھیں سرخ ہو چکی تھیں۔

"یہ کیا حرکت ہے پاگل ہو گئی ہو۔ اتنی سی بات کے لیے آنسو بہا رہی ہو۔" اس کی متورم آنکھیں شاذر سے کسی صورت برداشت نہیں ہو رہی تھیں۔ دل چاہا پوروں سے آنسو چن لے مگر پھر رک گیا۔

"آپ کے لیے یہ ذرا سی بات ہو سکتی ہے مگر میرے لیے نہیں۔" بہت کچھ کہنا چاہتی تھی دل کی ساری بھڑاس نکالنا چاہتی تھی مگر فقط اتنا ہی کہہ سکی۔ آنسو ٹوٹ ٹوٹ کر گالوں پر پھیلنے لگے۔

"تمہیں بازار جانا ہے نا' تو چلو میں لے چلتا ہوں مگر یہ آنسو بہانا بند کرو۔ تمہاری آنکھوں میں آنسو مجھے ذرا اچھے نہیں لگ رہے۔" وہ بے یقین ہوئی' پہلے کب کبھی ایسی آفر ہوئی تھی۔ ٹکر ٹکر دیکھنے لگی۔ انداز نہایت معصوم تھا۔

"تم بھی بالکل پاگل ہو۔" شاذر نے بے ساختہ

نظریں چرائیں۔

"آپ سچ کہہ رہے ہیں۔" یقین کرنا مشکل ہی نہیں ناممکن لگا۔

"ہوں۔۔۔ چلو اٹھو" اس نے ہاتھ پکڑ کر اٹھانا چاہا۔

وہ متذبذب سی ہاتھ چھڑا گئی۔

"کیا ہوا۔۔۔" وہ متعجب ہوا۔ وہ نظریں جھکاتے انگلیاں چٹخانے لگی۔

"اگر آپ مجھے موناکی برتھ ڈے پر جانے دیں گے تو گفٹ خریدنے آپ کے ساتھ جاؤں گی ورنہ مجھے ایسے ہی رونے دیں۔" اس کی دریا دلی دیکھتے وہ اپنے دل کی خواہش کو نوک زبان پر لے ہی آئی۔ چند پل وہ پُرسوچ نظروں سے اس کی طرف دیکھتا رہا پھر لمبا سانس ہوا میں خارج کرتے بولا۔

"ٹھیک ہے چلو اب۔" آواز اتنی آہستہ تھی کہ وہ بمشکل سن پائی۔ آنکھوں میں بے یقینی کے ساتھ ساتھ خوشگوار حیرت بھی ابھرنے لگی۔

"آپ سچ کہہ رہے ہیں نا۔" پھول سی نازک پتیوں میں شگوفے پھوٹ پڑے۔

شاذور اپنی طبیعت کے برعکس کافی تحمل مزاجی کا مظاہرہ کر رہا تھا۔ سو آہستہ سے سر اثبات میں ہلا گیا۔

"تھینک یو شاذور بھائی۔۔۔" وہ نقاب لینے پلٹی۔

"پہلے منہ تو دھولو۔" اس کی جلد بازی پر ٹوکا گیا۔

"تمہیں ایسے ہی ٹھیک ہے میرا چہرہ کون سا نظر آتا ہے اور جو آپ کا ارادہ بدل گیا تو!" معصومیت کی انتہا تھی شاذور کو پھر سے نظریں چرانی پڑیں۔

"میں گاڑی میں ہوں جلدی سے آجاؤ۔" حیرت در حیرت، وہ بے ساختہ ہنسی۔ کیا واقعی یہ شاذور بھائی ہی تھے اسے ابھی تک یقین نہیں آرہا تھا۔

"اگر یہ اسی طرح رہیں تو کتنا اچھا ہو۔" وہ بڑبڑائی اور پھر سر پر ہاتھ مار کر باہر کی طرف دوڑی۔

آج تو شاذور اسے حیرتوں کے جھٹکے پر جھٹکے لگانے پر تلا ہوا تھا۔ گفٹ خریدنے کے بعد اسے ڈھیر ساری شاپنگ کروائی مگر نجانے کیوں اس سارے وقت وہ بے انتہا سنجیدہ ہی رہا۔ ایک بھی مسکراہٹ بھول کر بھی پاس سے نہ گزری۔

"ارے صباحم۔۔۔!" وہ گاڑی کی طرف بڑھ رہے تھے جب اس کی کالج کی دوست ثنا سے اس کی مڈبھیڑ ہوگئی۔ وہ بھی اتنے عرصے بعد اسے سامنے دیکھ کر خوش بھی ہوئی اور حیران بھی کہ اس نے اسے نقاب میں کیسے پہچان لیا۔ اس سے پہلے کہ وہ حسب عادت اس کے گلے ملتی اس نے ہاتھ آگے کردیا۔ سرراہ اور وہ بھی شاذور کی موجودگی کم سے کم وہ اس طرح کی حرکت نہیں کرسکتی تھی۔ ثنا پہلے تو حیران ہوئی اور پھر پرجوش انداز میں اس کا ہاتھ تھام لیا۔

"اور سناؤ کیسے گزر رہے ہیں دن، شادی کرلی یا ابھی تک کنواری ہی ہو۔" قہقہہ لگا کر پوچھا گیا اور بات بات پر قہقہہ لگانے کی اس کی یہ بیماری اسے کافی مہنگی پڑی اوپر سے بے تکا سوال اور وہ بھی شاذور کے سامنے۔ وہ اچھی خاصی بوکھلا گئی۔ بے ساختہ شاذور کی طرف دیکھا جو سنجیدگی سے اسے ہی گھور رہا تھا۔

"اچھا ثنا اب میں چلتی ہوں تم کسی دن چکر لگاؤ نا گھر۔" شاذور کے تیور دیکھتے وہ جلدی جلدی جان چھڑانے والے انداز میں بولی۔

"ہاں ہاں کیوں نہیں۔۔۔ مگر پہلے ان حضرت کا تو تعارف کراؤ۔" وہ بھی اپنے نام کی ایک تھی، قریب کھڑے شاذور کی طرف اشارہ کرتے بولی۔

"یہ، یہ بھائی۔۔۔"

"میرا خیال ہے اب ہمیں چلنا چاہیے۔" اس کی بات پوری ہونے سے پہلے ہی شاذور سختی سے بولا اور پھر اس کا ہاتھ تھام کر گاڑی کی طرف بڑھ گیا جبکہ وہ ہکابکا ارے ارے ہی کرتی رہ گئی، پھر کندھے اچکا کر مارکیٹ کی طرف بڑھ گئی۔

"سرراہ قہقہے لگانا شریف عورتوں کو زیب نہیں دیتا۔ کم سے کم اس بات کا تمہیں احساس ہونا چاہیے۔ عقل۔۔۔ تم لڑکیوں کی گھاس چرنے چلی جاتی ہے جب یوں سرعام قہقہے لگاؤ گی تو پھر کیسے اپنی طرف اٹھنے والی بےباک نظروں کو روک سکو گی۔ عورت کی عزت بہت نازک ہوتی ہے اس لیے اسے ان چھوٹی چھوٹی

باتوں کا خیال رکھنا چاہیے۔" واپسی پر اس کا لیکچر شروع ہو چکا تھا اور صبا گردن جھکائے منہ کے آڑے ٹیڑھے زاویے بنانے میں معروف تھی۔ یہ بھی شکر تھا کہ اس کے چہرے پر نقاب تھا ورنہ شاذر کے قہر سے بچنا اور مشکل ہو جاتا۔

✡ ✡ ✡

تیار ہونے کے بعد اس نے آخری نظر قد آدم آئینے میں ابھرتے اپنے وجود پر ڈالی۔ کوئی چیز بھی آکورڈ نہیں لگ رہی تھی۔ نفاست کو مد نظر رکھتے ہوئے اس نے سوٹ اور جیولری کا انتخاب کیا تھا۔ مما کمرے میں داخل ہوئیں اور پھر بے ساختہ ان کے منہ سے ماشاء اللہ نکلا۔

"آج تو میری بیٹی بہت پیاری لگ رہی ہے۔ اللہ نظر بد سے بچائے۔" اسے دیکھتے ہوئے وہ نہال سی گویا ہوئیں تو وہ جھینپتے ہوئے مسکرا دی۔ اس کی جھکی پلکوں کو محبت سے دیکھتے وہ آگے بڑھیں اور پھر اس کی پیشانی پر اپنے لب رکھ دیئے۔ اس کی آنکھیں بھیگ سی گئیں۔

"بھئی اور کتنی دیر ہے۔ جانا ہے یا نہیں۔" اسی وقت شاذر عجلت میں اندر داخل ہوا۔ ایک پل کے لیے تو جیسے اس کی نظر بھی اس کے معصوم چہرے پر جمی تھی مگر پھر۔

"شاذر دیکھو ہماری صبا آج کتنی پیاری لگ رہی ہے۔" مما کی دوبارہ تعریف پر وہ بوکھلا کر رہ گئی بھلا کیا ضرورت تھی یہ شاذر کو جتانے کی۔ وہ نروس سی پلکیں جھکا گئی۔

"ہوں۔۔۔" بہت مبہم سی ہوں تھی جو ان دونوں کی سمجھ میں نہ آئی۔

"ایک بات یاد رکھنا نقاب کے بغیر میرے ساتھ مت چلنا۔" اس کا منہ پھول گیا۔ اس کا ارادہ چادر لے کر جانے کا تھا مگر اب یہ حکم اسے بے انتہا ناگوار گزرا۔ وہ کہنا چاہتی تھی کہ وہ صرف چادر لے کر جانا چاہتی ہے مگر پھر خاموش رہی کہ کہیں ایسا ہی نہ ہو کہ وہ اسے لے کر ہی نہ جائے وہ بے دلی سے نقاب کی طرف بڑھ گئی۔

"ایک گھنٹے بعد میں تمہیں پک کر لوں گا۔" وہ اسے گیٹ کے باہر ہی اتارتے ہوئے بولا تو وہ آہستہ سے سر اثبات میں ہلاتی اندر کی طرف بڑھ گئی اس کے اندر داخل ہوتے ہی وہ بھی گاڑی زن سے اڑا کر لے گیا۔

"صبا یہ کیا تم نے ٹینٹ لے رکھا ہے اتارو اسے۔ کیا فائدہ اتنا خوبصورت سوٹ پہننے کا۔" اس کے گلے ملتے مونا نے سب سے پہلا کام اس کا نقاب اتارنے کا کیا۔ وہ یہاں ہی نہیں رکی بلکہ نقاب کو اپنے قبضے میں لے کر اسے اس کے سوٹ کے ساتھ ملتا جلتا دوپٹا دے دیا۔

"واؤ اب لگ رہی ہو کہ میری برتھ ڈے پارٹی پر آئی ہو۔" وہ ارے ارے ہی کرتی رہ گئی مگر اس نے اس کی ایک نہ سنی۔

بہت خوشگوار ماحول میں کیک کاٹا گیا۔ سارا وقت مونا کا بھائی اس کے ارد گرد ہی منڈلاتا رہا اور وہ ناگواری سے نظر انداز کرتی رہی۔

"آپ یہاں اکیلی کھڑی ہیں۔ مونا کدھر ہے۔" مونا ابھی ابھی اندر گئی تھی نبیل جو کب سے موقع کی تلاش میں تھا جھٹ اس کے قریب پہنچ گیا۔

"وہ اندر گئی ہے۔" ناگواری سے کہتے وہ دوسری طرف دیکھنے لگی۔

"آپ نے تو کچھ لیا ہی نہیں میں کب سے آپ کو ہی واچ کر رہا ہوں۔" اتنی بے باکی؟ اس نے حیرانی سے اس کی طرف دیکھا اور پھر اس کے چہرے پر پھیلی مسکراہٹ نجانے کیوں اسے زہر سے بھی بری لگی۔ ابھی وہ اسے کچھ کہنا ہی چاہتی تھی جب اس کے پیچھے ابھرتے شاذر کے سنجیدہ چہرے کی طرف دیکھ کر اچھی خاصی بوکھلا گئی۔

"میں باہر تمہارا ویٹ کر رہا ہوں۔" وہ بغیر نبیل سے مخاطب ہوئے اس کی طرف دیکھتے بولا اور پھر لمبے لمبے ڈگ بھرتا باہر کی گیٹ کی طرف بڑھ گیا اور وہ اندر ہی اندر ڈرتی لرزتی ٹانگوں سے نقاب لینے دوڑی۔

☼ ☼ ☼

"تمہارے ساتھ کسی بھی قسم کی نرمی مجھے کرنی ہی نہیں چاہیے تھی۔ عقل نام کی کوئی چیز تمہیں چھو کر بھی نہیں گزری میرے ڈر سے تم نقاب تو استعمال کرنے لگی ہو مگر اسے دل سے کبھی قبول نہیں کرپائیں۔ ایسا کیا غلط کہہ دیا میں نے جس پر عمل کرتے ہوئے تمہاری جان نکلتی ہے۔ ہمارے مذہب میں بھی تو عورت کو باپردہ رہنے کا حکم دیا گیا ہے اور جو باریک دوپٹا تم وہاں لے کر کھڑی تھیں اس سے بہتر تھا کہ لیتی ہی نہیں۔ دوپٹا عورت کی شرم و حیا کا گہنا ہے مگر تم جیسی عورتیں اسے پھانسی کا پھندا سمجھتی ہیں۔"

وہ زہر خند لہجے میں بول رہا تھا۔ صبا کو لگا جیسے وہ ابھی اسے کچا چبا جائے گا اور شاذر کو کسی صورت نبیل کی بے باک نظریں سکون نہیں لینے دے رہی تھیں۔ اس کا بس چلتا تو وہ اس کی آنکھیں ہی نکال لیتا۔ سر جھکائے کھڑی صبا کو اس نے خونخوار نظروں سے دیکھا تھا جو آنسو ضبط کرنے کی کوشش میں ہونٹ چبائے جارہی تھی۔ اس سے غلطی ہوئی تھی اور وہ اپنی غلطی تسلیم بھی کررہی تھی۔ سارے راستے وہ اس کے غصیلے اور حد سے زیادہ سنجیدہ چہرے کو دیکھتے لرزتی آئی تھی۔ اسے اس وقت اس کی کوئی بھی بات بری نہیں لگ رہی تھی جانتی تھی کہ وہ اب کی بار غلطی پر تھی۔ مونا نے جب اسے ہم رنگ دوپٹا دیا تھا تو اسے اتنا باریک دوپٹا نہیں اوڑھنا چاہیے تھا۔ واقعی وہ دوپٹا اس کے وجود کی رعنائیاں چھپانے کے لیے ناکافی تھا۔ اسے اپنی بے وقوفی کا احساس تو وہاں پر ہی ہوگیا تھا۔ جب نبیل کی نظروں کو بدلتے ہوئے محسوس کیا تھا۔

"آئی ایم سوری شاذر بھائی۔" بھرائے ہوئے لہجے میں وہ فقط اتنا ہی کہہ سکی۔

"تمہیں خود احساس ہونا چاہیے صبا۔ اگر میں تم پر روک ٹوک کرتا ہوں تو اس کی بھی ایک وجہ ہے جو تمہاری ناقص عقل سے کافی دور ہے۔ تمہیں میری روک ٹوک تو دکھائی دیتی ہے۔ مگر اس کی وجہ سمجھ میں نہیں آتی۔" اس کا لہجہ خود بخود تھوڑا نرم ہوگیا۔

"جب تک عورت خود اپنی نسوانیت کی حفاظت نہ کرے کوئی دوسرا نہیں کرواسکتا۔ اپنے دل سے یا اپنے ضمیر سے پوچھو کہ تمہاری آج کی حرکت درست تھی۔" وہ اٹھتے ہوئے بولا اور پھر اس پر ایک سنجیدہ نظر ڈال کر باہر نکل گیا۔ جبکہ وہ بھیگی آنکھوں سمیت وہیں بیٹھتی چلی گئی۔ اسے اپنی غلطی کا احساس شدت سے ہورہا تھا۔

☼ ☼ ☼

وہ ٹی وی لاؤنج میں بیٹھی ٹی وی دیکھ رہی تھی۔ جب ملازم کے ساتھ ثنا کو اندر آتا دیکھ کر حیران سی اٹھ کھڑی ہوئی۔

"ارے ثنا تم...؟"

"ہاں میں اور تم تو بڑی بے وفا نکلیں کوئی فون کیا نہ ملنے آئیں۔" اس سے گلے ملتے شکوہ خود بخود اس کے ہونٹوں سے پھسل گیا۔

"ام سوری یار۔" وہ شرمندہ سی گویا ہوئی۔

"مگر رئیلی تمہیں اپنے گھر دیکھ کر مجھے بہت خوشی ہورہی ہے۔"

"ہاں۔ ہاں اب تو تم یہ ہی کہوگی۔" وہ اسے گھورتے ہوئے بولی تو وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی اور پھر اس کا ہاتھ تھامتے ہوئے اسے قریب ہی بٹھالیا۔

"اور سناؤ پھر کیسی گزر رہی ہے۔"

"میری تو اچھی ہی گزر رہی ہے تم سناؤ۔"

"ہاں یاد آیا۔ وہ شاپنگ مال میں تمہارے ساتھ مغرور سالڑکا کون تھا۔" یاد آنے پر وہ پوچھے بغیر نہ رہ سکی۔

"وہ شاذر بھائی تھے۔"

"بھائی ہوں گے وہ تمہارے میں تو اتنے زبردست بندے کو کبھی بھائی نہ بناؤں۔" وہ شرارت سے مسکرائی۔

"ہوں۔ ان کی اصلیت نہیں جانتیں نا اسی لیے ایسا کہہ رہی ہو۔" اس کا موڈ ایک دم بگڑ گیا۔

"کیوں وہ دولت ہوتے ہی کسی عفریت کا روپ دھار جاتے ہیں کیا۔" وہ اس کے بے زار سے انداز کو دیکھتی مزے سے بولی۔ وہ ابھی تک غیر سنجیدہ ہی تھی۔

"اگر عفریت نہیں تو کسی عفریت سے کم بھی کسی صورت نہیں۔ اتنے سڑیل' اکڑو' غصیلے اور بد دماغ ہیں کہ تمہیں کیا بتاؤں۔" اس کے منہ کے زاویے خود بخود ہی بگڑتے گئے۔

"ارے ارے اتنی زیادہ خصوصیات۔" وہ بے ساختہ ہنسی۔

"ابھی کم ہی گنوائی ہیں۔ ساری بتاؤں تو لمبے کے ہزارویں حصے میں یہاں سے غائب ہو جاؤ گی۔" اس نے اسے ڈرانا چاہا۔ مگر وہ تو اس کی کسی بھی بات کو سیریس لے ہی نہیں رہی تھی۔

"یار حسین لوگوں کا اتنا مغرور ہونا تو بنتا ہی ہے نا۔"

"صبا۔" اسی وقت اپنی پکار پر وہ یوں اچھلی جیسے صوفے میں یک دم اسپرنگ نکل آئے ہوں۔

"یہ کب آئے۔" سامنے سنجیدہ چہرہ لیے کھڑے شاذر بھائی کو دیکھ کر وہ اچھی خاصی شرمندہ ہوئی۔ نہ جانے کب سے کھڑے تھے اور کیا کچھ سن لیا تھا۔ اس کے ہاتھوں پیروں سے جیسے جان نکلنے لگی۔

"ایک چائے میرے کمرے میں لے آؤ۔" اس کے قریب آنے پر وہ تحکم بھرے انداز میں کہتا اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔ ثنا پر ایک نظر ڈالنا بھی گوارہ نہ کیا۔

"ہائے رے اس بے نیازی پر کون نہ مر جائے۔" ثنا نے بے ساختہ ٹھنڈی سانس بھری تو صبا نے صوفے سے کشن اٹھا کر اسے دے مارا۔ پھر دونوں کے قہقہے لاؤنج میں گونجنے لگے۔

ثنا ایسی ہی چولی طبیعت کی مالک تھی۔ مگر اس کے کردار میں صبا کو آج تک کبھی کوئی جھول نظر نہ آیا۔ اسی لیے تو اب تک ان کی آپس میں دوستی چلی آرہی تھی۔

"اس سے پہلے یار کہ وہ سڑا کر یلا دوبارہ واپس آجائے میں چائے بنا کر دے آؤں اور تمہارے لیے بھی کچھ لے کر آتی ہوں۔" وہ مسکراتی ہوئی کچن کی طرف بڑھ گئی۔ دستک دے کر جیسے ہی یس کی پرمیشن ملی وہ اندر داخل ہو گئی۔ شاذر جو آنکھوں پر بازو رکھے لیٹا تھا۔ اٹھ کر بیٹھ گیا۔ اس نے ڈرتے ڈرتے اس کی طرف دیکھا نہ جانے ابھی کیا کہہ دے مگر پھر جیسے ہی اس کی سرخ آنکھوں پر نظر پڑی تو پوچھے بغیر نہ رہ سکی۔

"آپ کی طبیعت ٹھیک ہے۔" ٹرے سے کپ اٹھاتے شاذر نے چونک کر اس کی طرف دیکھا اور پھر بولا۔

"اگر میں کہوں کہ میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے تو پھر تم کیا کرو گی؟" عجب مبہم سا انداز تھا اس کا۔ وہ الجھ سی گئی اور بے وجہ انگلیاں مروڑنے لگی۔ شاذر کی سرخ انگارہ آنکھیں اس کے متذبذب چہرے پر جمی جواب کا انتظار کرتی رہیں۔

"میں مما کو انفارم کرتی ہوں۔" وہ اٹھنے لگی۔ جب اس نے نرمی سے اس کی کلائی تھامی۔

"اگر میں تمہیں یہ کہوں کہ اس وقت میرے سر میں شدید درد ہو رہا ہے اور میڈیسن لینے کے باوجود بھی آرام نہیں آیا تو پھر تم کیا کرو گی۔" اس کی نازک کلائی اس کے پرحدت ہاتھ میں کپکپا کر رہ گئی۔ نہ جانے اس کے دماغ میں کیا چل رہا تھا۔ صبا پریشانی سے اس کی طرف دیکھ کر رہ گئی۔ وہ کسی صورت سر دبانے کی خدمت پیش نہیں کرسکتی تھی۔ کیونکہ باہر اس کی دوست اس کا انتظار کر رہی تھی اور یہ بھی سچ تھا کہ وہ کبھی کسی نوکر سے سر نہ دبواتا۔ عجب کشمکش میں وہ گرفتار ہو چکی تھی۔

"کیوں۔۔۔ کیا بہت مشکل سوال پوچھ لیا ہے میں نے۔" وہ چائے ختم کر چکا تھا۔ اس کے تشش و پنج میں جتلا چہرے کی طرف غور سے دیکھنے لگا۔ اس وقت اس کی آنکھیں اتنی سرخ تھیں کہ اس کی تکلیف کا با آسانی پتا دے رہی تھیں۔ اس چڑیا کے دل کی مالک سے اس کی تکلیف دیکھی نہ گئی۔

"لائیں شاذر بھائی میں آپ کا سر دبا دیتی ہوں۔" ناچاہتے ہوئے بھی اس نے کہہ دیا۔ شاذر نے کافی حیرت سے اسے دیکھا۔ یعنی اپنی دوست سے زیادہ اسے اس کی تکلیف کی فکر تھی۔ نہ جانے کیا ہوا تھا کہ اس کے ہونٹ دھیمے سے مسکرا دیے اور پھر آنکھیں موندتے اس نے صبا کے نرم ہاتھوں کے لمس کو اپنی تمام تر شدتوں سے محسوس کیا تھا اور وہ حیران حیران سی اس کے ہونٹوں پر پھیلی نرم مسکراہٹ دیکھتے جیسے اپنی آنکھوں پر یقین کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ ابھی اسے سر دباتے پانچ منٹ بھی نہیں ہوئے تھے کہ وہ نرمی سے بولا۔

"اب میں ٹھیک ہوں صبا۔ تم اپنی دوست کے پاس جاؤ۔" لہجہ اتنا دھیما اور پر کشش تھا کہ صبا نے کافی حیرت سے اس کی بند آنکھوں کو دیکھا اور پھر جلد جان چھوٹ جانے پر خدا کا شکر ادا کرتی باہر کی طرف دوڑی۔

☼ ☼ ☼

"فہد پھر کیا خیال ہے آپ کا۔"

"بھئی کس بارے میں۔" وہ جو مکمل طور پر اخبار کے مطالعے میں گم تھے مصروف سے انداز میں بولے۔

"پہلے اسے تو بند کریں۔" وہ چڑتے ہوئے بولیں تو انہوں نے مسکراتے ہوئے اخبار سے نظریں ہٹائیں۔

"جی فرمایئے جناب!" انداز اتنا تابعداری لیے ہوئے تھا کہ وہ بے اختیار مسکرا دیں۔

"میں شاذر اور صبا کی شادی کی بات کر رہی ہوں۔"

اور وہ جو اندر داخل ہو رہی تھی دہلیز پر ہی —— رک گئی۔ اسے لگا کہ اس نے یقیناً" کچھ غلط سن لیا ہے۔ اسی لیے بے چینی سے پاپا کے جواب کا انتظار کرنے لگی۔ اس کے جسم کا ایک ایک عضو ہمہ تن گوش تھا اور دل کی دھڑکن بے ترتیب سی ہو رہی تھی۔

"ہوں۔ تو ٹھیک ہے جیسے تم مناسب سمجھو۔"

"میں سوچ رہی ہوں اگلے مہینے ہی شادی کی کوئی ڈیٹ رکھ لیتے ہیں۔" ان کے جواب پر پر جوش سی وہ مزید گویا ہوئیں گویا بم تھا جو اس کی نازک سماعت پر پھٹا تھا وہ حیران پریشان ہکا بکا یک ٹک مما پاپا کو دیکھے گئی۔

"تم نے صبا سے بات کی؟" اخبار تہہ کر کے ٹیبل پر رکھتے ہوئے انہوں نے پوچھا تو وہ نفی میں گردن ہلا گئیں۔

"نہیں۔ ابھی صبا سے تو میں نے بات نہیں کی۔"

"اور شاذر سے؟" وہ دوبارہ گویا ہوئے۔

"اس سے کیا بات کرنی ہے وہ آل ریڈی سب کچھ جانتا ہے۔" وہ مسکرائیں۔

"کیا مطلب۔ اس نے بتایا اسے۔" وہ الجھے۔

"بھئی سیدھی سی بات ہے شاذر کو میں نے بہت پہلے بتا دیا تھا کہ اس کی اور صبا کی بچپن سے نسبت طے ہے۔" یہ دوسرا جھٹکا تھا جو ان گزرے پانچ منٹوں میں اس کے نازک وجود کو لگا۔ اس کا پورا وجود کپکپانے لگا' اسے ایسے محسوس ہوا جیسے وہ مزید ایک لمحہ بھی اپنے پیروں پر کھڑی نہ رہ سکے گی۔ اس کی گرفت چوکھٹ پر بے ساختہ ہی سخت ہوئی تھی۔

"کیوں۔ تمہیں کیا ضرورت تھی اسے پہلے بتانے کی؟ نہیں یقیناً" ان کی بات بری لگی تھی اس لیے سنجیدہ سے گویا ہوئے۔ اور وہ اپنے سر پر ہاتھ مار کر رہ گئیں۔

"بھئی ضرورت کیوں نہیں تھی۔ شاذر ماشاء اللہ لاکھوں میں ایک ہے۔ میں نہیں چاہتی تھی کہ اس کی زندگی میں صبا کے علاوہ کبھی بھی کسی اور لڑکی کا گزر ہو۔ مرد ذات ہے کب کس طرف دھیان چلا جائے کیا پتا اور آپ تو جانتے ہی ہیں کہ ہم نے اسے ہمیشہ صبا کے ساتھ دیکھا ہے۔ بس لیے بتانا ضروری سمجھا۔"

انہوں نے دل کی بات ان پر واضح کر دی تو اب کی بار وہ خاموش ہی رہے جبکہ پے در پے انکشافات نے صبا کو ادھ موا کر چھوڑا تھا۔ وہ کس طرح اپنے کمرے تک پہنچی تھی یہ صرف وہی جانتی تھی۔ آتے ہی صوفے پر

گر کر وہ لمبے لمبے سانس لینے لگی۔ اسے ایسے لگ رہا تھا جیسے وہ میلوں کی مسافت طے کر کے آئی ہو۔ اک نادیدہ تھکن تھی جو اس کے جسم سے اعصاب تک پہ سوار ہو چکی تھی۔ وہ جو سن کر آئی تھی۔ ابھی تک اس حقیقت کو قبول نہیں کر پا رہی تھی۔

"نہیں ہرگز نہیں۔ ایسا کبھی نہیں ہو سکتا۔" وہ بے چینی سے نچلا لب چبانے لگی۔ اور پھر نہ جانے اسے یک دم کیا ہوا کہ دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپائے پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔ ابھی وہ خود کو سمیٹ بھی نہ پائی تھی کہ اسی وقت مما روم میں داخل ہوئیں۔ اس نے سر گھٹنوں میں دے دیا۔

"صبا کیسے بیٹھی ہو' طبیعت تو ٹھیک ہے نا تمہاری۔" اس کے قریب بیٹھتے وہ فکر مند سی گویا ہوئیں۔ اس نے گردن نہ اٹھائی بلکہ اسی حالت میں بیٹھی ہونٹ چباتی رہی۔

"مجھے تم سے ضروری بات کرنی ہے صبا۔" اسے گردن نہ اٹھاتے دیکھ کر وہ ایک بار پھر سے بولیں اور ساتھ ہی بالوں میں ہاتھ پھیرنے لگیں اور اس بار تو جیسے اسے ضبط و برداشت کی سب طنابیں ٹوٹتی ہوئی محسوس ہوئیں۔ اس نے جھٹکے سے سر اٹھایا۔

"میں اچھی طرح جانتی ہوں مما کہ آپ کو مجھ سے کون سی ضروری بات کرنی ہے۔"

"تم رو رہی ہو۔" اس کی متورم آنکھیں اور سرخ چہرہ انہیں ازحد پریشانی میں مبتلا کر گیا۔

"کیا ہوا ہے کیوں رو رہی ہو۔"

"کچھ نہیں ہوا مجھے' کچھ بھی نہیں' مگر یاد رکھیے گا میں کسی صورت بھی شاذر بھائی سے شادی نہیں کروں گی۔" رونے کے دوران وہ بمشکل بولی تھی۔ جبکہ مما تو جیسے حیرت سے ساکت سی رہ گئیں۔ کچھ لمحوں کے لیے تو جیسے وہ کچھ بول ہی نہ سکیں۔

"کیوں...." کتنی دقت سے یہ ایک لفظ ان کی زبان سے ادا ہوا تھا۔ یہ شاید وہ خود بھی نہیں جانتی تھیں۔

"بس میں نے کہہ دیا ہے۔" بے دردی سے وہ اپنی آنکھوں کی بھیگی سطح رگڑتے ان سے نظریں چرائے بولی۔ بڑوں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اپنی بات کہنا تو جیسے اس نے سیکھا ہی نہیں تھا۔ مگر اپنی تابعدار اور فرماں بردار کم گو بیٹی کے منہ سے اتنی سی بات سننا بھی جیسے ان کے لیے کسی دھچکے سے کم نہ تھا۔

"تم اچھی طرح جانتی ہو کہ ایسا کبھی نہیں ہو گا۔"

ان کی آواز کی سختی اس نے اپنی ریڑھ کی ہڈی تک محسوس کی تھی۔ اسے لگا اگر آج وہ اپنے حق میں نہ بولی تو پھر ساری زندگی نہ بول پائے گی اور پھر اس کی ساری عمر شاذر جیسے حاکم کے سامنے اس کی لونڈی کی طرح سر جھکائے حکم بجاتے گزر جائے گی۔

"میں یہ شادی کسی صورت بھی نہیں کروں گی۔ مما آپ چاہے کچھ بھی کر لیں۔" وہ اس کے ضدی انداز نے انہیں اچھے خاصے اچنبھے میں ڈال دیا۔ انہوں نے بے ساختہ چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ پہلے کب انہوں نے اس کا ایسا روپ دیکھا تھا۔

"یہ تم کس انداز میں مجھ سے بات کر رہی ہو۔ اتنی خود سر کب سے ہو گئی ہو کہ بڑوں کا احترام ہی بھولتی جا رہی ہو۔" اس کے لہجے سے انہیں بہت دکھ پہنچا تھا۔ وہ بھی اپنے لہجے کی سنگینی محسوس کرتے سر جھکائے رونے لگی۔

"پلیز مما! میں یہ شادی نہیں کرنا چاہتی' آپ مجھے مجبور مت کیجیے۔" اس دفعہ لہجہ افسردہ اور ملتجیانہ تھا۔

"یہ ہی تو میں جاننا چاہتی ہوں کہ تم نے یہ شادی کیوں نہیں کرنی۔ کیا کمی ہے شاذر میں' گھر کا بچہ ہے' لاکھوں میں ایک ہے اور مجھے عزیز بھی ہے۔"

"وہ لاکھوں میں ایک ہے' آپ کا منظور نظر ہے' بے پناہ عزیز ہے اسی لیے تو مجھے وہ پسند نہیں ہے۔"

"یہ کیا بکواس کر رہی ہو؟" انہوں نے ناگواری سے اسے ٹوکا۔ یقیناً اس کی بات انہیں بہت بری لگی تھی۔

"یہ بکواس نہیں' بلکہ سچ ہے۔" وہ غصے سے اسے گھورنے لگیں۔ جو ہٹ دھرمی کے آج سارے ریکارڈ توڑنے پر تلی ہوئی تھی۔

"تمہاری شادی ہو گی اور صرف شاذر سے ہو گی۔

بہت بکواس کرچکیں تم اور بہت سن چکی میں۔" وہ سخت اور دوٹوک انداز میں کہتی اٹھ کھڑی ہوئیں۔ اس سے پہلے کہ چوکھٹ عبور کرتیں۔ اس کی سرسراتی آواز نے ان کے قدموں کو جیسے جکڑلیا۔

"آپ کو شاذور کے سامنے میں پہلے کب نظر آئی ہوں جو اب آؤں گی۔" وہ حیرت سے پلٹیں اور وہ تو جیسے آج تہیہ کرکے بیٹھی تھی کہ کچھ دل میں نہیں رکھنا۔ اسے لگا اگر آج وہ ان سے اپنے دل کی اذیت بیان نہ کرسکی تو پھر شاید کبھی نہ کرسکے۔ بس یہ ہی سوچ کر وہ بولی اور پھر بولتی چلی گئی۔ جبکہ وہ حیرت سے گنگ کھڑی یک ٹک اس کے سسکتے وجود کو دیکھتی رہیں۔

"آپ نے کبھی نہیں سوچا مما کہ آپ کی بچی کو کیا چاہیے۔ آپ نے مجھے ٹکڑوں کی سی زندگی سونپی اور شاذور کو مجھ پر حاکم بنادیا اور اس نے مجھ پر اتنی حاکمیت کی اتنی پابندیاں لگائیں کہ میرا دم گھٹتا گیا۔ میں اندر ہی اندر ٹوٹتی گئی، بکھرتی گئی اور آپ کو احساس تک نہ ہوا۔ میں خودی کا احساس تک کھوتی گئی اور آپ کو خبر تک نہ ہوئی اور اب آپ یہ چاہتی ہیں کہ میں ایسے بندے سے شادی کرلوں جو ساری عمر میرا خون چوستا رہے گا۔ آپ میری مما تھیں سگی مما مگر مجھے کبھی احساس نہیں ہوا کہ آپ میری سگی مما ہیں۔ آپ تو صرف اور صرف شاذور کی چھوٹی امی بن کر رہ گئیں۔ کیوں۔ کیوں کیا آپ نے ایسا۔ میں ساری زندگی اپنی مما کی محبت کے لیے ترپتی رہی سسکتی رہی اور آپ میرے حصے کی بھی محبت شاذور کی جھولی میں ڈالتی رہیں وہ میرا جینا تنگ کرتا رہا اور آپ اس کا ساتھ دیتی رہیں۔ آپ میری مما نہیں ہوسکتیں؟" وہ ٹوٹی بکھری بدحال سی ان کے قدموں میں بیٹھ کر بلک کر رو دی۔ جبکہ وہ خود تو جیسے ہلنے جلنے کی سکت ہی کھوچکی تھیں۔ ان کی اپنی بیٹی ان سے اتنی بدگمان ہوتی گئی اور انہیں احساس تک نہ ہوا۔ ان کی آنکھیں بے اختیار بھیگتی گئیں اپنے کمرے کی طرف بڑھتے ان کے قدموں میں واضح لرزش تھی۔

کتنا غلط سوچتی تھی ان کی بیٹی ان کے بارے میں، کہاں انہوں نے اسے نظرانداز کیا تھا۔ کہاں محبت میں کوئی کمی چھوڑی تھی۔ اگر شاذور انہیں عزیز تھا کم عزیز وہ بھی نہیں تھی۔ اور صرف اور صرف اس کی وجہ سے ہی تو شاذور انہیں عزیز ترین ہوا تھا۔ وہ جب اسے اپنی بیٹی کے حوالے سے دیکھتیں تو وہ انہیں اور عزیز ہونے لگتا اور ان کے دل میں ایک کھٹکا سا لگا رہتا کہ اگر جو کبھی شاذور نے کسی اور لڑکی کو پسند کرلیا تو" جیسے ہی یہ ڈر ان کے اندر جڑ پکڑنے لگا تو انہوں نے شاذور سے روبرو بات کرنے کے بارے میں سوچا اور ان کی خواہش پر شاذور کے سر جھکانے پر وہ تو جیسے اندر تک نہال ہوگئیں۔ وہ صبا کو پوری طرح شاذور کی پسند میں ڈھلا ہوا دیکھنا چاہتی تھیں اور یہ ہی وجہ تھی کہ وہ ہر دفعہ شاذور کا ساتھ دیتیں۔ بعض اوقات انہیں محسوس ہوتا جیسے وہ اس پر زیادہ سختی کرجاتا ہے۔ زیادہ روک ٹوک کرجاتا ہے۔ بیٹی کا اترا چہرا انہیں دکھ میں مبتلا کرجاتا مگر یہ فقط چند لمحوں کی بات ہوتی۔ اگلے ہی لمحے وہ خود کو سمجھا لیتیں کہ شاذور اگر اسے مکمل طور پر اپنی پسند میں ڈھلا دیکھنا چاہتا ہے تو اس میں کیا برا ہے۔ ساری زندگی اسے شاذور کے ساتھ ہی گزارنی تھی اچھا ہے ابھی سے اس کی پسند ناپسند جان لے۔ جیسے ہی یہ خیال انہیں مطمئن کرتا وہ خاموش تماشائی کی طرح سب دیکھتے زبان پر قفل ڈال لیتیں۔ اور آج۔ صبا کی ٹوٹی بکھری حالت نے انہیں احساس دلایا کہ وہ کتنا غلط کررہی تھیں۔ شاذور کو داماد بنانے کی خواہش میں وہ اتنی مگن ہوگئیں کہ پھر بیٹی کا دکھ دیکھ ہی نہ پائیں۔ بے اختیار ہی ان کی آنکھیں بھیگتی چلی گئیں۔

انہیں اپنی غلطی کا احساس تھا مگر اس کے باوجود وہ شاذور سے کسی صورت دستبردار نہیں ہونا چاہتی تھیں اور صبا کی بے وقوفی پر بھی اس کا ساتھ دینے کو کسی صورت تیار نہیں تھیں۔ انہیں جتنی صبا عزیز تھی اتنا ہی شاذور بھی عزیز تھا اور ان کے عزیز ترین بیٹے کی زندگی میں کوئی اور لڑکی آئے یہ ان کی برداشت سے باہر تھا۔ کیونکہ اس صورت میں صبا کو بھی یہ گھر ہمیشہ

☼ ☼ ☼

کے لیے چھوڑ کر جانا پڑتا۔ جو انہیں گوارا نہ تھا۔

☼ ☼ ☼

جب سے اسے پتا چلا تھا کہ اس کی نسبت بچپن سے شاذر سے طے ہے تو اس کی راتوں کی نیندیں اور دن کا چین اڑ گیا تھا۔ اسے وہ ایک لمحہ برداشت نہیں کر سکتی تھی اور کہاں پوری زندگی، نہیں ایسا نہیں ہو سکتا وہ بیٹھے سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"مجھے کچھ تو کرنا ہوگا۔" ہونٹ چباتے وہ مضطرب سی کمرے میں ٹہلنے لگی۔

"مجھے پاپا سے بات کرنی چاہیے۔ وہ کسی صورت میرے ساتھ زبردستی نہیں کریں گے۔" اک نتیجے پر پہنچ کر اس نے وال کلاک کی طرف دیکھا جو شام کے چھ بجا رہا تھا۔ اس وقت مما کچن میں ہوتی تھیں اور پاپا اسٹڈی روم میں۔ پاپا سے بات کرنے کا یہ اچھا موقع تھا وہ اسٹڈی روم کی طرف بڑھ گئی۔

آہستہ سے دستک دے کر وہ جیسے ہی اندر داخل ہوئی پاپا کو کسی کتاب کے مطالعے میں منہمک پایا۔ اس کی طرف انہوں نے حیرانی سے دیکھا۔ وہ بہت ہی کم ان کے اسٹڈی روم میں آتی تھی سوان کا حیران ہونا بجا تھا۔

"خیریت بیٹا جی۔" اس کا مرجھایا چہرہ اور متورم آنکھیں دیکھتے انہوں نے بے اختیار پوچھا تھا۔

وہ کوئی بھی جواب دیے بغیر ان کے قریب آکھڑی ہوئی۔ "مجھے آپ سے ایک ضروری بات کرنی ہے پاپا۔" اس کی سوجی سرخ آنکھوں اور افسردہ چہرے پر ان کی نظر بے ساختہ ٹھٹکی تھی۔ انہیں کچھ کھٹکا اس لیے کتاب بند کر کے پریشانی سے اٹھ کھڑے ہوئے۔

"سب ٹھیک تو ہے نا صبا۔ تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے نا۔" انہوں نے اس کی پیشانی کو چھوا جو انہیں کچھ نم اور ٹھنڈی محسوس ہوئی۔ اور ان کے ازحد متفکرانہ انداز پر اس کی آنکھوں میں موٹے موٹے آنسو چمکنے لگے۔

"آج تک میں نے آپ کی ہر بات مانی ہے۔ پوری کوشش کی ہے کہ آپ کو یا مما کو میری وجہ سے کوئی پریشانی نہ ہو۔ آپ دونوں کے ہر فیصلے کو مقدم مانا ہے۔ مگر اب" وہ رکی آنکھوں میں چھپے آنسو گالوں پر پھسل آئے۔ پاپا بری طرح پریشان ہوتے اس کے بھیگے چہرے کو دیکھنے لگے۔ انہیں اپنا دل کٹتا ہوا محسوس ہوا۔ بات واقعی معمولی نہ تھی ورنہ ان کی بیٹی کی یہ حالت نہ ہوتی۔ وہ اس کے قریب آکھڑے ہوئے اور اس کا چہرہ اٹھائے بے چینی سے بولے۔

"جو بھی بات تمہیں پریشان کر رہی ہے اپنے پاپا سے کہہ دو۔ اس یقین کے ساتھ کہ پاپا سب ٹھیک کر دیں گے۔ اپنی گڑیا کی ہر پریشانی دور کر دیں گے۔" اور وہ ان کے سینے سے لگی تڑپ تڑپ کر رودی۔

"کچھ کہو صبا آخر ہوا کیا ہے۔؟"

"پاپا... مم... میں... میں شاذر بھائی سے شادی نہیں کرنا چاہتی۔ پلیز میری بات سمجھنے کی کوشش کیجیے۔ مجھے مما کی طرح غلط مت سمجھیے گا۔" ان کے سینے میں منہ چھپائے ہی اس نے لرزتی آواز میں آخر کہہ دیا۔ وہ ایک دم سنجیدہ ہوئے تھے۔ شاذر اور صبا کو انہوں نے ہمیشہ ساتھ ساتھ ہی دیکھا تھا۔ صبا کے منہ سے ایسی بات کی توقع وہ کسی صورت نہیں کر رہے تھے۔ شاذر لاکھوں میں ایک تھا۔ وہ مسترد کیے جانے کے لائق نہیں تھا اسی لیے صبا کے انکار نے انہیں اچھا خاصا الجھا کر رکھ دیا تھا۔

"کیوں..." بہت دیر کے بعد ان کے منہ سے فقط یہ ہی ایک لفظ نکلا تھا۔

"میری اور ان کی سوچ نہیں ملتی پاپا۔ میں ان کے ساتھ کبھی خوش نہیں رہ پاؤں گی۔ آپ اگر میرے ساتھ زبردستی کریں گے تو میں یہ شادی کرلوں گی مگر پھر میں اندر سے مرجاؤں گی آپ جہاں کہیں گے میں شادی کرنے کو تیار ہوں مگر شاذر بھائی سے نہیں۔ پلیز مجھے مجبور مت کیجیے گا پلیز پاپا۔" اس نے ان کے سامنے دونوں ہاتھ جوڑ دیے اور وہ ہکا بکا ہی رہ گئے۔ بیٹی کی منتشر حالت نے انہیں اندر تک جھنجوڑ کر رکھ

دیا تھا۔ وہ اسے آہستہ سے سینے سے بھینچ گئے۔ ایک ہی تو ان کی بیٹی تھی اگر وہ بھی خوش نہ رہی تو پھر کیا فائدہ۔

وہ شاذر کو بہت چاہتے تھے ان کے بڑے بھائی کی آخری نشانی تھا وہ مگر صبا بھی انہیں کم عزیز نہ تھی۔ شاذر سے وہ کسی صورت بھی دستبردار نہیں ہونا چاہتے تھے۔ اور صبا کی کہیں اور شادی کرنے کے بارے میں تو انہوں نے کبھی سوچا ہی نہ تھا مگر اب انہیں لگا کہ وہ اپنی بیٹی کے ساتھ بھی زبردستی نہ کر پائیں گے۔

"تمہارے ساتھ کوئی زبردستی نہیں کرے گا صبا۔ تم جیسا چاہو گی ویسا ہی ہو گا۔ اگر زندگی تمہاری ہے تو فیصلہ بھی تمہارا ہی ہو گا۔" اس کا سر سہلاتے وہ نرمی سے بولے تو وہ سر اٹھاتے بے یقینی سے ان کی طرف دیکھنے لگی۔

"آپ سچ کہہ رہے ہیں پاپا۔" اسے کسی صورت یقین نہیں ہو رہا تھا کہ پاپا اتنی جلدی اس کی بات مان گئے تھے۔

اس کی بے یقین نظروں میں دیکھتے وہ آہستہ سے سر اثبات میں ہلا گئے تو وہ آسودہ ہوتی ایک بار پھر سے ان کے سینے سے لگتی گویا ہوئی۔

"آئی لو یو پاپا' یو نو آپ دنیا کے سب سے اچھے بابا ہیں۔" وہ خوش تھی جبکہ وہ غیر مرئی نقطے پر گھورتے کسی گہری سوچ میں گم تھے۔

✡ ✡ ✡

"تمہیں کیا ضرورت تھی شاذر سے بات کرنے کی' تمہاری اس ایک غلطی کی وجہ سے معاملہ اتنی سنگین صورت اختیار کر گیا ہے۔" ہینڈل پر رکھا اس کا ہاتھ وہیں رک گیا۔ اپنے نام اور چھوٹے پاپا کے غیر معمولی لہجے نے اسے ٹھٹک کر وہیں رکنے پر مجبور کر دیا۔ یقیناً "یہ ایک غیر اخلاقی حرکت تھی مگر چھوٹے پاپا کے ازحد پریشان لب ولہجے نے اسے ایسا کرنے پر جیسے مجبور کیا۔

"مجھے کیا پتا تھا فہد کہ صبا انکار کر دے گی۔ میرے تو وہم گمان میں بھی نہیں تھا ورنہ میں ایسا ہرگز نہ کرتی۔" چھوٹی امی کی بے چین جھنجلاتی آواز اسے اک الجھن کے ساتھ ساتھ استعجاب میں بھی مبتلا کر گئی۔ وہ کس لیے چھوٹے پاپا سے ملنے آیا تھا جیسے بھول ہی گیا۔

"جو ہوا ہے بہت غلط ہوا ہے۔ اگر تم نے شاذر سے بات نہ کی ہوتی تو اس پرابلم کو بہت آسانی سے ہینڈل کیا جا سکتا تھا۔ جتنا مجھے شاذر عزیز ہے اتنی ہی صبا بھی عزیز ہے۔ میں دونوں میں سے کسی کے ساتھ بھی زبردستی کا قائل نہیں۔"

"آپ کیوں صبا کی بے وقوفی میں اس کا ساتھ دے رہے ہیں۔ وہ تو نا سمجھ ہے بچی ہے۔ اچھے برے کی اسے پہچان نہیں مگر آپ تو اچھی طرح جانتے ہیں نا کہ صبا کے لیے شاذر سے بہتر اور کوئی نہیں ہو سکتا اور آخر کیا کمی ہے شاذر میں۔"

"بات کمی کی نہیں ہے بلکہ ذہنی مطابقت کی ہے۔ صبا نے مجھ سے صاف کہا ہے کہ شاذر کے ساتھ اس کی ذہنی ہم آہنگی نہیں ہے اور دو مختلف سمتوں کی سوچوں کے افراد کو جب یکجا کر دیا جائے تو مشکلات دونوں کے لیے ایک جیسی ہی کھڑی ہوتی ہیں صبا غلط نہیں ہے۔ پوری عمر ایک دوسرے کے ساتھ گزارنے کے لیے کم از کم ذہن ملنا تو ضروری ہے اور مجھے لگتا ہے کہ اگر ہم زبردستی کر بھی دیں تو وہ دونوں خوش نہیں رہ پائیں گے۔" اس نے بے ساختہ اپنا ہاتھ ہینڈل سے کھینچا' دو قدم پیچھے سرکا اور پھر لمبے لمبے ڈگ بھرتا اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا ساری بات اس کی سمجھ میں آچکی تھی اور اس وقت تنہائی کی اسے اشد ضرورت محسوس ہو رہی تھی جبکہ چھوٹے پاپا مزید کہہ رہے تھے کہ "مجھے لگتا ہے کہ شاذر بھی تمہاری محبت میں ہی خاموش رہا ہو گا ورنہ اگر صبا کو اعتراض ہے تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ شاذر کو نہ ہو۔"

وہ کتنی دیر خالی نظروں سے ان کی طرف دیکھتی رہیں شاید وہ ٹھیک ہی کہہ رہے تھے ورنہ اپنی زبان سے تو شاذر نے کبھی کچھ نہ کہا تھا جس سے اس کی پسند

اور ناپسند کا پتا چلتا۔

✡ ✡ ✡

وہ اپنے مما پاپا کو دکھ نہیں پہنچانا چاہتی تھی مگر شاذر جیسی ننگی تلوار کو بھی وہ ساری عمر کے لیے سر پر نہیں لٹکانا چاہتی تھی اسی لیے زندگی میں پہلی بار وہ اپنے والدین کی تکلیف کا باعث بنی 'اور نا چاہنے کے باوجود بھی ان کی نافرمانی جیسا غلط فعل اس سے سرزد ہوا۔ یہ سب کچھ صرف اور صرف شاذر کی وجہ سے ہوا تھا۔

"میں تمہیں کبھی معاف نہیں کروں گی شاذر، تم میری زندگی کا سب سے برا وقت ہو۔" وہ دور خلاؤں میں گھورتے بڑبڑائی۔ اسے نجانے کتنی دیر ہو گئی تھی لان میں تنہا بیٹھے لامتناہی سوچوں میں الجھتے شام کی تیرگی چار سو اپنے پر پھیلانے لگی۔ ابھی وہ اٹھنے کا سوچ ہی رہی تھی جب شاذر کو اپنی طرف آتے دیکھ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ وہ اس کا سامنا کسی صورت نہیں کرنا چاہتی تھی اس سے پہلے کہ اندر کی طرف بڑھتی شاذر کی پکار نے اسے رکنے پر مجبور کر دیا۔

"بیٹھو صبا مجھے تم سے بات کرنی ہے۔"

"مجھے بیٹھنا نہیں ہے آپ کو جو کہنا ہے ایسے ہی کہہ دیں۔" اس کی بات کو نظر انداز کرتے وہ سنجیدہ سی بولی۔

"میں نے کہا نا کہ تھوڑی دیر بیٹھو' پلیز بیٹھ جاؤ یوں ضد نہیں کرتے۔"

اس نے بری طرح چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ ایک تو بالکل مختلف لب و لہجہ' دوسرا اس پر ضد کرنے کا الزام۔ کیا وہ واقعی ضد کرنے لگی ہے۔ مما نے بھی تو اسے ایسے ہی کہا تھا نا۔ اسے کسی سوچ میں کھویا کر شاذر نے آہستہ سے اس کی کلائی تھامی اور اسے کرسی پر بٹھا دیا۔ وہ بغیر کسی حیل و حجت کے کسی اسٹیچو کی طرح بیٹھ گئی اور پھر اپنے گود میں پڑے ہاتھوں کو گھورنے لگی۔ دل جیسے پسلیاں توڑ کر باہر آنے کو مچل رہا تھا۔ اندر عجیب طرح کا خوف و ہراس کنڈلی مارے بیٹھا اسے مسلسل ڈرائے جا رہا تھا۔ شاذر کی طویل خاموشی اسے اک وحشت میں مبتلا کر رہی تھی۔ یقیناً" آج بھی وہ اندر ہی اندر سے اس سے بے پناہ خائف تھی۔

"تم نے شادی سے انکار کیوں کیا صبا" بے حد سنجیدہ آواز جیسے ہی اس کی سماعتوں سے ٹکرائی اس نے بے اختیار گردن اٹھا کر اس کی طرف دیکھا۔ نظروں کے تصادم پر وہ ٹھٹکی کچھ تھا۔ کچھ ایسا جو پہلے سے مختلف تھا۔ کچھ الگ' کچھ انوکھا۔۔۔ مگر کیا بس یہیں آکر وہ الجھ گئی تھی۔ شاید وہ آنکھیں بولنے لگی تھیں مگر پرابلم یہ تھی کہ آنکھوں کی زبان سے وہ ناواقف تھی۔ تو کیا اس کے انکار سے شاذر بھائی کو بھی فرق پڑا ہے مگر کیوں۔۔۔ وہ فقط سوچ کر رہ گئی۔ پوچھنے کی ہمت تو وہ ان جنموں میں بھی نہیں کر سکتی تھی۔

"صبا میں نے تم سے کچھ پوچھا ہے۔" اس نے پھر پوچھا۔ وہ خاموش نظروں سے اس کی طرف دیکھتی رہی۔ لہجہ کچھ نیا تھا جس سے اس کی سماعتیں مانوس نہ تھیں۔ اسے سب خواب سا لگا۔ اسے لگا کہ ابھی وہ اس پر چیخنے چلانے لگے گا اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس کی گردن ہی دبا دے آخر اس نے زندگی میں پہلی بار اس کی حکم عدولی کی تھی مگر ایسا کچھ نہ ہوا۔ وہ بلاوجہ انگلیاں مروڑتی رہی اور وہ اپنا صبر آزماتا رہا۔ خاموشی جب طویل ہوئی تو گھبرا کر وہ خود ہی بول پڑی۔۔۔

"میں۔۔۔" بہت وقت پیش آ رہی تھی اسے کچھ کہنے میں جبکہ شاذر کی گہری پرسوچ سنجیدہ نظریں اس کے حواس مختل کرنے کے لیے کافی تھیں۔ مما پاپا سے جتنی آسانی سے اس نے کہہ دیا تھا اسے لگا وہ اتنی بہادری کا یہاں ثبوت نہ دے پائے گی۔ وہ متذبذب سی آہستہ سے سر جھکا گئی۔ آنکھوں کے گوشے بھیگنے لگے۔ زبان جیسے تالو سے جا لگی۔ وہ سنجیدہ سا اس کے کشمکش میں مبتلا چہرے کی طرف دیکھتا رہا۔ اور وہ متوحش سی پلکیں جھپک جھپک کر آنسو پینے کی کوشش کرنے لگی۔

"میں۔۔۔ میں آپ سے شادی نہیں کرنا چاہتی۔" بہت دیر بعد اس نے خود کو کہتے پایا۔ شاذر نے طویل سانس اندر کھینچا یقیناً" اس طرح کر کے اس نے اپنے

غصے پر قابو پانے کی سعی کی تھی ورنہ دل تو چاہ رہا تھا کہ اس کا گلا ہی دبا دے۔ جس نے خود سمیت پورے گھر کو اک ٹینشن میں مبتلا کر رکھا تھا۔

"یہ ہی تو میں جاننا چاہتا ہوں کہ کیوں۔۔۔" اور اسے اصل وجہ بتانے کے لیے وہ خود میں ہمت کہاں سے لاتی۔ شاذر کی نظریں اس کے چہرے پر جم سی گئیں۔

"کیا میرے سابقہ رویوں کی وجہ سے تم نے یہ فیصلہ کیا ہے۔" وہ تو جیسے اس کے اندر تک جھانک رہا تھا۔ وہ چونکی اور پھر کافی حیرت سے اس کی طرف دیکھا جو اسی کی طرف متوجہ تھا اس کے دیکھنے پر مزید بولا۔

"یہ ہی وجہ ہے نا۔" اس کے اتنے پریقین لب و لہجے پر وہ دنگ رہ گئی وہ اپنی اندرونی کیفیت چھپانے کے لیے بلاوجہ ہونٹ چبانے لگی۔ اور وہ کہہ رہا تھا۔

"میں اپنے سابقہ کسی بھی رویے کی وضاحت نہیں کروں گا کیونکہ مجھے لگتا ہے کہ شاید تم کبھی بھی مجھے سمجھ نہ سکو یا پھر ضروری نہیں جو میں سوچتا ہوں تم بھی سوچو۔ مگر میں تمہیں یہ ضرور بتانا چاہوں گا کہ تمہارے انکار کی وجہ سے ہم سب کو بہت تکلیف پہنچی ہے۔" اس کے جھکے سر پر اک سنجیدہ نظر ڈال کر وہ اٹھ کھڑا ہوا اور اس سے پہلے کہ وہ نظر اٹھا کر دیکھتی وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا وہاں سے چلا گیا۔

☆ ☆ ☆
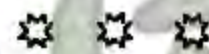
اور پھر واقعی اس سے اس ٹاپک کے حوالے سے کسی نے کوئی بات نہ کی۔ جہاں پاپا کی یقین دہانی کہ اس کی مرضی کے بغیر کچھ نہیں ہوگا وہیں مما کی خاموشی اسے ٹھیک طرح سے خوش بھی نہ ہونے دیتی۔ گھر کا ماحول یکسر بدل کر رہ گیا۔ خاموشی چار سو رقص کرنے لگی۔ آج بہت دنوں کے بعد اس نے ٹی وی پر اپنا من پسند پروگرام لگایا تھا ابھی اسے بیٹھے چند منٹ ہی ہوئے تھے جب اس نے تھکے تھکے شاذر کو لاؤنج میں داخل ہوتے دیکھا۔

"السلام علیکم شاذر بھائی۔"

"چھوٹی امی کہاں ہیں؟" سر کی جنبش سے سلام کا جواب دینے کے بعد اس نے پوچھا اس سے پہلے کہ وہ کچھ بتاتی اسی وقت مما اپنے کمرے سے نکلیں۔

"ارے شاذر بیٹا آج اتنی جلدی آگئے ہو خیر تو ہے نا۔" وہ متفکر سی اس کی طرف بڑھیں۔

"جی۔ وہ طبیعت کچھ ٹھیک نہیں تھی آپ پلیز ایک کپ چائے بنا دیں۔"

"میں بنا دیتی ہوں۔" ٹی وی بند کرتے وہ اٹھ کھڑی ہوئی جانتی تھی کہ وہ نوکروں کے ہاتھ کی چائے نہیں پیے گا اور اس کی موجودگی میں مما چائے بنائیں اسے یہ اچھا نہیں لگ رہا تھا۔

"نہیں صبا رہنے دو تم چھوٹی امی بنا دیں گی تم ٹی وی دیکھو۔" نارمل سے لہجے میں کہتا وہ اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا جبکہ وہ بلاوجہ ہی۔۔۔ شرمندگی محسوس کرنے لگی۔ وہ شاذر کے بیشتر کام اپنے ہاتھوں سے کرنے کی عادی تھی اور وہ بھی تو اپنے ہر کام کے لیے اسے ہی آواز دیتا تھا مگر اب کچھ عرصے سے اس نے اپنے کاموں کے لیے اسے پکارنا چھوڑ دیا تھا۔

"کیوں"۔۔۔ وہ شاید جانتے بوجھتے بھی انجان بن رہی تھی۔

"شاذر بیٹا کیا ہوا ہے تمہاری طبیعت کو؟" اس کے قریب بیٹھتے انہوں نے پریشانی سے پوچھا۔ وہ اٹھ بیٹھا۔

"کچھ نہیں چھوٹی امی بس سر میں درد ہو رہا تھا۔" ٹرے سے مگ اٹھاتے اس نے آہستہ سے بتایا۔ انہوں نے بے اختیار گہری نظروں سے اس کے تھکے تھکے وجود کو دیکھا۔ وہ انہیں پہلے سے کچھ کمزور سا لگا۔

"کیوں اتنا سوچتے رہتے ہو جب دماغ کو اتنا تھکاؤ گے تو سر میں تو درد ہوگا ہی۔" اور اس سے جیسے چائے کا گھونٹ بھرنا مشکل ہو گیا۔

"ونہیں ایسی تو کوئی بات نہیں ہے۔" نظریں چراتے اس نے ایک بڑا اور تلخ گھونٹ اپنے حلق میں اتارا تھا۔

"جانتے ہو انسان نظریں کب چراتا ہے۔" وہ تو

جیسے اس کے اندر تک اترتا جانتی تھیں۔ وہ بغیر کوئی جواب دیئے خاموشی سے چائے پیتا رہا اور پھر آخری سپ لیتے ان کی گود میں سر رکھ کر لیٹ گیا۔

"بہت دنوں سے سکون سے سو نہیں پایا چھوٹی امی پلیز مجھے سلادیں۔" انہوں نے اک اذیت بھری نظر اس کی بند پلکوں پر ڈالی تھی۔ جن کے گرد پڑے حلقے اپنے رتجگوں کی کہانی صاف سنا رہے تھے۔ بے اختیار ان کی آنکھیں بھیگنے لگیں۔ وہ آہستہ آہستہ اس کے بالوں میں ہاتھ پھیرنے لگیں۔ وہ اچھی طرح محسوس کررہی تھیں جتنی تکلیف میں وہ اس وقت تھا۔ وہ منہ سے کچھ نہیں کہتا تھا مگر اس کے باوجود وہ اس کے درد کو بخوبی محسوس کررہی تھیں۔ آخر ماں تھیں۔ مگر مجبور تھیں اپنے بیٹے کی خوشی کے لیے وہ چاہتے ہوئے بھی کچھ نہیں کرپارہی تھیں۔ وہ میٹرک کا اسٹوڈنٹ تھا جب انہوں نے اس کے ذہن میں بٹھانا شروع کردیا کہ وہ اس کی شادی صبا سے کرنا چاہتی ہیں۔ وہ ان کی اکثر باتوں پر خاموش رہتا تھا' اور یہ ہی وجہ تھی کہ وہ فیصلہ نہ کرپائیں کہ وہ صبا کے حوالے سے کیا سوچتا ہے۔ مگر اب اس کا یہ بکھرا بکھرا حلیہ ان پر بہت کچھ منکشف کرگیا۔ وہ اس کی حالت کا خود کو ذمہ دار ٹھہرانے لگیں۔ کاش وہ ایسا نہ کرتیں تو وہ بھی آج اس حالت میں نہ ہوتا۔ مجھے معاف کردو میرے بچے' ان کی آنکھوں سے آنسو چھلکتے ان کے گال بھگونے لگے۔ یکلخت انہیں صبا پر بے انتہا غصہ آیا۔ جس کی وجہ سے یہ سب ہو رہا تھا۔ وہ اس کے ساتھ زبردستی کرنے سے بھی گریز نہ کرتیں مگر فہد کے سامنے مجبور تھیں۔ جانتی تھیں کہ وہ زبردستی کے کسی صورت قائل نہ تھے۔ وہ جھکیں اور پھر اپنے بھیگے ہونٹ اس کی کشادہ پیشانی پر رکھ دیے۔ وہ غنودگی میں جارہا تھا اس لیے ہلکا سا کسمسایا۔ انہوں نے اس کا سر تکیے پر ڈال کر آہستہ سے اس کے اوپر کمبل برابر کیا اور پژمردہ قدموں سے باہر آگئیں۔

خالی کپ کچن میں رکھ کر جیسے ہی پلٹیں صبا کو فریج میں منہ گھسیڑے پایا۔

"مما آج کیا پکانا ہے؟" ان کی موجودگی محسوس کرتے اس نے پوچھا۔

"جو تمہاری مرضی بنالو۔" سنجیدگی سے کہتے وہ جیسے ہی کچن سے نکلنے لگیں تو وہ ان کے روبرو آکھڑی ہوئی۔

"آپ میرے ساتھ ایسا کیوں کررہی ہیں مما۔"

"کیسا۔۔۔؟"

"آپ طرح جانتی ہیں۔" ان کی بے رخی پر اس کی آواز بھرا سی گئی۔

"تو تم کیا سمجھتی ہو کہ تمہارے گلے میں پھولوں کے ہار پہناؤں۔ آج تمہاری وجہ سے میرا بیٹا اتنی تکلیف میں ہے۔ اور میں تم سے پیار بھرے چونچلے کرتی پھروں۔" وہ تو جیسے پھٹ پڑیں۔

"مم۔۔۔ مما!" وہ ہکا بکا ان کا یہ روپ دیکھ کر رہ گئی۔ آج پھر وہ اس پر شاذر کو فوقیت دے چکی تھیں۔

"میں بھی تو آپ کی بیٹی ہوں۔" اس کے ہونٹوں سے بمشکل نکلا۔

"ہاں ہو تم میری بیٹی۔۔۔ مگر کاش نہ ہوتی۔" وہ اس پر ایک تیکھی نظر ڈال کر کچن سے نکل گئیں اور وہ بھربھری ریت کی طرح وہیں زمین پر بیٹھ کر پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

✲ ✲ ✲

فجر کی نماز ادا کرنے کے بعد وہ لان میں کھلنے والی کھڑکی میں آکھڑی ہوئی۔ اور پھر لمبے لمبے سانس لیتے اپنے اندر کی افسردگی کو زائل کرنے کی کوشش کرنے لگی۔ جب اچانک اس کی نظر شاذر پر پڑی وہ اس وقت بلیک ٹراؤزر پر اسکن کلر کی ٹی شرٹ پہنے خود سے یکسر لاپرواہ لان میں دوڑ رہا تھا۔ اس کا پورا وجود پسینہ پسینہ ہوچکا تھا مگر اسے جیسے پرواہ ہی نہ تھی یقیناً "وہ آج بھی جاگنگ پر نہیں گیا تھا۔ اور کئی روز سے تو اس نے اسے جم جاتے بھی نہیں دیکھا تھا۔ اور کتنا بدل گیا تھا وہ قدموں کی دھمک' آواز کا جاندار رعب نظروں کی حاکمیت جیسے کہیں کھو سے گئے تھے۔ وہ کتنی دیر بے اختیار ہی اس کی طرف دیکھتی رہی۔ پھر وہ چیئر پر بیٹھ کر

اپنے چہرے اور گردن سے پسینہ پونچھنے لگا۔ وہ آہستہ سے پردہ برابر کرتی کھڑکی سے ہٹ گئی۔

پھر اس نے اسے ٹک سک سے تیار آفس کے لیے نکلتے دیکھا۔ ہاتھ میں گھڑی باندھتے وہ عجلت بھرے انداز میں۔ لاؤنج سے گزرا تھا۔

"شاذر ناشتا تو کرتے جاؤ بیٹا۔"

"مجھے بھوک نہیں ہے چھوٹی امی آفس سے کچھ لے لوں گا۔" مما کی بے تاب پکار پر اسی محبت بھرے انداز میں کہتا وہ بغیر رکے پورچ کی طرف بڑھ گیا اور مما حسب معمول اس کے پسندیدہ ناشتے کو فقط گھور کر رہ گئیں اور وہ جیسے خود میں چور سی بن گئی۔

✿ ✿ ✿

"اٹ از ناٹ فیئر یار۔" وہ فائلوں میں سر گھسیڑے بری طرح محو تھا جب اس کا جگری دوست یاسر اندر داخل ہوا۔ "واٹ آپلیزینٹ سرپرائز!" اسے دیکھتے وہ فائل ایک طرف کرتے پرتپاک انداز میں اس کی طرف بڑھا۔

"بس بس رہنے دے پتا ہے مجھے جتنی محبت تمہیں مجھ سے ہے۔" وہ ہاتھ اٹھا کر خفا خفا سا بولا جبکہ وہ کھل کر مسکرا دیا۔

"تم سے کتنی محبت ہے اس کا اندازہ تو میں خود بھی نہیں لگا سکتا مگر تمہیں کیسے پتا چل گیا۔" وہ پر جوش انداز میں اسے بھینچتے بولا تو ساری خفگی بھلا کر وہ بھی مسکرا دیا۔

"میں اتنے عرصے بعد پاکستان آیا ہوں اور تم سے اتنا نہ ہوا کہ آکر مل جاتے۔" نہ نہ کرتے بھی شکوہ اس کی زبان سے پھسل ہی گیا۔

"سوری یار۔ مگر یقین کرو آج آفس سے سیدھا میں نے تمہاری طرف ہی آنا تھا۔"

"ہاں خوب سمجھتا ہوں تمہارے ان چکروں کو۔"

"یوں ہی جلی کٹی سناتے جاؤ گے یا بیٹھو گے بھی۔" وہ مسکراتے ہوئے بولا۔

"نہ نہ میں یہاں بیٹھنے کے لیے نہیں آیا بلکہ تمہیں لینے آیا ہوں۔"

"کہاں۔" وہ حیران ہوا۔

"چلو تو۔" اس نے اس کا ہاتھ کھینچا تو مجبوراً اسے اس کے ساتھ جانا پڑا۔

"ہاں اب بتاؤ کیسی گزر رہی ہے پھر۔" ریسٹورنٹ کے پرسکون ماحول میں اس نے پوچھا تو وہ دھیرے سے مسکرا دیا۔

"میری چھوڑو تو اپنی سنا شادی کی یا ابھی تک کنوارے ہی پھر رہے ہو۔"

"میری شادی ہو چکی ہے اور دو بچے بھی ہیں۔"

"واٹ۔!!" اسے خوشگوار حیرت ہوئی۔

"ہاں۔ اور تم اپنی بتاؤ شادی کر چکے ہو یا کر رہے ہو۔"

"نہیں ابھی تو ایسے کوئی چانسز نہیں ہیں۔"

"کیوں بھئی۔" وہ حیران ہوا۔

"منگنی تو تمہاری بچپن میں ہی ہو گئی تھی پھر شادی میں اتنی تاخیر کیوں۔" اور شاذر کی دکھتی رگ پر جیسے نادانستگی میں ہی اس کا ہاتھ جا پڑا تھا۔ یہی تو اس کا دوست تھا جس سے اس نے صبا کے حوالے سے اپنے محسوسات شیئر کیے تھے اور وہ بھی اس کی مجبوری تھی کہ یاسر اسے اپنی بہن کے لیے پسند کرنے لگا تھا ورنہ وہ تو خود کو سات پردوں میں چھپانے والا انسان تھا۔

"ہو جائے گی میری بھی شادی، تم بتاؤ کھانے کو کیا منگواؤں۔" اس کے بات بدلنے پر یاسر نے اسے گہری نظروں سے دیکھا۔ "یقیناً" وہ اک بدلے ہوئے روپ میں اس کے سامنے تھا۔

"کیا بات ہے جگر، کیا اب تم مجھ سے بھی چھپاؤ گے۔" اور اس کے سنجیدہ چہرے پر وہ اک نظر ڈال کر رہ گیا۔

"ہوں۔ تو اب تم نے کیا سوچا ہے۔ کیا چھوڑ دو گے اسے۔" اس کی ساری بات سننے کے بعد وہ پرسوچ سے انداز میں بولا۔

"نہیں ہرگز نہیں۔" اس کا انداز تیز اور قطعی تھا۔

"تو۔۔۔!!"

"تو ابھی میں اسے اس رشتے کو قبول کرنے کے لیے ٹائم دے رہا ہوں تاکہ وہ اپنے ذہن کو تیار کرے۔"

"اور اگر پھر بھی اس کا فیصلہ نہ بدلا تو۔۔۔"

"تو تب کی تب دیکھی جائے گی' مگر اسے خود سے الگ کرنے کا میرا کوئی ارادہ نہیں ہے۔ بہت کم عمری میں' میں اسے اپنے ساتھ سوچتا آیا ہوں۔ اسے کھونے کا تو میرے پاس تصور بھی نہیں ہے۔"

"تم نے اسے اپنے دل کی بات بتائی کہ کیا محسوس کرتے ہو اس کے لیے۔"

"نہیں۔۔۔۔" اس نے پہلے حیرانی سے اس کی طرف دیکھا اور پھر آہستہ سے نفی میں گردن ہلادی۔

"تو یہ غلط ہے نا یار۔۔۔ یہ اس کا حق تھا' تمہیں اسے ضرور بتانا چاہیے کہ تم اس کے لیے کتنی خوبصورت اور خاص فیلنگز رکھتے ہو۔ لڑکیاں ایسے معاملات میں بہت حساس ہوتی ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ جب تم اسے بتاؤ گے کہ تم اسے کتنا چاہتے ہو اور وہ بھی اب سے نہیں بلکہ بہت پہلے سے تو وہ اپنا فیصلہ بدلنے کے بارے میں ضرور سوچے گی۔ محبت بذات خود ایک بہت بڑی طاقت ہے۔ عورت ہو یا مرد یہ زیر کرنا بخوبی جانتی ہے۔"

"ہاں شاید تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔" وہ پرسوچ سے انداز میں بولا۔

"نابدولت ہمیشہ ہی ٹھیک کہتے ہیں۔" اس نے فرضی کالر جھاڑے تو وہ مسکرادیا۔

"ویسے داد دینی پڑے گی صبا جی کو جن کی وجہ سے میرے دوست کی جلالی طبیعت میں ٹھہراؤ آگیا ہے۔" اس کے گھورنے پر وہ دونوں ہاتھ اٹھاتے جیسے ڈرنے کی ایکٹنگ کرنے لگا اور اپنے انداز پر جہاں وہ خود ہنسا وہیں شاذر کا قہقہہ بھی نکل گیا۔

***

"مما مجھے بازار سے کچھ چیزیں منگوانی ہیں۔" اس کی بات پر ان کے سبزی کاٹتے ہاتھ چند پل کے لیے رکے اور پھر اپنے کام میں مصروف ہوگئے۔

"ڈرائیور کے ساتھ چلی جاؤ اور جو چاہیے لے آؤ۔"

"کیا۔۔۔!!" اسے جیسے حیرت کا شدید جھٹکا لگا۔ سماعت پر شبہ سا گزرا۔ کچھ دور بیٹھے شاذر پر نظر خود بخود ٹک گئی۔ جو بظاہر تو اپنے کام میں محو تھا پر اس کی ساری توجہ اس کے متحیر انداز کی طرف تھی۔

"میں واقعی چلی جاؤں۔" بے یقینی سی وہ پوچھ تو مما سے رہی تھی مگر کن انکھیوں سے شاذر کو دیکھ رہی تھی۔ مگر وہ خاموشی سے اٹھا اور اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔ حیرت سے اس کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا۔

اور مما کہہ رہی تھیں کہ جب سامان تمہارا ہے کہ تو ظاہر ہے تمہیں ہی جاکر لانا پڑے گا۔ اس کے متعجب چہرے پر اک سرسری سی نظر ڈال کر وہ ٹوکری اٹھا کر کچن کی طرف بڑھ گئیں اس نے اپنا سر دونوں ہاتھوں میں تھام لیا۔ یکلخت اس کا دل ہر چیز سے اچاٹ ہوگیا وہ جھٹکے سے اٹھی اور دوڑتی ہوئی اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

***

وہ کب سے کھڑکی میں کھڑا دور خلاؤں میں گھور رہا تھا۔ اس کے اندر باہر اک گہرا سکوت طاری تھا۔ ایسا سکوت جو ہر دیکھنے والے کو خوف میں مبتلا کردے۔

یہ سچ تھا کہ اس نے صبا کو چاہا تھا اور اتنا چاہا تھا کہ جتنا پہلے کبھی کسی نے کسی کو نہ چاہا ہو۔ وہ جانتا تھا کہ صبا اس کی ہے۔ اس لیے اس پر ہر طرح کا رعب جمانے پر خود کو حق پر سمجھتا۔ یہ اس کی محبت کی شدت ہی تھی کہ وہ اسے سر سے پیر تک اپنی پسند کے سانچے میں ڈھلا ہوا دیکھنا چاہتا تھا۔

وہ جانتا تھا کہ اس کی طبیعت میں غصے کا عنصر زیادہ ہے۔ اس کا مزاج بھی گرم ہے اور عورت کے معاملے میں تو اس کی سوچ بالکل مختلف تھی۔ اسے با پردہ اپنی نسوانیت کی حفاظت کرنے والی عورت بہت پاکیزہ لگتی۔ اس کا دل خود بخود اس کا احترام کرنے کو مچلنے

لگتا۔ یہ ہی وجہ تھی کہ اس نے صبا کو نقاب کے لیے کہہ دیا۔ وہ بہت معصوم تھی بس اسی لیے اس نے اس کا یونیورسٹی جانا روک دیا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ اس کے دل کے کورے کاغذ پر اس کے علاوہ کسی مرد کا نقش ابھرے۔ اس نے جہاں خود پر پابندیاں لگائیں اسے بھی محدود کر تا گیا۔

مگر شاید وہ یہ بھول گیا کہ کسی پر ضرورت سے زیادہ بوجھ ڈالنا اس کی سانسوں کو تنگ کر دیتا ہے اور وہ انسان کبھی بھی بوجھ ڈالنے والے کو اچھی نظر سے نہیں دیکھتا۔ وہ کب اس سے بدگمان ہوتی گئی اسے پتا ہی نہ چلا۔ اور اب جب وہ اس کی محبت میں پور پور ڈوب چکا تھا تو اس نے کتنی آسانی سے شادی سے انکار کر دیا اور چھوٹے پاپا نے بھی کتنی آسانی سے کہہ دیا کہ وہ صبا کے ساتھ زبردستی نہیں کریں گے اور چھوٹی امی بھی تو اس کے لیے کچھ نہ کر پا رہی تھیں۔

اسے چھوٹے پاپا سے کوئی گلہ نہ تھا شاید وہ اپنی جگہ پر ٹھیک تھے۔ اسے صبا سے بھی شکایت نہ تھی۔ اسے تو اپنے اصولوں سے شکوہ تھا۔ اس کی محبت اس سے بچھڑنے کے بعد کتنی خوش تھی اور یہ خوشی ہی اسے یقین دلا رہی تھی کہ اس کے اصول کتنے غلط تھے۔ اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آرہا تھا کہ آخر وہ کرے تو کرے کیا کیونکہ یہ تو طے تھا کہ وہ کسی صورت بھی صبا کو کھو نہیں سکتا تھا کسی صورت بھی نہیں۔ چاہے اس کے لیے اسے کچھ بھی کیوں نہ کرنا پڑتا اپنے اصولوں کو ہی کیوں نہ توڑنا پڑتا۔ کیونکہ زندگی ہے تو اصول ہیں اور اس سے تو اس کی زندگی ہی بچھڑ رہی تھی۔ پھر وہ کیوں نہ تڑپتا کیوں نہ بلبلاتا۔

☆ ☆ ☆

وہ آئینے کے سامنے کھڑی بڑی تیزی کے ساتھ بالوں میں برش کر رہی تھی۔ درمیان سے مانگ نکال کر اس نے بالوں کو کیچر میں جکڑ لیا اور پھر ہونٹوں پر لائٹ کلر کی لپ اسٹک لگانے لگی۔ اس وقت وہ پنک کلر کے دیدہ زیب سوٹ میں نظر لگ جانے کی حد تک پیاری لگ رہی تھی۔ وہ ہر ہر زاویے سے خود کو بغور دیکھ رہی تھی۔ کالی سیاہ بڑی بڑی چمکدار آنکھوں میں کاجل لگانے کے بعد اس نے انہیں اور قاتل کر لیا تھا۔

اسے یاد نہیں کہ اس نے پہلے کبھی اتنی فرصت سے آئینہ دیکھا ہو مگر اس وقت اس کے دل میں اک ڈر بیٹھا تھا کہ کہیں عمیر رضا کی فیملی اسے ناپسند نہ کردے جو اسے کسی صورت منظور نہیں تھا۔ اپنا بھرپور نظروں سے جائزہ لینے کے بعد بھی جب وہ مطمئن نہ ہوئی تو آگے سے دائیں بائیں دو لٹیں نکال کر انگلی کے بل دیتے چہرے پر بھٹکنے کے لیے چھوڑ دیں۔ اس کے ہونٹ بے اختیار مسکرا دیے۔ چہرے کے اطراف میں بھٹکتی لٹیں اس کے حسن کو مزید پرکشش بنا رہی تھیں۔

میرا خیال ہے کہ وہ لوگ آگئے ہوں گے وال کلاک پر نظر ڈالتے وہ بڑبڑائی اور پھر خوبصورت نازک سینڈل پاؤں میں اڑستی باہر کی طرف دوڑی۔ آج عمیر رضا اسے اپنی فیملی کے ساتھ دیکھنے آرہا تھا اور وہ کافی کانشس ہو رہی تھی۔ عمیر رضا کی اس نے تصویر دیکھی تھی۔ اچھا خاصا ہینڈسم نوجوان تھا۔ وہ مطمئن ہو گئی۔ واقعی پاپا کی پسند لاجواب تھی۔

"صبا آجاؤ۔" وہ ابھی کمرے سے نکلی ہی تھی جب مما اس کی طرف بڑھیں۔

"وہ لوگ آگئے کیا۔۔۔" اپنے دھڑ دھڑاتے دل کی دھڑکن کو سنبھالتے اس نے پوچھا تو وہ سر اثبات میں ہلاتی بولیں۔

"تم ڈرائنگ روم میں جاؤ میں کچن کا انتظام دیکھ لوں۔"

"جی اچھا۔۔۔"

"اور سنو۔۔۔" وہ جاتے جاتے پلٹیں۔۔۔

"گھبرانا نہیں۔" اس نے مسکراتے ہوئے سر اثبات میں ہلا دیا۔ بظاہر مما اس سے ناراض لگتی تھیں مگر اس کے باوجود بھی انہیں اس کی فکر تھی۔ اس کی مسکراہٹ گہری ہو گئی۔

لاؤنج سے ہوتے ہوئے اسے ڈرائنگ روم میں جانا تھا مگر یہ کیا لاؤنج میں داخل ہوتے ہی اسے ٹھٹک کر رکنا پڑا۔ تو کیا آج یہ آفس نہیں گئے۔ سامنے کھڑے شاذر کو دیکھ کر وہ اچھی خاصی کنفیوژ ہو گئی۔

وہ آگے بڑھ جانا چاہتی تھی مگر جیسے کسی ان دیکھی طاقت نے اس کے قدموں کو جکڑ لیا۔ وہ مزید ایک قدم تک نہ اٹھا سکی۔ وہ چلتا ہوا اس کے روبرو آکھڑا ہوا۔ اس کے دل کی دھڑکن سرپٹ دوڑنے لگی۔ نجانے کیا کہہ دے۔ جھکی نظروں کے ساتھ وہ سر بھی جھکا گئی مگر اس کے باوجود بھی وہ اچھی طرح محسوس کر رہی تھی۔ جانتی تھی کہ وہ اسے اور صرف اسے دیکھ رہا ہے۔ کتنے لمحے بیت گئے ہتھیلیاں پسینہ پسینہ ہونے لگیں۔ دل علیحدہ ہراس کی لپیٹ میں آنے لگا۔

آخر یہ جاتا کیوں نہیں۔ وہ جھنجلانے لگی۔ اس جھنجلاہٹ میں ہی اس نے نظریں اٹھائیں ــــ اور پھر اس کی نظریں ان افسردہ آنکھوں پر جم کر رہ گئیں۔

وہ اس کے سجے سنورے روپ کو بغور دیکھ رہا تھا۔ یعنی وہ خوش تھی بلکہ بہت خوش اسی لیے اپنے پور پور کو اس اجنبی کے لیے سجایا گیا تھا۔ اسے اس کی اندرونی اذیت و تکلیف کی ذرا برابر پروانہ تھی۔ اس نے اپنے لب بھینچ لیے اور بمشکل اس کے معصوم و دلکش چہرے سے نظریں چراتا اپنے پاؤں دیکھنے لگا۔ بے سکونی ــــــ ایسی تھی کہ سب کچھ تہس نہس کر دینے کو دل چاہنے لگا۔ اسے لگا اگر وہ کچھ دیر اور اسی طرح کھڑا اسے دیکھتا رہا تو اس کے دماغ کی نس ضرور پھٹ جائے گی۔ بہت آہستہ سے اس نے اس کی کلائی تھامی اور پھر اسے اپنے کمرے میں لے آیا اور وہ تو خود نہیں سمجھ پا رہی تھی کہ وہ بغیر کسی مزاحمت کے خاموشی سے اس کے ساتھ کیوں کھنچی چلی آئی۔

"بتاؤ کیا چاہتی ہو تم......" اپنے کمرے کے وسط میں کھڑا کرتے بولا۔ اس کی کلائی ابھی تک اس کے گرم ہاتھ کی گرفت میں تھی۔

"میں تمہیں کسی صورت کھونا نہیں چاہتا بہت کم عمری میں ہی میں نے تمہیں دل میں بسا لیا تھا اور یہ دل

کہہ رہا ہے شاذر سلطان شاہ تم بہت برے ہو۔ تم نے اس دل کے مکیں کو ناراض کردیا ہے صرف اپنے اصولوں کی وجہ سے۔" وہ سنجیدگی اور اداسی کی ملی جلی کیفیت میں بولا۔ اور وہ تو حیران پریشان ہکا بکا آنکھیں پھاڑے اس کی طرف دیکھتی رہی۔ یہ کیا کہہ دیا تھا اس نے کیسا انکشاف تھا کیسی آگہی اس کی بے یقین سن ہوتی سماعتوں کو سونپی گئی تھی۔ شاذر اور اس سے محبت۔۔۔ یہ انہونی کیونکر ہوسکتی ہے۔ اگر یہ سچ بھی تھا تو کتنا ناقابل یقین سچ تھا۔ اس کی کلائی اس کے ہاتھ کی گرفت میں لرز کر رہ گئی۔

"میں مانتا ہوں کہ میں عادتاً" سخت مزاج ہوں' اصولوں کا پکا ہوں' عورت کے معاملے میں میرا نظریہ مختلف ہے اور تمہارے معاملے میں تو بالکل مختلف۔"

تو کیا پھر مجھے محبت کرنے کا کوئی حق نہیں یا میرے اصول اتنے ناقابل قبول ہیں کہ جس لڑکی کو میں چاہوں وہ مجھ سے نفرت کرے مجھ سے بے زار ہو۔" اس نے بری طرح چونک کر شکست خوردہ حالت کو دیکھا۔ آخر یہ کون سا روپ تھا شاذر کا جسے آنکھوں سے دیکھنے کے باوجود بھی وہ یقین کرنے کو تیار نہ تھی۔

"میں مانتا ہوں میں تمہارے معاملے میں سختی کر جاتا تھا کیونکہ میں تمہارے لیے بہت پوزیسو ہوں۔ تم بہت معصوم ہو برے انسانوں اور بری نظروں سے ناواقف تو کیا میرا فرض نہیں بنتا تھا کہ میں تمہیں بری نظروں سے بچاؤں۔ تمہارے یونیورسٹی ایڈمیشن نہ لینے کی بھی ایک یہ ہی وجہ تھی۔ میں نے ہمیشہ تمہیں ایک ہی زاویے سے دیکھا ہے اور تاعمر اسی زاویے سے دیکھنا چاہتا ہوں۔ میرے سینے میں بھی دل ہے صبا اور دل میں ہر روز ابھرنے والی صرف اور صرف تمہاری تصویر ہے۔ اس دل کی ہر دھڑکن میں تم ہو صرف تم۔ تم میرے لیے کیا ہو شاید میں تمہیں بتا نہ سکوں۔" وہ ادھر ادھر دیکھنے لگا اور اس کا تو پورا وجود جیسے چھوٹے چھوٹے جھٹکوں کی زد میں تھا۔ اس کی کلائی ابھی تک اس کے ہاتھ کی گرفت میں تھی پھر کتنی دیر ان کے درمیان معنی خیز افسردہ سی خاموشی چھائی رہی

اور پھر اس خاموشی کو شاذر کی سرسراتی آواز نے ہی توڑا۔

"اگر تم چاہتی ہو کہ میں تم سے اپنے سابقہ رویے کی معافی مانگوں تو مجھے منظور ہے اگر تمہیں یہ لگتا تھا کہ میں غلط تھا اور تم ٹھیک تو میں یہ بھی ماننے کو تیار ہوں۔ اگر تم یہ سوچتی ہو کہ میں برا ہوں اور تم اچھی تو یہ بھی ٹھیک ہے۔ میں سب ماننے کو تیار ہوں مگر ان سب کے عوض تم سے بس اتنی سی ریکویسٹ ہے کہ پلیز اس کھیل کو بند کردو۔۔۔ تم نہیں جانتیں کہ یہ مجھے کتنی تکلیف دے رہا ہے۔ میں ان دنوں کیسی اذیت میں ہوں۔ تم پر اپنا حق سمجھتا تھا اسی لیے روکتا ٹوکتا آیا۔ اگر تمہیں میرا روکنا ٹوکنا پسند نہیں ہے تو میں پوری کوشش کروں گا کہ تم پر زیادہ روک ٹوک نہ کروں۔ مجھے ایک موقع تو دو۔ مگر جو سزا تم دینے کا سوچ رہی ہو وہ بہت زیادہ ہے صبا۔" اس نے اس کی کلائی چھوڑ کر اس کا ہاتھ دونوں ہاتھوں کی گرفت میں لے لیا اس کی ٹوٹی بکھری حالت نجانے کیوں مگر اسے ذرا اچھی نہ لگی۔ اس نے ہمیشہ اسے کسی حاکم کی طرح دیکھا تھا اور اب اس طرح دیکھنا۔۔۔ وہ آہستہ سے گردن جھکا گئی۔

"گردن مت جھکاؤ صبا بلکہ مجھے دیکھو۔۔۔ شاید تمہیں میری تکلیف کا اندازہ ہوجائے۔ دیکھو ان آنکھوں میں صرف تمہارا عکس ہے اور یہ آنکھیں کوئی دوسرا چہرہ دیکھنے سے صاف انکاری ہیں اس دل پر صرف تمہاری حکمرانی ہے۔" اس نے بائیں جانب دل پر ہاتھ رکھا۔ "یہ دل تمہارے سوا کسی کا مطلوب نہیں۔ اس کی ایک اک دھڑکن صرف اور صرف تمہیں پکار رہی ہے۔ میں نے کہا نہ کہ میں کوشش کروں گا خود کو بدلنے کی پھر تمہاری سمجھ میں کیوں نہیں آتا۔ کیوں میری باتوں پر یقین نہیں کرتیں۔" اس نے اس کے دونوں کندھے جھنجوڑے۔

"کیا جان دے دوں پھر یقین کروگی۔"

صبا نے چونکتے ہوئے بھیگی پلکیں اٹھائیں۔ وہ منتشر منتشر سا اسی کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"بولو کیا جان دے دوں۔" منتظر نظروں سے اس کی

طرف دیکھنے لگا۔ وہ خاموشی سے اس کی طرف دیکھتی رہی۔

"یوں کسی اور کے لئے تمہیں سجتے سنورتے دیکھنا میرے لیے کتنی تکلیف کا باعث ہے تمہیں اس کا ذرا انداز نہیں۔ پلیز بند کرو اس کھیل کو تمہیں خدا کا واسطہ ہے۔"

صبا کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگے۔

"اور اگر تم نے اس کھیل کو بند نہ کیا تو یاد میں خود کو شوٹ کرلوں گا یا پھر عمیر رضا کو۔" وہ سرسراتی ہوئی سرد آواز میں بولا صبا نے خوفزدہ انداز میں نظریں اٹھائیں اور وہ اس پر کچھ باور کرواتی مبہم سی نظر ڈالتا اس کے کندھے چھوڑ کر جھٹکے سے مڑا اور پھر کمرے سے نکل گیا۔ جبکہ وہ گم سم سی کتنی دیر وہاں کھڑی رہی۔

☆ ☆ ☆

"تیری وہ لوگ منگنی کے لیے آنا چاہتے ہیں تو پھر کب کی ڈیٹ دوں۔" ناشتے کی ٹیبل پر پاپا نے جیسے ہی پوچھا اس کی نظر بے اختیار شاذر کی طرف اٹھی اسی وقت اس نے بھی اس کی طرف دیکھا تھا۔ کیسی نظریں تھیں وہ اندر تک لرز گئی۔

وہ اسے آج پہلی بار غور سے دیکھ رہی تھی۔ اس نے کچھ دنوں سے شیو نہیں بنائی تھی مگر اس کے باوجود بھی اس کی وجاہت جاذب نظر لگ رہی تھی۔ اپنے دل کی بے ترتیبی پر گھبراتے ہوئے اس نے فوراً" نظروں کا زاویہ بدلا۔

"جس طرح آپ مناسب سمجھیں۔"

"تو پھر ٹھیک ہے اس جمعہ کا وقت دے دیتے ہیں۔"

"آپ کا کیا خیال ہے صبا۔" یکلخت اسے بھی مخاطب کرتے انہوں نے جیسے اس کی بھی رائے لینا چاہی۔ وہ بوکھلا کر رہ گئی اس کے ہاتھ میں چمچ لرز کر رہ گیا۔ اسے امید نہیں تھی کہ پاپا اسے بھی مخاطب کریں گے۔

اس کی نظریں ایک بار پھر سے شاذر کی طرف اٹھیں۔ وہ اسی کی طرف متوجہ تھا۔

اس کی پلکیں بھیگتی چلی گئیں اور فیصلہ خود بخود ہوگیا۔

"مجھے یہ منگنی نہیں کرنی پاپا آپ انہیں منع کردیں۔" بھرائی آواز میں بمشکل کہتی وہ اٹھی اور پھر اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔ جبکہ پاپا نے حیران ہو کر اور شاذر اور مما نے مسکراتے ہوئے ایک دوسرے کی طرف دیکھا تھا۔

تھوڑی دیر کے بعد وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

دروازے پر ہلکی سی ناک کرکے وہ اندر داخل ہوگیا۔

وہ بیڈ پر اوندھے منہ لیٹی رونے کا شغل فرما رہی تھی۔ وہ آہستہ سے قریب ہی بیٹھ گیا۔

"تھینکس صبا۔"

وہ اٹھ بیٹھی شاذر کی موجودگی کو حیرت سے دیکھا آنکھیں رونے کی وجہ سے مزید قاتل ہو چکی تھیں۔ شاذر کی نظریں ٹھہر سی گئیں۔

"کیوں۔۔۔ تھینکس کس لیے کر رہے ہیں۔"

اور اس معصومیت پر کون نہ مر جائے۔ شاذر کے ہونٹ مسکرا دیے۔

"ہنس کیوں رہے ہیں۔" اس کی بے وجہ کی ہنسی اسے بھا گئی۔

"آج میں بہت خوش ہوں صبا اس لیے ہنس رہا ہوں۔ اور خوش کیوں نہ ہوں تم نے میری محبت کو معتبر جو کر دیا ہے۔ اس کا مان جو رکھ لیا ہے۔"

"آپ کو خوش ہونے کی کوئی ضرورت نہیں۔ منگنی سے انکار میں نے آپ کی وجہ سے نہیں کیا بلکہ میں ابھی منگنی کرنا ہی نہیں چاہتی۔"

"ہاں جانتا ہوں۔۔۔ تم منگنی نہیں بلکہ ڈائریکٹ شادی کرنا چاہتی ہو اور وہ بھی مجھ سے۔۔۔ ہے نا یہ ہی بات ہے نا۔" اس کی تو آج چھب ہی نرالی تھی۔

"جی۔۔۔ نہیں اور آپ بھی یہ یاد رکھیے گا میں آپ سے بھی شادی کسی صورت نہیں کروں گی بلکہ کنواری رہنے کو ترجیح دوں گی۔ سمجھے آپ" اپنے دل کی دھڑکن کو سنبھالتے اس نے جیسے اس کی خوش فہمی دور کرنے کی کوشش کی جبکہ وہ مزید کھل کر مسکرا دیا۔

اور اس نے اس کی ہنسی کو بغور دیکھا جو اتنی کشش تو ضرور رکھتی تھی کہ وہ دل میں سراہے بغیر نہ رہ سکی۔

"چلو ٹھیک ہے تم بھی ساری زندگی کنواری رہنا اور میں بھی ساری عمر کنوارا رہوں گا مگر پھر جب بھی کبھی تمہارا شادی کا ارادہ ہو تو سیدھی میری طرف آ جانا کیونکہ اب تمہاری منزل صرف میں ہی ہوں۔" وہ چمکتی آنکھوں سے بولا۔

"منہ دھو رکھیے 'نری خوش فہمی' ہے۔" وہ صاف پہلو بچا گئی۔ مگر یہ بھی حقیقت تھی کہ اس کا یہ روپ اسے بہت اچھا لگ رہا تھا۔

پھر یکلخت وہ سنجیدہ ہوا۔

"صبا تم نہیں جانتیں آج تم نے مجھے بکھرنے سے بچایا ہے پچھلے کچھ دنوں سے میں جتنا پریشان رہا ہوں لگتا تھا دماغ کی نس ہی پھٹ جائے گی۔ اندر ہی اندر ختم ہوتا جا رہا تھا۔ تمہارے سوا کسی دوسری لڑکی کے تصور کو بھی کبھی قریب بھٹکنے نہیں دیا تھا۔ تمہارے انکار سے مجھے بہت تکلیف پہنچی تھی۔ مگر آج میری تمام اذیتوں کا مداوا ہو گیا ہے۔ اس کے عوض تم جان بھی مانگو تو نثار کر دوں گا۔ اب تو موت سے بھی ڈر نہیں لگتا۔"

نجانے کیا ہوا تھا اس کا ہاتھ بے ساختہ ہی اس کے ہونٹوں پر آ ٹھہرا۔ محبت کی ایسی دل ربائی شاذر کو نہال ہی کر گئی۔

"پلیز ایسی بات پھر کبھی منہ سے مت نکالیے گا۔" بے انتہا خوشی کے احساس کے زیر اثر شاذر کی آنکھیں لو دینے لگیں۔

اس کا ہاتھ وہیں پکڑتے اس نے محبت کی پہلی مہر ثبت کر دی۔ اور اس نے سٹپٹاتے بوکھلاتے اپنا ہاتھ واپس کھینچا تھا۔ اس کے تو وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ وہ ایسی کوئی حرکت کر گزرے گا۔

"کیا ہوا۔۔۔" انداز میں کمال کی بے نیازی اور معصومیت تھی وہ فقط گھور کر رہ گئی۔

"آپ بہت برے ہیں۔"

"اچھا۔۔۔" وہ ہنسا۔

"ویسے یار میں اتنا بھی برا نہیں ہوں آزمائش شرط ہے۔" پھر قریب جھکا وہ بدک کر پیچھے ہٹی۔ شاذر کا قہقہہ بے ساختہ تھا۔

سخت خول کے اندر اس کا دل اتنا نرم بھی ہو سکتا ہے اس نے کبھی تصور بھی نہیں کیا تھا۔ اس کے تو گمان میں بھی نہیں تھا کہ وہ اتنا رومینٹک بھی ہو سکتا ہے۔ جہاں اسے اس کا یہ روپ خوشگوار حیرت میں مبتلا کر رہا تھا وہیں وہ اللہ کے حضور سجدہ ریز تھی کہ بدگمانی کی دھند کسی غلط فیصلے سے پہلے ہی صاف ہو گئی۔ اس کی رفاقت میں زندگی کس قدر سہل اور خوشگوار گزرنے والی ہے اس کی گواہی اس کے دل نے ابھی دے دی تھی۔

☆ ☆

پو پھٹنے کے قریب تھی۔ ہلکا ہلکا ملجگا اجالا آنگن میں تیرتا سا محسوس ہوتا تھا' ہلکی اور خوش گوار سی خنکی فضا میں رچی تھی۔ مدھم مدھم مروہ اور چنبیلی کی مہک سارے میں پھیلی تھی۔ لمبے چوڑے صحن میں بائیں دیوار کی کیاری پھول دار پودوں سے لدی تھی۔ کونے پر ایک واحد امرود کا پیڑ ایستادہ تھا۔ بے ثمر اور بے فیض پیڑ۔

صحن کے بیچوں بیچ الگنی پر دو زنانہ جوڑے اور دو مردانہ تہبند' تین سفید ململ کے کرتے اور چند مردانہ رومال دھو کر ڈالے گئے تھے۔ ہر طرف دبیز خاموشی چھائی تھی۔ اسی اثنا میں کسی نے جالی کا دروازہ کھول کر برآمدے میں قدم رکھا تھا۔ یہ ایک درمیانہ قد اور متناسب جسامت والی ضعیف خاتون تھیں۔ عمر لگ بھگ ستر برس کے قریب ہوگی۔ رنگت بے تحاشا گوری۔ جھریوں کے باوجود دمک رہی تھی۔ آنکھوں پر نظر کا چشمہ لگائے' دائیں ہاتھ میں پنج سورہ تھامے اور بائیں میں ایک درمیانے سائز کا فوٹو فریم پکڑے سبج سبج چلتی۔ برآمدے میں لگے واحد انرجی سیور کا بٹن آف کرتی۔ وہیں دھری کین کی کرسی پر آبیٹھیں۔

چند لمبے سانس بحال کیا۔ فوٹو فریم کو اوندھا کر کے چھوٹی سی تپائی پر رکھا اور پنج سورہ کھول کر اپنی روزانہ کی پڑھی جانے والی سورتوں کی تلاوت میں مشغول ہوگئیں۔ ٹپ ٹپ ٹپ۔

دھیرے دھیرے آنسوؤں کی قطار سی بنتی چلی گئی۔ بوڑھی جلتی آنکھوں کے دکھ آنسوؤں میں گھل کر مقدس صفحوں کو نم کرتے امر ہوگئے اور یہ نیر بہانا تو حسب معمول تھا۔ کچھ دیر دل یوں ہی ہلکا کیا۔ آنکھوں کو چادر کے پلو سے پونچھا۔ پنج سورہ کو چومتی کھڑی ہوگئیں۔ اگلا کام کچن میں جاکر ناشتا بنانے کا تھا۔ لیکن کچن کا کام کرنے سے پہلے تپائی پہ اوندھے پڑے فریم کو احتیاط سے سیدھا کر کے رکھنا وہ نہیں بھولی تھیں۔

☼ ☼ ☼

وہ بڑی دیر سے برآمدے میں بچھے تخت پر لیٹی کروٹ پر کروٹ بدلے جاتی تھیں۔ نظریں مسلسل شوہر کا طواف کیے جاتی تھیں۔ جب دیکھ دیکھ کر تھک گئیں تو خود ہی پکار بیٹھیں۔ جانتی تھیں میاں بلا کے موڈی ہیں۔ خود سے کبھی نہ بولیں گے۔ پہل کرنی پڑے گی۔

"اجی صاحب۔ سنتے ہیں۔ آج صبح سے طبیعت بڑی بوجھل سی ہے۔ لگتا ہے بخار ہوا ہے۔ کسی کام میں دل ہی نہیں ٹھہر رہا۔ سستی سی سستی ہے۔ اب یہ ہی دیکھیں۔ رات یہ چند کپڑے دھو کر ڈالے تھے۔ کب کے خشک ہو چکے' مگر آلکسی ہے کہ دن چڑھے بھی اترنے کا نام نہیں لے رہی۔" وہ اٹھ بیٹھیں اور یک دم جھنجلا سی گئیں۔

"ارے سن بھی رہے ہو کہ نہیں۔ کانوں میں تیل ڈالے پڑے ہیں۔ چھوڑ بھی دیں اب غصہ۔ جانے بھی دیں۔ کوئی بچوں کی بات پر یوں بھی خفا ہوتا ہے کیا۔ نہ سلام نہ کلام۔" لیٹنے سے بیٹھ کر ذرا سا آگے کو سرک آئیں۔ لہجہ قدرے ملائم کر لیا تھا۔

"بچے ہیں' بول ہی جاتے ہیں الٹا سیدھا' مگر آپ ہیں کہ ہر دفعہ چپ شاہ بن کر بیٹھے رہتے ہیں۔ یہ بھی نہیں سوچتے کہ میں بڑھیا کس کے آگے منہ کی بھاپ نکالوں۔ بس! ہو جائیں سب ایک دفعہ ناراض مجھ نصیبوں ماری کو بھی اکیلا کر دیتے ہو کھلنے کے لیے۔ ہزار بار کہا کہ کم از کم اپنی طبیعت کے لیے ہی خبردار رہا کرو۔ جتنا کڑھو گے اتنا گھلو گے۔ پھر میرا کیا بنے گا۔ مگر کہاں جی۔ یہاں صاحب اور بچے دونوں ہی مجھ اکیلی سے بے نیاز ہیں۔ میں سڑوں یا مروں۔ چنداں فکر نہیں۔" اداس لہجے میں تاسف سا گھلا تھا۔ مگر پروا کسے تھی۔

"اچھا۔ چلو یہ بتاؤ آج کیا پکاؤں' رضیہ گھر کی صاف صفائی کے بعد ہنڈیاں لے کر دے گئی تھی۔ سوچ رہی ہوں وہی پکا لوں۔ تھوڑا ٹماٹر زیادہ ڈال دوں گی۔ مجھے پتا ہے آپ شوق سے کھاتے ہو۔ تھوڑا پودینہ بھی ہے ساتھ چٹنی بھی بنالوں گی' اللہ بھلا کرے یہ رضیہ کا۔ ایک عرصہ بیت چکا اسے صفائی

کے لیے آتے اور اتنا ہی عرصہ اسے اس گھر کا راشن پانی ڈھوتے ہو چکا۔ پہلے تو آپ کی نوکری اور بچوں کی مصروفیت۔۔۔ اتنی فرصت ہی کہاں تھی آپ لوگوں کو کہ گھر کی طرف بھی دھیان دیں اور اب تو پھر سارا بال بچہ اپنے اپنے ٹھکانے کر چکا۔۔۔ سو یہ رضیہ کا دم بھی غنیمت ٹھہرا' ورنہ آپ کی یہ بے نیازی۔۔۔ یہ رضیہ نہ ہوتی تو مانو ایک پھلی توڑنے کو ترس جاتی۔۔۔ یوں ہی خالی ٹھنڈی دیگچیاں کھڑکاتی۔۔۔ حق ہا۔۔۔ گزر ہی گئی بھلی بری۔" گلا رندھ گیا۔ بات کرتے کرتے آنکھیں بھر سی آئیں تو دھیان پلٹنے کو ٹانگیں سمیٹ کر دوبارہ تخت کے اوپر دھریں اور تخت پہ بچھی سفید چادر پر کڑھے گلابی پھول کے اکھڑے دھاگے کو نوچا۔

کڑ کڑ کٹ۔۔۔ کٹ۔۔۔ پھول کی ایک پتی کو تقریباً" آدھا ادھیڑ ڈالا۔۔۔ فوراً" ہاتھ روک دیا۔۔۔ میاں کی گرم گرم نگاہیں خود پہ محسوس کیں۔۔۔ جانتی تھیں کتنا چڑتے تھے۔ وہ ان کی اس عادت سے۔۔۔ مگر وہ بھی کیا کرتیں۔ پریشانی کے وقت کا بہترین مشغلہ تھا۔ ہاتھ سے چادر کی شکن درست کی' مگر وہ پھر نمودار ہو گئی۔۔۔ چڑ گئیں وہ اور بولیں۔

"توبہ ہے صاحب۔۔۔ کچھ تو کہئے اور کچھ نہیں تو ہنکارا ہی بھر دیجیے۔۔۔ ورنہ بول بول کر میں نے تو دیواروں کو سیلن ڈال دی۔

اچھا۔۔۔ اچھا۔۔۔ مزید منہ نہ سجائیں۔۔۔ چلی ہوں میں کچن میں۔۔۔ ہاں۔۔۔ مجھ بڑھیا کو چین کہاں۔۔۔ ساری عمر بیت گئی' مجھ بڈھی کو چولہا چکی کرتے' مگر سجا بنا کر پکا پکایا سامنے لا دھرنے والا نصیب نہ ہوا۔ اب تو قبر میں پڑوں گی تو ہی چار دن سکون کے کاٹوں گی۔"

☼ ☼ ☼

"ارے صاحب۔۔۔ سنتے ہو۔۔۔ غضنفر کا فون آیا تھا۔ میرے تو جی ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ لو دیکھو بھلا' ماں ہوں میں اور یہ حال ہے میرا' کیا کریں سرکار۔۔۔ اولاد نے جب سے مروتیں نبھانی شروع کیں۔ ماں' باپ اور خود کے درمیان تکلف کا "بجر" ڈال رکھا ہے۔

خیر صاحب ہمیں کیا۔ ہم تو بس اتنا جانتے ہیں کہ آج ہماری تو کل ان کی باری۔ سدا تو جوانی کسی کو نہیں آئی۔۔۔ بچے تو خود کے بھی ہیں جو ہمیشہ بچے نہیں رہیں گے۔ آج ہمیں خود سے کلٹ کر۔۔۔" وہ یک دم ادھوری بات لیے خاموش سی ہو گئیں۔ میاں کی تیز چبھتی نظریں انھیں یوں ہی خائف کر دیا کرتی تھیں' مگر اس وقت لوہا گرم تھا۔ لہٰذا ادھری چوٹ مارنے میں کیا حرج تھا۔

"ارے صاحب ہمیں کاہے کو گھورتے ہو' ہم ذرا سا بچوں کو کچھ کہہ دیں تو فوراً" آنکھیں حلقوں سے باہر دھر لیتے ہو۔ خود کو بھی تو دیکھو۔۔۔ کب سے ناراض ہو بچوں سے۔۔۔ ماننے میں ہی نہیں آرہے۔" انہوں نے ذرا کی ذرا سانس لے کر میاں کی الٹی پڑی چپل سیدھی کی۔۔۔ پھر بولیں۔

"جانے بھی دو نا۔۔۔ وہ شرمندہ ہے اب۔ کہہ رہا تھا کہ بابا سے تب تک بات نہیں کروں گا جب تک وہ اپنی ناراضی ختم نہیں کرتے۔ ابی جانتے تو ہو آپ کے غصے سے کتنا ڈرتا ہے وہ۔۔۔ اور پھر دیکھو نا آخر بچوں کو اپنے مستقبل کے بارے میں سوچنے کا حق تو ہے نا۔۔۔ کیا ہوا جو وہ جرمنی سیٹ ہو گیا۔ مانا کہ بہو کا سارا میکا وہیں ہے۔ مگر آپ یہ سوچ دل سے کھرچ دو کہ غضنفر کو بہو لے اڑی۔ آخر کو شادی کے بعد چھ ماہ دونوں ہمارے ساتھ ہی رہے نا۔ اگر بہو نے لے کے جانا ہوتا تو پہلے دن ہی اڑا لیتی۔۔۔ بھئی۔" وہ جو ساری بات کہتے میاں سے نظریں چرائے ہوئے تھیں۔ کن انکھیوں سے انہیں دیکھے گئیں۔ پھر یک دم تپ کر بولیں۔

"دیکھو۔۔۔ دیکھو! یہ میری ہر بات کے اختتام پر طنزیہ ہنکارے نہ بھرا کرو۔ ساری عمر میری باتوں کے جواب میں ہونہہ ہونہہ۔۔۔ کرکے ناک کا بانس ٹیڑھا کر لیا۔۔۔ مگر باز نہیں آئے۔"

اچھا چلیں چھوڑیں پرانی باتوں کو' میں تو سوچ رہی ہوں کہ غضنفر کی دیکھا دیکھی ذوہیب بھی شاید اپنی ناراضی دور کرکے ہم سے رابطہ کرلے۔ آخر دونوں بھائی ایک ہی ملک میں بسے ہیں۔ ایک دوسرے کی خیر

خبر تو رکھتے ہوں گے نا۔

آپ نے بھی تو حد کی تھی۔ ہمارا سب سے لاڈلا اور چھوٹا لڑکا۔ ساری عمر آپ نے ہاتھ کا چھالا بنائے رکھا۔ نہ کچھ کہا' نہ کہنے دیا۔ خود سر تو ہونا ہی تھا نا۔ غضنفر کے جانے کے تین ماہ بعد اس کی کمپنی اسے کورس کے لیے باہر بھیج رہی تھی۔ اچھا بھلا مستقبل سنور جاتا بچے کا۔ مگر آپ اڑ گئے کہ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ایک بیٹا چلا گیا اب کیا دوسرا بھی "ایکسپورٹ" کر دوں۔ وہ بھی تو آپ کا بیٹا تھا۔ ڈٹ گیا کہ اتنی اچھی نوکری نہیں چھوڑوں گا۔ باپ' بیٹے کی لڑائی پرائے کان میں پڑی تو غیر تو ایسے لونڈوں کو شہہ ہی دیتے ہیں نا۔ آپ اس کی مان جاتے تو شاید وہ کورس کر کے پلٹ آتا۔ نہ کہتے اس سے کہ نوکری چھوڑ یا مجھے چھوڑ۔ اس نے نوکری نہیں چھوڑی۔ ہمیں چھوڑ دیا۔ ضدی' کم ظرف نے باہر جا کر نوکری کو بھی چھوڑ دیا۔ بھائی کے ساتھ ہی کام جمالیا۔ اور ہمیں خبر بھی نہ ہو سکی۔ خبر تو ہمیں اس کی شادی کی بھی نہ ہو سکی۔ لو بھلا بتاؤ! والی وارث تو جیسے مر گئے تھے۔ بتا نہیں خود کو یتیم .. .. بتایا یا سوتیلی اولاد کہا جو جھٹ اگلوں نے لڑکی تھما دی۔ نہ پوچھ' نہ پڑتال' بانکے میاں کو مل گئی سسرال۔"

اپنی طرف سے انہوں نے میاں کو ہنسانے کے واسطے بیٹے پہ پھبتی کسی۔ میاں تو نہ ہنسے' خود لوٹ پوٹ ہو گئیں' ہنستی رہیں۔ ہنستی رہیں' آنکھیں گیلی ہو گئیں۔ پتا نہیں کیوں۔

"صاحب اولاد واقعی فتنہ ہے۔ اب دیکھو نا کیسے بچوں کے پیچھے بھاگتے بھاگتے انسان اتنا بھاگتا ہے کہ اسے خبر بھی نہیں ہو پاتی' کب جوانی نے ہار مان کر لاٹھی تھام لی۔ ہم بھی بھاگے تھے۔ بڑا بھاگے تھے۔ یہاں تک کہ ہماری دیکھا دیکھی بچے بھاگنا سیکھ گئے اور تینوں اس گھر کو چھوڑ کر بھاگ گئے۔ یہ بھاگنا ہی ہے صاحب۔ پہلے ظفر کو بیاہا۔ سرکاری نوکری کا بہانہ کام آیا' بیوی بھی لے گیا اور پچھلے دو سال سے ایک دفعہ بھی ملنے نہیں آ سکا۔ فون کرنا بھی مہینوں پر جا پڑا۔ باقی دونوں پردیسی ہو گئے۔ پوتے' پوتیوں کی لڑ بنتی گئی' مگر ہمارا آنگن سونا کا سونا ہی رہا۔" آواز بھرا گئی۔ میاں کو دیکھا تو ان کی آنکھیں بھی جھلملاتی سی لگیں۔ وہ تاسف میں گھر گئیں اور بولیں۔

"اب کیوں دکھ کرتے ہو۔ کاہے کو ضد باندھی تھی بچوں سے۔ کتنا کہا تھا' سمجھایا تھا کہ اولاد کو جلی ہوئی رسی سمجھو' جس کے بل کبھی نہیں نکلتے۔ مگر نہیں' آپ نے تو بچوں کی ضد سے ضد باندھ چھوڑی' اب دیکھو نا۔ بچے پلٹتے ہی نہیں ہیں۔ ماں' باپ کی ضرورت ہی نہیں پڑتی انہیں شاید۔ غضنفر سے پتا لگا ہے کہ بڑے ظفر نے ہماری بڑی پوتی کی کہیں بات ٹھہرائی ہے۔ میں تو حق دق ہی رہ گئی۔ مانو لفظ منہ میں ہی جم گئے۔ اس سے پہلے کہ گلہ کرتی جھٹ کہنے لگا۔

"اماں۔ بھائی کا بھی کیا قصور؟ سچ میں ابا جان کی غصیلی طبیعت نے کہیں منہ دکھانے کے لائق نہیں چھوڑا۔ اب ہم کوئی بچے تو نہیں ہیں نا۔ خود کے بچے بیاہنے چلے ہیں مگر ابا جان نے کب موقع محل دیکھا ہے۔ سچ اماں! شرم آتی ہے۔ بڑی شرم آتی ہے۔"

ہاہاہا۔ ہاہا۔ وہ یک دم ہی عجیب سا قہقہہ لگا بیٹھیں۔ وقفے وقفے سے ہنسے جارہی تھیں۔ لال سرخ ہو چکیں تو بمشکل خود کو سنبھالا۔

"آپ کیا دیکھ رہے ہو صاحب۔ پاگل نہیں ہو گئی۔ ہوش حواس میں ہوں۔ بکواس ہے یہ کہ ساٹھا پاٹھا ہو کر انسان سٹھیا جاتا ہے۔ بھلا جب ساری عمر کا تجربہ جھولی میں پڑا ہو۔ دان کرنے کو ایک سے ایک دانا مشورہ ہو۔ اس گھڑی کوئی کیسے ہم بڈھوں کو بے وقوف کہہ سکتا ہے۔ اب یہ ہی دیکھو نا یہ کل کے 'ڈھیلی نیکروں' والے ہمارے لڑکے' جنہیں ہمیں لے جاتے شرم آتی ہے۔ ہمیں تو اس وقت کبھی شرم نہ آئی جب گرتی رال اور بہتی ناک لیے انہیں محفل میں لے جاتے تھے۔ پلو سے گندا منہ پونچھ دیتے تھے۔ ہماری تو نہ رال بہتی ہے اور نہ ناک۔ نہ ہی ہم گندا سندا منہ پونچھنے کو رومال مانگتے ہیں' پھر بھی شرم آتی ہے۔ کیا واقعی اولاد کو شرم آنی چاہیے۔"

وہ ہانپ گئیں۔ سانس پھول گیا۔ چہرے پہ طیش

چٹکنے لگا۔ میاں کو غصے سے گھورا اور کہنے لگیں۔

"صاحب! آپ کی ضد بچوں کو مجھ سے اتنا دور کر گئی۔ کہتی تھی کہ بڑھاپے میں نرم ہو جاتے ہیں۔ ورنہ نہیں گزرتا بڑھاپا۔ اب کے اونچا بولو گے تو اونچا سنو گے۔"

تلخ بولتے بولتے وہ ایک دم نرم پڑی تھیں۔ جانتی تھیں کہ میاں کو ایسے ان کا بولنا پسند نہیں اور پھر نیت ان کی خاوند کا دل بچوں کی طرف سے صاف کرنے کی تھی تلخیات کہاں کی کہاں چلی گئی۔

"اب بھی کہتی ہوں غصہ تھوکو۔ اولاد مت تھوکو کہ اس تھوکے کو چاٹنا ہی پڑتا ہے۔ ماں' باپ گھنا درخت ہوتے ہیں۔ آندھی آئے یا طوفان۔ درخت اپنی چھاؤں نہیں کھینچتا۔ ٹھیک اسی طرح اولاد کی لاکھ کوتاہیوں پر بھی ماں' باپ انہیں خود سے کاٹ نہیں پھینکتے اور اگر پھینک بھی دو۔ فاصلے پیدا کر لو۔ تو اولاد۔ اولاد نہیں رہتی "شریکا" بن جاتی ہے۔ اسی لیے کہتی ہوں صاحب۔ ظرف بڑا کریں۔ دلوں میں گنجائش خود ہی نکل آتی ہے۔"

گرم لوہے پر چوٹ جما چکی تھیں۔ اب میاں کو تنہائی درکار تھی۔ لہٰذا چائے کا کہہ کر اٹھ کھڑی ہوئیں۔ ان کے پیروں کی لڑکھڑاہٹ سے بچوں کے قدموں کی آہٹ بندھی تھی۔ ان کی یہ آس ابھی نہیں ٹوٹی تھی کہ ان کے بچے پلٹ آئیں گے۔ کتنے ہی جواز تھے جوان کا دل گھڑتا تھا۔ ان کی اولاد بے حس و لاپروا نہیں تھی۔ ایسا ماننے کے لیے ان کے اندر کسی قسم کی جنگ نہیں چھڑتی تھی۔ وہ ملی منائی تھیں۔ ان کی خمیدہ پشت پہ اولاد کے عیبوں کا بوجھ تھا۔ مگر وہ ماں تھیں۔

اور ماں تو ہوتی ہی اس ہانڈی کا ڈھکن ہے۔ جس میں اس کی اولاد کی کمزوریاں اور عیب منہ چھپائے پڑے رہتے ہیں۔ ماں کی زندگی تک وہ ڈھکن ٹس سے مس نہیں ہو پاتا اور جیسے ہی ماں گزر جاتی ہے۔ یہ ہنڈیا بیچ چوراہے میں پھوٹتی ہے۔

✲ ✲ ✲

دو گھنٹے ہو چلے تھے انہیں پرانے ٹرنکوں میں منہ دیے۔ کب کا پرانا سامان اسٹور میں مدت سے اوندھا سیدھا ہوا پڑا تھا۔

رضیہ کے جانے کے بعد کچھ دیر لیٹنے کا ارادہ تھا۔ گیٹ بند کر کے واپس مڑیں تو صحن کی مشرقی نکڑ پہ بنے چھوٹے سے اسٹور نما کمرے کا دروازہ ادھ کھلا تھا۔ بند کرنے کی نیت سے آئیں اور بے ساختہ اندر ہی گھستی چلی گئیں۔ بس تب سے اپنے بوڑھے لرزتے ہاتھوں سے سکت سے زیادہ زور صرف کرتے ہوئے ٹرنکوں کو گھسیٹ کر جھاڑ پونچھ کر کے کھولے بیٹھی تھیں۔

ٹرنک کیا تھے۔ ماضی کی کوٹھری کا دروازہ وا ہوا تھا جیسے۔ اور وہ ہولے ہولے کانپتے قدموں سے سر خوشی کے عالم میں اس کوٹھری میں داخل ہو گئیں۔ بے شک ان کا ماضی خوش گوار تھا۔ وہ۔ ان کے میاں اور ان کے بچے۔ ڈھیروں خوشیاں۔ ڈھیروں ذمہ داریاں۔ ڈھیروں محبتیں مگر ان سب سے لطف اندوز ہونے کے لیے انہیں جیسے چند پل ملے تھے۔ خواب سا تمام ہوا تھا جیسے۔ کچی نیند جیسا احساس آنکھوں میں ہمیشہ کے لیے بس گیا۔ اور اسی کچی نیند کے خوابوں کی چھوٹی چھوٹی سی یادداشتیں اس وقت ان کی نظروں کے سامنے پھڑپھڑا رہی تھیں۔

ان کے ہاتھوں میں کاغذ کا ایک جہاز تھا۔ رنگ برنگ سا جہاز۔ یہ ظفر کے ہاتھوں کا بنا تھا۔ اس کی ابتدائی کاوشوں میں سے ایک۔ کان کے قریب ظفر کی آواز سرسرائی۔

"اماں۔ یہ دیکھیں اب کے میں نے ایک دم اصل جیسا بنایا ہے۔ اسے میں دھیان سے آپ کے کپڑوں والی الماری کے نچلے دراز میں رکھنے والا ہوں۔ کمرے میں کہیں چھپایا تو غضنفر نہیں چھوڑے گا۔ آپ تو میری پیاری اماں ہیں نا آپ اس کا دھیان رکھ لیں گی۔" اور وہ جہاز آج تک ان کے پاس محفوظ تھا۔

انہوں نے ہاتھ بڑھا کر ایک درمیانے سائز کا بیٹ اور ہرے رنگ کا ربڑ کا بال نکال لیا۔ وہ مسکرا دیں۔

نظروں کے سامنے چھلانگیں لگاتا' میز' کرسی پھلانگتا غضنفر آگیا۔

"اماں آج میرا میچ ہے۔ چار گھنٹے تک چلے گا میں اپنی ٹیم کا کیپٹن ہوں۔ آل راؤنڈر کیپٹن۔۔۔ آپ میرے لیے دعا کرنا کہ ہماری ٹیم جیت جائے۔ پھر میں آپ کو خود اپنے ہاتھوں سے چائے بنا کر پلاؤں گا۔ روز رات کو آپ کے پیر دباؤں گا اور صبح فجر کا بھی ناغہ کسی صورت نہیں کروں گا۔" ساتویں جماعت میں پڑھتے۔ بلا لہراتے غضنفر کو انہوں نے ماتھا چومتے ڈھیروں دعائیں دی تھیں۔

ٹھنڈی سانس بھرتے انہوں نے بڑی محبت سے بلا سہلایا اور اسے واپس ٹرنک میں سیٹ کیا۔ تھوڑا سا مزید ٹٹولا اور ایک لیدر کا پرانا خستہ سا بیگ کھینچ نکالا۔ بیگ میں ان گنت ڈنکی کاریں' چھوٹے چھوٹے جہاز۔ ٹرک' ٹرین' پلاسٹک کے بنے سگنلز۔۔۔ موٹا سا تہ شدہ چارٹ نما پیپر جس پر سڑکوں کا جال بچھا تھا۔ اس چارٹ کو پھیلا کر ان کا ذوہیب اپنی ڈنکیاں اس پر سیٹ کر کے بڑے اہتمام سے کھیلا کرتا تھا۔ ان کی نظریں اپنے ذوہیب کو دیکھ رہی تھیں جو اردگرد سے بے نیاز ہمیشہ الگ تھلگ کھیلا کرتا تھا۔

بہت سی یادیں' باتیں' وابستگیاں۔۔۔ نظروں کے سامنے ایک جہاں آباد تھا۔ یا "انمول گمشدہ خزانہ" انہیں اپنے بچے اپنے آس پاس کھیلتے دوڑتے بھاگتے محسوس ہو رہے تھے۔ ٹرنک میں ان کے بچوں کے چھوٹے چھوٹے کپڑے بھی محفوظ تھے جو کبھی انہوں نے اس سوچ کے تحت سنبھالے تھے کہ اپنے پوتوں کو ان کے باپوں کے کپڑے پہنائیں گی اور دیکھ دیکھ آنکھیں ٹھنڈی کریں گی۔۔۔ مگر ارمان ٹھنڈے پڑ گئے۔ سب کچھ ٹرنک میں ویسا کا ویسا ہی پڑا رہ گیا۔ تاسف کے ہنڈولے میں جھولتیں' وہ کتنی دیر ان چیزوں کو دیکھتی کرلاتی رہیں۔ میکانکی انداز میں ان کے ہاتھ دوبارہ سارا سامان واپس ٹرنک میں ڈالتے جا رہے تھے۔ جب اچانک ان کی نظر اس میرون کور والی ڈائری پہ ٹھہری جو ٹرنک کی بائیں دیوار سے سیدھی ٹکی تھی۔

انہیں لگا یہ ڈائری ان کے شوہر کی ہے۔ غور سے دیکھا' شک یقین میں بدلا' واقعی ڈائری ان کے صاحب کی تھی۔ بڑے جوش و تجسس کے عالم میں اسے جیسے جھپٹ کے نکالا تھا۔ کھولا۔۔۔ پلٹا۔۔۔ جانچا۔۔۔ حالت خستہ تھی۔ صفحے گدلے اور میلے میلے سے دکھتے تھے۔ ڈائری میں ان کے شوہر کے ہاتھ سے وہ تمام یادداشتیں تحریر تھیں جو ان سے اور بچوں سے وابستہ تھیں۔ چھوٹے چھوٹے واقعات۔ بچوں کی کامیابیاں۔

بچوں کی پیدائش سے لے کر ان کے اسکول جانے کا پہلا دن۔۔۔ سب کی تاریخیں درج تھیں اور تو اور تینوں بیٹوں کا پہلا پہلا دودھ کا دانت کب اور کس دن ٹوٹا تھا۔ یہ بھی درج تھا۔ وہ بے اختیار سی ہنس دیں۔

یوں ہی ڈائری کھنگالتے ان کے ہاتھ ڈائری کے وسط میں پڑا۔ ہاتھ ایک بوسیدہ سا پرچا آگیا۔ تہ شدہ گلابی خوشبودار کاغذ۔۔۔ انہیں جھٹکا سا لگا۔ وہ اچھی طرح اس کاغذ کو پہچانتی تھیں۔ ان کے شوہر کے پاس ایک لیٹر پیڈ ہوا کرتا تھا۔ جس کا کاغذ بڑا نفیس گلابی رنگ کا اور خوشبودار تھا۔ ان کی رائٹنگ ٹیبل پر سجا رہتا تھا۔

پرانی باتیں' پرانی یادیں اور پرانا شناسا۔۔۔ گمشدہ خزانے کی مانند ہوتے ہیں۔ زندگی کے کسی بھی موڑ پر سامنے آجائیں تو دل کی دھڑکن ایک دفعہ ضرور تھم سی جاتی ہے۔ اس لمحے ان کی سانسیں بھی جیسے رک گئی تھیں۔ رک رک کے پھر چلی تھیں۔ تہ کھولتے ان کے ہاتھوں سے کاغذ پھسل پھسل جاتا تھا۔ کاغذ پہ پروئے خوب صورت موتیوں سے لفظ پڑھتے کتنے ہی موتی ان کی آنکھوں میں اتر آئے۔ مگر ہونٹ مسکائے اور سب کچھ جوں کا توں چھوڑ صرف ایک کاغذ کو جوش سے مٹھی میں دبائے وہ برآمدے میں چلی آئیں۔

"اے صاحب۔۔۔ یہ دیکھو ذرا۔۔۔ کیسا انمول لمحہ میری مٹھی میں دبا ہے۔" جوش سے چہرہ تمتما رہا تھا۔ مگر میاں کی بے توجہی محسوس کرکے کلس کر رہ گئیں۔

"صاحب۔۔۔ کبھی تو مجھ بڑھیا کی کسی بات کو اہمیت دیا کرو۔ اچھا یہ دیکھو تو۔۔۔ یاد ہے جب اپنا ظفر

گیارہویں یا بارہویں سال میں تھا تو آپ نے ایک دفعہ اسے اسکول کی کسی تقریب میں سنانے کے لیے بڑی خوب صورت نظم لکھ کردی تھی۔ کتنے چاؤ سے اپنی گود میں بٹھا کروہ نظم سنائی تھی اسے۔ کیسی کیسی نصیحتیں کی تھیں اس کو۔ اور کیسے انہماک سے اس نے سنی تھیں نا... بچہ تھا نا... بچے ماں باپ کو سن لیتے ہیں بڑے نہیں سہ پاتے۔"

پل بھر میں صاحب کی آنکھیں لال پیلی ہوتی محسوس ہوئی تو معاملہ فہم خاتون خانہ کی طرح جھٹ ڈولتی پتنگ کی ڈور تھامی... اور اس میں تو انہیں ملکہ حاصل تھا۔

"اچھا صاحب... لو آج ذرا پرانا' سے دہراتے ہیں۔ جب اس سونے آنگن میں زندگی قلانچیں بھرا کرتی تھی۔ جب سیاہ بال ہمارے ہمیں تازہ دم ہونے کا پتا دیتے تھے۔ ارے... میں بھی بات کہاں سے کہاں لے چلی۔ چلو چھوڑ... بڑھاپے کو کیا کوسنا۔ موت اور بڑھاپا تو مانو ہم نوالہ و ہم پیالہ ہوتے ہیں۔ ایک زندگی اچک لے جاتی ہے اور دوسرا جوانی ہڑپ لیتا ہے۔" وہ پھر بہک چلی تھیں... ماتھے پہ ایک زور کا ہاتھ مارا۔ پھر کن انکھیوں سے میاں کو دیکھا۔ آنکھوں میں ہلکی خفگی اور بے تاثر چہرہ۔ گلا کھنکھارتے ہوئے بولیں۔

"لو آج آپ بھی سنو اور میں بھی تو جانوں کہ آپ نے بیٹے کو کیسی پیاری نظم لکھ کردی تھی۔ میرا نظر کا چشمہ۔" وہ چشمہ ڈھونڈنے لگیں۔ تپائی پہ رکھا اٹھا کر آنکھوں پہ لگایا۔

ایک تھا راجا' ایک تھی رانی
چھوٹی سی تھی سندر راجدھانی

بے حد جن کو پیار تھے کرتے
تین تھے ان کے پیارے لڑکے

بڈھا تھا جب زور آور اور دانا
گود میں آ بیٹھا بیٹا ناتوانا

لاڈلے کو کی اک نصیحت پرانی
مت کرنا جوانی کے زعم میں ناوانی

آج ہم جواں کل ہوجائیں گے بوڑھے
وقت بتادے گا ہمیں بھولی بسری کہانی

حالات بدلیں گے' اختیار بدلیں گے
جھولی میں تمہارے آگرے گی حکمرانی

بڑھاپا کھینچ لے گا جوانی کی لگام
نکل چکے گا ہڈیوں کا سارا پانی

ہاں پھر اس وقت' بچ میں اس وقت
ہمارے بوڑھے وجود جب تمہاری جھولی میں آگریں

تو نہ ہونا بے قرار' ہمیں کرنا پیار
آزمائش ہی سہی' امتحان ہی سہی

ہم تمہارے لیے وبال جان ہی سہی
مگر سمجھ کر بے کار ہمیں نہ دینا ڈال

آخری سانس تک تم ہمیں رکھنا سنبھال
تم کو دینے کے لیے ہزاروں سکھ

میں نے اٹھائے ہیں کئی دکھ
تمہاری ماں نے خون جگر تم کو پلایا

پیٹ کاٹ کاٹ کر تم کو توانا بنایا
اب آنے والی ہے عنقریب ہماری باری

تم ہنس کے اٹھا لینا یہ ذمہ داری
پھر بچ کہتا ہوں' بات ہے پیاری

جنت تمہاری' جنت تمہاری' جنت تمہاری

آنکھیں لہو کیسے روتی ہیں کوئی اس وقت انہیں دیکھتا گلابی کاغذ گلابی۔ انگلیوں میں پھڑپھڑائے جاتا تھا۔ گریبان آنسوؤں سے تر ہوتے ہوتے چپک سا گیا' خمیدہ کمر پر ہنٹر سا۔

پڑا تھا گویا جو پہلے سے زیادہ جھک گئی۔سال مرے تو سیانا بچہ جیسے روتا ہے نا۔

بالکل ویسے ہی اس وقت وہ روتی تھیں۔ میاں کو دیکھا تو۔ منہ پھیرے بیٹھے تھے۔ اور کاش میاں منہ نہ پھیرتے' تاکہ وہ ہاتھ میں تھامے بوسیدہ کاغذ کا رخ نہ پھیرتیں۔ رخ پھیرا۔ نظریں پورے پرچے پہ پھیریں اور زمان و مکاں ان کی نگاہ کے آگے پھر گئے۔ وہ تیورا کر جہاں بیٹھی تھیں وہیں گر گئیں۔ بے بسی اور دکھ کی منہ بولتی تصویر۔

☼ ☼ ☼

درودیوار ماتم کیسے کرتے ہیں۔ جسم کے روم روم سے بین کیسے پھوٹ پڑتے ہیں۔ روح میں اتنا گہرا اور دبیز سناٹا کیسے اترتا ہے کہ ہلکی سی سرسراہٹ بھی چنگھاڑ کی مانند دل کو دہلاتی ہے۔

کوئی دیکھتا اس عورت کو۔ جس کے بالوں کی سفیدی سے یاسیت لپٹی تھی۔ تھرتھراتا وجود نوحے کرتا تھا۔ آتی جاتی سانسیں محض زندگی کا پتا دیتی تھیں۔ وگرنہ زندگی تو کہیں نہیں تھی۔ اس عورت کے لیے زندگی اس کے بچے تھے۔ اس کے آنگن سے جب بہار نے اپنا بوریا بستر گول کیا تھا' تب ہی زندگی بھی نظر چرائے' ہاتھ چھڑائے اور منہ چھپائے نکل بھاگی تھی۔ اس کی اولاد ہی تو آنگن کی بہار تھی۔ اب تو چار سو خزاں نے پنجے گاڑے تھے۔ ویرانی کا ڈیرہ تھا۔ چرمرائے پتوں کی باس تھی۔

برآمدے میں پڑے تخت پر سہما' سمٹا سا وجود اپنی اجاڑ آنکھوں سے صحن میں اڑتی گرد کو تک رہا تھا۔ چوبیس گھنٹے سے اوپر ہو چلے تھے انہیں یہیں اسی حال میں پڑے نہ کچھ کھانے کی طلب رہی تھی اور نہ کوئی اور حاجت۔ کل دوپہر کے لیے رضیہ سبزی لائی تو انہیں یوں ہی تخت پر لیٹا دیکھا۔

بتیرا پوچھا۔ سر دبایا۔ پنڈلیوں پر دو چار ہاتھ جمائے' مگر بیگم کی چپ نہ ٹوٹی۔ ناچار رضیہ جیسی تیسی ہانڈی روٹی کر کے سرہانے ٹرے دھر کے سلام لیتی نکل لی۔ صبح کو لوٹی تب بھی بیگم کو تخت پر دیکھا تو دہل گئی۔ جھٹ آگے بڑھ کر ہاتھ تھاما۔ لگا جسم آگ پہ سینکا جا رہا تھا جیسے۔ آنکھوں کی پتلیوں کی حرکت دیکھنے کے واسطے کھینچ کر پپوٹے الگ کیے تو تکلیف کے احساس سے انہوں نے خود ہی آنکھیں کھول دیں پھر رضیہ کا ہاتھ جھٹک کر کروٹ کے بل لیٹ گئیں۔

صفائی ستھرائی سے فارغ ہو کر رضیہ نے تازہ کھانے کی ٹرے لا سجائی۔ باسی کو خود گرم کر کے کھایا تھا۔ مگر بیگم نے لقمہ بھی توڑ کر نہ دیا۔ بڑے جتنوں سے دو چمچی وہی حلق میں انڈیلا اور چند گھونٹ پانی۔ کچھ دیر ہاتھ پیر داب اور پھر اللہ کے حوالے کر کے ٹھنڈی سانس بھرتی نکل گئی۔ گھر پر چھوٹے چھوٹے بچے راہ دیکھ رہے تھے۔

نہ جانے کتنا وقت بیتا۔ پیاس نے ستایا تو حلق میں کانٹے چبھتے محسوس ہوئے بڑی مشکل سے خود کو سیدھا کیا تو تپائی کو پہنچ سے دور پایا۔ بے بسی سے تکیے پر سر پٹخ کر رہ گئیں۔ آنسو آنکھوں کے کنارے سے گرتے ایک لکیر کی صورت بننے لگے۔ روتی رہیں۔ روتی رہیں۔ پر آنسو خشک ہی نہ ہوتے تھے۔ ناچار منہ پھیر کر میاں کو دیکھا اور کچھ کہنے کی کوشش کی مگر گلا جیسے آنسوؤں نے جکڑ رکھا تھا۔ بڑی تکلیف وہ جدوجہد کے بعد بولیں تو آواز میں شام کے مسافر کی سی تھکن اور ٹوٹی کرچیوں کی سی دکھی تھی۔

"صاحب۔ آج تو قسم توڑ دیں۔ کچھ تو کہیں۔

میری اب بس ہوگئی صاحب۔ ایسی لاچاری سے تو ساری عمر پناہ مانگی تھی۔ پھر یہ کس بددعا کے پھیرے میں آن پھنسی ہوں۔ مجھے نکالو صاحب۔ مجھے نکالو۔ میں پیاسی ہوں، مگر کوئی نہیں جو دو گھونٹ ہی ٹپکا دے۔

صاحب! کس کام آئی یہ اولاد ہمارے۔ ہمارے کرم ایسے تو نہ تھے۔ جس کا یہ پھل ملا۔ میرے اور آپ کے پچھلے دعائیں دیتے مرے تھے۔ بچوں سے کہیں صاحب۔ پانی نہ پلائیں۔ آکے دعا ہی لے جائیں۔ بڑے دن ہوئے کسی کو دعا نہیں دی۔

رات بہت ڈر لگا مجھے صاحب۔ آپ کو بہتیری آوازیں دیں۔ مگر وہی پرانی عادت، کانوں میں تیل ڈالے پڑے رہے۔ ساری رات لائٹ نہیں آئی۔ ساری رات میں خوف سے کھیس میں سے چہرہ باہر نہ کر سکی۔ میں ڈرتی رہی صاحب۔ مگر کوئی نہیں تھا جو میرے ڈرتے کانپتے وجود کو تھپک دیتا۔ جیسے میں اپنے بچوں کو سینے میں دبوچ لیتی تھی۔ رات مجھے بچوں سے زیادہ اماں کی یاد آئی صاحب۔ میرا دل کیا میں ننھی سی بن جاؤں۔ کہیں سے اماں آجائیں اور میرے ڈر سب کے سب سمیٹ لیں۔ میں ستر سالہ بڑھیا رات اپنی ماں کو بچی بنی یاد کرتی رہی، روتی رہی، روتی رہی۔

صاحب۔ آپ کتنے دور اندیش تھے۔ یہ میں نے کل آپ کی نظم پڑھ کر جانا۔ اس نظم کا وہ حصہ جو پچھلی جانب تھا۔ آہ۔ کاش صاحب میں نے بہت پہلے ہی وہ ٹرنک کھنگالا ہوتا۔ بہت پہلے ہی یہ گلابی پرزہ میرے ہاتھ لگ جاتا اور بہت پہلے ہی اس بڑھیا کا کام تمام کر جاتا۔ تو آج مٹی میں ملے بھی سالوں بیت چکے ہوتے۔ مجھے کند چھری سے ذبح کر ڈالا آپ کی نظم کے بولوں نے۔

بس! اب کچھ ہی دیر باقی ہے۔ یہ جو لوتھڑا سا پھڑپھڑائے جاتا ہے نا سینے میں۔ تھکنے کو ہے۔ گھور لو۔ گھور لو۔ صاحب! آج جتنا جی چاہے گھور لو۔ مگر اب مجھے یہ پیڑ بھوت بن کے ڈراتے ہیں۔ آیتہ الکرسی یاد نہیں آتی۔ لفظ بھول جاتے ہیں۔

اب بس صاحب۔ اب بس۔ آپ کو جو میری اتنی فکر تھی تو کاہے کو مجھے رولا۔ ساتھ ہی لیے چلتے نا۔" خون روتی آنکھوں نے مدھم ہوتی سانسوں میں اس فریم میں جڑے اپنے صاحب کو جی بھر کر تکا۔ پھر ارتکاز ڈھیلا پڑ گیا۔ پتلیوں کی گرفت کمزور پڑنے لگی۔ اور پھر دھیرے سے جیسے کسی مہربان ہاتھ نے جلتی بجھتی آنکھوں پر اپنا لمس چھوڑا تھا۔ ساتھ ہی جسم نے سانسوں سے منہ موڑا تھا۔

ایک زندگی روٹھ گئی۔ کئی غم اٹھانے کے بعد آج ان کے تخیل کا خاتمہ ہو گیا تھا۔ ایسا تخیل جو کئی برس سے انہیں خود میں غرق کیے ہوئے تھے۔ مدہوش رہی تھیں وہ۔ ایسی تصوراتی گرہستی جس میں وہ اکیلی نہیں تھیں، بلکہ ہر پل ہر لمحہ ان کے صاحب ان کے ساتھ تھے۔ جو کبھی تھے ہی نہیں۔ تنہائی کا زہر چوستی یہ بوڑھی بیل برس ہا برس سے اپنے صاحب کے تصور سے لپٹی رہی تھی۔ اولاد کی بے اعتنائی کا غم سینے کا ناسور بنائے جیسے جا رہی تھیں۔ آج ایسا جینا خاک ہوا اور بہانہ بن گیا۔ اس گلابی کاغذ کا دوسرا رخ۔ دوسرے رخ پہ لکھی حقیقت، دوسرے رخ پہ رقم اذیت۔ ان کی ہستی کا رخ بدل گیا۔ دن زمین سے باہر بیت گیا تھا اور رات زمین کے اندر ڈھلے گی۔

پیچھے محض اڑتی خاک تھی اور تپائی پہ چشمے کے نیچے دھرا گلابی کاغذ اپنے اوپر لکھے مرثیے پر نوحہ کناں تھا۔ لفظ لفظ سے درد کے چشمے پھوٹ پڑے تھے۔ ان چشموں سے مدغم اس بے جان بڑھیا کے آنسو تھے۔ جو حرف حرف پڑھتے روئے گئے تھے۔

مجھے لگتا ہے ڈر
نہ رہا جو رجا اگر
تنہا رہ جائے گی بڑھیا رانی
کس سے کہے گی وہ اپنی کہانی
گھبرائے گی سر ٹکرائے گی
کرلائے گی تنہا کونج نمانی
جس کے لیے کیا اس نے پتا پانی
پالا پوسا اور چڑھایا جوانی
ڈال نہ دیتا اس کے گھر ویرانی
ہو جائے گی وہ پگلی دیوانی

کتنی ہیں اس نے سانسیں پائی
آخر اک دن تو ہیں تھم جانی
جیون ہمارا مانو کورا پیالہ
سانسیں قطرہ قطرہ پانی
بھر گیا پیالہ، مر گئے راجا رانی
ختم کہانی، ختم کہانی، ختم کہانی

☼ ☼ ☼

رانی مر گئی۔ کہانی ختم ہوئی، وقت کی ہتھیلی کی تھاپ پہ ناچتا ایک اور کردار خاک نشیں ہوا۔

مہرالنساء بیگم تھیں۔ جہانگیر قربان کی بیوہ اور کڑیل بیٹوں کی ماں۔ بارہ سال پہلے بیوہ ہوئیں۔ تب سے لے کر اب تک بڑی مشکل سے زندگی کھینی تھی۔ چھوٹے دونوں لڑکے تو کبھی پلٹے ہی نہ تھے۔ بڑے نے دو چکر لگائے تھے۔ وہ بھی اتنی دیر بیٹھ کر گیا کہ مہرالنساء پوروں پر گھڑیاں گن کرتا سکتی تھیں۔

اللہ۔ اللہ! کیا طنطنہ تھا بیگم مہرالنساء کا۔ وقار اور تمکنت کی منہ بولتی تصویر۔ حسن و نزاکت کا مجسمہ۔ نوابوں کے گھرانے سے تھیں۔ اکلوتی تھیں۔ ماں، بیوہ ہوئیں تو چھوٹی سی مہرالنساء کی خاطر دوسرا عقد نہ کیا اور پھر بیٹی کی پرورش میں جی جان صرف کیا۔ ہر ہنر میں طاق کیا اور بے حد عزیز اور جانثار سہیلی کے بیٹے سے بیاہ دیا۔ جہانگیر قربان بھی اکلوتے بیٹے تھے۔ دو بہنیں تھیں، انڈیا بیاہی گئیں تو سالوں کی خبر لاتی تھیں۔

مہرالنساء بیگم نے اس طریقے سلیقے سے گرہستی نبھائیں کہ سگی اماں نے انگلی دانتوں تلے داب لی۔ خسر بیگم ساس کو گویا پسلوٹی کی اولاد سمجھ لیا۔ ایسے چاؤ چونچلے کیے کہ مرتے دم تک دعاؤں کے ڈونگرے مہرالنساء بیگم پہ برسائے تھے۔ اپنی اماں کو بھی پاس رکھ کر خدمت کی۔ شوہر تھے تو نثار ہوئے پھرتے تھے اور کیوں نہ ہوتے۔ کس خانوادے سے تھیں اور کیسی کیسی سختیاں نہیں جھیل لی تھیں اپنے شریک حیات کے ہمراہ۔

جہانگیر قربان سرکاری افسر تھے۔ بے تحاشا زمین و جائیداد کے وارث۔ دھن برستا تھا۔ چاندی نہاتے، سونا پہنتے تھے۔ مگر اچانک بساط الٹ گئی تھی۔ سنہرے سکے۔ سنہرے یادیں بن گئے اوروں کے پیسے نے ان کے پیسے کو کھینچ لیا۔ چلتے کاروبار ٹھپ ہوئے جو جہاں جن افراد کی زیر نگرانی تھے۔ سب تلپٹ ہوئے۔ قرضے چڑھ گئے، جنہیں اتارنے کے چکر میں زمینیں گئیں۔ وہ تو کرم ہوا نوکری سرکاری تھی جو فاقوں کی نوبت نہ آئی۔ گو کہ نوکری کوئی معمولی نہ تھی، مگر جہاں صدقے میں سونا وار کے دے دیا جاتا ہو۔ بچے چاندی کی کٹوریاں اچھالتے پھرتے ہوں۔ وہاں سرکاری نوکری کی لگی بندھی آمدنی معمولی ہی لگتی ہے۔ پر مہرالنساء بیگم کے ماتھے پہ سلوٹ نہ ابھری۔ نہ ہی طبیعت کی جانفشانی میں گرانی آئی۔ ہنس کے تنگی کے دن کاٹے جو کبھی نہ کٹے۔ پھر کبھی امارات و ثروت کو وہ اٹھان نصیب نہ ہوئی۔ مگر بچوں کی تربیت میں کوئی کسر نہ چھوڑی تھی۔ بہترین پڑھایا، اعلا سے اعلا پہنایا اور عمدہ کھلایا۔ جہانگیر قربان صاحب کی زندگی میں ہی بیٹے پڑھ لکھ کر نوکر ہو گئے تھے۔ مگر دو ملک سے باہر اور ایک نے ملک میں ہی پردیس سجا لیا تھا۔

جب تک جہانگیر قربان صاحب حیات تھے مہرالنساء بیگم کو آسرا تھا۔ کہنے سننے کو ہم کلام و دمساز تھا۔ اولاد کا دکھ رونے کو کاندھا میسر تھا۔ بڑا چاہا تھا انہوں نے مہرالنساء بیگم کو، اولاد کے معاملے میں سخت گیر ضرور تھے مگر جان وارتے تھے، پر ہوا کیا۔

پرندوں کو پر لگ گئے اور وہ انہیں آزمانے لمبی اڑان بھر کے اڑ گئے۔ واپسی مشکوک، واپس آتے بھی کس لیے۔ کس کے لیے۔ خبطی ہوتے بوڑھے ماں، باپ کے لیے۔ تو اس کی انہیں چنداں حاجت نہیں تھی۔ آخر سارا بچپن ماں، باپ کے پاس ہی تو گزارا تھا۔ کیا تھا جو اب جوانی اپنی مرضی سے گزار لیتے۔ دنیا غرض کی ہے۔ مگر جب یہ حساس رشتے خود غرضی پر اتر آئیں تو فطرت بھی نیر بہاتی ہے۔ عرش ٹپک پڑتا ہے۔ رب کو غیض اور جلال آتا ہے۔

اولاد پلٹ کر نہ آئی تو جہانگیر قربان صاحب کا جی زندگی سے اچاٹ سا ہونے لگا۔ بیگم جی بہلائے بھی رکھتیں تو خود کیسے بہلتیں۔ ویسے بھی سرکاری نوکری سے خود ہی ریٹائرمنٹ لے لی۔ بمشکل تین ماہ کاٹے تھے کہ اولاد کے غم کا روگ لیے قبر میں اتر گئے۔ مہرالنساء بیگم کا دماغ الٹ سا گیا۔ جہانگیر قربان صاحب کو چیخ چیخ کر جھنجوڑ ڈالا۔ گریبان نوچا۔ اتنی ظالم تو وہ کبھی نہ تھیں۔ کتنی دیر ہاتھ میں ہاتھ لیے اس کی گرمی محسوس کرتی رہیں۔ چونک چونک جاتیں کہ جیسے کہیں کوئی باریک سی نس پھڑکتی تھی۔ نزع کی سختی ریشے ریشے میں اترتی ہے۔ کیا عجب ہے جو جان نکل جانے کے بعد جسم میں تھرتھراہٹ باقی رہ جائے تو۔۔۔

ایک بیٹا پہنچ پایا تھا۔ سب سے بڑا۔ سرخ چہرہ لیے پھرتا تھا۔ نہ جانے غم کی لالی تھی یا شرمندگی کی۔ باقی دونوں نے آفت زدہ ماں کو فون پر پرسا دیا۔ گویا حق ادا کر دیا۔

ماں نے بھی وہ دن اور مرنے کا دن' دوبارہ کبھی کسی اولاد کی کال نہیں سنی تھی۔ مرتے دم تک کسی بھی اولاد کا منہ نہ دیکھنے کی قسم اٹھالی۔ بڑے بیٹے کو بھی تین دن بعد بند آنکھوں سے رخصت کیا۔ تخت پہ بیٹھی تسبیح پڑھ رہی تھیں۔ آنکھیں بند اور جسم ساکن۔ بے جان موم کی مورت جیسا۔

بیٹا آیا۔ ماں کو ہلایا' کوئی جنبش نہ پا کر پیر پکڑے۔ وہ کسمسائیں مگر پلک سے پلک نہ توڑی۔ دو چار تعزیتی فقرے بیٹے نے ادا کیے اور آئندہ آنے کا کہہ کر اپنے گھر کو روانہ ہوا۔ یہ تھا باپ کے جنازے کو کاندھا دینے کا قرض جو قابل بیٹا اتار کر چلتا بنا۔

بس اس دن سے جو تھا سب مصنوعی تھا' خود ساختہ تھا۔ ایلس کے ونڈر لینڈ جیسا من چاہا۔ بیگم مہرالنساء کا یوٹوپیا! جہانگیر قربان صاحب مہرالنساء بیگم کے تخیل میں زندہ ہو کر اس گھر کی چار دیواری کے اندر کی دنیا میں ان کی تنہائی بانٹنے کا واحد آسرا اور ذریعہ تھے۔ باہر کی دنیا سے وہ کٹ چکی تھیں' کسی کو زیادہ ملنے کی اجازت نہیں دیتی تھیں ماسوائے رضیہ کے۔ وہ بھی اگر دم خم ہوتا تو چھٹی کرا دیتیں۔ مگر اتنے کام کاج کے قابل نہیں رہی تھیں۔

اب سارا دن وہ ہوتیں اور ان کی باتیں۔ کہاں کہاں کے پرانے قصے وہ جہانگیر قربان کو سنائے جاتیں اور جہانگیر قربان تھے کہ ان کا انہماک ختم نہیں ہوتا تھا۔ وہ یک ٹک بیگم پہ نظریں جمائے ہمہ تن گوش رہتے تھے۔ بیگم مہرالنساء کو لگتا کہ جہانگیر قربان صاحب ان سے ناراض بھی ہوتے ہیں۔ انہیں غصے سے گھورتے بھی ہیں۔ میٹھی نظروں سے تکتے بھی ہیں اور انہیں حکم بھی سناتے ہیں۔ ان کی تصویر جو فرمان صادر کرتی وہ جھٹ حکم بجا لاتیں۔ جیسا کہ وہ ان کی زندگی میں کیا کرتی تھیں۔ انہوں نے ہمیشہ جہانگیر قربان صاحب کا من پسند کھانا تیار کیا تھا۔ بڑے اہتمام سے لگایا تھا۔ دستر خوان پر ہمیشہ انہی طشتریوں کو سجایا تھا جن میں کھانا' کھانا انہیں بے حد مرغوب تھا۔ ہمیشہ وہ نفوس کے لیے برتن سجاتیں۔ ان کی تصویر کے رخ پورے سلیقے سے ہر چیز چنتیں۔۔۔

آئے دن جہانگیر قربان صاحب کے کپڑے دھل کر آنگن کی زینت بنے ہوتے۔ وہ ابھی تک باقاعدہ ان کے کپڑوں کو کلف لگا کر استری کرتی تھیں۔ اور بڑی پریت سے خوب صورت تہہ جما کر الماری میں سجاتیں۔ فارغ وقت میں ان کے لیے کرتے کاڑھنے بیٹھ جاتیں۔ اسی بھول بھلیوں میں کھو کر وہ اتنا وقت کاٹ گئی تھیں۔ فریب نظر تھا۔ سب۔ بس۔ اور کیا تھا۔

نظم تو اک بہانہ بنی تھی مگر در حقیقت وہ تھک گئی تھیں۔ ہار گئی تھیں۔

بارہ سال کا عرصہ انہوں نے پوری تندہی اور دلجمعی سے تخیل کی فرضی دنیا کے فرضی کرداروں میں اپنا آپ منوایا تھا۔ مگر کب تک؟ وہ جیسے کئی دنوں سے محسوس کر رہی تھیں کہ ان کے شل ہوئے حواس اپنی جون میں پلٹ رہے ہیں۔ انہیں منظر کشی کرنے میں دشواری پیش آنے لگی تھی۔ سب کچھ اوپرا اور مصنوعی محسوس ہونے لگا تھا۔ اور تو اور کئی دن سے تو لگتا جیسے جہانگیر قربان صاحب کی تصویر بیچ میں ایک

مورت بن کے رہ گئی ہے۔ چہرہ کرید کرید نظریں ہار جاتی تھیں مگر ڈھونڈے سے بھی کوئی تاثر نظر نہ آتا۔ راتوں کو ڈرنے لگی تھیں' امرود کا پیڑ ایک بڑے دیو ہیکل درندے کا روپ دھار لیتا۔ چھوٹے چھوٹے بوٹے' بونے جن بن جاتے جو اچک اچک کر ان کی نیندیں حرام کرتے۔ وہ تکیے میں منہ دیے گھٹ گھٹ کر روتی رہتیں۔ خوف سے کانپے جاتیں۔ ہائے میں اکیلی۔ ہائے میں اکیلی کا راگ الاپے جاتیں۔

اور پھر اس دن۔ جس دن انہوں نے گلابی کاغذ پہ لکھی دل گداز نظم پڑھی تو وہ جیسے ان کے لیے اجل کا پروانہ ثابت ہوا۔ وہ چاروں شانے چت ہوئی تھیں جیسے۔ زندگی کی تلخ حقیقت نے گمان کو مات دے دی تھی۔ بیگم مہرالنساء ریت کی بھربھری دیوار ثابت ہوئیں جسے محض ایک دھکے کی حاجت تھی۔ دیوار اوندھے منہ جا گری تھی۔

اگلے دن رضیہ کے لاکھ پیٹنے پر بھی دروازہ نہ کھلا تو کھینچ کھانچ کر دو چار ہمسائے اکٹھے کرلائی۔ چھریرے بدن والے دو بڑھتی عمر کے بچے دیوار پھلانگ کر اندر داخل ہوئے اور سرعت سے گیٹ کھول دیا۔ رضیہ نے مردوں کو منع کر دیا اندر جانے سے اور اپنے ساتھ دو چار ہمسائیاں لیے اندر چلی گئی۔ مہرالنساء بیگم پردہ کرتی تھیں اس عمر میں بھی ان کا چہرہ کسی محلے دار مرد نے نہ دیکھا تھا۔ سو اب رضیہ کیسے مردوں کو منہ اٹھائے دہلیز پھلانگنے دیتی۔ اور کون جانے اندر کیا بیت گئی تھی۔

رات ہوا بہت تیز تھی۔ خنکی بڑھ گئی تھی۔ سارے صحن میں امرود کے خشک پتے بکھرے پڑے صدائیں لگاتے تھے۔ رضیہ کی چیخیں حس بے دار ہوئی۔ زبان یکدم سرد پڑ گئی۔ گھبرا کر برآمدے میں نظر کی۔ بیگم کھیس اوڑھے۔ منہ پھیرے پڑی تھیں۔ کسی ہمسائی نے جھٹ آگے بڑھ کر جسم ٹٹولا۔ آنکھوں کو کھولا مگر بے سود۔ زندگی موت کی رتھ پر سوار اپنے آبائی مسکن روانہ ہو چکی تھی۔

رضیہ کی بیگم صاحبہ مر گئیں۔ جہانگیر قربان کی موچل بی اور تین جوان بیٹوں کی ماں اپنے بچوں کی انا پر قربان ہو گئی۔

موت کی آغوش میں تھک کے جب سو جاتی ہے ماں
تب کہیں جا کے تھوڑا سکون پاتی ہے ماں

حسب سابق بڑا بیٹا پہنچ گیا تھا۔ پتا نہیں کس بھلے مانس نے اطلاع کروائی تھی وگرنہ یہاں تو ہر کوئی اسے دیکھتے ہی نفرت سے منہ پھیرے جاتا تھا۔ جیسے تیسے کفن دفن سے فراغت پائی اور یہاں سے بھاگنے کی کی۔ وگرنہ اسے تو خوف سا محسوس ہو رہا تھا۔ جیسے سب ہی اس کے ساتھ مار پیٹ نہ شروع کر دیں۔ مگر جاتے جاتے جامع مسجد کے پیش امام کے ہاتھ میں گھر کی چابیاں سونپنا نہیں بھولا تھا۔ اور جب مولوی جی کو اس نے یہ کہا کہ۔

"کوئی گاہک آئے تو مجھے فوراً" اطلاع کیجیے گا۔ میرا ارادہ اس کوٹھی کو جلد از جلد فروخت کر دینے کا ہے۔"

مولوی جی کا دل کہا کہ کھینچ کر ایک تھپڑ اس بیٹے کو دے ماریں۔ جس نے ابھی ماں دفنائی تھی اور آتے ہی گھر کی ملکیت کا احساس جاگا اور بات گاہکوں تک بھی پہنچ چکی تھی۔ واہ ری اولاد' تو واقعی فتنہ ہے حق ہے۔ سچ ہے!

جس اولاد کی خاطر ہر دکھ ماں باپ اپنی ٹھوکروں پر رکھتے ہیں۔ بس کے سکھ گروی رکھتے ہیں کہ بچے کسی چیز کو نہ ترسیں۔ کسی کمی کا شکار نہ ہونے پائیں۔ وہ اولاد ماں باپ کے مرنے پر انہیں دفنانے کا فریضہ بھی ایسے انجام دیتی ہے جیسے کپڑوں پر لگی گرد جھاڑ کر کوئی چلتا ہے۔

جناں بچے تو باپ کمائے
کتھے نی تیرے گھر دے
پیر پسار پیوں وچ ویڑے
تے کنڈو کنڈو کرو ے

تھڑے پہ بیٹھی رضیہ دکھ اور لاچاری کی تصویر بنی آنسو بہائے جاتی تھی۔ آنکھیں پونچھتی تو پھر سے بہے جاتیں۔ بیگم کی کون۔ کون سی یاد نہ تھی جو دل کو رلاتی تھی۔ اس نے پلٹ کر ایک نظر گیٹ کو دیکھا۔ بڑا سا سرمئی رنگ زدہ تالا لگ چکا تھا۔ محض بتیس گھنٹے میں

کیا سے کیا ہو گیا۔ ان بتیس گھنٹوں میں بیگم کا مردہ وجود دفنایا بھی جا چکا تھا اور ان کا ہونہار سپوت اپنی اصل ملک کو تالا ڈالے واپس بھی ہو لیا۔

اس کا جی چاہا تھا کہ ظفریاؤ کو ایک دفعہ کہے کہ اسے اندر جانے دے۔ بیگم کی چیزیں بکھری پڑی تھیں۔ ایک آخری دفعہ ان کا لمس اپنی ہتھیلیوں پر نقش کر لے۔ مگر ایسی بٹیلی اولاد کے وہ کیا منہ لگتی۔

اس نے چند بار مزید مڑ مڑ کر کوٹھی کے در و دیوار پر نظر ڈالی۔ بیگم کا شاہانہ چہرہ نظروں میں لہرایا گیا۔ تو وہ دھیرے سے اٹھ کھڑی ہوئی اور کسی لنگڑے فقیر کی سی چال چلتی مشرق کی سمت ہولی۔ وہ بھی ماں تھی۔ گھر پر بچے تھے۔ انہیں پالنا تھا' پوسنا تھا' بڑا کرنا تھا اور کیا انہوں نے بھی اسے ایسے ہی چھوڑ جانا تھا؟ کڑوی سی سوچوں نے اس کے وجود کو مزید بے جان کیا تھا۔ مگر وہ پھر بھی گھر کی سمت قدم اٹھاتی رہی کیونکہ وہ ماں تھی۔

کوٹھی کے اندر امرود کے پیڑ کا سایہ لمبا ہوا جاتا تھا۔ مہرالنساء بیگم کے ہاتھ کے لگے پھول بوٹے سسکیاں بھر رہے تھے۔ ہلکی ہلکی اڑتی گرد تخت سے لپٹتی جیسے مہرالنساء بیگم کی یادگار کو چومتی تھی۔ فضا میں کسی انسانی وجود کی باسی مہک تھی۔ وہی تخت' وہی تخت پوش' سفید براق چھوٹے چھوٹے پھولوں والی' ساتھ دھری تپائی بھی تھی۔ اوپر اوندھا پانی کے گلاس کے ساتھ مہرالنساء بیگم کی عینک دھری تھی جس کے نیچے وہ گلابی کاغذ ہنوز دبا پڑا تھا۔ نہ کسی نے چھیڑا' نہ چھوا۔۔۔ شاید خود میں خود ہی چھپ گیا تھا۔

جہانگیر قربان صاحب کا فوٹو فریم آج ہمیشہ کے لیے بے جان ہو گیا تھا۔ وہ فوٹو فریم جس میں مہرالنساء بیگم کی جان تھی۔ جس کو صبح پنج سورہ کی تلاوت کے بعد کبھی اوندھے سے سیدھا کرنا نہ بھولتی تھیں۔ مگر آج وہ فوٹو فریم اوندھا کا اوندھا دھرا رہ گیا تھا۔ اس کو پریت سے دیکھنے والی نظریں ہمیشہ کے لیے بند ہو گئی تھیں۔ اب کوئی نہیں تھا جو اس فوٹو فریم کو سیدھا کر کے پلو سے اس کی گرد جھاڑتا اور سنوار کر سرہانے رکھتا۔ جانے والی سینے پہ دکھوں کا داغ لیے جا چکی تھی۔ خالی ڈھنڈار کوٹھی میں محض پھڑ پھڑاتے گلابی کاغذ کی آواز تھی۔ دیواروں میں جذب مکینوں کی آوازوں کی بازگشت تھی یا پھر بجتی یادوں کا چرمرایا۔۔۔ آخری سانسیں لیتا باقی ماندہ احساس۔

☆ ☆

فاخرہ گل

خلا سا لا اور اوپر والا

ساتویں قسط

چینا اور خالہ آمنے سامنے صوفوں پر بیٹھی تھیں اور ان کے عین سامنے شادی بیاہ میں لگائی جانے والی جھنڈیاں، لائٹیں، مہندی کی سجاوٹی پلیٹیں رکھی گئی تھیں، ابا اور چندا نے کوشش تو کی کہ کچھ سن گن لے سکیں لیکن وہ خالہ کے چہرے پر بکھری شرماہٹیں گھبراہٹیں صرف دیکھ ہی سکے، سن نہ سکے تھے اور یہی وجہ تھی کہ ان کی حالت ایسی تھی کہ دیکھتے ہوئے کم اور دکھتے ہوئے زیادہ معلوم ہو رہے تھے۔ اور یقیناً" اس اچانک ٹینشن اور تجسس ہی کی وجہ سے ابا کو لگا کہ ان کے پیٹ کے اندر سانپ رینگ رہے ہیں جب ہی تو وہاں سے یوں ہٹ گئے جیسے غریب شخص کے پاس سے امیر رشتہ دار یعنی خاموشی سے۔

☼ ☼ ☼

"چینا یہ میں اپنے کلینک میں کیا دیکھ رہا ہوں۔" ضمیر بھائی حسب معمول باہر سے آکر سب سے پہلے اپنے کلینک میں گئے تھے کہ حیران پریشان اندرونی دروازے سے لاؤنج میں داخل ہو گئے۔

"یعنی اب یہ بھی تمہیں چینا بتائے گی کہ تم دیکھ کیا رہے ہو۔" چینا بھی ابھی کچھ دیر پہلے ہی باہر سے آئی تھی اور اب کچھ دیر ریلیکس کرنا چاہتی تھی لیکن ضمیر کی بے وقت اور سوالیہ آمد نے جھنجلا دیا۔

"ہر وقت غصے میں رہتی ہو، قدر نہیں کرتیں نا تم کہ کتنا اچھا شوہر ملا ہے۔" ضمیر بھائی نے بڑی ہی مسکین صورت بنا کر کہا تو چینا یہ سوچ کر مسکرا دی کہ اس کا تو شوہر پر بڑا رعب ہے اور وہ اس سب کے باوجود بھی اس سے کتنا پیار کرتا ہے۔

"خیر۔ چینا جیسی بیوی تمہیں ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملے گی۔"

"تم جیسی بیوی تو آدھی قیمت پر بھی ملے تو میں نہ خود لوں نہ کسی کو لینے دوں۔" ضمیر بھائی نے خود کلامی کی۔

اور اس میں کوئی شک نہیں کہ بعض اوقات خواتین، شوہر کی صلح جو طبیعت کو اس کی کمزوری سمجھ کر صرف اس بات پر خوش ہوتی رہتی ہیں کہ ان کا اپنے میاں پر کس قدر رعب ہے اور یہی بات وہ بڑے فخر سے اپنے حلقہ احباب میں بھی بتاتی ہیں۔ اس بات کو یکسر نظر انداز کر دیتی ہیں کہ معاشرے میں شوہر کی عزت ان کے مجازی خدا کے حوالے سے ہو۔ یا لوگ انہیں جورو کا غلام کہہ کر طنز و مزاح کا نشانہ بنائیں، یہ اختیار عورت کے اپنے ہاتھ میں ہوتا ہے۔

"بھئی اور کیا چاہیے چینا تم سے بڑھ کر۔ لیکن میں پوچھ رہا تھا کہ کیا میرے کلینک میں بارات آنے والی ہے جو اس قدر سجایا ہوا ہے۔"

"وہ دراصل مسز بشیر کا فون آیا تھا، کہہ رہی تھیں اپنی بیٹی کے رشتے کے لیے سخت پریشان ہوں تو چینا نے سوچا کیوں نا ہم ان کا رشتہ ہی کروا دیں۔"

"لیکن صرف ان کا رشتہ کروانے کے لیے یہ اتنا سارا انتظام؟" ان کا دماغ ابھی تک کسی افریقی بچے کے بالوں کی طرح الجھا ہوا تھا۔

"کروانا تو ان کا ہی ہے لیکن چینا نے سوچا کیوں نا اسی کام میں کچھ منافع بھی کمایا جائے اور وہ بھی ایسے کہ لگے ہاتھوں خالہ کا بھی رشتہ مل جائے۔" چینا نے خود کو عقل مند ظاہر کرنے کی کوشش کی۔ "بس اسی لیے تو چینا نے تمہارے کلینک کو شادی دفتر میں بدل دیا ہے۔"

"واہ واہ واہ چینا" تم نے تو کمال کر دیا۔ یعنی اسی لیے علامہ اقبال نے بھی۔ ہر مرد ہے ملت کے مقدر کا ستارہ نہیں کہا بلکہ ہر فرد کو ملت کے مقدر کا ستارہ کہہ کر تمہارا بھی حصہ ڈالا ہے۔" ضمیر بھائی نے آج کھل کر اور بڑے ہی دل سے تعریف کی تھی جس پر چینا مسکرائے بنا نہ رہ سکی "ضمیر کاش چینا تمہیں ایک سچا انسان کہہ سکتی۔"

"تو کہو نا اس میں پرابلم کیا ہے؟"

"پرابلم یہ ہے کہ چینا خود ایک سچی انسان ہے اس لیے جھوٹ نہیں بول سکتی۔"

"چینا تم بھی نا۔ اچھا اب اتنے دنوں تک کلینک کا کیا کرنا ہے؟" وہ اس طرح کی باتوں کے عادی تھے لہٰذا

دل پر لیے بغیر بولے۔

"ہم گھر کے باہر لکھ کر لگادیں گے کہ کلینک کچھ دنوں کے لیے بند ہے۔"

"یہ ٹھیک ہے میں ابھی لگا کر آتا ہوں۔"

"توبہ توبہ کتنی مہنگائی ہوگئی ہے' ارے ان بیوٹی پارلر والوں کو تو اللہ پوچھے گا۔" خالہ بھی چینا کے ساتھ ہی ابھی باہر سے آئی تھیں اور آتے ہی واش روم جانے کے بعد اب دوبارہ لاؤنج میں آئیں جہاں چند لمحوں پہلے چینا اور ضمیر بات کررہے تھے۔

"سچ کہتی ہو خالہ' اگر حکومت میک اپ سستا کروے تا تو ان کے ووٹوں کی تعداد بھی کئی گنا بڑھ جائے گی کیونکہ جعلی ووٹ ڈالنے اور سیاسی اداکاروں کو گیٹ اپ چینج کرنے کے لیے بھی میک اپ کی ضرورت پڑتی ہے۔" دراصل چینا اور خالہ شادی دفتر کی تیاریوں کے سلسلے میں سب سے پہلے خود فیشل کروا کر آئی تھیں اور اب وہی ڈسکس کررہی تھیں۔

"بلکہ میں تو کہتی ہوں چینا سیاسی اداکاروں کا بھی لیپا پوتی کے بغیر گزارا ممکن نہیں۔" خالہ نے اپنے سرخ ہوتے چہرے کو تھپتھپایا۔

"اب یہی دیکھ لو۔ صرف پانچ انچ کا فیس شل کروایا ہے اور پیسے اتنے دینے پڑے کہ مائنڈ شل مفت میں ہوگیا ہے۔"

"چینا کو تو لگتا ہے خالہ کہ مسمنی پنکی نے پچھلی دفعہ کم پیسے دینے کا بدلہ اتارنے کے لیے فیشل کے بہانے طمانچے مار مار کر تمہارا منہ سرخ کردیا ہے۔" چینا نے تجزیہ پیش کیا تو خالہ مزید آگ بگولا ہوگئیں۔

"ہونہہ رنگت جامنی اور نام پنکی۔ اللہ کرے پنکی سے منکی بن جائے کم بخت۔ ہائے ہائے کیسا منہ جل رہا ہے' جاؤ ذرا ٹھنڈا پانی تو لادو۔" انہیں نازک حالت میں دیکھ کر چینا فوراً فریج کی جانب لپکی۔

"جانے کیسی کیسی کریمیں ملتی رہی ہے میرے منہ پر۔ زبان تک پر کڑوا ذائقہ آرہا ہے۔"

"وہاں تو خالی کرسی کو وزارت کی کرسی سمجھ کر بھاگی تھیں نا اب بھگتو۔" چینا نے بڑبڑاتے ہوئے گلاس تھمایا۔

"ارے مجھے تو لگتا ہے اس نے کسی کریم سے نہیں' بلکہ بام سے میرا فیس شل کیا ہے۔" وہ گھونٹ پانی پینے کے بعد گویا انہیں ہوش آنے لگا تھا۔

"ہوسکتا ہے خالہ' بالکل ہوسکتا ہے کیونکہ چینا نے خود اسے کتنی دفعہ امپورٹڈ کریموں کی خالی شیشیاں لیے حکیم صاحب کے پاس دیکھا ہے۔" چینا نے روانی میں شاید اپنا ہی راز کہہ دیا تھا۔

"لیکن تم حکیم صاحب کے پاس کب اور کیوں گئی تھیں؟"

"ارے وہ۔ وہ چینا تو بس پنکی کے پیچھے بے اختیار کھنچی چلی گئی تھی۔" اس نے بات سنبھالی اس دوران بڑی نک سک سے تیار علی بھی اپنے کمرے سے نکلا۔

"آپی آپ نے کیا۔ پنکی کے پیچھے تو کوئی بااختیار بھی بڑے بے اختیار ہوکر کھنچے چلے جاتے ہیں۔"

"وہ تو ٹھیک ہے لیکن تم اس وقت کہاں جارہے ہو؟"

"وہ آپی دراصل آج کالج میں لیکچر ہے نا وہیں جارہا ہوں۔" چندا کے جانے کے متعلق وہ بات گول کر گیا تھا۔

"لیکچر ہے مگر کس کا؟"

"لڑکیوں کا!"

"تو لڑکیوں کے لیکچر میں بھلا تمہارا کیا کام؟"

"آپی سمجھا کریں نا' اتنی ساری لڑکیوں کو صرف ایک پروفیسر کے ساتھ اکیلا چھوڑنا بھی تو کوئی اچھی بات نہیں ہے نا اور پروفیسر بھی وہ جو ساری دنیا کو اپنا گھر سمجھتے ہیں اور خود کو گھروالا۔" علی نے اپنی مرضی کی تفصیل بتائی اور چینا کے مطمئن نظر آنے پر باہر جاتے جاتے پھر رک گیا اور چونک کر خالہ کو دیکھا۔

"خالہ یہ آپ کا فیس اتنا ریڈ کیوں ہورہا ہے؟"

"فیس؟ نہیں وہ۔ وہ دراصل باہر بہت گرمی تھی نا بس اس لیے۔"

"جی جی۔ گرمی سے ہی ہوا ہوگا' ورنہ کسی کی بات سن کر چہرہ سرخ ہونے کی عمر تو اب آپ کی نہیں

رہی۔" وہ مسکرایا۔

"جی نہیں ابھی بھی لاکھوں میں ایک ہوں۔" خالہ نے اپنے منہ پر پانی کا چھڑکاؤ کر کے ممکنہ سکون حاصل کرنے کی کوشش کی۔

"جی ہاں لاکھوں میں ایک آپ ہی ہیں جو ایسی ہیں۔" علی کی اس درجہ تعریف پر خالہ نے بڑی دردناک مسکراہٹ سے چینا کو دیکھا جو سمجھ رہی تھی کہ شاید اس بات پر خالہ کا پارہ ہائی ہو جائے لیکن یہ دیکھ کر وہ بھی مسکرادی کہ خالہ کا سرخ چہرہ شدت تعریف سے مزید سرخ ترین ہو رہا تھا۔

☼ ☼ ☼

چندا کا آج کالج میں پہلا دن تھا اسی لیے وہ گھبرائی ہوئی بھی تھی مگر علی نے اسے کہہ دیا تھا کہ وہ کسی قسم کی فکر نہ کرے کیونکہ پہلے دن وہ اس کے ڈیپارٹمنٹ میں اس کے ساتھ جائے گا تاکہ وہ خود کو محفوظ تصور کرے۔ اور چونکہ وہ دل تو علی کے ساتھ لگا ہی چکی ہے اس لیے دل لگا کر پڑھنے کے بجائے صرف پڑھنے پر غور کرے۔

ویسے بھی ہمارے معاشرے میں سب سے بڑا مسئلہ یہی ہے کہ بچے اپنے والدین کے کچھ زیادہ ہی فرمانبردار ہیں اسی لیے کالج یونیورسٹی میں جاتے ہوئے جب والدین دل لگا کر پڑھنے کی نصیحت کرتے ہیں تو وہ ان کی نصیحت پر عمل کرتے ہوئے روزانہ باقاعدگی اور بڑی ہی تیاری سے دل لگانے کی جدوجہد میں مشغول ہو جاتے ہیں اور کامیابی کی صورت میں اپنی کتابی چہروں کو پڑھتے رہتے ہیں۔

ابا بھی چاہتے تھے کہ چینا کو کچھ نصیحتیں کریں اس لیے سب سے پہلے انہوں نے بچت کے بارے میں سمجھانے کی تمہید باندھی۔

"پتری، کش پتا چلا؟"

"نہیں ابا میں نے نہیں کی کوشش ہی۔" چندا نے اپنے شولڈر بیگ میں ایک دو خالی رجسٹر ڈالے تو وہ یقینی طور پر کالج بیگ کے بجائے کسی ڈاکیے کا تھیلا لگنے لگا۔ لمبائی اور وزن کے باعث!

"کس چیز دی کوشش نئیں کی؟"

"کچھ پتا چلانے کی ابا۔"

"ہاں تے کوئی کش کیا وی ہے تو نے؟" اس کی تیاری دیکھ دیکھ کر ابا کا دل طبلے کی مانند دھڑک رہا تھا۔

"ہاں ابا ہم بھی کی تھی نا پچھلے ہی سال اپنی سالگرہ۔"

"تو تے جو کم وی کرنا خرچے والا ای کرنا۔" وہ دل کھول کر بدمزا ہوئے تھے۔

"ابا اب تو کوئی مفت میں نہیں مارتا تھپڑ بھی۔" بیگ تیار کر کے وہ ان کی طرف مڑی۔ "شاواشے پتری' تے تو نے مجھے بتانا تھا ناں۔"

"لیکن آپ کیوں کھانا چاہتے ہیں تھپڑ؟" اسے حیرت ہوئی تھی کہ ابا کو آخر یہ بیٹھے بیٹھے کیا ہوا۔ "تھپڑ کھانا نہیں 'مارنا چاہتا ہوں اسے جو مفت وچ تھپڑ کھانا چاہتا ہے' تے حیرت دی بات تے یہ ہے کہ لوگ مفت میں بندے مار رہے ہیں تے تجھے مفت اک تھپڑ مارنے والا نہیں مل رہا۔" ابا نے اس کے بیڈ کے کونے پر ٹک کر یوں ٹانگ پر ٹانگ چڑھائی جیسے کسی کا انٹرویو لینے کے لیے بیٹھے ہوں۔

"تو ڈھونڈ کون رہا ہے! میں نے تو بس کہہ دیا تھا محاورتاً۔"

"شاواشے، تجھے اس لیے اٹھویں جماعت اچ محاورے یاد کروائے تھے کہ انہیں چلتے پھرتے بول کر ضائع کرتی رہے؟" چندا کو لگا جیسے ابا کی آواز میں نمی ظاہر ہونے لگی ہو۔ جبھی فوراً سے صلح کا پرچم بلند کرتے ہوئے بولی۔

"اچھا ابا معاف کریں، نہیں بولوں گی آج کے بعد کوئی بھی محاورہ۔"

چندا کا خیال تھا کہ وہ اس کے یوں ہتھیار ڈالنے پر خوش ہوں گے لیکن وہ اسی طرح ٹانگ پر ٹانگ چڑھائے بیٹھے رہے بائیں ٹانگ کے اوپر دونوں ہاتھوں کا تالا اس مضبوطی سے لگایا گیا تھا کہ ذرا سی گرفت ڈھیلی ہوتی اور وہ پاکستانی فلموں کی ساکھ کی طرح جھٹ سے گر جاتے۔

"ابا۔۔" چندا نے بال بنانا چھوڑ کر ابا کو غور سے دیکھا کہ آیا وہ خیریت سے ہیں بھی کہ نہیں۔ کیونکہ ابا عمر کے اس حصے میں تھے جہاں عام طور پر صبح دیر تک سونے سے بھی دیگر اہل خانہ میں تشویش کی لہر دوڑ جاتی ہے کہ اب جاگیں بھی یا سو ہی گئے۔ کسی چیز کو ٹکٹکی باندھ کر دیکھ رہے ہوں تو قریبی لوگ ناک کے آگے ہاتھ کر کے سانس کے آنے جانے کی تصدیق کرنے کا سوچنے لگتے ہیں قریبی نظر اس حد تک کمزور ہو جاتی ہے کہ پھر سامنے دس خواتین بھی آجائیں تو صرف کم عمر ترین ہی نظر آتی ہے۔ جس کی وجہ کچھ اور نہیں بس یہ ہے کہ ان کم عمر خاتون کا ان سے عمر میں فاصلہ بہت زیادہ ہوتا ہے اس لیے قریبی نظر کی خرابی جان کر دور کی چیز دیکھتے ہیں۔

"ابا۔ ابا۔" چندا نے ان کی بازو پکڑ کر جھنجوڑا ہاتھوں کا تالا کھل جانے کے باعث گرتے گرتے بچے۔

"پتری ڈر گئیں اے؟" وہ چندا کے یوں گھبرانے پر حیران ہوئے تھے۔ پھر خود ہی بولے۔

"میں آیا تے تجھے یہ سمجھانے تھا کہ میں نے بڑی کوششوں سے یہ پیسے جمع کیے ہیں اس لیے اب تو نے ان کو اڑانا نہیں پر اب میں کسی ہور بات کرنے والا ہوں۔"

چندا نے انہیں غور سے دیکھ کر یہ جاننے کی کوشش کی کہ کہیں وہ اسے کوئی وصیت تو نہیں کرنے والے یا ہو سکتا ہے جس روپے جائیداد اور بینک بیلنس کا انہوں نے اسے آج تک نہیں بتایا' آج وہ اس راز سے پردہ اٹھانے والے ہوں۔ اس لیے خاموشی سے ان کی بات سننے لگی۔

"او دراصل۔ یہ۔ جو۔ علی ہے۔"

علی کی بات پر چندا نے سر جھکا کر شرمانا چاہا لیکن ابا کے چہرے پر موجود مشکوک تاثرات سے چونک گئی۔

"ہاں ابا بولیں نا۔ کیوں گئے ہیں آپ رک؟"

"بے تو یہ ہمارا پڑوسی' پر میرا دل ہے کہ یہ پڑوس پنا اب رشتے داری بن جائے۔ تجھے کوئی تراض تے نئیں؟"

"نہیں نہیں ابا۔ بھلا کیوں ہو گا مجھے اعتراض؟"

اس نے فوراً ہی اپنی طرف سے ہاں اس لیے بھی کر دی تھی کہ ابا کا مزاج بدلتے دیر نہیں لگتی تھی۔

"بعد وچ کوئی مسئلہ نہ کریں پتری۔ سوچ لے تیری طرفوں ہاں سمجھاں؟" ابا نے پورے چہرے سے بات کرتے ہوئے آنکھوں سے فل اسٹاپ لگایا۔

"ابا آپ کی خوشی میری خوشی۔ اور مجھے چاہیے صرف آپ کی خوشی۔" سرخ ہوتے چہرے کو چھپاتے ہوئے وہ بیگ اٹھا کر باہر نکل آئی۔ آج اسے زندگی کی وہ خوشیاں ایک ساتھ ملی تھیں اور اب اسے ابا پر بے حد پیار آنے لگا اور اسے لگا کہ ابا اس دنیا کے سب سے خوش مزاج انسان ہیں ایسے جو صرف اپنے مزاج پر خوش ہوتا ہو۔

☼ ☼ ☼

"ارے علی تم ابھی تک یہیں کھڑے ہو؟ جانا نہیں ہے کیا کالج؟" چینا خالہ کے چہرے پر چھڑکاؤ کرنے کے بعد لوٹی تو اسے وہیں کھڑا دیکھ کر حیران ہوئی کیونکہ وہ نہیں جانتی تھی کہ علی چندا کے نیچے اترنے کا انتظار کر رہا ہے اس چندا کا جو اب تک کالج پہنچ بھی چکی تھی۔

"نہیں وہ آپی دراصل۔ میں خالہ کو دیکھ دیکھ کر سوچ رہا تھا کہ اگر خواتین کا بس چلے نا تو برتن کپڑے بھی گروی رکھ کر میک اپ خرید لائیں۔"

"کیا مطلب ہے؟ تم میری بے عزتی خراب کر رہے ہو۔" خالہ نے ہتک عزت جیسا جملہ بولنے کی کوشش کی۔

"سچ کہہ رہا ہوں آپی' جتنا خرچہ خواتین کے میک اپ پر ہوتا ہے اتنا ملک میں کہیں نہیں ہوتا۔" علی نے ایک نظر ان سیڑھیوں کی طرف دیکھا جہاں سے چندا کی آمد متوقع تھی مگر پھر نظریں جھکا کر خالہ اور چینا کو دیکھنے پر ہی اکتفا کیا۔

"ارے تو جتنا تم مرد ہم لڑکیوں کے بارے میں

سوچتے ہو۔ اتنا کبھی ملک کا بھی سوچا ہوتا نا تو آج یہ حالات نہ ہوتے؟" خالہ کے بولنے کے انداز سے واضح تھا کہ ان کے چہرے کی جلن اب زبان تک منتقل ہو چکی ہے۔

"اور ویسے بھی آج اگر ہم اتنے جتن کرتی ہیں نا تو صرف اور صرف تم لوگوں کی خوشی کے لیے ورنہ جھریوں سے تو گھبرانا ہم نے سیکھا ہی نہیں۔ اگر کسی دوسرے کے چہرے پر ہوں۔" خالہ نے بات کا آخری حصہ نہایت آہستگی سے مکمل کیا۔

"اور میری تو خواہش ہے کہ اگر لازمی سب نے بوڑھا ہونا بھی ہو تو میں سب سے کم عمر بوڑھی ہی نظر آؤں۔ وہ کہتے ہیں نا کہ۔۔۔ "ہزاروں خواہشیں ایسی کہ ہر خواہش پہ دُم نکلے۔" خالہ نے زبر کو پیش میں بدلا بھی اور اس پر قائم بھی رہیں۔

"خالہ ہزاروں خواہشیں ایسی کہ ہر خواہش پہ دَم نکلے۔" چینا نے درستگی کی تو لگا جیسے ان کی تو دُم پر ہی پاؤں آگیا ہو۔

"ارے واہ روز خبریں دیکھتی ہو' اتنا نہیں پتا کہ آزادی اظہار رائے کا دور ہے میرا جو بھی جی چاہے گا میں کہوں گی۔ یہ میری مرضی ہے کہ خواہش پر دُم نکالوں یا کسی کا دم۔"

"چینا صرف خبریں دیکھتی ہی ہے۔ نہ سنتی ہے نہ پڑھتی۔۔۔" بات کرتے کرتے چینا کی نظر علی پر پڑی جو سیڑھیوں کی طرف سر اٹھا کر کھڑا تھا۔

"چینا نہیں پڑھتی' مگر تم تو کچھ پڑھ لو نا۔ یہاں کیوں زرافہ بنے کھڑے ہو۔"

"وہ آپی دراصل میں سوچ رہا تھا کہ نوٹس کا کیا کروں گا؟"

"کمال ہے اتنا تو پرانے زمانوں میں لوگ کالے کوٹس کا سوچ کر پریشان نہیں ہوتے تھے جتنا تم نوٹس کے لیے ہو رہے ہو۔"

خالہ نے ہاتھ میں پکڑے شیشے میں آئی ابرو چڑھا کر ان کے کمانی ہونے کی یقین دہانی کی۔

"وہ دراصل اب ہمارے چیئرمین بھی اکثر کالج میں ہوتے ہیں نا اس لیے ذرا ڈر رہا تھا۔"

"حد ہوگئی علی' تم جایا ہی اس وقت کرو جب وہ چیئرمین کے بجائے واک مین ہوتے ہیں۔ ویری سمپل۔" چینا کمرے سے لڑیاں اٹھا لائی تھی جنہیں کلینک کی دیواروں پر لگا کر شادی دفتر کا تاثر دینا تھا۔

"اور تم تو ہو بھی تھرڈ کلاس نا۔ تمہیں کیا فرق پڑتا ہے۔" خالہ بھی شیشہ رکھ کر چینا کے پاس آکر لڑیاں سیٹ کرنے لگیں۔

"خالہ میں تھرڈ ایئر میں ہوں' تھرڈ کلاس نہیں ہوں' حد ہوگئی یعنی آپ نے تو انگریزی بولنے میں ہماری ایکٹریسز اور کرکٹرز سب کو پیچھے چھوڑ دیا ہے۔" وہ زچ ہو چکا تھا۔

"ہاں تو پیچھے ہی چھوڑا ہے نا خود سے آگے تو کسی کو نکلنے نہیں دیا نا۔۔۔ اور میں تو کہتی ہوں کہ جس طرح میں الف ب بھی انگریزی میں پڑھتی ہوں اس طرح اردو زبان تو ہونی ہی ساری انگریزی میں چاہیے تاکہ وہ چار "ورڈز ورتھ" تم لوگ بھی سیکھ لو۔"

"ارے خالہ' انگریزی زبان سے تو ہماری نوجوان نسل کو اتنی محبت ہے کہ راتوں کو نیندیں قربان کرکے بھی سینما جاکر فلمیں انگریزی ہی دیکھتے ہیں۔" چینا کی بات ابھی ٹھیک سے ختم بھی نہیں ہوئی تھی کہ ضمیر بھائی ناک سے پھسلتی عینک واپس آنکھوں پر لگاتے ہوئے لاؤنج میں داخل ہوئے۔ عینک کے بار بار پھسلنے پر وہ قطعی طور پر شرمندہ نہ ہوئے کیوں کہ ان کا ماننا تھا کہ نظر پھسلنے سے نظر کا چشمہ پھسلنا کہیں بہتر ہے اور پھر جیسی بھی تھی عینک تھی تو ان کی اپنی نا' ورنہ تو کچھ لوگوں کا دنیا میں کچھ بھی اپنا نہیں ہوتا یہاں تک کہ فیس بک کی وال بھی' جس پر ہر بندے کی پوسٹ نظر آتی ہے سوائے اس کے جس کی وہ دراصل ہوتی ہے۔

"واہ چینا۔۔۔ یعنی تم یہاں بیٹھی ہو اور میں تمہیں کب سے آواز دے رہا ہوں۔"

"تو کیا چینا کی اپنی آواز سے کام نہیں چل سکتا جو تم مجھے اپنی بھی آواز دے رہے ہو۔" چینا نے اسٹریٹ لائٹ کی طرح خود پر جھکے ضمیر بھائی سے پوچھا۔

"آپی ضمیر بھائی تو آپ کو آواز تب دیں گے نا جب یہ اپنی فادری زبان میرا مطلب ہے خاموشی چھوڑیں گے۔" علی نے موقع کا فائدہ اٹھایا۔

"علی تم تو اپنا منہ بند ہی رکھو' گلاب جامن کے ڈبے میں پڑے شیرے جتنی اوقات نہیں ہے تمہاری۔ ہونہہ ہر وقت پڑا سوتا رہتا ہے اور باتیں سنو اس کی۔" ضمیر بھائی کو بھی غصہ آگیا تھا۔

"سوتے ہوئے بھی میں فارغ نہیں رہتا۔ بڑا آدمی بننے کے خواب دیکھتا ہوں اور اسی خواب کو مسلسل دیکھنے کے لیے سوتا ہوں۔ ورنہ نیند نہیں ہے مجھ میں۔" علی نے فوری جواب جاری کیا۔

"ضمیر تم نے چینا کے بھائی کو ڈانٹا۔ جاؤ چینا تم سے نہیں بولتی۔"

"اچھا واقعی؟" خوشی کے مارے ضمیر بھائی نے چشمہ اتار کر ہاتھ میں ہی پکڑ لیا تھا۔

"بڑی مہربانی بہت شکریہ۔ میں واقعی تمہیں مس کروں گا اور تمہاری یاد میں کسی خاتون مریضہ کے منہ میں تھرمامیٹر ڈال کر اسے خاموش نہیں کرواؤں گا۔"

"چینا تمہیں بالکل اس طرح نہیں جانے دے گی' دیکھو تو تمہاری باتوں سے کیسا منہ نکل آیا ہے اس کا؟"

چینا نے جو ضمیر بھائی کو خوشیاں منانے کی منصوبہ بندی کرتے محسوس کیا تو فوراً" خود ہی بول پڑی' جس پر ضمیر بھائی کا مزا کرکرا ہو گیا تھا۔

"منہ نکل آیا ہے؟ کیا اس سے پہلے اس کی گردن پر پلیٹ ٹانگی ہوتی تھی جسے ہم آج تک منہ سمجھ رہے تھے۔" ان کا بس چلتا تو اس منہ کو فٹے منہ میں بدل کر رکھ دیتے۔

"تمہیں علی سے سوری کرنا ہو گی۔ بس چینا کو کچھ نہیں پتا۔"

"کوئی نئی بات کرو چینا' یہ تو سب کو پتا ہے کہ تمہیں کچھ نہیں پتا۔" خالہ نے لڑیوں کو قطار میں رکھا۔

"اور ضمیر تم سوری کر ہی لو تو بہتر ہے ورنہ پتا ہے نا چینا کو ٹینشن ہو گئی تو کتنی دیر تک شاپنگ کرتی رہے گی۔" خالہ نے ممکنہ خدشے سے آگاہ کیا تو ضمیر بھائی گویا کرنٹ کھا کر علی کی طرف بڑھے تو علی چہرے پر مزید مسکینی طاری کیے وہاں کھڑا تھا۔ جو ضمیر بھائی کے نزدیک جانے پر چڑانے والے تاثرات میں تبدیل ہو چکا تھا۔ ضمیر بھائی نے قریب جا کر اسے گلے لگانے کا ارادہ کیا مگر چونکہ چینا اور خالہ ان کی عقب میں تھیں اس لیے دانت پیستے ہوئے بولے۔

"اتنا تیز بندہ میں نے کہیں نہیں دیکھا جتنے تم ہو۔"

"تیز؟ آپ نے مجھ سے سبزی کاٹی ہے کیا؟" علی کے چہرے پر بلا کی معصومیت تھی۔

"سبزی کیا دل تو چاہ رہا ہے تمہیں ہی کچا بلکہ کاٹ کے کھا جاؤں۔"

"ارے نہیں ضمیر بھائی ایسا نہ کیجئے گا ورنہ خوامخواہ مجھے پیٹ میں چودہ ٹیکے لگوانے پڑ جائیں گے۔" علی کا منہ جو کہ چینا کی طرف تھا اس لیے وہ مسکراتے ہوئے' مگر آہستگی سے جواب دے رہا تھا جبکہ چینا اس قدر سلو سروس پر بول ہی پڑی۔

"ضمیر اب کرو بھی نا' چینا کب سے انتظار کر رہی ہے۔"

"کیا کروں؟" ضمیر بھائی نے ایک مرتبہ پھر علی کو دیکھا انداز ایسا تھا جیسے سامنے سے آتے جلوس کو دیکھ رہے ہوں۔

"سوری۔" چینا نے ہلکا سا مسکراتے ہوئے کہا۔

"او اس لو کے' نو پرابلم۔" ضمیر بھائی مسکراتے ہوئے چشمہ لگا کر واپس پلٹے۔

"ضمیر! چینا تمہیں کہہ رہی ہے۔" چینا نے حیرت سے انہیں مڑتے ہوئے دیکھا۔

"ہاں تو مجھے پتا ہے نا' میں نے کب کہا کہ خالہ کو سوری کہہ رہی ہو۔"

"اف' کاش چینا تمہیں برا کہہ سکتی۔" چینا کی جھنجلاہٹ کے دوران خالہ نے اشارے سے ضمیر بھائی کو بتایا کہ انہوں نے علی کو سوری کہنا تھا سو بادل ناخواستہ انہیں علی کو سوری کہنا ہی پڑا مگر اس کے بعد وہ وہاں رکے نہیں اور بڑبڑاتے ہوئے اپنا سابقہ کلینک اور ایک دو روز میں متوقع شادی دفتر کی طرف بڑھ

گئے۔

"ہونہہ۔ اچھے بھلے جینے کو عذاب بنا کے رکھ دیا ہے۔" چینا نے ضمیر سے سوری تو کہلوا دیا تھا' لیکن اس کا یوں منہ بنا کر جانا بھی اسے کچھ اچھا نہیں لگا تھا۔ سو اس کے پیچھے پیچھے ہی ہاتھ میں لڑیاں لیے نکل گئی۔ ارادہ تھا کہ ساتھ ہی کلینک کی اندرونی دیواروں پر یہ لڑیاں بھی ٹانگ دی جائیں' لیکن خالہ کو جس طرح ضمیر بھائی کے جاتے ہی جوش آیا تھا وہ علی کے لیے حیران کن تھا۔

"آجاؤ علی' کچن میں چلتے ہیں۔"

"کیوں خالہ۔ یہاں جگہ نہیں ہے آپ کے چلنے کی؟" وہ پہلے ہی اب تک چندا کے نہ آنے پر چڑا ہوا تھا۔

"تم نے سنا نہیں ضمیر کہہ رہا تھا اچھے بھلے قیمے کو کباب بنا کے رکھ دیا ہے۔ تو مل کے کھاتے ہیں۔"

"نہیں تھینک یو' آپ کھائیں اور کھا کے ملتے ہیں۔" چندا کا مزید انتظار کا ارادہ ترک کر کے آخر کار وہ کالج کے لیے گھر سے نکل گیا۔

☆ ☆ ☆

پروفیسر ہی جب آتے ہوں ہفتہ وار کالج میں
تو لو نجا کیوں نہ ہو تعلیم کا معیار کالج میں
مجھے ڈر ہے کہ ہم دونوں کہیں سمدھی نہ بن جائیں
تیری گلنار کالج میں میرا گلزار کالج میں

چندا کو اپنے ساتھ کالج کی راہداریوں میں چندہ اکٹھا کرنے والوں کی طرح گھسیٹا ہوا دیکھنا علی آوارگی میں حد سے گزرنے ہی لگا تھا کہ دیکھا وہ اپنے ہی کالج کے سامنے موجود ہے اور آج تو ویسے بھی اسے چندا کے ڈیپارٹمنٹ میں جانا تھا اس لیے سیدھا اسی کے ڈیپارٹمنٹ کی کینٹین میں جا پہنچا یوں بھی طبیعت کچھ گھبرا رہی تھی سو رنگین آنچلوں کی بہار سے بہلنے کے لیے کینٹین سے اچھی جگہ اسے کوئی سمجھ نہیں آتی تھی اور کینٹین ہی ایسی چیز تھی جس کی بدولت علی اور اس جیسے اسٹوڈنٹس سردی گرمی دھند بارش کی پروا کیے بغیر پورے وقت پر گھر سے نکلتے تھے۔ پاکستانی شکل پر امریکی شکل کرنے والے یہ طالب علم کسی بھی موضوع پر باتیں اس روانی سے کرتے ہیں گویا خبریں پڑھی جا رہی ہوں' کالج یونیورسٹی میں پردے کے اس قدر حمایتی ہوتے ہیں کہ انہیں دیکھتے ہی اچھی لڑکیاں رستہ بدل لیتی ہیں کیوں کہ ان کے خیال میں کالج یونیورسٹی کا تقدس اور احترام ہر صورت لازم ہے اس لیے یہاں جس جس نے جو جو کچھ بھی کرنا ہو وہ پردے میں کرے اور پردے میں ہی رکھے۔

لڑکیوں کو ان کے سامنے جو بھی کچھ کہا جائے دوستوں میں ہر لڑکی کو اس کی خصلت کی وجہ سے پکارا جاتا ہے پرکٹی' جنگلی بلی' ہنی' چڑیل' ناگن' شیرنی وغیرہ سب ہی ان کی کلاس فیلوز کے ایسے نام ہیں جنہیں یہ سب دوست آپس میں استعمال کرتے ہیں۔ لڑکیوں کے ساتھ بھی ایسا ہی ہے اور شاید اس وقت ایک کونے میں رکھی میز کے گرد بیٹھی لڑکیاں بھی کچھ اسی قسم کی باتیں کر رہی تھیں۔ (یہ اندازہ علی نے ان کے مسکرانے کے انداز سے لگایا تھا۔)

میز کے گرد رکھی کرسیوں میں ایک ابھی تک خالی تھی سو علی ان کے پاس جا کر کھڑا تو ہو گیا' لیکن مجال ہے جو کسی نے ویٹر برابر بھی توجہ دی ہو' لہٰذا اسے خود بول کر انہیں اپنی جانب متوجہ کرنا پڑا۔

"ہیلو۔ کیا میں بیٹھ سکتا ہوں؟"

"پتا نہیں۔" ایک لڑکی نے اسے سر سے پیر تک دیکھا تو علی کا رنگ اس جنتی پھل جیسا ہو گیا جسے کھا کر ہی جد امجد کو دنیا میں بھیجا گیا۔

"آپ بیٹھ کر دیکھ لیں' کہیں ٹانگوں میں کوئی راڈ تو نہیں ڈلی ہوئی۔ جو آپ کو یقین نہیں آ رہا کہ بیٹھ سکتے ہیں کہ نہیں۔" لڑکی نے شرارتاً کہا تو علی کو یقین ہو گیا کہ یہ لڑکی کلاس میں کم ہی جاتی ہو گی' کیوں کہ جس طرح کا اس کے بولنے کا انداز تھا جہاں یہ ہوتی ہو گی کلاس خود وہاں آ جاتی ہو گی۔

"ارے نہیں نہیں میرا مطلب تھا کہ میں یہاں بیٹھ جاؤں؟" علی نے اس کے ساتھ کھلی کتاب کی

طرح بیٹھی لڑکی کو یوں دیکھا جیسے عام طور پر لڑکیاں لڑکوں کو دیکھتی ہیں یعنی چھپ چھپ کر مگر مکمل دل سے۔

"وہاں شیور کیوں نہیں۔ بیٹھیں نا۔" اور اس سے پہلے کہ وہ اپنی مسکراہٹ چھپاتا ہوا بیٹھتا وہ کرسی کوئی اور اٹھا کر لے گیا سو علی کھسیاہٹ کا شکار ہو کر بولا۔

"چلیں رہنے دیں آپ تکلف نہ کریں' میں کھڑا ہوا ہی ٹھیک ہوں۔" علی جیسا تیز لڑکا سامنے موجود چار پانچ لڑکیوں کے سامنے یوں بھیگی بلی بنا کھڑا تھا۔ ضمیر بھائی دیکھ لیتے تو ان کے سینے کی جلن بھی دور ہو جاتی اور صرف علی ہی نہیں اکثر لڑکے جو گھر میں تمام اہل خانہ پر اپنا رعب و دبدبہ رکھنے میں خاندان بھر میں مشہور ہوتے ہیں وہ باہر ہمیشہ انجانی لڑکیوں کے سامنے اسی طرح بچھے چلے جاتے ہیں۔ اس بات کا احساس کیے بغیر کہ جن نظروں سے وہ باہر راہ چلتی لڑکیوں' آفس میں کام کرتی کولیگز یا ساتھ پڑھتی کلاس فیلوز کو دیکھتے ہیں ان کی اسی ایک نظر کی منتظر کوئی ان کے اپنے گھر میں بھی موجود ہے۔ جتنی شائستگی' اخلاق اور خلوص کا اظہار وہ فیس بک پر انجانی لڑکیوں کے لیے کرتے نہیں تھکتے' اسی لہجے' اسی انداز اور اسی شگفتگی کی آس دل میں لیے کوئی اپنا ان کے گھر میں بھی موجود ہے۔ یہ وہی لوگ ہوتے ہیں جو فیس بک پر کسی لڑکی کے sick Feeling لکھ دینے پر ایک ایک گھنٹے بعد اسے ان باکس میں پھول بھیجتے اور طبیعت پوچھتے نہیں تھکتے۔ ہاں اگر گھر میں کوئی بیمار پڑا ہے تو ان کی بلا سے۔

البتہ غیرت مند اس قدر ہوتے ہیں کہ ان کے نزدیک ان کی بہن سب کی بہن اور سب کی بہن بھی ان کے سوا سب کی ہی بہن ہوتی ہے اور اسی بات سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کی غیرت کیدو صفت ہے یعنی ہے تو ضرور' لیکن ہے بے چاری لنگڑی!

خود کو تہذیب یافتہ اور با اخلاق ثابت کرتے ابھی زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی کہ قریب ہی دوسری میز پر بیٹھے شرافت نے بھانپ لیا کہ یہ لڑکا اس ڈیپارٹمنٹ میں نیا ہے جب ہی فلمی ہیروئین کے ساتھ موجود ایکسٹراز کی طرح اپنے آگے پیچھے کھڑے لڑکوں کو ساتھ لے کر علی کی طرف بڑھا اور اسے دیکھتے ہی وہ سب لڑکیاں اپنی اپنی چیزیں سنبھال کر وہاں سے اٹھ گئیں۔ تو وہ علی کو غور سے دیکھنے لگا ایک تو اتنی پیاری پیاری لڑکیوں کے یوں ایک دم اٹھ جانے کا غم تھا دوسرا یہ شرافت نامی بلا' علی کو غصہ آگیا۔

"یہ آپ مجھے اس طرح کیوں دیکھ رہے ہیں جیسے سپر پاور ترقی پذیر ملکوں کو دیکھتا ہے؟" جواب میں کچھ بھی کہنے کے بجائے شرافت نے اپنے ساتھیوں کو دیکھا تو ایک بولا۔

"ارے یہ اس کالج کے دادا ہیں۔ دادا۔"

"کالج کے دادا؟ یعنی اسکول کے باپ تو پھر آپ کافی کم عمری میں ہی بن گئے ہوں گے نا؟" شرافت نے دائیں بائیں کھڑے اپنے خوشامدیوں کو سلام پھیرنے کے انداز میں دیکھا تو وہ تین لڑکے اسے بارات والے دن کی دلہن کی طرح پکڑ کر ایک طرف لے گئے۔

"ارے یار تم نے چائے ہی پلانی تھی تو وہیں پلا دیتے نا۔ یہاں تنہائی میں بلانے کی کیا ضرورت تھی؟" اسی دوران پاکستان میں ہوتی ترقی کی رفتار سے چلتا ہوا شرافت بھی آن پہنچا۔

"چلو اب جلدی سے ہم سب کے لیے کچھ آرڈر دو۔"

"آرڈر اور میں؟ ارے چھوڑیں جانے بھی دیں' جو ہوا سو ہوا۔" علی مسکرایا۔

"میں کہتا ہوں آرڈر دو تو آرڈر دو۔ سنا تم نے؟" شرافت کی آواز میں موجود گھن گرج ایسی تھی کہ علی کو لگا اب آرڈر دیے بغیر معاملہ نمٹنے والا نہیں ہے۔

"مناسب تو نہیں لگ رہا' لیکن آپ سب ضد کر رہے ہیں تو ایسا ہی سہی۔" علی نے ایک نظر اپنے سامنے موجود اس گینگ کو دیکھا اور پھر لمحہ بعد میں اس کے لہجے کی ٹون ہی بدل گئی انداز میں ایک دم حاکمیت در آئی تھی۔

"اے موٹے' چلو اٹھو میرے لیے کچھ کھانے پینے

کا سامان لاؤ... اور تم اے... شرلور آفت کے پتلے شرافت، تم اس ٹیبل کی ساری..." اتنی بات کرتے ہی شرافت نے اسے گریبان سے پکڑلیا۔

"تمہیں کہا ہے کہ کھانے کے لیے آرڈر دو۔"

"ارے میں نے کہا نا شرافت صاحب مجھے کسی کو آرڈر دینا بالکل پسند نہیں ہے اور خاص طور پر کینٹین میں تو بالکل بھی نہیں۔" علی جانتا تھا کہ آرڈر دینے کے بعد سارا بل بھی اسی کو دینا پڑے گا اسی لیے جان بچا رہا تھا۔

"میرا خیال ہے یہ سیدھی طرح سے نہیں مانے گا بلکہ اس کے ساتھ کچھ اور کرنا پڑے گا۔" شرافت نے اپنے ساتھیوں کو مخاطب کیا جنہیں اختلاف کرنے کی اجازت اور جرات دونوں نہیں تھیں۔

"ارے نہیں نہیں، دیکھو میرے ساتھ کچھ ایسا ویسا نہ کرنا اور... لور یہ کچھ اور جو ہے نا یہ کہا کچھ اور جاتا ہے سمجھا کچھ لور، لکھا کچھ اور پڑھا کچھ اور... لور... اور کیا کچھ اور۔" علی کو اب ان کے تیور خطرناک معلوم ہو رہے تھے اور وہ اس وقت کو پچھتا رہا تھا جب اس نے پہلے دن چندا کے ساتھ آنے کا سوچا۔

"کیا کچھ اور جاتا ہے؟ ہاہا یعنی کیا کچھ اور... ہمیں بھی تو بتا دو نا۔" شرافت ایک ولن کی طرح اس کی طرف بڑھا تو جانے کیوں علی کو اپنا آپ لڑکی لڑکی لگنے لگا اسے لگا کہیں یہ ابا کے ساتھ فون پر لڑکی بننے کی سزا تو نہیں ملنے والی۔

"دیکھو... تم... میں کہتا ہوں مجھ سے دور ہی رہنا ورنہ میں نے آج تک کسی کی غلط بات نہیں سنی۔"

"نہیں سنی؟ اس کا مطلب ہے شہزادے کے کان بند ہیں۔" علی حقیقتاً "ان سب کے حلیے اور چہروں سے ڈر رہا تھا" لیکن بظاہر بہادری کا اظہار کرتے ہوئے دو قدم آگے بڑھا۔

"چلو بس بہت ہو گیا مذاق۔ اب ہٹو سامنے سے، کب تک ناجائز تجاوزات بنے رستہ روکے کھڑے رہو گے۔" اور بس علی کا یہ کہنا تھا شرافت کا پارہ ہائی ہو گیا اور ایک بار پھر آگے بڑھ کر اس کا گریبان پکڑلیا۔

"ابے اوئے میونسپلٹی کے ٹرک... یہ ناجائز کسے کہا ہے تو نے؟؟"

"وہ... تجاوزات کو۔"

"لور تجاوزات؟؟"

"تم سب کو اور کس کو۔" علی اپنا اعتماد بحال کرنے میں کامیاب ہوتا چلا جا رہا تھا۔

"اوئے خبردار جو آج کے بعد تو نے ہماری ذات کو نشانہ بنایا... تجاو... زات نہیں ہے ہماری ہم تو ماشاء اللہ خاندانی غنڈے ہیں، جدی پشتی ڈان!"

"ہاں دیکھنے میں لگتے بھی ڈان ہی ہو... ڈان رس" علی نے اس کی نسوانی جسامت پر طنز کیا تو اس سے زیادہ ساتھیوں کو غصہ آیا۔

"واوا... یہ کچھ زیادہ ہی صحافی نہیں بن رہا، جو منہ میں آتا ہے بغیر سوچے سمجھے بولتا جاتا ہے۔"

"ابے بولنے دے اسے... جب بول بول کر پکا صحافی بن گیا نا تو ایک لفافہ لادوں گا اسے بھی... بس چپ چاپ کھیلتا رہے گا اس سے' فی الحال تو اسے لے چلو۔"

شرافت کے آرڈر پر اس کے ساتھی دائیں بائیں سے بازو پکڑ کر اسے چلنے کا اشارہ کرنے لگے۔ جس پر علی نے مدد طلب نظروں سے کینٹین میں موجود دوسروں لوگوں کو دیکھا اور مدد طلب انداز میں بولا۔

"یار دیکھو، یہ لوگ دن دہاڑے غنڈہ گردی کر رہے ہیں' تم لوگ کچھ تو بولو۔ میری تھوڑی سی مدد ہی کر دو... یار خدا کا واسطہ ہے اپنے پاکستانی ہونے کا ثبوت دو۔"

علی کا خیال تھا کہ وہ انہیں جذباتی کرنے میں کامیاب ہو جائے گا اور یقیناً "وہ سب اس شرافت کے پیچھے پڑ جائیں گے' لیکن ان سب نے اسے ایک نظر دیکھا پھر شرافت اور اس کے ساتھیوں پر نظر ڈالی اور چند آہستگی سے وہاں سے نکل گئے اور باقی حسب سابق اپنے اپنے کاموں میں مگن ہو گئے۔ جس پر یقینی طور پر شرافت اینڈ کمپنی کا قہقہہ تو بنتا تھا۔

"دیکھ لیا نا... آج کل یہی ہے پاکستانی ہونے کا

ثبوت 'لوگ ایکسیڈنٹ دیکھ کر نہیں رکتے تیرا خیال تھا تجھے دیکھ کر رک جائیں گے؟ ہاہا آیا بڑا انشورنس رائے۔" شرافت اور اس کے ساتھیوں کے بلند قہقہے نے علی کا بی پی لو کرنا شروع کر دیا تھا۔ کہاں کی چندا کون چندا کیسی چندا۔ اس وقت تو اسے صرف نانی یاد آرہی تھیں وہ بھی سفید لباس پہنے۔

☆ ☆ ☆

لڑکے لڑکیوں کے عمدہ رشتے یہاں سے ملتے ہیں
یہ دیکھیے کہ البم میں لگا رکھی ہیں تصویریں
نظر جس پہ بھی ڈالیں ہم رشتہ اس کا کروا دیں
نگاہ مرد مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں

ضمیر بھائی نے شادی دفتر کے لیے ایک بورڈ تیار کروایا تھا اور سکرار ہاؤس کے بائیں سائیڈ پر عین اس جگہ لگوایا جہاں کل تک ان کے کلینک کا بورڈ لگا ہوا تھا اور اب وہ خوش تھے کہ کل سے ان کا شادی دفتر اسٹارٹ ہونے والا ہے۔ سو تیاریاں ہر لحاظ سے مکمل تھیں 'لیکن لاؤنج میں قدم رکھتے ہی انہیں اندازہ ہوا کہ وہ تو بے شک تمام تیاریاں نبٹا آئے ہیں 'لیکن خالہ اور شاید چینا کی تیاریاں ابھی تک مکمل نہیں ہوئی تھیں کہ خالہ عین ٹی وی کے سامنے بیٹھی چہرے کی ایکسر سائز کچھ اس طرح کر رہی تھیں کہ منہ کو آخری حد تک پھلا کر دو تین سیکنڈز کے بعد ایک دم یوں بغیر جتائے ہی کھول دیتیں کہ منہ سے "ہا" کی آواز نکل آتی۔ ضمیر بھائی نے ایک دو مرتبہ بڑی ناگواری سے دیکھا 'لیکن پھر برداشت نہ ہوا تو بولے۔

"خالہ بس کریں۔"

"بس کیوں؟ کیسی کر لو نا۔ ہم چار ہی تو لوگ ہیں۔" خالہ نے ایک بار پھر منہ پھلانے سے پہلے اتنے سکون سے جواب دیا کہ خود ضمیر بھائی کو سوچنا پڑا کہ کہیں ایسا تو نہیں کہ ان کے کہیں جانے کا پلان ہو اور وہ بھول گئے ہوں۔ مگر پھر خالہ کی ذہنی حالت دیکھ کر سمجھ گئے کہ انہوں نے جو کہا وہ کیوں کہا۔

"خالہ میں آپ کو کہہ رہا ہوں کہ پلیز یہ غبارے پھلانا چھوڑ دیں۔"

"تو کیا تم پھلاؤ گے؟ ارے بھئی شادی دفتر کھول رہے ہیں ہم کوئی مذاق نہیں ہے یہ۔ لوگ آئیں گے تو یقینی طور پر مجھے بھی دیکھیں گے 'بس اسی لیے اپنے منہ کو ایکسٹرا سائز کروا رہی ہوں۔"

"لیکن آپ خود ہی کیوں اسے ایکسٹرا سائز کروا رہی ہیں۔ منہ چھوٹا پڑ گیا تھا تو جا کر درزی سے جوڑ ڈلوا لیتیں۔" ضمیر بھائی جی بھر کر بے زار ہوئے تھے سو انہی کی طرح ایکسٹرا سائز ہی کہا۔

"ضمیر مجھے ایسا کیوں لگ رہا ہے کہ تم جل رہے ہو۔" انہوں نے منہ میں ایک مرتبہ پھر آخری حد تک ہوا بھری تو ان کی شکل خوف ناک سے عبرت ناک لگنے لگی۔

"ارے میں کیوں جلوں گا خالہ۔ آپ بھی نا۔"

"میں نے سنا ہے کہ موکی جیب اور میری طرح عمر لڑکیوں کی گالیں بھری بھری ہوں نا تو وہ سب کو ہی کیوٹ لگتی ہیں۔ بس اسی لیے اپنا منہ پھلا کر کوشش کر رہی تھی کہ میرے منہ کا بھرا بھرا تاثر جائے۔" خالہ نے اندر کی بات جتائی تھی۔

"اور ساتھ ساتھ ان فیشن زدہ لڑکیوں کے لیے یہ بھی مشورہ ہے جنہوں نے نمبروں پر آنے کے لیے فاقے کر کے اپنا وہ حشر کر لیا ہے کہ گال تک پچک گئے ہیں اور آنکھیں قحط زدگان کی طرح اندر کو دھنس گئی ہیں۔"

"ارے خالہ وہ تو شکر کریں آپ لوگ کہ ہم مردوں نے میک اپ بنا دیا 'ورنہ تو کوئی نظر بھر کر دیکھنا بھی نہیں۔" ضمیر بھائی کے کریڈٹ لینے کی کوشش کے عین دوران چینا بھی چہرے پر کوئی کریم ملتی اندر آئی اور فٹ سے بولی۔

"اس لیے کہ لوگ ہمیں نظر بھر کر دیکھنے کی ہمت ہی کہاں رکھتے ہیں وہ تو بس جی بھر کر دیکھنے کی کوشش میں ہماری نظر اتارتے رہتے ہیں۔"

"اچھا ہوا چینا تم آگئیں 'یہ ذرا چینل تو ایکسچینج کرو۔"

"ضمیر تم کیا دیکھ رہے ہو۔ یہ ڈاکومنٹری؟" ریموٹ سے چینل چینج کرنے سے پہلے چینا نے یونہی پوچھا۔

"یہ ہمیشہ ڈاکومینٹری کے اوپر ہی کیوں ہوتا ہے ضمیر؟" خالہ نے پوچھا تو ایسے تھا جیسے ڈاکومینٹری پر نہ ہوتا تو آج اس جگہ ان کا بنگلہ ہوتا۔

"کیا تھا ایک تھا اس ڈاکومینٹری کا؟" چینا نے ضمیر کی اتنی دلچسپی دیکھ کر پوچھا تو وہ بولے۔

"جہیز ایک۔" بات ادھوری چھوڑ کر انہوں نے لاؤنج کی تمام دیواروں پر علی کی تصویر ڈھونڈی اور پھر ایک خوب صورت سی فوٹو پر نظر پڑتے ہی جملہ مکمل کیا۔

"لعنت ہے۔" بات کا ختم ہونا تھا کہ چینا کی نظروں کے تیکھے وار نے وضاحتی بیان بھی جاری کروا دیا۔

"وہ دراصل میرا مطلب یہ تھا کہ لڑکے والوں کو منہ مانگا جہیز دینے سے بہتر ہے کہ بندہ انہیں سال بھر کی زکواۃ ہی دے دے۔ ہے نا چینا؟" ضمیر بھائی نے بات کرتے ہوئے چینا اور خالہ کو اپنی حمایت میں سر دھنتے دیکھا تو مزید بولے۔

"اور اگر لڑکے والے جہیز لینے سے صاف منع کر دیں، مگر پھر بھی زبردستی انتہائی گھٹیا کوالٹی کا جہیز دیا جائے تو پھر تو اس آنے والے جہیز پر لعنت ہی ہوئی نا۔" ضمیر بھائی نے ایک بار پھر گردن موڑ کر علی کی تصویر دیکھی اور دانت کچکچانے لگے۔

"ہاں بالکل، ہوئی کیوں نہیں۔ ویسے بھی چینا کو لگتا ہے کہ ہم سب لوگ آج کل جس چیز میں خود کفیل ہوتے جا رہے ہیں نا وہ ہے لعنت اور گالی۔ سیاست ہو یا کوئی اور موضوع جہاں کسی نے اختلاف کیا پہلے اسٹیپ کے طور پر وارم اپ ہونے کے لیے سب سے پہلے لعنت ہی دے کر سامنے والے کے زور بازو اور برداشت کو آزمایا جاتا ہے۔ گالی کی باری اس کے بعد آتی ہے اور جب آتی ہے تو ایسی ایسی گالیاں دی جاتی ہیں کہ دسمبر میں پسینہ آجائے۔ سامنے والے پر ہاتھ اٹھائے بغیر انگلی اٹھاتے ہیں اور ایسی اٹھاتے ہیں کہ شریف لوگوں کی تو نظریں جھکا دیتے ہیں۔"

ضمیر بھائی نے مکمل صبر اور حوصلے کے ساتھ چینا کی بات سنی بھی اور تائید میں سر بھی ہلاتے رہے' کیوں کہ بیوی سے بحث میں ہار جانا تو ٹھیک ہے' لیکن جیت جانا یقینی طور پر کسی معرکے کا ہی پیش خیمہ ہوتی ہے۔ اس لیے اکثر اوقات بحث و مباحثے میں عقل مند حضرات اپنی بیویوں کو بلا مقابلہ ہی جیتوا دیتے ہیں اور ثابت کرتے ہیں کہ دنیا کے پچاس فیصد شادی شدہ حضرات اپنی بیویوں سے ڈرتے ہیں اور باقی پچاس فیصد اس بات کا پبلک میں اقرار نہیں کرتے۔

اسی دوران فون کی بیل بجی تو چینا کریم لگانے کے بجائے ملنے کا عمل ترک کرکے فون کی طرف بڑھی دوسری طرف مسز بشیر تھیں، جو چینا سے اپنی بیٹی کے متعلق بات کرنا چاہ رہی تھیں۔

"کمال ہے مسز بشیر' ہم روزانہ اربوں روپے کا قرضہ بڑھنے پر اتنے پریشان نہیں ہوتے جتنا آپ اپنی بیٹی کی عمر بڑھنے پر پریشان ہو رہی ہیں۔ ایسا کریں اسے میک اپ کے ملبے تلے چھپا دیں تاکہ بڑھتی عمر کا اندازہ نہ ہو اور جہاں تک بات کا رشتے کی تو وہ آپ کو چینا ڈھونڈ دے گی۔"

فون رکھ کر چینا پلٹی چہرے پر خوشی اس لیے بھی زیادہ تھی کہ ابھی شادی دفتر کھلا بھی نہیں تھا اور پہلا کلائنٹ آ بھی گیا تھا۔

"چینا ایک بات سمجھ نہیں آئی۔" خالہ نے تشویش بھرے انداز میں کہا تو چینا اور ضمیر بھائی دونوں متوجہ ہو گئے۔

"اگر انہیں رشتہ نہیں مل رہا تو تمہیں کیوں فون کیا؟"

"خالہ وہ رشتے کے لیے نہیں اپنی بیٹی کے لیے رشتے کی وجہ سے پریشان تھیں۔" اتنی سنجیدگی سے اتنی بے تکی بات کرکے خالہ نے چینا سمیت ضمیر بھائی کو بھی بد مزا کر دیا تھا اسی لیے وہ ان کے مزید فرمودات سننے کے لیے رکے نہیں اور کمرے سے نکل گئے۔

☆ ☆ ☆

چندا تو آج گھر پر تھی نہیں' اس لیے دوپہر کا کھانا بھی نہیں بن سکا تھا سو ابا نے آسانی تلاش کرتے ہوئے ہلکے قدموں سے واک کرتے ہوئے ایک جگہ سے نیاز کا شاپر لیا اور گھر بیٹھ کر سکون سے کچھ کھایا اور کچھ رات کے لیے رکھنے کو فریج کھولا تو یاد آیا کہ صبح چندا نے جو آدھ کپ چائے زیادہ بنا دی تھی وہ اب تک فریج میں رکھی ہے لہٰذا وہ کپ نکالا اور چونکہ موسم گرمی کا ہی تھا اس لیے یہی سوچ کر چائے گرم نہیں کی کہ کہیں زیادہ گرمی نہ لگ جائے۔ ہمیشہ کی طرح چائے ختم کرنے کے بعد اس میں ڈیڑھ گھونٹ پانی ڈال کر گنگناتے کے انداز میں ہلایا اور وہ بھی پی کر کپ دھلے ہوئے برتنوں کی صف میں شامل کر دیا۔

ان کے نزدیک اس عمل سے وہ ایک تیر سے دو شکار کیا کرتے تھے اور وہ بھی اس طرح کہ اسی پانی سے کپ بھی دھل جاتا اور ان کی پیاس بھی ختم ہو جاتی اور وہ بھی یوں کہ کلی کرنے کی ضرورت بھی نہ رہتی اور اس سے پہلے کہ وہ اپنے کمرے میں پہنچتے ہی نچلے پورشن سے آنے والی آوازوں نے انہیں ایک بار پھر چونکا دیا۔ وہاں جتنی ہلچل تھی ابا کے دل میں اتنی ہی افسردگی اتر رہی تھی۔

فون پر امداد طلب لڑکی علشا نے بھی اب ان سے کنی کترانی شروع کر دی تھی جس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ اب علی عرف علشا کو چندا کا ساتھ حاصل ہو گیا تھا اس لیے اسے ابا کے ساتھ فلرٹ کرنے کی کوئی ضرورت نہ تھی اور ابا کا تو شمار یوں بھی ان لوگوں میں ہوتا تھا جو کسی سے بھی محبت کرتے وقت ایک اور آپشن ضرور ساتھ رکھتے ہیں' تاکہ ایک سے کام بنتا نظر نہ آئے تو فوری طور پر وقت ضائع کیے بغیر دوسری طرف توجہ دی جا سکے۔ اور اب جب سے انہیں یہ شک ہوا تھا کہ چینا اور ضمیر بھائی خالہ کی شادی کروانا چاہتے ہیں تب سے عجیب بے چینی تھی اور اسی لیے انہوں نے چندا سے بھی مشورہ کیا تھا تاکہ ان کے اور ضمیر بھائی والوں کے تعلقات اتنے مضبوط ہو جائیں کہ پھر خالہ کو ان سے دور کوئی نہ لے جا سکے۔

یوں بھی چندا بھی اب عمر کے اس دور میں تھی جہاں یقیناً" اسے بھی کسی ساتھی کی ضرورت محسوس ہوتی۔ سو ابا تہبند سنبھال کر صوفے پر بیٹھے اور یوں بیٹھے کہ دیکھنے والے کو ان پر کسی عقل مند انسان کے سوچ میں گم ہونے کا گمان ہو تا۔

☼ ☼ ☼

علی اس وقت ایک ہال نما بڑے سے کمرے میں شرافت اینڈ کمپنی کے ساتھ موجود تھا۔ اس کے دونوں اطراف موجود چوڑے نما اسٹوڈنٹس کو دیکھ کر علی کو یقین ہو گیا تھا کہ شرافت اور اس کے ساتھی ان کی طرح اسے بھی فرسٹ ایر فول سمجھ رہے ہیں حالانکہ اسے تو فول بنے عرصہ ہو چکا تھا اور ارد گرد بیٹھے لڑکے اتنے معصوم تھے کہ شرافت کو ہی اپنا پیر و مرشد مان کر اس کے ہر حکم کی تعمیل کرنا اپنا فرض سمجھ رہے تھے۔ یہ وہی لڑکے تھے جو یونیورسٹی میں سال دو گزارنے کے بعد اپنی پہلے سال کی وہ فوٹوز بھی چھپا دیتے ہیں جن میں وہ نرے معصوم کاکے لگتے تھے۔

"سنو' شرافت میرا یقین کرو میں یہاں پر نیا نہیں ہوں' بس اس ڈیپارٹمنٹ میں پہلی دفعہ آیا ہوں۔"

علی کے منہ سے اپنا نام سننے پر شرافت جو دھاڑا تو اس کی آواز میں اوپر والوں سے تعلقات کی گرج' انداز میں طاقت کا خمار اور بات میں اس کی اصلیت دکھائی دی' ویسے بھی گالی اور جنگلی کچھ انسانوں اور جانوروں کی عادت میں شامل ہوتی ہے لہٰذا وہ بھی اپنی عادت سے بڑا سخت مجبور پایا گیا۔

"دادا۔۔۔ دادا کہتے ہیں سب مجھے' اور خبردار جو میرا نام لیا تو سر چھپانے کے لیے یہ بال بھی نہیں بچیں گے۔"

اس کی دھمکی پر علی نے اپنے دونوں ہاتھ سر پر رکھ کر بال چھپائے' اور اس کے قریب چلا آیا۔ "بال بچے ہی تو چاہئیں دادا حضور۔ مجھے گنجا بھی نہیں ہونا ورنہ

اتنی گرمی میں وگ لگانا کتنا مشکل ہو جائے گا۔"

"ابے کیا بہت سخت گرمی ہے باہر؟" علی کی کہی بات پر فوری یقین کرتے ہوئے شرافت نے اوپر کی شرٹ اتار کر ساتھی کی طرف پھینکی۔

"پتا نہیں دادا حضور۔ اتنی سخت دھوپ میں میری تو آنکھیں ہی نہیں کھل رہی تھیں کہ موسم دیکھتا۔" علی نے بڑی معصومیت سے کہا۔

"ادیار تجھ سے کس الو نے پوچھا تھا' چل بیٹھ جا کر۔ اور تو ادھر آ کے ایک پھونک سے یہ بلب بجھا۔" شرافت نے ایک کونے میں بیٹھے لڑکے کو ہلایا جو اس حد تک سہما ہوا تھا اگر کوئی ذرا سی اونچی آواز میں اسے ڈانٹا تو یقیناً" وہ فنا ہو جاتا۔ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتا اب پسینہ پونچھتا وہ شرافت کے سامنے منمنا رہا تھا۔

"دادا۔ وہ۔ پھونک سے بلب تو نہیں بجھ سکتا نا۔"

کیوں بے' کیوں نہیں بجھ سکتا؟ جب دو بوند بارش سے پہلے ہی ذرا سی تیز ہوا کے ساتھ سارے شہر کی بتیاں بجھ سکتی ہیں تو ایک پھونک سے یہ بلب نہیں بجھ سکتا؟ چل پھونک۔"

"بھاؤ بھاؤ۔ بھاؤ۔ بھاؤ بھاؤ" اپنے گھر' محلے کا متوقع تیس مار خان اچانک ہی کھڑے کھڑے بھونکنے لگا تو شرافت کا دل چاہا کہ کسی دیوار سے سر ٹکرا دے' اپنا نہیں اس کا!

"ابے بھونکنے کا نہیں پھونکنے کا کہا تھا تجھے۔"

"دادا۔ پھونکنے سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا۔" وہ رونے کے قریب تھا۔

"تو کیا بھونکنے سے بجھایا جائے گا؟ کسی فیس بک کے شاعر کی بچی ہوئی چائے پی کر بالغ ہونے والے نو آموز شاعر صاحب۔" شرافت مکمل طور پر زچ ہو گیا تھا۔

"اچھا لے اب دیکھو۔" شرافت نے بلب کے نزدیک آ کر پھونک ماری اور ادھر سوئچ بورڈ کے قریب کھڑے اس کے ساتھی نے بٹن آف کیا تو سب ہی پھونک سے بلب کے بجھنے پر حیران رہ گئے۔

"اب بول ہوا کہ نہیں؟" شرافت نے فخر سے سینہ پھیلاتے ہوئے اتنے غرور سے دیکھا جیسے اس نے بلب نہیں بلکہ سرحدی باؤر پر پڑوسی ملک کی جارحانہ فائرنگ بند کروائی ہو۔

"یہ بلب تیری سستی' کاہلی' بزدلی اور نکمے پن کی وجہ سے اتنی دیر چل چل کر بجلی خرچ کرتا رہا' چل اب ٹیکس دے اور رسید لے۔"

شرافت کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے اس نے جیب سے مطلوبہ رقم نکالی اور شرافت کے ساتھی کو ادا کرتے ہوئے سکون کی سانس لی۔ جس پر تھپکی دینے کے انداز میں اس کے پیچھے غیر محسوس طریقے سے اسٹیکر چپکا دیا گیا جس پر نمایاں لفظوں میں Paid Tax لکھا ہوا تھا۔

"دادا' جو شخص خود ٹیکس نہ دے اسے دوسروں سے ٹیکس لینے اور کہنے کا بھی حق نہیں بنتا۔" علی متوقع طور پر اپنی جیب سے بھی پیسوں کی رخصتی ہونے کے تصور سے بلبلا کر کھڑا ہوا تو باقی سب یہی سمجھے کہ وہ انصاف کے لیے آواز بلند کر رہا ہے۔

"ابے او ٹیکس کلکٹر۔ میں نے کبھی خود کو دوسروں سے الگ نہیں سمجھا' جس طرح باقی سب مجھے ٹیکس دیتے ہیں اس طرح میں بھی تو خود کو ہی دوں گا نا۔ ان سے الگ تھوڑا ہی ہوں بات کرتا ہے۔ ہونہہ۔"

"دادا اسے کچھ زیادہ ہی پرابلم ہے اسے تو اور ٹیک کروائیں نا اب سے پہلے۔" ایک اکتائے ہوئے ساتھی کی بات شرافت کے دل کو لگی تھی سو اسے اپنے پاس بلایا اور بولا۔

"بہت باتیں آتی ہیں نا تجھے۔ چلو اس کے دونوں پاؤں باندھو تاکہ یہ ہمیں کیٹ واک کے ساتھ ساتھ بلی ڈانس بھی دکھائے۔"

"دادا حضور بلی ڈانس نہیں بیلی ڈانس۔" علی نے پیلی پڑتی رنگت کے ساتھ بھی درستگی کا عمل جاری رکھا۔ اور اس کے ساتھ ہی اس کے دونوں پاؤں باندھ کر جو میوزک آن کیا گیا تو علی کو ڈانس کرتے ہی بنی۔

اس دوران باہر سے گزرتی چندا کو جو میوزک کی آواز آئی تو لمحہ بھر رک کر دروازے کی جھری سے علی کو

تا چندا دیکھ کر حیران رہ گئی اور فوراً" دروازہ کھول دیا جہاں شرافت اینڈ کمپنی ہنس ہنس کر بے حال ہو رہے تھے۔ جیسے ہی اسے دیکھا تو جیسے سب ہی کی یادداشت واپس آگئی۔

"آپ... مجھے بلا لیا ہوتا اپنے پاس۔" شرافت کی آواز میں اتنی نرمی تھی کہ علی بھی حیران رہ گیا۔

"دادا... یہ؟" چندا کے بات کرنے کے انداز پر علی سخت حیرت زدہ تھا کہ صرف چند ہی گھنٹوں پہلے آئی چندا کی اتنی اہمیت!

"کم از کم آپ تو مجھے دادا نہ کہا کریں چندا" شرافت نے مایوں کی دلہن کی طرح شرماتے ہوئے کہا تو چندا غنڈوں میں پھنسی رضیہ۔ نما علی کو دیکھ کر بولی۔

"تو دادی کہا کروں؟ کیا ہے خیال آپ کا؟"

"دیکھو نا چندا۔ یہ دادا حضور نے مجھے بھی فول بنا دیا۔"

"میں نے؟ ارے نہیں نہیں جھوٹ بولتا ہے یہ۔ پہلے ہی سے ایسا تھا۔" چندا کے سامنے اپنے کردار کو مشکوک ہوتا دیکھ کر شرافت منمنایا۔ تب تک علی کے پاؤں کھولے جا چکے تھے اور وہ اور چندا ان سب پر نگاہ غلط ڈال کر باہر جانے کے لیے مڑے۔

"انسان کہنے کے تو لائق ہی نہیں ہو تم سب" علی کی بات پر شرافت اینڈ کمپنی اسے مارنے کو دوڑے ہی تھے کہ وہ فوراً" بولا۔

"فرشتہ ہو فرشتہ!" اور بس یہ بات کر کے وہ رکا نہیں تھا بلکہ چندا کے ساتھ قدم سے قدم ملانے لگا اور صرف اس واقعے کا اثر زائل کرنے کے لیے ادھر ادھر کی باتیں کرنے لگا۔

"لیکچر ختم ہو گیا؟"

"جی نہیں اب ہر گھر میں شروع ہونے والا ہے اماں ابا کا لیکچر۔" مجال ہے جو پہلے روز چندا ذرا سی بھی نروس یا کنفیوز ہو۔ علی کو اسی بات پر حیرت تھی۔

"اچھا اگر مائنڈ نہ کرو تو ایک بات پوچھوں؟"

"اچھا مائنڈ نہ کرنے پر پوچھو گے ایک بات اور اگر مائنڈ کروں تو پوچھو گے کتنی باتیں؟" چندا کے جواب پر علی نے منہ بنایا تو وہ خود ہی بولی۔

"اچھا بابا پوچھو۔ بات کرنے کے تھوڑا ہی لگتے ہیں پیسے۔"

"اور اگر میں ثابت کروں کہ بات کرنے کے پیسے لگتے ہیں تو؟" علی کو موقع ہاتھ آگیا تھا۔

"تو ٹھیک ہے پھر یا تم مان لینا میری بات اور یا میں منوا لوں گی اپنی بات۔"

"او کے۔ اچھا یہ بتاؤ کہ موبائل پر بات کرنے کے لیے کریڈٹ ڈلواتی ہو تو پیسوں کا ہی ڈلواتی ہو نا۔"

"ہاں تو..."

"تو یہ کہ پھر ثابت ہو گیا کہ بات کرنے کے بھی اب پیسے لگتے ہیں۔ لوزر"

لو پچھلی صدی کے لوزر۔ آج کل پیسے نہیں بلکہ لگتے ہیں روپے۔

"ہاں تو مت بھولو کہ تم بھی کوئی گیارہ سال کی بچی نہیں ہو بلکہ تم بھی پچھلی صدی کی ہی مخلوق ہو۔" آرام سے شروع ہوئی بات چیت اب لڑائی کی طرف بڑھ رہی تھی اور یہ لڑائی کسی بھی طور علی کے حق میں نہیں تھی۔ اسی لیے دھیمے انداز میں بولا۔

"لیکن ہمیں کیا لینا اس فضول بحث سے۔ میں تم سے ایک ضروری بات کرنا چاہتا ہوں۔ اپنے اور تمہارے بارے میں۔ یعنی ہمارے بارے میں۔"

"ہمارے بارے میں؟" چندا نے حیرت سے پہلے اسے اور پھر ان نوجوان لڑکے لڑکیوں کو دیکھا جو کوایجوکیشن کو کوہ مری سمجھ کر تفریح کر رہے تھے۔

"تم جانتی ہو نا کہ چینا آپی نے کچھ عرصے کے لیے شادی دفتر کھولا ہے۔ گھر کے کنواروں کے لیے نہ صرف ڈسکاؤنٹ ہے بلکہ ان کے رشتے ایمرجنسی بنیاد پر کروائے جائیں گے۔ اس لیے میں سوچ رہا تھا کیوں نا تم اور میں، میں اور تم... میرا مطلب ہے، ہم دونوں بھی کسی رشتے میں بندھ جائیں۔" علی نے اسے جن نظروں سے دیکھا تھا کوئی اور لڑکی ہوتی تو یقیناً" اب تک برف سے پانی میں بدل چکی ہوتی لیکن وہ چندا تھی۔

"بندھ جائیں؟ ہم کوئی گائے بھینس ہیں کیا جو بندھ جائیں۔ انسان تو پیدا ہوا تھا آزاد اس لیے رہنا بھی چاہیے آزاد۔"

"انسان ہیں اسی لیے حدود وقیود بھی ہیں ورنہ آزاد تو صرف جانور ہوتے ہیں وہ بھی پالتو نہیں جنگلی۔" علی کا دل چاہ رہا تھا اپنے سامنے گھومتے لڑکے لڑکیوں کے درمیان ڈیڑھ میٹر کا سریا لگا دے جو اب اسے جلا کر راکھ کر رہے تھے کہ اتنی خوب صورت بات کا یہ حشر تو کبھی اس نے سوچا بھی نہیں تھا۔

"یعنی تم کرنا چاہتے ہو مجھ پر حدود کا مقدمہ؟" وہ چونکی۔

"چندا چندا چندا میری بات سمجھنے کی کوشش کرو۔" اور جب علی نے اسے ایک ایک بات مکمل وضاحت سے سمجھائی تو اس کے چہرے پر روشنی ہی بکھر گئی۔

"اب بتاؤ، تمہیں اس رشتے پر کوئی اعتراض تو نہیں ہے نا؟" چندا نے مسکراتے ہوئے سر ہلایا تو علی کی بھی جان میں جان آئی۔

☼ ☼ ☼

"ضمیر آج تو خالہ تمہیں اپنے ہاتھ کے بنے کوفتے کھلائیں گی۔" چینا نے خالہ کو نقاب کر کے کھانا بناتے دیکھا تو چہک کر بولی۔

"آج اپنے ہاتھ سے کھلائیں گی یعنی پہلے کوئی بیرونی ہاتھ ملوث ہوتا تھا؟"

"ضمیر کھانے ہوں تو ٹھیک ورنہ نہ کھاؤ۔" ایک تو خالہ کو تازہ تازہ فیشل کے بعد چولہے کے آگے کھڑا ہونا پڑا تھا اس پر ضمیر کی باتیں۔ انہوں نے اپنا سر کا نقاب پھر سے ٹھیک کیا کہ کہیں چولہے سے ان کی نرم و نازک جلد کو نقصان نہ پہنچے۔

"ارے نہیں خالہ... میں کھاؤں گا بلکہ شوربے میں سے کوفتہ ڈھونڈنے کے لیے لائف جیکٹ بھی لے آؤں گا... کیوں کہ میں اس بھری جوانی میں شوربے میں ڈوب کر مرنا نہیں چاہتا۔"

"ہاں تو مرنے کے لیے تو چلو بھر پانی بھی بہت ہے... اتنا شوربہ خراب کرنے کی بھلا کیا ضرورت ہے۔"

"ارے خالہ، باتیں چھوڑیں یہ خیر سے ابا اس وقت لان میں...؟" چینا نے کچن کی کھڑکی سے ابا کو دیکھا جن کی چال سے لگتا تھا کہ جیسے کوئی بیٹسمین صفر پر آؤٹ ہو کر جا رہا ہو اور بس خالہ تو اتنی دیر سے چولہے کے سامنے سے فرار ہونے کا سوچ رہی تھیں... سو انہیں موقع مل گیا۔ فوراً" چہرے کا نقاب ہٹایا اور بات کرنے کے ساتھ ساتھ کچن سے بھی نکلتی گئیں گویا سائیکل ٹریفک جام میں سے اپنا راستہ بنا کر نکل جائے۔

"چینا تم کھانا دیکھنا... یہ کسی کے ابا کو تو میں دیکھتی ہوں۔" اور یوں وہ پلک جھپکتے ہی ابا کے پاس کھڑی دیکھی گئیں۔

"او... وہ جی... میں کش سوچ رہا تھا۔" خالہ کے کچھ پوچھنے سے پہلے ہی ابا بولے۔

"ہاں تو میں نے کب کہا کہ کھڑے کھڑے تھریڈنگ کر رہے ہیں؟" سامنے سے پڑتی سورج کی شعاعیں خالہ کے تازہ فیشل زدہ چہرے پر پڑ رہی تھیں سو انہوں نے دوپٹے سے تھوڑا سا سایہ اپنے چہرے پہ کیا تو ابا تو گویا ان کی اس ادا پر مر ہی مٹے۔

"ہائے اوئے... میں نے تے ابھی کش کہا وی نئیں... فیر وی اینا شرمانا۔"

"کیا مطلب ہے یعنی آپ مجھ سے کچھ کہنا چاہ رہے ہیں؟" خالہ نے دوپٹے میں مزید ردھم پیدا کرتے ہوئے ابا کو ایسے دیکھا جیسے چاٹ والا اپنے ٹھیلے کو دیکھتا ہے مکمل ملکیت کے احساس کے ساتھ۔

"نئیں آپ سے نئیں آپ کی بے بے سے کہنا چاہ رہا تھا۔" دائیں مونچھ کو بائیں ہاتھ کی پہلی انگلی پر جھولا جھلاتے ہوئے ابا نے خالہ کے اڑے اڑے تاثرات دیکھے تو فوراً" جھولا جھلانے کا شغل روک کر بولے۔

"او جی میرا مطلب تھا کہ اگر آپ کی کوئی بے بے شے بے ہوتی تے اس سے بات کر لیتا، پر چونکہ آپ لاوارث ہیں اس لیے میں آپ سے ایک وارث مانگتا

ہوں۔" ابا کی بات کو سن کر خالہ کو یقین ہو گیا تھا کہ آج وہ کچھ ایسا کھا پی گئے ہیں جس کی وجہ سے اب وہ مکمل جھولنے والے ہیں اور مونچھوں کو جھولا جھلانا تو صرف پٹرول چیک کرنے کے برابر تھا۔

"او جی مینوں غلط شلط نہ سمجھنا۔ میں تے علی کی بات کر رہا تھا' کیوں کہ جی تے میرا یہ چاہتا ہے کہ علی تے چندا کو کسی رشتے میں باندھ دیا جائے۔"

"علی اور چندا کو کسی رشتے سے باندھو یا رکشے سے' میری بلا سے۔" خالہ اب تک اسی خوشی میں تھی کہ فیشل کی آڑ میں پنکی کی کھائی گائی تھپڑیں شاید کسی کام آئی ہیں اور ابا ان کے چہرے کی چمک سے خیرہ ہو چکے ہیں لیکن۔۔۔ ایسا محسوس نہ ہوا تو انہوں نے آگے بڑھ کر گیٹ کے اندر پھینکا گیا پمفلٹ اٹھا کر پڑھنا شروع کیا۔

"آپ صرف ہمارا کتا بچہ دیکھیے۔۔۔ خوب صورت ہم آپ کو بنائیں گے۔"

پہلی سطر پڑھتے ہی خالہ تیزی سے گیٹ کی طرف لپکیں' دائیں بائیں دیکھا' مگر کچھ نہ پا کر پھر اندر آگئیں جہاں لان میں ہی ابا موجود تھے۔ دیکھتے ہی باچھیں کھلا کر بولے۔

"مینوں لگدا اے اخبار آگیا ہے۔"

"اخبار؟ نہیں تو۔۔۔ اور وہ بھی اس وقت۔"

"نئیں تے فیر آپ کے ہاتھ میں کیا ہے۔" ابا کا اشارہ پمفلٹ کی طرف تھا۔

"انگوٹھی ہے' نظر نہیں آرہی کیا۔" خالہ نے دائیں ہاتھ کو دیکھا۔

"فکر نہ کرو سوہنیو دراصل عادت ہی ہو گئی ہے نا خوامخواہ سوال کرنے کی۔"

"ارے کوئی بات نہیں' فکر کیسی اور ویسے بھی بیس سال کے بعد ایسا کچھ نہیں ہو گا۔" ابا کے منہ سے اپنے لیے لفظ "سوہنیو" سن کر وہ بے حد خوش ہوئیں اتنی خوش کہ کوئی دیکھتا تو یقین نہ کرتا کہ ان لوگوں میں کبھی کوئی اختلاف بھی تھا۔

"کیوں جی؟ وی سال دے بعد کیا ہوتا ہے کیا ہو گا؟"

"وہ ہو گا جو ابھی نہیں ہو رہا اور ابھی وہ نہیں ہو رہا جو بیس سال بعد ہو گا۔"

"او ہو۔ ایسو تے پوچھ رہا ہوں کہ وی سال کے بعد ایسا کیا ہوتا ہے جو ابھی نہیں ہو رہا۔"

"بیس سال کے بعد تمہاری عمر میں بیس سال کا اضافہ ہو جائے گا' بوڑھے ہو جاؤ گے تو سب کے پاس تمہاری ساری باتوں کے لیے ٹکا سا جواب ہو گا اس لیے فضول سوال کرنے کی عادت بھی نہیں رہے گی۔"

خالہ اور ابا کے درمیان انداز تخاطب آپ سے تم اور تم سے آپ ہوتا ہی رہتا تھا اور یہ سب ان کے درمیان کے تعلقات کا اچھا یا برا ہونا ظاہر کرتا تھا۔

"ہونہہ اشتہار تو چھپوا کر ہر گھر میں ڈال دیا کہ صرف ہمارا کتا' بچہ دیکھیں خوب صورت ہم آپ کو بنائیں گے۔۔۔ اور ساتھ نہ کتا بھیجا نہ بچہ۔" خود کلامی کرتے ہوئے خالہ نے ایک بار پھر ہاتھ میں پکڑے کتابچے کو الٹ پلٹ کر دیکھا۔ خالہ کے ہاتھ میں آیا کتابچہ اپنی ادبی بے ادبی پر جو سوچے سو سوچے البتہ خالہ نے ابا کو یوں ٹکٹکی باندھ کر خود کو دیکھتے ہوئے پایا تو یہ سوچ مزید گہری ہو گئی کہ واقعی بیوٹی پارلر میں ٹریٹمنٹ کروا کر آئے اس انسان کو بھی سب دل سے دیکھنے لگتے ہیں جنہیں عام دنوں میں دیکھنے سے دل خراب ہونے کا خدشہ ہو۔

☼ ☼ ☼

"خالہ' آپ کی اطلاع کے لیے عرض ہے کہ اگر آپ یہ سمجھ رہی ہیں کہ صرف سلاد کھانے سے آپ کا وزن کم ہو جائے گا تو یہ آپ کی بھول ہے۔" ضمیر بھائی نے خالہ کو برے برے منہ بناتے ہوئے مسلسل سلاد کھانے کا شغل کرتے دیکھا تو بولا۔

"سراسر نادانی ہے آپ کی۔۔۔ خود سوچیں اگر گھاس کھا کر ہی دبلا ہونا ہوتا تو آج تک بھینس' ہاتھی' گینڈا یا دریائی گھوڑے وغیرہ سب دبلے ہو چکے ہوتے۔"

"ضمیر' تم مجھے۔۔۔ اپنی خالہ کو بھینس' ہاتھی گینڈا

وغیرہ کہہ رہے ہو؟" خالہ کا فشار خون کم ہونے لگا۔

"ارے نہیں خالہ اسے کیسے' میں تو بس مثال دے رہا تھا۔" اس سے پہلے کہ بات بڑھتی' علی کالج سے گھر آیا تو فورا" چینا اس کے لیے گلاس میں پانی ڈال لائی جسے دیکھتے ہی علی کا منہ بن گیا۔

"آپی اتنا گندا پانی۔۔۔ کم از کم پانی تو صاف دے دیا کریں' صبح کا گیا اب آیا ہوں۔" "ایک تو کالج میں چندا کے سامنے ہوتی سبکی اور پھر گھر آتے ہی اس طرح کی تواضع۔"

"ارے پانی تو بالکل صاف لائی ہے چینا' ہاں البتہ گلاس ذرا گندا تھا' شاید کسی نے دودھ پی کے رکھ دیا تھا۔" چینا نے فورا" گندگی کی صفائی پیش کی۔

"کمال ہے چینا' میں نے تمہیں کہا بھی تھا کہ پانی دینے سے پہلے ابال لیا کرو۔" ضمیر بھائی نے ڈاکٹری جھاڑی جو الٹا گلے پڑ گئی۔

"واہ واہ واہ' ضمیر واہ' تم تو چاہتے ہی یہ ہو نا کہ چینا کا بھائی جھلس جائے' ارے حد ہوتی ہے' یعنی کیوں ابالوں علی کو پانی دینے سے پہلے۔"

"آپی خدا کا واسطہ ہے چپ ہو جائیں' آپ کو اپنی اور ان کی پڑی ہے ادھر میری اتنی سخت انسلٹ ہو گئی ہے کالج میں۔" علی نے بمشکل چینا کو کوئی بھی جارحانہ اقدام کرنے سے روکا۔

"تمہاری انسلٹ؟ کیا آج تم پچانے گئے تھے؟" خالہ نے سلاد کا ایک پتا آدھا آدھا کر کے دونوں ہتھیلیوں پر رکھا اور ان ہتھیلیوں پر اپنا چہرہ ٹکا دیا تاکہ جلد کو تازگی مل سکے۔

آہستہ آہستہ مگر مکمل تفصیل سے علی نے سارا واقعہ بتایا تو آٹومیٹک دروازوں کی طرح ان کے منہ بغیر پوچھے کھلتے ہی گئے۔

"ویسے چینا' شادی دفتر تو ہم کل سے کھول ہی رہے ہیں' کیا ہی اچھا ہو اگر علی کی بھی شادی کروا دیں' اس طرح اسے اپنے اوپر ہونے والے مظالم اور بے عزتی کا احساس کم سے کم ہوا کرے گا۔" ساری کہانی سننے کے بعد ضمیر بھائی نے آپ بیتی اور جگ بیتی کا مکسچر کرتے ہوئے تجویز دی۔

عشق نے جالب نکما کر دیا
آدمی یہ بھی تھا ورنہ کام کا

خالہ نے پتوں کی سائیڈ بدلتے ہوئے ٹھنڈی آہ بھر کر کہا نہیں یہ شعر علی کے لیے پڑھا تھا یا ضمیر بھائی کے لیے۔ یہ بات خالہ کے علاوہ اور کوئی نہیں جانتا تھا۔

"خالہ یہ شعر جالب کا نہیں غالب کا ہے۔" ضمیر بھائی ان لوگوں میں سے تھے جو سوئے ہوئے بیل کو جگا کر آفر کیا کرتے کہ آ بیل۔۔۔ آ ناں بیل مجھے مار اور بس مجھے ہی مار۔

"اپنے کام سے کام رکھو اور ڈاکٹری کرتے کرتے وکیل بننے کی کوشش نہ کرو۔ مجھے جالب پسند ہے تو بس میں نے یہ شعر ان کے نام کر دیا۔۔۔ انہیں کوئی مسئلہ نہیں تو تمہیں کیا تکلیف ہے۔"

"ہائے ہائے چینا کی زندگی میں یہ دن بھی آنا تھا جب وہ اپنے اکلوتے بھائی کا منہ لٹکا ہوا دیکھتی۔۔۔ یہ دن دیکھنے سے پہلے چینا سو کیوں نہ گئی۔"

"تم میرے آپشن پر غور کرو چینا اور پھر دیکھنا یہ لٹکا ہوا منہ ہر وقت بنا ہوا نظر آئے گا۔"

"کیا مطلب' چینا کچھ سمجھی نہیں۔" چینا نے تھرڈ اسپائرکی نظروں سے ضمیر کو دیکھا۔

"چینا کچھ بھی نہیں سمجھی یہ تو ہم سب کو پتا ہے' لیکن کیوں نا ہم علی کی واقعی شادی کروا دیں' اس لڑکی کے ساتھ جس نے علی کو بچایا تھا۔" "کیوں کہ جس لڑکی نے علی کو شرافت سے بچایا ہے وہ کبھی بھی اسے شرافت کے ساتھ رہنے نہیں دے گی اور یہی ضمیر بھائی چاہتے تھے کہ علی کو اس احساس سے دوچار کیا جائے جو انہیں ہوتا ہے۔ سوپس آئینہ کی ایک منصوبہ تھا جس کی وجہ سے وہ جلد از جلد اس کی شادی کے حامی تھے۔

"ایسا نہ ہو جس نے چینا کے بھائی کو شرافت سے بچایا تھا پھر اسی سے بچنے کے لیے شرافت کا سہارا لینا پڑے۔" چینا نے خدشہ ظاہر کیا۔

"چینا تم بھی نا۔" خالہ نے پتوں کو ہاتھوں پر ملتے

ہوئے کہا۔

"اسے شرافت سے شادی کرنے دو' باقی باتیں بعد میں دیکھی جائیں گی۔"

"شرافت سے شادی؟ خالہ آپ کا دماغ تو ٹھیک ہے۔" خالہ کے متنازعہ بیان پر وہ سبھی اچھل پڑے تھے۔

"ارے میرا مطلب تھا آرام سے شادی کرنے دو اور باقی مسائل کا بھی ابھی سے سوچ لیا تو پھر بعد میں کیا سوچا کریں گے۔"

شادی کا ذکر چھیڑنے پر گو کہ علی سمیت خالہ اور چندا بے حد خوش تھیں' لیکن ضمیر بھائی کے چہرے پر لڑیاں ڈالتی معنی خیز مسکراہٹ کچھ اور ہی کہانی کہہ رہی تھی۔ یوں بھی ان کا خیال تھا کہ اگر کوئی شخص آپ کو کھچڑی کی طرح ٹریٹ کرتا ہے تو اس کے ساتھ بریانی بن کر پیش آنا عقل مندی نہیں ہے بلکہ ہونا تو یہ چاہیے کہ اسی کھچڑی کے اندر سے کنکر بن کر دانت کے ساتھ اسے ٹکرایا جائے کہ کھانے والے کو دماغی چوٹ کا احساس ہو کیوں کہ اگر محبت اور جنگ میں سب جائز ہے تو اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ ہیر کا اپنے والدین کی غیرت کو داؤ پر لگا کر رانجھے کے ساتھ راتوں کو ملنا جائز' بھینسوں کے باڑے میں پیار کی پینگیں بڑھانا بھی جائز' اپنا پیار پانے کے لیے ان کی عزت کا جنازہ نکالنا بھی جائز' کیدو کا اپنے باپ دادا کی عزت بچانے کے لیے معاشرے کی نظروں میں ولن بننا بھی جائز اور یقیناً ہٹلر کے بھی جنگ کے زمانے میں کیے گئے تمام کام جائز ہی جائز!!! منزل کو خود سے قریب بلکہ بے حد قریب پاکر ضمیر بھائی پھولے نہ سما رہے تھے۔ سو ان تینوں کے پرجوش منصوبوں میں بڑی ہی منصوبہ بندی سے داخل ہو کر قہقہے لگانے لگے۔

✿ ✿ ✿

"پتری' اوتے سب کش ٹھیک اے پر سب سے پہلے تو مجھے یہ بتا کہ تو اس وقت کش لکھ رہی ہے؟" کالج کی روداد سناتی چندا کو ابا نے اچانک ہی کچھ خیال آنے پر ٹوکا تو اس نے نفی میں سر ہلا کر جواب دیا۔

"شلوار شے فضول خرچ" اک کلو کا سر ہلا کر جواب دیا ہے چھٹا کی (چھٹانک) کی زبان نہیں ہلا سکتی تھی۔"

"نہیں۔" چندا فوراً بولی اور پھر بے ادبی خیال کرتے ہوئے وضاحت بھی دینے لگی۔

"میرا مطلب تھا کہ نہیں' میں نہیں لکھ رہی کچھ بھی۔"

"تے فیر کش پڑھ رہی ہیں؟"

"نہیں تو۔ میں تو کر رہی ہوں آپ سے باتیں۔"

"تے فیر یہ چشمہ اتار کیوں نہیں دیتی' خواہ مخواہ چیزیں ضائع کرنے کا سواد آگیا ہے تجھے۔" چندا نے منہ بنا کر چشمہ اتار دیا کیوں کہ یہ چشمہ ابا نے اسے کالج میں لکھتے پڑھتے وقت لگانے کے لیے لے کر دیا تھا تاکہ آنکھیں کمزور نہ ہو جائیں اور ڈاکٹر کی فیس نہ دینی پڑے اور جب سے انہیں شہر کے قابل آئی اسپیشلسٹ کی فیس کا پتا چلا تھا اپنے آپ پر فخر کیا کرتے کہ وہ اب تک اتنے پیسے بچائے ہوئے ہیں۔

"پر یہ سمجھ نہیں آئی کہ اسے کیسے پتا چلا کہ وہ بھی تیری کلاس کا ہے؟"

"تمہاری اور اس کی کلاس میں تو ہے بہت فرق۔ اور کالج میں بھی اس کی کلاس ہے الگ وہ تو پتا نہیں کیوں وہاں آیا اور پکڑا گیا۔" چندا یہ بات چھپا گئی تھی کہ علی اور اس کے درمیان یہی طے ہوا تھا کہ وہ کالج میں پہلے روز ملاقات کریں گے۔

"پتا ہے ابا جب میں نے اسے ڈانس کرتا دیکھا تو لگ رہی تھی وہ پارٹی کم اور عرس زیادہ۔ پھر جب میں اسے بچا کر لائی تو کرنے لگا عجیب سی باتیں۔"

"تیرا مطلب ہے گندی باتیں؟" ابا نے زبردستی غیرت مند بننے کی کوشش کرتے ہوئے سرخ ہونا چاہا' مگر ناکام رہے۔

"نہیں ابا وہ۔ وہ کہنے لگا کہ لگتی ہو تم اتنی اچھی کہ بے اختیار جی چاہتا ہے مانگنے کو۔" سر جھکا کر چشمے کی دونوں ڈنڈیاں ہلاتے ہوئے وہ مسکرائی۔

"کیا مانگنا چاہتا تھا تیرے سے؟" ابا نے کان صاف

کرتے ہوئے پوچھا۔

"چندہ!"

"چندہ؟"

"کہہ رہا تھا نہیں ہوں میں تم اور تمہارے ابا جیسا امیر انسان۔۔۔ یتیم والدین کی ہوں جوان اولاد' اس لیے مانگنا پڑے گا چندہ' تاکہ چندا کو لے جاؤں چندا پر' مگر میں نے بھی کر دیا صاف منع۔"

"منع کر دیا مطلب؟" ابا حیران اور ساتھ ساتھ پریشان بھی تھے کہ جب وہ خود چاہتے تھے کہ ان لوگوں سے رشتہ جوڑ لیا جائے تو بھلا علی کو اپنے طور کوشش کرنے کی کیا ضرورت تھی۔

"مطلب یہ کہ کہہ دیا میں نے کہ میرے لیے تو میرا پاکستان ہی ہے چندا۔" اس کی حب الوطنی کے غلط موقعے پر جاگنے سے ابا بدمزا ہوئے۔

"پانی' گیس' بجلی' پٹرول اور صحیح معنوں میں انسان اور انسانیت نہ پاکستان میں ہے اور نہ چاند میں۔۔۔ اس لیے ہے کیا ضرورت بھلا اتنی دور جانے کی' جب چاند کا مکمل پیکج مل رہا ہے' یہاں گھر بیٹھے۔۔۔ بس ابا وہ نا۔۔۔ وہ۔۔۔ میری اپنی باتوں سے نا ہو گیا مجھ پر فدا۔" شرماتے شرماتے اس نے ساری بات مکمل تفصیل سے بتا دی تھی کیوں کہ اسے یقین تھا کہ والدین کو اندھیرے میں رکھنے والی لڑکیوں کی قسمت میں بھی اندھیرے لکھ دیے جاتے ہیں اور وہ تو لوڈشیڈنگ میں بالکل گزارا نہیں کر سکتی تھی۔

"فدا!؟ او تری وہ تجھ پر فدا۔۔۔ یعنی تجھے پتا دی ہے کہ یہ فدائی حملے کتنے خطرناک ہوتے ہیں؟" ابا حقیقتاً پریشان ہوئے تو وہ مسکرا کر کمرے سے چلی گئی جبکہ ابا سوچ رہے تھے کہ ان کی اور ان کی بیٹی کی سوچ بالآخر ملنے لگی ہے۔ یہ سوچتے ہوئے اچانک ان کی نظر چندا کے موبائل پر پڑی' اٹھا کر دیکھا' مگر وہ ابھی تک آن تھا سو فوراً اسے پاور آف کر دیا۔

"کتنی دفعہ بتایا ہے کہ موبائل کو بند کر کے رکھا کر' بجلی خرچ ہوتی ہے' جس وقت کوئی فون آیا تے آپے آپ پتا لگ جائے گا۔۔۔ جھلی کہیں کی۔" انہوں نے چارجر اٹھا کر ہاتھ میں لیا اور پدرانہ شفقت سے مسکراتے ہوئے انہوں نے فون اس کے تکیے کے نیچے سنبھال کر رکھا۔

✿ ✿ ✿

"ضمیر' تمہیں پتا ہے امریکا میں ایک آدمی نے اپنی بیوی کو مگرمچھوں سے بھرے تالاب میں پھینک دیا اور آج کل وہ جیل میں ہے۔" شادی دفتر کا آخری دیدار کرنے کے بعد اب سب ہی اپنے اپنے بیڈرومز میں سونے کے لیے جا چکے تھے' چینا بھی لیٹنے کے بعد ایک آنکھ پر کھیرے اور دوسری آنکھ پر ٹماٹر کا قتلا رکھ کر لیٹی ہی تھی کہ اسے یاد آیا۔

"وہ آدمی جیل میں ہے؟" ضمیر بھائی نے چشمہ اتار کر سائیڈ ٹیبل پر رکھتے ہوئے پوچھا تو چینا نے ہوں کر کے ہاں میں جواب دیا۔

"عدالت نے بالکل صحیح فیصلہ دیا' آخر مگرمچھوں کے ساتھ یہ ظلم انتہائی ناقابل برداشت اور یقیناً قابل سزا جرم ہے۔"

"او ضمیر۔۔۔ تم کتنے حساس ہو نا' جانوروں کا بھی اتنا خیال رکھتے ہو جیسے تمہارے رشتے دار ہوں۔۔۔ سو سوئٹ' کاش چینا تمہیں WWF میں بھرتی کروا سکتی۔۔۔ چینا لوز یو سو مچ۔" چینا نے موسمی طور پر رومانٹک ہوتے ہوئے بند آنکھوں سے ہاتھ بڑھا کر اسے بیڈ کے بائیں طرف ٹٹولنا چاہا' لیکن ضمیر بھائی نے اس کی بند آنکھوں کا ہی فائدہ اٹھا کر خود کو رومانٹک ہونے سے بال بال بچا لیا اور وہ بھی صرف اس وجہ سے کہ وہ سمجھ نہیں پائے تھے کہ چینا نے لمحہ بھر پہلے طنز کیا تھا یا تعریف۔

انہیں یہ کہنے' سمجھنے اور سوچنے میں کوئی عار نہ تھا کہ وہ سارا سارا دن کلینک میں اور پھر گھر میں اس بات کا انتظار کرتے رہتے ہیں کہ کب رات ہو گی اور انہیں چینا کے ساتھ اکیلے وقت گزارنے کا موقع ملے گا' جب خالہ اور علی نام کا کوئی رقیب ان کے درمیان نہیں ہو گا اور تب وہ چینا سے وہ ساری پیار بھری باتیں کریں گے

جو انہوں نے مختلف جگہوں سے پڑھ کر یاد کر رکھی تھیں' لیکن۔

یہ نہ تھی ہماری قسمت کہ دماغ یار ہوتا

چینا ہمیشہ اسی طرح کی باتیں کرنے لگتی کہ ضمیر بھائی کی رات یہ ہی سوچنے میں کٹ جاتی کہ کہیں چینا نے میری انسلٹ تو نہیں کردی۔ وہ ساری رات اپنے دوستوں کی بیویوں کے ساتھ چینا کا موازنہ کرتے ہوئے سوچا کرتے کہ یار دنیا کی بیسٹ ماں تو ہر مرد کے پاس ہوتی ہے' لیکن پتا نہیں دنیا کی بیسٹ بیوی ہمیشہ دوسروں کے پاس ہی کیوں ہوتی ہے یا شاید ہر شوہر کی دو بیویاں ہوتی ہیں' ایک وہ جس کے ساتھ وہ زندگی گزارتا ہے اور دوسری وہ جو اس کے تخیل میں ہوتی ہے۔ یہ اور اس جیسی دوسری باتیں سوچتے ہوئے ضمیر بھائی کی آنکھ کب لگ گئی یہ انہیں یقیناً پتا نہ چلتا اگر خالہ کے کمرے سے پراسرار آوازیں سنائی نہ دیتیں۔

☼ ☼ ☼

شادی دفتر کھولا جارہا تھا یا خالہ کے اعمال کا دفتر۔ بوکھلاہٹ اس قدر تھی کہ پاؤں رکھتیں کہیں اور تھیں اور پڑتا کہیں اور تھا۔ سارا دن بیوٹی ٹپس کرنے کے بعد اب انہیں احساس شدید ہوگیا تھا کہ ان کا وزن کچھ زیادہ ہے اس لیے ایسا نہ ہو کہ لڑکے والے انہیں ان کے وزن کی وجہ سے مسترد کردیں۔ یہی وجہ تھی کہ اس وقت جلد کو ٹائٹ کرنے کے لیے منہ پر شہد لگائے وہ ضمیر بھائی کے کلینک سے لائی گئی ویٹ مشین ڈھونڈنے کی کوشش میں اپنا سارا کمرہ پھیلا چکی تھیں' بے ترتیبی بھی مہنگائی کی طرح اپنے عروج پر تھی' مگر ویٹ مشین کو تو نہ ملنا تھا نہ ملی' اسی لیے اب وہ اپنی وارڈ روب سے کپڑے نکال رہی تھیں کہ کہیں انہوں نے یہاں تو سنبھال کر نہیں رکھ دی۔

ویسے بھی اکثر اوقات وہ چیزیں اتنی سنبھال کر رکھتیں کہ ضرورت پڑنے پر بھی نہ ملتیں۔ آج بھی شاید ایسا ہی کچھ ہوا تھا اور پھر اچانک ان کے ذہن میں خیال آیا کہ کہیں انہوں نے اوپر ہی نہ رکھ دی ہو۔ سو الماری کے اوپر دیکھنے کی نیت سے انہوں نے ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے رکھی کرسی پر چڑھ کر الماری کے اوپر دیکھنے کی کوشش تو کی' مگر اسی دوران توازن برقرار نہ رکھ پاتے ہوئے اپنے بیڈ کے پاس ہی جاگریں اور وہ بھی اس طرح کہ بیڈ کے ساتھ کر کے رکھی گئی ویٹ مشین کے عین اوپر ان کا سر تھا۔ کرسی سے گرنے کے بعد تو وہ بچ گئی تھیں' لیکن جیسے ہی گردن موڑ کر انہوں نے لیٹے لیٹے ہی مشین پر موجود ہندسوں کو دیکھا تو گو کہ سوئی ان کے سر کے نیچے تھی' لیکن مخالف سمت نظر آنے والے ہندسوں پر نظر پڑتے ہی وہ گھبرا کر اٹھ بیٹھیں اور دونوں ہاتھوں سے سر پکڑ کر سوچنے لگیں۔

"توبہ توبہ۔ اتنا وزن تو صرف میرے دماغ کا ہی ہے تو بھلا میرا کتنا ہوگا۔" یہ ہی سوچتے ہوئے وہ بڑی ہی ہمت سے اٹھ کر ویٹ مشین پر کھڑی ہوگئیں کیوں کہ ان کو صبح کے لیے ٹپس دیتی چینا نے اپنے کمرے میں جاتے ہوئے انہیں یہی کہا تھا کہ "آپ چینا کے آنے تک ویٹ کریں' اس کے بعد چینا تو چہرے پر کھیرا ٹماٹر لگاتے ہی سوگئی البتہ خالہ ویٹ کرنے کے لیے مشین ڈھونڈتی رہیں اور آخر کار اب ملی بھی تو دل دہلا دینے والے حقائق کے ساتھ۔ ویٹ مشین پر کھڑے ہوئے بھی جو سوئی نے پستی سے بلندی کا سفر شروع کیا تو نمبروں کے بڑھنے کے ساتھ ساتھ ان کا بی پی کم ہوتا گیا۔

"میرا خیال ہے کہ انسانوں اور جانوروں کی طرح بے جان چیزوں کے بھی حقوق ہوتے ہیں اور ایک بے جان چیز پر اتنا بوجھ ڈالنا کسی بھی طرح مناسب نہیں ہے' اس لیے مجھے بھی ویٹ مشین پر پورا نہیں بلکہ آدھا بوجھ ڈال کر چینا کا انتظار کرنا چاہیے۔" خالہ نے ویٹ مشین پر ایک پاؤں سے کھڑے ہوتے ہوئے سوچا اور مطمئن ہوگئیں۔ سامنے لگی گھڑی پر رات کے تین بج رہے تھے۔

☼ ☼ ☼

"میری بھی کیا قسمت ہے۔ رات کے اس وقت

جب میری عمر کے لوگ اپنے اپنے "من" کا میسج پڑھ رہے ہوتے ہیں... میں ٹیلیفون کمپنی کی طرف سے آئے معزز صارف والے میسجز۔ پڑھ رہا ہوں۔" علی نے اپنے کمرے میں کمبل میں گھس کر لیٹے لیٹے موبائل فون پر آئے میسجز چیک کرتے ہوئے اپنا شکوہ اپنے آپ سے کیا اور اوپر لگے اے سی کو بند کرنے کے بجائے ساتھ رکھے ایکسٹرا کمبل کو بھی پھیلا کر اوپر لے لیا۔ عین اسی وقت چینا کمرے کا دروازہ کھول کر اندر چلی آئی۔ چہرے پر ابھی تک کہیں کہیں کھیرے ٹماٹر کے بیج چپکے ہوئے تھے۔

"علی تم نے سگریٹ پی ہے؟" آتے ہی اتنا عجیب سوال کہ علی گھبرا گیا۔

"آپی میں تو کبھی اس کی شکل تک نہیں دیکھی۔"

"یعنی اندھیرا کر کے پیتے ہو یا آنکھیں بند کر کے۔" ادھر ادھر خوشبو سونگھتی چینا نے جرح کی تو وہ جھنجلا گیا۔

"آپی خود سوچیں سگریٹ تو ایک سولڈ چیز ہے لیکوئیڈ تھوڑی ہے کہ میں اسے پی جاؤں گا۔"

"بات تو ٹھیک ہے تمہاری' لیکن ابھی ابھی چینا کو خواب آیا تھا کہ تم سگریٹ پیتے پیتے گر گئے ہو اسی دھڑام کی آواز سے چینا اور ضمیر کی آنکھ کھل گئی۔"

"میری پیاری آپی' آپ کا کمرہ درمیان میں ہے نا... دائیں طرف۔ یعنی میرے کمرے میں ایسا کچھ نہیں ہوا آپ بائیں کمرے میں جا کر پتا کریں۔" علی نے کمبل میں نون کی شکل اختیار کرتے ہوئے کہا تو وہ واپس جانے لگی ہی تھی کہ علی کی بات پر لحہ بھر رکی۔

"ویسے آپی جب سے آپ نے میری اور چندا کی شادی کی بات کی ہے یقین کریں میرے تو پیر ہی زمین پر نہیں لگ رہے۔"

"بیڈ پر لیٹ کر بھلا پاؤں زمین پر لگیں گے بھی کیسے... ہونہہ۔" رات کے اس پہر جاگنے اور پھر یوں پلٹنے پر چینا کے تاثرات ایسے تھے جیسے بازار میں چلتے ہوئے کسی انجانے کا پاؤں اس کے جوتے پر آگیا ہو۔ اور اس کے جانے کے بعد سے علی یہی سوچ رہا تھا کہ وہ منگنی کے بعد جلد ہی شادی بھی کرلے گا کیوں کہ جہاں منگنی اور شادی کے درمیان وقت لگے وہاں موبائل فون کمپنیوں کے علاوہ کسی کو فائدہ نہیں ہوتا اور وہ کسی اور کا فائدہ ہوتا دیکھ ہی نہیں سکتا تھا۔ اسی لیے موبائل پر جیسے ہی ابا کی کال آنے لگی اس نے ایسا منہ بنایا جیسے حلیم کھاتے کھاتے منہ میں ہڈی آگئی ہو سو فوراً" اسے پاور آف کیا اور خواب میں چندا کو لانے کی غیر ضروری کوشش کرنے لگا' ناکامی ہوئی تو دوسرا موبائل اٹھا کر چندا کو فون ملالیا' مگر دوسری طرف بھی فون پاور آف ملا تو اس نے بڑی ہی تشویش ناک نظروں سے اپنے اس موبائل کو دیکھا جو پاور آف ہو کر سامنے بے جان پڑا تھا۔

کہیں چندا کے پاور آف کرنے کی بھی وجہ وہی تو نہیں' جس وجہ سے میں نے پاور آف کیا ہوا ہے اور کہیں وہ بھی تو کسی سے... آگے کچھ بھی سوچنے کے بجائے اس نے دونوں کمبلوں کو کھینچ کر منہ تک کرلیا کیوں کہ اکثر اوقات جب محض دوسروں کو اذیت دینے کی غرض سے کیے گئے اعمال مکافات عمل بن کر وہ ان تک پہنچتے ہیں تو خواہ مخواہ ہر ایک کے منہ لگنے والے لوگ اپنے آپ کو بھی منہ نہیں دکھا پاتے اور آئینے میں بھی منہ چھپانے لگتے ہیں۔

یہی کچھ علی کے ساتھ بھی ہوا تھا۔

☼ ☼ ☼

"ایک دور تھا جب کسی دعوت پر جانا ہوتا تو سب سے پہلے کپڑوں کا سوچا جاتا اور اب کسی نئے مہمان نے گھر آنا بھی ہو تو کپڑوں سے پہلے بالوں کی فکر لگ جاتی ہے کہ کہیں آگے سے سفید تو نظر نہیں آرہے۔" خالہ نے بڑی مشکل سے ویٹ مشین پر کھڑے کھڑے دائیں سے بائیں پاؤں پر منتقل ہونے کے بعد آئینے میں دیکھ کر خود کلامی کی اور عین اسی وقت جب چینا کمرے میں داخل ہوئی وہ اپنی تمام تر ہمت ہار کر دھڑام سے بیڈ کے اوپر جا گریں۔

چینا ان کی یہ حالت دیکھ کر پریشان کم اور حیران زیادہ

تھی کہ آخر رات کے اس وقت جب صبح ہونے میں بھی کم وقت رہ گیا ہو وہ منہ پر شہد چپکائے کیا کر رہی ہیں۔

"ارے لوگ تو تمہاری طرح بات بدل دیتے ہیں اور ادھر میں پاؤں بدل بدل کر ہی تھک گئی۔" منہ کو بمشکل ہلنے سے بچا کر انہوں نے آدھے ادھورے الفاظ بولے۔

"ارے رے... خالہ چپ کر جاؤ، جھریاں پڑ جائیں گی... چینا ابھی تمہارے منہ کو غسل دیتی ہے۔" ان کی اس قدر نازک حالت دیکھ کر خود چینا کے ہاتھ پاؤں پھول گئے تھے۔ پہلے تو ادھر ادھر کاٹن (روئی) ڈھونڈتی رہی، مگر یقیناً" وہ بھی خالہ نے کہیں بڑی ہی سنبھال کر رکھی ہوئی تھی لہٰذا آؤ دیکھا نہ تاؤ، اپنے ہاتھ سے مگ میں پانی بھر کر لائی اور خالہ کے منہ پر پانی ڈالنے کے بجائے مگ میں ہی خالہ کا منہ ایک ڈیڑھ سیکنڈ کے لیے ڈال کر نکال لیا اور پھر جیسے ہی ان کے منہ پر پوچا نما تولیہ پھیرا (پوچا نما اس لیے کہ یہ ان کا تاریخی تولیہ تھا جسے وہ بدلنے پر کبھی بھی راضی نہ ہوتیں) تو شہد کے نیچے سے خالہ کا ذرا سا منہ نکل آیا۔

"کاش چینا تمہیں عورتوں کی مسٹر بین کہہ سکتی۔" نیند خراب ہونے کا تو دکھ تھا ہی مگر ان کی اس عجیب سی حالت نے چینا کو مزید غصہ دلا دیا تھا۔

"واہ واہ... تم ہی نے تو کہا تھا کہ تمہارے آنے تک ویٹ کروں۔"

"لو خالہ چینا نے تو کہا تھا کہ چینا کا ویٹ کریں؟" اس کا دل چاہ رہا تھا کہ خالہ کے ساتھ وہی سلوک کیا جائے جو عام طور پر عطائی ڈاکٹروں کے ساتھ کیا جاتا ہے۔

"نہ بابا نہ مجھ میں تو اب بالکل بھی ہمت نہیں ہے خود ہی کر لو اپنا ویٹ۔" خالہ نے لیٹتے ہی آنکھیں بند کیں تو چینا زچ ہو کر کمرے سے نکل آئی۔ جس رفتار سے وہ آج کل خالہ کی باتوں پر صبر کر رہی تھی اسے لگتا کہ صبر کے میٹھے پھل کی زیادتی کہیں شوگر میں ہی مبتلا نہ کر دے یوں بھی خالہ اور چینا کے درمیان تعلق بھی

سگریٹ جیسا تھا کبھی اتنی محبت کہ سگریٹ کی طرح ہونٹوں میں دبا لیا جاتا اور پھر اسی سگریٹ کو پاؤں تلے مسل بھی دیا جاتا۔

☼ ☼ ☼

اور بالآخر وہ دن بھی آن پہنچا تھا کہ ان کی پچھلی چند روزہ محنت کا ثمر ملتا۔ اشتہاری مہم کے طور پر گھر گھر پمفلٹ ڈال کر وہ شادی دفتر کی اطلاع تو سب کو دے ہی چکے تھے۔ اب تو بس جوش کے مارے صبح کی چائے بھی نہیں پی جا رہی تھی۔ صبح صبح تیار ہو کر ڈائننگ ٹیبل کے گرد انہیں بیٹھا دیکھ کر محسوس ہوتا کہ عید کا دن ہے۔

ضمیر بھائی کا حال ان لڑکیوں جیسا ہو رہا تھا جو نارمل دنوں میں تو اپنے نین نقش پر اعتماد کر ہی لیتی ہیں، لیکن کسی تقریب میں جاتے وقت اس لمحے تک تیار ہوتی رہتی ہیں جب تک کہ وہ بری لگنا نہ شروع ہو جائیں اور اب تو ضمیر بھائی کے چہرے پر لگی ہوئی عینک دیکھ کر بھی لگتا تھا کہ عینک نہیں نظر لگی ہوئی ہے اور ڈاکٹر تو ویسے ہی وہ پیدائشی تھے یعنی کہ اب بھی انہیں ڈاکٹری کے متعلق اتنا ہی معلوم تھا جتنا پیدائش کے وقت معلوم تھا باوجود اس کے کہ اپنوں نے ملک و قوم کی فلاح کے لیے سرکاری خزانے میں چھ سال تک اتنی ہی رقم فیس کی مد میں جمع کروائی جتنی کوئی یقینی ڈاکٹر کرواتا رہا ہو۔ اور یہ بھی سچ تھا کہ وہ سب ایک دوسرے پر یہی ظاہر کر رہے تھے کہ وہ ابھی ابھی نیند سے اٹھ کر آئے ہیں کیوں کہ وہ جانتے تھے کہ صحیح معنوں میں خوب صورت وہی ہوتا ہے جو نیند سے جاگنے کے بعد اور منہ دھونے سے پہلے بھی خوب صورت لگے۔

"اٹھو اٹھو، جلدی کرو، چھوڑو سب کچھ۔" گیٹ پر ہوتی بیل پر چینا باہر گئی ہی تھی کہ بجلی کی سی رفتار کے ساتھ واپس آئی اور اس کی بات سنتے ہی وہ سب اٹھ کر گھبراہٹ میں ادھر ادھر بھاگنے لگے اسی دوران علی نے چونک کر پوچھا۔

"کیا ہوا آپی؟ چھاپا پڑ گیا ہے کیا؟ کیوں بھگا رہی ہیں

ہم سب کو؟"

"وہ ادھر میرج بیورو میں کلائنٹ آ گئے ہیں۔" چینا کا جوش دیکھ کر لگتا تھا، جیسے جون کے مہینے میں دسمبر آ گیا ہو۔

"اور علی تم اور خالہ یہیں رہو گے جب تک کہ چینا خود نہ بلائے۔ کیونکہ تمہیں دونوں وہ ATM کارڈ ہو جسے دکھا کر ہم روپے حاصل کریں گے اور۔"

"اور تمہیں پتا ہے نا روپوں پر بھی لکھا ہوتا ہے کہ حامل ہذا کو مطالبے پر ادا کیا جائے گا۔" چینا صرف سیکنڈ کے ہزاروں حصے میں تھوک نگلنے کے لیے رکی ہی تھی کہ ضمیر بھائی نے بات اچک لی۔

"کیوں بھئی؟ میں کیوں علی کے ساتھ رہوں؟ میں تو تیار ہو کر تمہارے ساتھ ہی بیٹھوں گی وہاں دفتر میں۔" خالہ کی رات کی نیند بھی پوری نہیں ہوئی تھی مگر اس کے باوجود انگڑائی لے کر ضد کی تو چینا کو غصہ آ گیا۔

"خالہ شادی دفتر بنایا ہے گورنمنٹ نہیں بنائی کہ ہر ایرے غیرے کو مشیروزیر بھرتی کرتے جائیں۔"

"واہ چینا واہ۔ دو پیسے ہاتھ آنے کی امید کیا ہوئی میں ایرے غیروں میں شمار ہونے لگی۔" خالہ نے ناک کے راستے سانس اوپر کھینچ کر سسکی نما بھرائی ہوئی آواز نکالنے کی کوشش ضرور کی لیکن، ناک بند ہونے کی وجہ سے ان کا یہ عمل کارگر ثابت نہ ہوا اور کان بند ہو گئے۔

"خالہ آپ کا مطلب تھا کہ اے ٹی ایم کی کیا اوقات آپ تو پوری کی پوری چیک بک ہیں جسے لوگ سنبھال کر اپنے لاکر میں رکھتے ہیں۔" علی نے منہ سے گولیاں چلانے والی جنگ میں واٹرنینگ کا کردار ادا کیا۔

"اچھا۔ میں فیک بک ہوں تو خود کون سا اتنی کھری اور سچی ہے۔ میں تو اس کے بارے میں وہ باتیں جانتی ہوں، جو اگر خود اسے پتا چل جائیں تو اپنے آپ پر شک کرنے لگے۔"

"او خالہ، سچ تو یہ ہے کہ چینا نے یہ دفتر بنایا ہی آپ کی شادی کے لیے ہے۔" ضمیر بھائی نے شادی دفتر میں بیٹھے کلائنٹس کا سوچتے ہوئے معاملہ ٹھنڈا کرنا چاہا۔

"مجھے پتا تھا ارے، پتا تھا کہ چینا نے یہ دفتر بنایا ہی میری بربادی کے لیے ہے۔ مگر میں پھر بھی اس کی باتوں میں آ گئی۔" خالہ نے دونوں ہاتھوں کی تالی بجا کر انہیں ملنا شروع کر دیا تھا۔

"خالہ۔ خدا کا واسطہ ہے۔ جس طرح ہر وقت اپنا منہ کھلا رکھتی ہیں ناں یہ کان بھی کھلے رکھا کریں۔" چینا نے سامنے رکھی ہیئرنگ ایڈ ان کے کانوں میں لگانے کے بجائے ٹھونسی۔ "اور فکر نہ کریں، چینا آپ کو فوراً" بلائے گی۔" چینا کی یقین دہانی پر خالہ نے حیرت انگیز طور پر یقین کر بھی لیا۔

"اچھا سنو ضمیر۔ آ جاؤ چلیں۔" چینا اس سے پہلے کہ دفتر جاتی سامنے ہی لگے آئینے پر نظر پڑ گئی جو صاف بتا رہا تھا کہ کل بیوٹی پارلر پر جا کر فیس پر فیشل، ویکس، پالش، مساج اور اسپیشل وائٹننگ کریم کی "چھپی" کتنے بے دریغ طریقے سے کروائی گئی تھی کہ لگتا کسی محلول سے اوپری جلد ہی غائب ہو گئی ہو اور پھر اب بھی صبح جاگنے کے بعد لوشن، بیسن، پف، بلشر اور آئی شیڈ کا کیا گیا نیچرل سا میک اپ۔

ضمیر۔ کیا تم بھی نا، قسم سے ابھی تک ڈھنگ کا کمانا شروع نہیں ہوئے ہو، اور یہ ہی وجہ ہے کہ چینا کے پاس ڈھنگ کا میک اپ بھی نہیں کہ تیار ہو اتنے پیسے بھی نہیں کہ پارلر سے کوئی ہلکا سا ٹریٹمنٹ ہی کروا لے۔"

چینا کی آواز پر دفتر کی طرف لپکتے ضمیر بھائی نے جو آئینے میں اس کے ساتھ خود کو دیکھا تو عجیب مسکین مسکین سا تاثر ملا، جس پر وہ بھی اپنا آؤٹ لک چینج کرنے کی خواہش کے ساتھ بولے۔ "وہ چینا۔ میں نا بس دو منٹ میں نہا کر آتا ہوں۔"

"کیوں؟" پھرتی دکھاتے ضمیر بھائی کی کلائی چینا نے بالکل ٹھیک وقت پر پکڑی تھی ورنہ تو وہ اب تک باتھ روم میں یہ جا اور وہ جا ہو چکے ہوتے۔

"نہانے کی کیا ضرورت ہے؟ تمہاری بارات آ رہی ہے کیا جو اتنی تیاری کرنی ہے۔" بات کرتے کرتے چینا

نے ڈائننگ ٹیبل پر رکھا گلاس اٹھایا جس میں گھونٹ ڈیڑھ پانی رکھا تھا۔ اور وہی پانی بغیر بتائے ہی ان کے منہ پر نچھاور کر دیا۔

"لو منہ گیلا تو ہو ہی گیا ہے اب ٹیشو پیپر سے صاف کر لو۔ فریشنس آجائے گی۔"

"چینا۔ خدا کا خوف کرو اگر میری گھڑی میں پانی چلا جاتا تو۔" ٹیشو پیپر سے منہ پونچھتے ہوئے انہوں نے رسی سا برا منایا۔ ورنہ تو وہ عادی تھے۔

"خیر ہے ضمیر' یہ چینا نے تمہیں گفٹ ہی اسی لیے کی تھی کہ واٹر پروف ہے۔ پانی کا جو قطرہ ایک دفعہ اندر چلا جائے وہ کبھی باہر نہیں آئے گا۔"

بات کر کے چینا کا رخ سیدھا شادی دفتر کے اس دروازے کی طرف تھا جو ان کے گھر سے نکلتا تھا۔ اور یہ بات ہمیشہ چینا اور ضمیر کے درمیان بحث کا موضوع بنی کہ یہ دروازہ ان کے گھر سے نکلتا تھا یا گھر کا ایک دروازہ اس طرف کھلتا تھا۔

☆ ☆ ☆

تری شادی کی باتیں چل رہی ہیں آج کل بیٹا
سو تیرا صاف ستھرا ہر گھڑی رہنا ضروری ہے
میرا مطلب! مہینے تک نہانے کی نہ ہو فرصت
تو پھر ہفتے کے ہفتے ہاتھ منہ دھونا ضروری ہے

چینا اور ضمیر کے جانے کے بعد علی کو اپنی مارکیٹ ویلیو کا جس طرح اندازہ ہوا تھا آج سے پہلے کبھی ہوا ہی نہیں تھا۔ اسے اب سمجھ آئی تھی کہ صرف ایک چندا کیا اب تو اسے جانے کتنے ہی چنداؤں کے سامنے جانا بلکہ پیش ہونا تھا۔ اور اس لیے پیش نظر آخر کار آج اس نے نہانے کا فیصلہ کر ہی لیا اس نے سوچ لیا تھا کہ آج صرف سر دھونے سے کام نہیں چلنے والا' اس لیے باتھ روم کی طرف بڑھا اور عین اس لمحے جب خالہ وہاں ممکنہ کل کے لیے بے چین تھیں' بڑے ہی غیر محسوس طریقے سے ابا اس طرح سے آئے جیسے اچھے دل میں برا خیال۔

"او جی۔ ایہہ میں کیا سن رہا ہوں؟" عادت سے مجبور ہو کر انہوں نے مونچھوں سے چھیڑ خانی کرتے ہوئے خالہ سے سوال کیا تو ابا کو یوں اچانک بغیر کسی اطلاع کے اپنے سامنے دیکھ کر خالہ کو اتنی ہی خوشی ہوئی جتنی جولائی کی حبس زدہ دوپہروں میں وقت سے پہلے بجلی کے آجانے پر ہوتی ہے۔

"اپنی آواز سن رہے ہو اور کیا۔" وہ اٹھلائیں اور ابا کو یوں اپنے روبرو پا کر تو خالہ کو لگا کہ بس بیوٹی پارلر پر دیئے گئے پیسے وصول ہو گئے۔

"او جی' بتاؤ نا ذرا کش کانی (کہانی) دے بارے۔"

"تمہاری نانی کے بارے میں مجھے کیا پتا۔ کیا میں تمہیں تمہاری نانی کی عمر کی لگتی ہوں۔"

"او نانی تو تمہیں میں یاد دلا دوں گا۔" ابا کا موڈ رومانٹک تھا یا ٹھیک' خالہ کو سمجھ ہی نہیں آرہا تھا۔

"میری نانی کو جو کہنا ہے کہو لیکن میں اپنے ابا کی ساس کو کچھ نہیں کہنے دوں گی۔" خالہ نے سوچ لیا تھا کہ وہ ابا کو اپنے قریبی رشتے داروں کی انسلٹ کرنے کی اجازت نہیں دیں گی۔ اگر کسی سے نانی تو!

"یعنی تمہارے ابا دی ساس دی گل کہہ رہی ہیں؟"

"میں تمہاری بات کر رہی ہوں۔"

"شاوا شے یعنی میں تمہارے ابا دی ساس ہوں؟"

"یہ تو اگر ابا زندہ ہوتے نا تو میں ان سے پوچھتی کہ کیسے کیسے لوگوں سے رشتہ داریاں۔" "ایسوای تے میں پوچھ رہا ہوں کہ ایہہ کس دے رشتے کے لیے شادی دفتر بنایا ہے تے لوگ آجا رہے ہیں۔" ابا نے سر جھکا کر جس رازداری سے پوچھا تھا خالہ نے اس لمحے خود کو ان کے ہر فیصلے کے آگے جھکا ہوا پایا۔

"وہ دراصل۔۔۔ آج کل میرے اتنے رشتے آرہے ہیں نا کہ فیصلہ مشکل ہو گیا ہے اسی لیے سوچا ایک میں رکھوں گی باقی دوسری مستحق لڑکیوں کے حوالے کروں گی۔"

"خیر تے ایہہ بڑی خوشی دی بات ہے۔ یعنی دل نوں دل سے راہ ہوتی ہے تے فیر ہمارا تے موڈ وے بن

گیاناں اوپر والی منزل توں نیچے والی منزل تک۔"

"کیا مطلب؟" خالہ کی عجیب کیفیت تھی کبھی لگتا کہ وہ جو سوچ رہی ہیں وہ ہی سچ ہے اور کبھی لگتا کہ جو لگ رہا ہے وہ ہی سچ ہے۔

"او جی' مطلب یہ کہ اب تے مجھے رات دن آپ کا ہی خیال ہے' میریاں راتاں کی وی نیندوی۔ کسی قرضدار کی طرح غیب ہے؟"

"یعنی مچھر ہیں اوپر؟"

"او نئیں جی' کیا بتاؤں کہ کس کا خیال ہے جو سونے نئیں دیتا۔" ابا رومانٹک ہونے کی کوشش میں بری طرح روہانسے ہوگئے تھے۔ اور انہیں دیکھ کر خالہ کو اپنی آنکھوں میں ہوا پڑتی محسوس ہوئی۔

"ہاں بھئی جوان بیٹی گھر میں ہو تو بڑے بڑوں کی نیندیں اڑ جاتی ہیں' اور آپ کی تو ویسے ہی کوئی اوقات نہیں۔"

"او نہ جی نہ' نئیں بڑا رہ لیا میری بیٹی نے کیلا' اب میں جانتا ہوں کہ اسے ایک ساتھی چاہئیدا اے۔" بے تکلفی سے کرسی گھسیٹ کر ابا خود تو بیٹھے ہی بلکہ ساتھ ہی دوسری کرسی نکال کر خالہ کو بھی بیٹھنے کا اشارہ کیا تو وہ بڑی فرمانبرداری سے بیٹھ گئیں۔ "بہت اچھی سوچ ہے آپ کی تو نہیں لگتی۔"

"او چھوڑو جی' میاق نہ کریا کرو۔" ابا ہنسے اور ایسا ہنسے کہ ان کے بیٹھنے کے بعد بھی ان کا جسم ہل ہل کر ان پر ہنستا رہا۔

"مجھے لگتا ہے کہ تسی تے میاق کی طرح محبت میں وی آگے نکل جاؤگی۔"

"تو اور کیا' سوہنی مہیوال' ہیر رانجھا' سسی پنوں... محبت کی ہر داستان میں عورت کا ہی نام پہلے آتا ہے۔" خالہ نے شرماتے ہوئے نچلے ہونٹ کا بایاں کونہ دانت تلے دبانا چاہا لیکن بعد ایک دم ہی یاد آیا کہ عین اسی دانت کی تو وہ پارلر سے واپسی پر فلنگ کروا کر آئی ہیں اس لیے محض سر جھکانے پر ہی اکتفا کیا۔

"اور دیکھیں نا یورپ جو عورتوں کے حقوق کی بات کرتا ہے محبت میں بھی اس کا نام آخر میں ہی لیتا ہے' جسے رومیو جولیٹ' ہیو شاٹو کو شیما۔"

"او جی ان کی تے بات ای نہ کرو' میں تے ہر معاملے اچ آپ کو ہی آگے کروں گا۔ میری ماں نے بڑی قوق (حقوق) سکھائے ہیں بزرگاں دے' بس تسی میرا انتظار کرنا میں رشتہ لے کر بس سمجھو آنے ہی والا ہوں۔ اور میں چاہتا ہوں کہ اپنی زندگی دے وچ ہی چنداں کے دے حوالے کر جاں۔"

اور تب خالہ صرف اور صرف خود کو مشرقی دکھانے کے چکر میں یہ پوچھ ہی نہ سکی تھیں کہ وہ رشتہ آخر لا رہے کس کا ہیں اپنا یا چندا کا؟

☆ ☆ ☆

بنت حوا ہوا کرے کوئی
میرے دکھ کی دوا کرے کوئی
کب سے لائق ہوا ہوں شادی کے
آئے اور کوئی نکاح کرے کوئی
ہر حسینہ ہم جس پہ عاشق ہوں
بھائی کہہ دے تو کیا کرے کوئی
میرے جیو رو بھی لوٹ لیتے ہیں
اب کے راہنما کرے کوئی

"معاف کیجیے گا' چینا کو ذرا دیر ہو گئی' ورنہ لگ رہا تھا کہ آپ واپس ہی نہ چلی گئی ہوں۔" چینا نے اندر داخل ہو کر مرکزی کرسی خود سنبھالی اور ساتھ کی چھوٹی کرسی پر ضمیر کو بیٹھنے کا ابرو سے اشارہ کیا۔

"ارے بے فکر رہیں' میں افغان مہاجرین کی طرح کہیں چلی جاؤں نا تو میری واپسی کی امید دل میں لیے لوگ خود ہی کہیں سے کہیں چلے جاتے ہیں۔ ویسے آپ کے اپنے کتنے بچے ہیں؟"

"کیوں آپ پولیو کے قطرے پلانے آئی ہیں؟" خاتون کے خوامخواہ فری ہونے پر چینا پانی لینے کے لیے اٹھی ہی تھی کہ ان سے رہا نہ گیا اور پھر بولیں۔

"ارے چائے کی کیا ضرورت تھی' لیکن خیر اب اگر آپ لینے جا ہی رہی ہیں تو پتی کم اور دودھ ذرا سا زیادہ ڈالیے گا' یہ بھی صرف آپ کی محبت میں دل رکھنے کے

لیے۔" چینا نے غصے سے ان کے بجائے ضمیر کو دیکھا اور اسی وقت کے لیے چینا کہا کرتی تھی کہ بندے کو شادی ضرور کرنی چاہیے تاکہ موڈ خراب ہو تو کم از کم غصہ اتارنے کے لیے کوئی تو پاس ہو۔

"چینا! چائے رہنے دو بھئی شادی دفتر اور سرکاری دفتر میں کچھ تو فرق ہونا چاہیے نا؟" ضمیر بھائی نے زبردستی سامنے بیٹھی خاتون کی تائید حاصل کی تو وہ بدمزا سی ہو گئیں۔

"اچھا تو دراصل مجھے اپنی بیٹی کے لیے رشتہ چاہیے مگر لڑکا ایسا ہو کہ چاند سورج لگیں دونوں۔"

"چاند سورج؟" چینا حیران ہوئی ان کی بات پر نہیں بلکہ ضمیر بھائی کو بولنے کے لیے فارم میں آتا دیکھ کر "یعنی آپ ابھی سے بیٹی کی علیحدگی کے خواب دیکھ رہی ہیں؟ بھلا چاند سورج کو بھی اکٹھے دیکھا ہے آپ نے؟ ارے دونوں ایک دوسرے کی شکل تک دیکھنے کو تیار نہیں ہوتے اور... اور آپ کہہ رہی ہیں کہ آپ کی بیٹی اور داماد کو چاند سورج کی طرح ہونا چاہیے۔" ضمیر بھائی نے بڑی ہی داد طلب نظروں سے چینا کو دیکھا جو بڑے غصے میں آنکھیں پھیلائے انہی کو دیکھ رہی تھی۔ آنکھوں ہی آنکھوں میں انہیں کچھ سنسر شدہ غصیلے الفاظ کہہ کر مسکراتے ہوئے خاتون کی طرف متوجہ ہوئی۔

"ضمیر کاش چینا تمہیں عقل سے پیدل کہہ سکتی۔ ارے ان کا مطلب ہے کہ لڑکا چاند جیسی ٹھنڈی طبیعت کا مالک ہو جو غصے میں ان کی بیٹی کو کبھی بھی آنکھ اٹھا کر نہ دیکھ سکے۔ جسے سورج کو بھلا کون آنکھ اٹھا کر دیکھ سکتا ہے۔"

"ہاں بالکل، بہن جی۔ میں بھی تو یہی کہہ رہی تھی، واقعی بھئی ایک عورت ہی عورت کی بات سمجھ سکتی ہے۔" وہ چینا کی پوشیدہ صلاحیتوں کی معترف ہو چکی تھیں۔ اور اسی بات سے ضمیر بھائی جل کر بولے۔

"جی جی۔ کیونکہ مو عقل مند ہوتا ہے۔"

"ایک منٹ ایک منٹ یہ۔ بہن جی کسے کہا آپ نے؟" چینا کو اپنی اس بے عزتی کا بدلہ لینا تھا اس لیے بات چیت روکی۔

"میں بہن جی لگتی ہوں آپ کو؟ کیسی ہوتی ہیں بہن جی؟ یعنی بات کرتے وقت آپ کو پتا نہیں چلتا کیا؟ جو منہ میں آتا ہے بولے چلی جاتی ہیں۔"

نہیں تو میں کہاں چلی گئی، یہیں بیٹھی ہوں، کرو جو بات کرنی ہے۔" وہ بھی آمادہ نظر آئیں۔

"ارے چھوڑیے ان باتوں کو، آپ اپنی بیٹی کے بارے میں کچھ بتائیے میرا مطلب ہے کوالیفکیشن وغیرہ۔"

"ابھی ہی تو میری بچی نے گریجویشن کیا ہے اور عمر بھی کوئی چھبیس ستائیس سال۔" وہ مسکرائیں۔

"دراصل اس نے کونسا الیکشن لڑنا تھا جو جلد بازی میں بی اے کر کے اب تک نتیجے بھگت رہی ہوتی، اور ویسے بھی لڑکیوں کی عمر کا اندازہ ہی لوگ اس کی ڈگریاں یا تعلیمی سال دیکھ کر لگاتے ہیں، اسی لیے میں نے بھی اپنی بیٹی کو ایف اے کے بعد سات آٹھ سال ریسٹ کروایا تھا۔"

"اچھا تو جہاں تک میں سمجھ پائی ہوں آپ کو اپنے جیسے مڈل کلاس لوگوں میں رشتہ چاہیے۔"

"نہیں نہیں کسی قیمت پر نہیں۔ ارے ہم مڈل کلاس ہیں وہ کم از کم ماسٹرز کلاس تو ہوں۔" انہوں نے پرس سے پیسے نکال کر دیتے ہوئے رجسٹریشن کروائی اور جلد از جلد رشتہ کروانے کا کہہ کر چلی گئیں تو چینا نے سمجھانے کے انداز میں ضمیر کو مخاطب کیا۔

"دنیا کی ساری باتیں چھوڑو، اور چینا کی ایک بات یاد رکھو کہ کلائنٹ کی تائید کرنے اور اس کی ہاں میں ہاں ملانے میں ہی بزنس کی ترقی ہوتی ہے۔ سمجھے؟"

ضمیر بھائی نے کلاس کے ذہین طالب علم کی طرح سرہلایا تو چینا مسکرانے لگی۔ وہ سوچ رہی تھی کہ کون سے کلائنٹ کے آگے علی کو لانا ہے اور کس کے پیچھے خالہ کو لگانا ہے، اور خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ ایک کے بعد دوسرا کلائنٹ بھی آن حاضر ہوا۔ یہ دونوں میاں بیوی تھے جو ایک دوسرے سے پہلے بیٹھنے پر راضی نہیں تھے۔ پندرہ منٹ تک پہلے آپ پہلے کرنے پر بھی جب

بیٹھے تو ضمیر بھائی زچ ہو گئے مگر اخلاقاً "مدھم بولے۔
"اجی قبلہ لگتا ہے آپ لکھنؤ سے ہیں جہاں روزوں میں افطار کے وقت بھی لوگ پہلے آپ پہلے آپ کھیلتے ہوئے وقت کو سحری تک لے جاتے ہیں۔" ضمیر بھائی نے اپنے ذہن سے مثال گھڑی۔
"چینا کا خیال ہے کہ آپ دونوں ایک ساتھ بیٹھ جائیں۔"
"ایک ساتھ؟ لیکن کرسی ذرا تنگ پڑے گی۔" اپنی دانست میں وہ سمجھے کہ اس ایک ہی کرسی پر بیٹھنے کا کہا جارہا ہے۔
"جناب میڈم کا مطلب ہے کہ الگ الگ کرسیوں پر ایک وقت میں ایک ساتھ بیٹھ جائیں۔" ضمیر نے چینا کو ان کے سامنے اتنی عزت دی تو اسے بے اختیار اس پر پیار آگیا۔ تنہائی میں رویہ جیسا بھی ہو لیکن دوسروں کے سامنے عزت مان اور وقار دیا جائے' بس اتنی سی ہی خواہش تو ہوتی ہے مشرقی بیویوں کی۔
"ہم دونوں میاں بیوی ہیں اور اپنے بچوں کے رشتے کے لیے آئے ہیں۔" ان کے تعارف پر چینا کے ساتھ ساتھ ضمیر کو بھی بے حد حیرت ہوئی کیونکہ جتنی عزت وہ دونوں ایک دوسرے کو دے رہے تھے اور جس محبت سے ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے اس سے تو یہی لگتا تھا کہ ابھی شادی بھی نہیں ہوئی۔
"بیٹا میرا یہاں جاب کرتا ہے اور بیٹی تو خیر سے میاں والی ہے۔ ان ہی دونوں کے رشتے کے لیے ہم حاضر ہوئے تھے کہ اگر کوئی بات بن جائے تو......"
"اجی آپ رشتے کی بات کرنے آئے ہیں یا کوئی قرضہ معاف کروانے؟" ان کی بیگم نے کن انکھیوں سے گھور کر بظاہر مسکرایا۔
"بالکل درست فرمایا آپ نے۔ یعنی ہر وقت شوہروں جیسی عاجزی دکھانے کا بھلا کیا مطلب ہے۔ آپ بغیر کسی خوف و خطر کے مرد بن کے بات کریں۔" ضمیر بھائی جو خود چینا کے سامنے اونچا سانس بھی نہیں لے سکتے تھے انہوں نے بہادری سکھائی۔
"اچھا ویسے آپ کو تو رشتے کے بجائے خدا کا خوف کرنا چاہیے یعنی کہ آپ نکاح پر نکاح کروا رہی ہیں اپنی بیٹی کا۔ اور ساتھ ہمیں بھی گرفتار کروانا چاہتی ہیں۔ سچ بتائیں آپ کوئی ٹی وی والے تو نہیں جو خفیہ کیمرے لگا کر سب ریکارڈ کر لیتے ہیں؟" چینا بے حد گھبرا گئی تھی۔
"نہیں چینا کچھ نہیں ہوگا۔ ارے ان کی۔ بیٹی تو صرف میاں والی ہے۔ بچوں والی ہوتی پھر بھی خیر تھی۔" ضمیر بھائی کے سمجھانے کا بھی چینا پر کوئی اثر نہیں ہوا تو خاتون کے شوہر نامدار کے سامنے جا کر اتنی زور سے بولی کہ وہ جو چینا کو ٹکٹکی باندھے دیکھ رہے تھے ان کا بھی سکتہ ٹوٹ گیا۔
"ارے آپ کی بیٹی کے ساتھ ظلم ہو رہا ہے اور آپ یوں بہرے بنے بیٹھے ہیں؟ کاش چینا آپ کو بے حس کہہ سکتی۔"
"میں ایسا تھا تو نہیں' بس لیڈرز کے بلند و بانگ دعووں سے بہرا ہو گیا ہوں۔ نور بیگم انہیں بتایئے کہ ہماری بیٹی میاں والی میں رہتی ہے اور بس۔" انہوں نے اتنی محبت سے چینا کو دیکھ کر اپنی بیگم سے بات کی کہ وہ جل ہی تو گئیں۔
"اجی میں کہتی ہوں جتنی محبت سے دوسروں کی بیویوں کو دیکھتے ہو۔ اتنی ہی محبت سے اگر اپنی بیوی کو دیکھا کرو تو گھر جنت بن جائے۔" کہنی براہ راست ان کے گردے پر مار کر دبے لفظوں میں انہوں نے کہا۔
"جنت؟ پہلی بات تو یہ کہ میرا اب تو مرنے کا بالکل بھی موڈ نہیں ہے۔" انہوں نے ایک بار پھر چینا کو فدائی نظروں سے دیکھا۔
"اور دوسری بات یہ کہ جنت ہی وہ واحد جگہ ہے جہاں جانا سب چاہتے ہیں مگر جلدی کسی کو نہیں ہوتی۔ سب ہی سب سے آخر میں جانا چاہتے ہیں۔" چینا نے بھی بڑے نرم لہجے میں مسکراتے ہوئے جواب دیا تو ضمیر بھائی کو بھی آتش عشق میں کودنا ہی پڑا۔
"اور تیسری بات یہ کہ بیویاں بھی جتنی نرمی' آہستگی اور لحاظ سے دوسروں کے شوہروں سے بات کرتی ہیں اتنی ہی نرمی' آہستگی اور لحاظ سے اپنے شوہر

کے ساتھ بات کیا کریں تو میں ایک بھی طلاق نہ ہونے دوں۔"

"اچھا اچھا دیکھیں بات نہ بڑھائیں اور چینا کا مشورہ مان کر یا تو آپ اپنی بیگم سے معافی مانگیں اور یا آپ اپنے شوہر کو معاف کر دیں۔" چینا نے صلح کا پرچم لہرا کر اپنی دانست میں ایک عظیم مشورہ دیا۔ تو وہ صاحب مان گئے اور بولے۔

"اچھا بیگم معاف کرو، آج کے بعد کبھی ہیئرنگ ایڈ نہیں لگاؤں گا۔"

"کیا مطلب؟" ضمیر بھائی نے حیران ہو کر پوچھا۔

"مطلب یہ کہ میں ذرا کم سنتا ہوں اس لیے کانوں میں ہیئرنگ ایڈ کا استعمال کرتا ہوں لیکن کبھی کبھی۔ کیونکہ جتنی دیر نہ لگاؤں لوگ ہمیں ایک مثالی کپل سمجھتے ہیں اور جیسے ہی لگاؤں ہماری لڑائی شروع ہو جاتی ہے۔"

مشورہ اچھا تھا ضمیر اور چینا ایک دوسرے کو دیکھ کر مسکرانے لگے تھے جبکہ سامنے بیٹھی خاتون اندرونی راز افشا ہونے پر جز بز دکھائی دیں۔

☼ ☼ ☼

بیگم کی ڈانٹ سن کے ملازم پکار اٹھا
ہر چند سنکی رہا ہوں گو ہر نہیں ہوں میں
لیکن کلام کیجیے مجھ سے ادب کے ساتھ
نوکر ہوں کوئی آپ کا شوہر نہیں ہوں میں

"چلیں پہلے تو آپ کے بیٹے کی بات کرتے ہیں، کتنے بچے ہیں آپ کے؟" ضمیر نے انٹرویو شروع کیا۔

"آنھ... اور بچے کہاں اب تو جوان ہو گئے ہیں۔" خاتون نے فخر سے بتایا۔

"اور ان میں سے اس بیٹے کا کونسا نمبر ہے۔ جس کی شادی کروانی ہے؟"

"پہلے تو ٹیلی نار کا تھا، آج کل شاید یوفون کا ہے۔" تائید حاصل کرنے کے لیے انہوں نے صاحب کو دیکھا۔

"میرا خیال ہے آپ کی ان ہی باتوں کی وجہ سے آپ کے بچے او ہڑے میرا مطلب ہے پریشانی جیسی وسیع پیشانی پر ٹانکے لگے۔" ضمیر بھائی اپنی بے تکے بازیاں بھول کر ان کے فضول جواب پر چراغ پا ہو گئے۔

"ارے رکشے سے باہر کرنے پر سر پھٹ گیا تھا تو ٹانکے نہ لگواتی تو کیا پکو کروا دیتی اپنے ماتھے کی؟" اپنی توہین پر انہیں بھی غصہ آ گیا تھا اور یقیناً "یہ بات کسی بھی لڑائی کا پیش خیمہ ثابت ہو سکتی تھی اگر عین وقت پر انہیں فون کال موصول نہ ہوتی اور انہیں اٹھ کر جانا نہ پڑتا۔

☼ ☼ ☼

علی اپنے کمرے میں بڑی ہی نک سک سے تیار ہو رہا تھا جب چندا اندر آئی۔ "اتنی تیاری؟ جا رہے ہو کہاں؟"

"آج لڑکی والے دیکھنے آ رہے ہیں نا میں وہیں جا رہا ہوں۔" وہ اترایا۔

"تمہیں دیکھنے آ رہے ہیں؟ کتنے کا ہے ٹکٹ؟"

"جتنے کا بھی ہو چندا تم سے بھلا کیا مطلب۔ اور دیکھو مجھے تیار ہونے دو کیوں ڈسٹرب کر رہی ہو؟" وہ کچھ زیادہ ہی مصروف تھا۔

"اس لیے کہ میں ہوں تمہاری وجہ سے ڈسٹرب۔!"

"میری وجہ سے ڈسٹرب؟ لیکن میں نے کیا کیا ہے؟" "اسے خود سمجھ نہیں آئی تھی۔

"یہی تو ہے مسئلہ کہ تم نے ابھی تک کچھ نہیں کیا۔" چندا کا منہ بلب کے ٹوٹے ہوئے ہولڈر کی طرح لٹک گیا تھا۔

"چندا اس وقت میں تمہارے کسی بھی مسئلے میں انٹرسٹڈ نہیں ہوں۔"

"لیکن ہوں میں تو تم میں انٹرسٹڈ" چندا کی بات پر علی مسکرایا اور دل کھول کر مسکرایا کیونکہ رات کو فون کے پاور آف ہونے کی وجہ سے جو پریشانی محسوس ہوئی تھی وہ زائل ہو گئی تھی۔

"ابا چاہ رہے ہیں ہم دونوں کی شادی کروانا" اور اسی سلسلے میں وہ کریں گے آج چینا آپی اور باقی سب سے

بات۔ مگر تم ہو کہ تیار ہو رہے ہو دوسری لڑکیوں کے لیے۔"

"ارے یہ سب تو ٹائم پاس ہے ورنہ میں تمہارا ہوں ہمیشہ سے۔" وہ کھڑے کھڑے گنگنانے لگا تو چندا کو بھی اس کی بات پر یقین سا آگیا۔ اور وہ بھی مسکراتے ہوئے باہر نکل گئی دل دماغ میں یہ گانا چل رہا تھا۔

راجہ کی آئے گی بارات رنگیلی ہوگی رات مگن میں ناچوں گی

✿ ✿ ✿

میں اگر سامنے آبھی جایا کروں
لازمی ہے کہ تم مجھ سے پردہ کرو
اپنی شادی کے دن اب نہیں دور ہیں
میں بھی تڑپا کروں تم بھی تڑپا کرو

خالہ ممکنہ دلہنیا کے انداز میں شرماتے لجاتے گھبراتے اور مسکراتے ہوئے چھپا کے دھکا دینے پر ایک دم کمرے میں آئیں تو سامنے موجود شخص بڑی ہی محنت سے سر نکال نکال کر یہ گانا گانے میں مصروف تھا' خالہ کو دیکھا تو لال رومال سے ناک چھپاتے ہوئے پھر دہرانے لگا۔

میں اگر سامنے آبھی جایا کروں
لازمی ہے کہ تم مجھ سے پردہ کرو

"چلیں اب بس بھی کریں نا' آپ تو بہت ہی وہ ہیں۔" خالہ نے ہن ہو کر ہنستے ہوئے مزید سننے سے طریقے سے انکار کیا تو وہ مان بھی گئے۔

"اچھا سنیے۔" اپنی کرسی چھوڑ کر وہ بالکل خالہ کی ساتھ والی کرسی پر آبیٹھے تھے اور اپنا سر انہوں نے خالہ کے جھکے ہوئے سر سے تقریباً" اتنا ہی فاصلے پر رکھا جتنا رکھ سکتے تھے۔ خالہ کو ان کا یوں قریب آنا کتنا رومانٹک لگ رہا تھا اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا تھا کہ جھکا ہوا سر مزید جھک گیا وہیں سے آواز آئی۔

"جی کہیے نا!"

"وہ میں یہ کہہ رہا تھا کہ آپ اپنی بیٹی کو ساتھ نہیں لائیں۔ ایسا کیوں؟" یہ بات سنی تھی کہ خالہ کو زور کا جھٹکا بڑی زور سے لگا۔ انہوں نے جو سر اوپر اٹھایا تو قریبی سر سے اس طرح ٹکرایا کہ دماغ لڑانے کا محاورہ بعد میں یاد آیا پہلے مرغے لڑانے کا سین یاد آگیا۔

"بیٹی؟ دماغ خراب ہوگیا ہے کیا؟"

"نہیں وہ۔ دراصل۔" وہ اپنے سر کو سہلاتے ہوئے مناسب الفاظ ڈھونڈ رہا تھا۔

"کہیں آپ لڑکی تو نہیں؟" زور کا ایک جھٹکا بڑی زور سے انہیں بھی لگا جب خالہ تلملا کر بولیں۔

"نہیں تو کیا میں آپ کو لڑکا نظر آرہی ہوں؟"

"معاف کیجئے گا۔ غلطی ہوگئی' میں تو سمجھا آپ کبھی لڑکی تھیں لیکن اب سمجھا کہ آپ تو ابھی بھی لڑکی ہیں۔"

"جی۔ میرا نام مودا ہے۔" اس نے ماحول بہتر بنانے کے لیے تعارف کروایا تو خالہ نے سوچا کہ جس طرح اس نے لمحہ بھر میں ہی معافی مانگ لی ہے وہ جس کا بھی شوہر بنے گا وہ خوش رہے گی۔

"ممودا؟ یہ کیسا نام ہے' پورا نام بتایئے نا جس سے آپ کو سب بلاتے ہیں۔"

"ہاں ہاں کیوں نہیں۔ میرا نام مودا ہے' مودا باندری' پی ایچ ڈی۔"

"پی ایچ ڈی؟" خالہ نے ایک نظر اسے دیکھا اور پھر دوبارہ پی ایچ ڈی پر حیران ہوئیں وہ بھی ان کی حیرت کی وجہ جان چکا تھا جب ہی بولا۔

"میرا نام مودا۔ مودا باندری۔ پی ایچ ڈی۔ پہلا حق دار!" بات کرنے کے بعد وہ۔ جس طرح شرمایا تھا خالہ کو یقین ہو چلا تھا کہ یہ ایسا شخص ہے۔ جس کا نام لے کر بچے اپنی ماؤں کو ڈراتے ہوں گے۔ اور اس لمحے دماغ کے کسی کونے سے ابا کا خیال نکل کر ایسے دل میں آیا جیسے کلا چوہا اندھیرے کا فائدہ اٹھا کر بل سے نکل کر کمرے میں آیا ہوں۔

(باقی آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیں)

✿ ✿

فرحین اظفر

سوہا اور رماہا دونوں بہنیں اپنی ماں کے ساتھ گھر کی اوپری منزل میں رہائش پذیر ہیں۔ ان کے والد کی وفات ان کے بچپن میں ہی ہو گئی تھی۔

گھر کی نچلی منزل میں ان کے تایا اور تائی اپنی دو بیٹیوں عفت اور نائلہ کے ساتھ رہتے ہیں۔ تایا اکثر بیمار رہتے ہیں۔

حدید 'انس' عفت اور نائلہ کے خالہ زاد ہیں۔ نائلہ 'انس میں دلچسپی رکھتی ہے۔ مگر انس 'سوہا سے شادی کرنا چاہتا ہے اور اپنی پسندیدگی کا اظہار اپنی خالہ اور سوہا کی تائی کے سامنے کر دیتا ہے۔ خالہ کو بے پناہ دکھ کا احساس ہوتا ہے مگر بظاہر راضی خوشی اس کا رشتہ لے کر اپنی دیورانی کے پاس جاتی ہیں۔ سوہا کی والدہ یہ رشتہ خوشی خوشی قبول کر لیتی ہیں۔

نائلہ باقاعدگی سے اپنے والد کو اسپتال لے کر جاتی ہے۔ وہاں اسپتال کے کلرک شبیر حسین عرف شبو سے روابط بڑھ جاتے ہیں کہ اچھے برے کی تمیز کو بھول جاتی ہے۔

سوہا اور انس کی شادی کی تقریبات بہت اچھے طریقے سے انجام پاتی ہیں اور سوہا رخصت ہو کر انس کے گھر آجاتی ہے۔

حدید کسی کو ڈراپ کرنے جاتا ہے اور اس کا ایکسیڈنٹ ہو جاتا ہے۔

سوہا کے اکیلے پن کی وجہ سے عفت اس کے پاس رک جاتی ہے۔ گھر کے کاموں کے علاوہ حدید کا بھی خیال رکھتی ہے۔

حدید 'عفت کے دل میں اپنے لیے پسندیدگی کو جان لیتا ہے اور سوچ لیتا ہے کہ اس بار خالہ کو مایوس نہیں کرے گا۔

نائلہ 'شبیر حسین سے ملنا نہیں چھوڑتی اور آخر کار اپنی عزت گنوا بیٹھتی ہے 'جس کا اندازہ اس کی ماں کو بھی ہو جاتا ہے اور وہ اپنی عزت بچانے کے لیے حدید کے ساتھ نائلہ کی شادی کا فیصلہ کر لیتی ہیں اور اس بات کا اظہار انس اور رماہا سے بھی کر دیتی ہیں۔

(اب آگے پڑھیے)

۵
پانچویں قسط

سوہا اور انس کی آمد کی خبر ماہا اور امی تک پہنچ چکی تھی۔
اس نے جلدی جلدی چائے اور دوسرے لوازمات ٹرے میں سجا کر کچن میں ہی چھوڑ دیے۔ وہ دونوں شاید نیچے ہی بیٹھ گئے تھے اور فی الحال ان کی آمد کے کوئی آثار بھی نہ تھے۔ امی نے دوپٹا کھول کر پھیلایا اور سیڑھیوں کی طرف بڑھ گئیں۔
"میں ذرا دیکھ کے آؤں۔ آج اوپر آنے میں بڑی دیر لگادی۔"
انہیں عشاء کے بعد سونے کی جلدی پڑجاتی تھی کیونکہ فجر میں اٹھنا ہوتا تھا۔ اس وقت نیند کے پہلے جھونکے کے ساتھ ہی انہیں بیٹی داماد کی فکر ہونے لگی۔ مگر وہ نہیں جانتی تھیں۔ آدھی سیڑھیاں اتر کر ان کے کانوں میں' اپنی جیٹھانی کی جو آواز آئی۔ سماعتیں جانتے بوجھتے اسے قبول کرنے سے انکاری تھیں۔
باقی آدھی سیڑھیاں اترنے کے بجائے وہ پلٹ کر واپس چڑھ گئیں۔ ماہا نے تیزی سے انہیں واپس آتے دیکھا۔
"کیا ہوا امی!"
"اے مجھے تو لگتا ہے۔ بھابھی کے دماغ پہ اثر ہو گیا ہے۔"
انہوں نے ابھی ابھی سنی گئی بات اور وہ بہو والا رویہ اس کے گوش گزار کردیا۔ ماہا خود بھی سکتے میں آگئی۔
"کیا ہو گیا ہے تائی امی کو۔ بھلا کوئی خود سے اس طرح کہتا ہے۔" ماہا کی دھیان کی ڈور بس یہیں تک تھی۔
نیچے سے اب کسی قسم کی باتوں کی آواز نہیں آرہی تھی۔ یوں لگتا تھا تائی اماں کو جو کچھ کہنا تھا۔ وہ کہہ کر خاموش ہو چکی تھیں۔
اب فیصلے اور وہ بھی فوری فیصلے کا بار انس اور ماہا کے ناتواں کندھوں پر تھا اور یہ بوجھ کتنا وزنی تھا۔ امی کو ان دونوں کی اتری صورتوں سے اندازہ ہو گیا۔ جب ذرا دیر بعد وہ لوگ ڈھیلے قدموں سے سیڑھیاں چڑھتے اوپر چلے آئے۔
باقی کا سارا وقت ماہا اور حسیب کی رخصتی کے لیے جو بھی ڈسکشن اور پلاننگ کی گئی۔ انس نے اس میں ہوں ہاں سے زیادہ حصہ نہیں لیا۔
ماہا کا دل چاہا۔ ابھی جا کر تائی امی کو دو چار تو ضرور ہی کھری کھری سنا دے۔ وہ آفس کی طرف سے آنے والی پریشانی کی وجہ سے پہلے ہی کسی بات میں حصہ نہیں لیتا تھا۔ تائی امی کے چھوڑے گئے شوشے نے تو لگتا تھا اس سے سوچنے سمجھنے کی صلاحیتیں بھی چھین لی ہیں۔

☼ ☼ ☼

وہ کتنی ہی دیر اپنے جڑواں بھائی کو بے یقین نظروں سے دیکھتا رہ گیا۔
"مجھے یقین نہیں آرہا' میری زندگی کا اتنا بڑا اور اہم فیصلہ تم نے بتانا تک گوارا نہیں کیا مجھے۔" کافی دیر تو یونہی بات کرنے کے لیے لفظ تلاشتے ہوئے گزر گئی۔
سوہا کے اندر تو اس کا سامنا کرنے کی ہمت نہیں تھی۔ یہ بھی اچھا ہوا کہ وہ آج وہیں رک گئی۔ کچھ تو بات کرنی ہی تھی۔ مگر وہ بولا تو بس اتنا۔
"میرا زندگی میں کبھی بھی نائلہ کو ہمسفر بنانے کا ارادہ نہیں تھا انس!"
"تو کیا پھر کوئی اور۔" انس کو لگا اس سے کہیں' کچھ بہت غلط ہو گیا ہے۔
حدید نے اس کے چہرے پر زلزلے کے آثار دیکھے تو دھیرے سے نفی میں سر ہلا کر چہرہ جھکا لیا۔ وہ جتنا بھی خود غرض بن جاتا۔ مگر اتنا نہیں کر سکتا تھا کہ اپنے بھائی کا سر خالہ جان کے آگے جھکا دیتا۔

"کوئی اور تو نہیں، کم از کم نائلہ یا اس جیسی کوئی اور بھی نہیں۔" دل نے دہائی دی۔ اس نے نظرانداز کر دی۔
انس سامنے ہی ہارا ہوا سا بیٹھا تھا۔ ایک وعدہ وہ کر آیا تھا جسے حدید کو اب تا زندگی نبھانا تھا۔
ایک محبت اس کے دل میں پھوٹی تھی جو فوراً "خزاں رت کی اداسی کی زد میں آ گئی تھی۔ اسے اب اس سوکھی اجڑی محبت کی نوخیز کونپل کو دل کے اندر ہی کہیں دفن کرنا تھا۔ کام مشکل تو تھا مگر ناممکن نہیں۔
"ٹھیک ہے۔ انہیں کوئی مناسب دن اور وقت طے کر کے بتا دو مجھے کوئی اعتراض نہیں۔"

✡ ✡ ✡

اک تو بلم میرے پاس نہیں
دوجے ملن کی کوئی آس نہیں
اس پہ یہ ساون آیا آگ لگائی
ہائے لمبی جدائی ---

نیلے گگن پر کہیں بادل تھے نہ بارش کے آثار لیکن "ایک جھڑی جو اس کے اندر لگی تھی سمجھ نہیں آتا تھا کہ اس کا کیا کرے۔
وہ مسہری پر اجڑی ہوئی حالت میں بیٹھی پتھرائی ہوئی آنکھوں سے آئینے میں اپنا عکس دیکھ رہی تھی۔
"کسے خبر تھی زندگی نے کیسی گھات مجھے منہ کے بل گرانے کے لیے لگا رکھی ہے۔" زہریلی سوچوں کے کوڑے ضمیر پر برس رہے تھے۔
"کیا میں جانتی تھی' میں خود اپنے بہن کی دل کی نگری اجاڑنے کا سبب بن جاؤں گی۔" پژمردہ اعصاب اور تھکن زدہ وجود فریادی تھا۔
"کاش اے کاش! حدید تم انکار کر دو۔ میں نے خدا سے بہت دعا کی تھی کہ قسمت کی جو تاریکیاں میرا پیچھا کر رہی ہیں ان سے میری جان چھڑا دے مگر اس طرح.... اس انداز میں۔"
"تو اور تم کر بھی کیا سکتی ہو۔" آئینے میں ایک دوسری نائلہ روپ بدلے کھڑی تھی۔
"جس ذلت کو گلے کے ہار بنانے چلی تھیں تم۔ وہی ناگ بن کر ڈسنے لگی تو اب اس کا پھن کچلنے کا اس سے بہتر موقع اور کہاں ملے گا تمہیں۔ شکر کرو کہ اللہ نے تمہاری دعائیں سن لیں۔ تمہاری بوڑھی ماں اور بیمار باپ کے سر میں مٹی پڑنے سے بچ گئی۔" وہ نفرت سے اسے دیکھ رہی تھی۔ دھتکار رہی تھی۔
"ورنہ تم نے کیا کوئی کسر چھوڑی تھی۔ اب اگر خدا تمہارا پردہ رکھ رہا ہے۔ تو حالات کو ان کے دھارے پر چھوڑ دو۔ ورنہ کہاں جاؤ گی تم۔ اپنی داغ دار عزت کی چادر کو سنبھال کے۔ یہاں تو قدم قدم پر ایسے کتنے ہی بھیڑیے اپنے جبڑے پھاڑے۔ نوکیلے دانت نکالے گھات لگائے بیٹھے ہیں۔ بھنبھوڑ ڈالیں گے تجھے اور بوٹی بوٹی کر کے کھا جائیں گے۔ چپکی بیٹھی رہو اور خدا کے حضور شکرانے کے نفل ادا کرو کہ اس نے تیرے لیے رحمت کا فرشتہ بھیج دیا۔ تیری عزت چادر اور چھپر چھاؤں بنا کے۔"
نائلہ کے ساکت وجود میں معمولی سی جنبش ہوئی۔ اس نے چہرے پر ہاتھ پھیر کر گرم آنسو صاف کیے اور منہ دھونے چلی گئی۔
عفت نے اسے باتھ روم جاتے دیکھا وہ' رات کے کھانے کے بعد برائے نام برتن دھو رہی تھی۔ رات کا کھانا اماں' ابا اور خود اس نے بھی محض نام کرنے کو ہی کھایا تھا۔ اس نے منہ پھیر لیا۔
اسے ہمیشہ سے پتا تھا کہ اس کی بہن خود غرض فطرت کی ہے۔ لیکن یہ خود غرضی اتنی بڑھ جائے گی کہ وہ جانتے

بوجھتے ایسی حرکت کرے گی۔ اماں نے یوں اتنی اچانک اتنی بڑی بات اسے بتائے بغیر یا پوچھے بغیر تو نہ کی ہو گی۔ دکھ سے اس کے دل کی زمین بنجر سی ہو رہی تھی۔

پانی میں بھیگے ٹھنڈے ہاتھوں سے اس نے آنکھوں کو رگڑ ڈالا۔

"جوڑے آسمانوں پر بنتے ہیں اور اگر یہ جوڑ آسمانوں پر یوں لکھا ہے۔ تو کون روک سکتا ہے۔"

ہر شے سے اچاٹ ہوتے دل کو ایک بہت گھسی پٹی دلیل دے کر اس نے بہلانا چاہا پھر ناکام ہو کر آنسو صاف کرتی' باورچی خانے میں داخل ہوتی اماں کو نظرانداز کر کے تیزی سے باہر نکلتی چلی گئی۔

☆ ☆ ☆

شادی کی باتیں ماہا کی چل رہی تھیں۔ لیکن قسمت نے اس تیزی سے الٹ پھیر دکھایا کہ نائلہ دو دن کے اندر اندر رخصت ہو کر اس آنگن میں اتر آئی جہاں' آنے کے خواب تو اس نے ہمیشہ دیکھے تھے مگر کسی اور شخص کے حوالے سے اور رخصت ہو کر اس آنگن میں اتری تھی تو دل کی کیفیت ہی اور تھی۔

اپنی بہن کی خوشیاں اجاڑنے کا احساس پشیمان کیے دیتا تھا۔ تو اس سے ہونے والا مستقل سامنا بھی خاصا پریشان کن تھا۔

اپنی ناقابل معافی و تلافی حرکت کو چھپانے کے لیے اماں نے جو فی الفور نکالا تھا۔ وہ خود اس کے لیے تو ناقابل قبول تھا ہی مگر' اس کے ساتھ ساتھ اور کتنوں کا دل اجاڑنے کا سبب بن گیا تھا۔ اس سے بھی بہت سے لوگ ناواقف تھے۔

حدید کے لیے بھی نائلہ کو اپنی بیوی کے روپ میں قبول کرنا ایک کٹھن امر تھا۔ بھائی کے جھکے ہوئے سر کو اٹھانے کے لیے اس نے زندگی بھر پہ محیط ایک خواہش کا گلا گھونٹا تھا۔ جس کے بدلے میں اسے ملی تھی وہ' جو اس وقت کمرے میں سر جھکائے خاموش سی بیٹھی تھی۔

نہ کوئی شرمگیں انداز تھا۔ نہ حجاب آگیں مسکراہٹ۔

ایک سپاٹ سا انداز تھا۔ زیور کے نام پر اگر کچھ اضافی تھا تو' دو چوڑیاں اور بس۔ یہ چوڑیاں ان کی امی نے دونوں بہوؤں کے لیے رکھی تھیں۔ پہلے سوہا نے پہنی تھیں۔ بعد میں عفت کو پہنانے کی خواہش تھی۔ مگر اب وہی چوڑیاں نائلہ کی کلائی میں پڑی تھیں۔

اسے رخصت کروا کے حدید ہی گھر لایا تھا۔ سوہا اپنی امی کے یہاں ہی رک گئی تھی اور اس نے انس کو بھی وہیں روک لیا تھا۔ گھر میں اس کے استقبال کے لیے کوئی نہ تھا۔ ایک طرح سے یہ سوہا کی طرف سے زیادتی ہی تھی۔ مگر نائلہ کے دل کو اب ایسی باتوں کی پروا کہاں تھی۔

"کپڑے چینج کر لو تم۔"

حدید کمرے میں آ کر بیڈ پر نیم دراز ہو گیا۔ اور بڑے سرسری انداز میں اسے بولا۔

جیسے ان کا نکاح اور نائلہ کی آمد روز مرہ کا معمول ہے۔ وہ چپ چاپ اٹھ کر اپنے ساتھ لایا ہوا بیگ کھنگالنے لگی۔ جانے کہاں سے دو بھولے بھٹکے آنسو پلکوں کا رستہ ڈھونڈتے دہلیز پر آن رکے۔ وہ جانتی تھی کہ نکاح بھلے یونہی سادگی سے ہوا ہوتا لیکن اس کی جگہ اگر عفت ہوتی تو حدید کے رنگ ہی اور ہوتے۔

کپڑے بدل کے وہ واپس کمرے میں آئی تو وہ کوئی کتاب پڑھ رہا تھا۔

"ایسا کرو۔ مجھے نیم گرم دودھ دے دو۔ تم بھی پی لینا۔" نیکسٹ آرڈر۔ دودھ گرم کرتے اور پھر ٹرے میں سجا کے اس کے سرہانے رکھتے ہوئے اس کے دل نے کتنے بے شمار خیالات یہاں سے وہاں تک پھیلا کر سمیٹے۔

حدید بہت دھیان سے اس کا چہرہ دیکھ رہا تھا۔ اسے الجھن سی ہونے لگی۔
"کچھ اور چاہیے آپ کو۔" اپنے تئیں اس نے نتیجہ نکالا۔
"نہیں بس۔ یہاں آکے بیٹھو میرے پاس۔ مجھے تم سے کچھ باتیں کرنی ہیں۔" نائلہ نے ذرا کی ذرا پلکیں اٹھائیں۔ وہ اسے اپنے پاس بلا رہا تھا۔
وہ دھڑکتے دل کے ساتھ تکلف سے ٹک گئی۔

✿ ✿ ✿

سوہا کا امی کے گھر قیام طویل ہو گیا۔
اب نائلہ وہاں تھی تو اسے گھر، انس اور حدید کی طرف سے بے فکری سی ہو گئی تھی۔
ماہا کی رخصتی کی تاریخ نزدیک تھی۔ اس کی تیاریاں بھی اسی زور و شور سے جاری تھیں۔ بالآخر وہ دن بھی آیا جب ماہا حسیب کے سنگ رخصت ہو کر پیا دیس سدھار گئی۔
تقریب میں نائلہ نے مسز حدید کی حیثیت سے شرکت کی۔ خاندان کے دور کے رشتے داروں میں ابھی تک اس نئے رشتے کا انکشاف نہ ہوا تھا۔ جب پتا چلا تو سب نے ہی کتنی طرح طرح کی باتیں بنائیں۔ نائلہ سپاٹ چہرے کے ساتھ سب سنتی رہی۔ اماں البتہ گونا گوں اطمینان محسوس کر رہی تھیں۔
وہ رب کائنات کے حضور جتنا بھی شکر ادا کرتیں کم تھا۔ جس نے ان کو پورے خاندان کے سامنے تماشا بننے سے اس وقت بچایا جب ان کے خیال میں 'وہ خدا سے ہر قسم کی امید ختم کر چکی تھیں۔
اپنی زندگیوں میں ایک دوسرے کی ضرورت اور اہمیت کو محسوس کرنے اور سامنے والے کی حیثیت کے مطابق اسے جگہ اور عزت دینے میں دونوں کو ہی کچھ وقت لگا۔ مگر پھر آہستہ آہستہ دونوں نے اس حقیقت کو تسلیم کر لیا۔ کہ قسمت میں جو بات جس طرح لکھی ہوتی ہے۔ اسی طرح ہو کر رہتی ہے۔
یہی سوچ کر حدید نے ماہا کی شادی میں پہننے کے لیے نائلہ کو شاپنگ کروائی۔ نائلہ نے بھی جب سے اس گھر میں آئی تھی۔ حتی المقدور حدید کا خیال رکھنے کی کوشش کی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ وہ بہت تیزی سے ریکور کر گیا تھا۔
اس نے آفس جانا بھی شروع کر دیا تھا۔ بظاہر سب کچھ ٹھیک ہی تھا مگر پھر بھی ایک سرد سی کیفیت، جو دونوں کے مزاجوں کو گھیر کر بیٹھ گئی تھی۔ اس سے نکلنا دونوں کے ہی بس میں نہ تھا۔ نہ دونوں میں سے کسی ایک نے بھی دوسرے کے مزاج کو سمجھنے کی کوشش کی تھی۔
بس ایک چھت کے نیچے دو لوگ۔ جو ایک دوسرے کو جانتے تھے۔ ساتھ زندگی گزارنے کی کوشش میں لگے ہوئے تھے اور چاہتے تھے اسی طریقے پر عمل پیرا رہ کر پوری زندگی گزر جائے اور سامنے والے کو شکایت کا موقع بھی نہ ملے۔

✿ ✿ ✿

وہ جب سے لان میں آئی تھی عفت کو ڈھونڈ رہی تھی۔ خاندان کے سبھی لوگ اس سے ملنے کے مشتاق تھے۔
آج وہ تیار بھی ذرا اہتمام سے ہوئی تھی۔ کلائیوں میں بھری چوڑیاں، ماتھے پر بندیا اور بالوں میں گجرے۔ تھی تو سگی بہن مگر عفت کے اندر اسے دیکھ کر چھن سے کچھ ٹوٹ گیا۔
شاید یہ خوش گمانی کا وہ آخری آبگینہ تھا۔ جو محض اس لیے ابھی تک سالم تھا کیونکہ نائلہ جب سے رخصت ہو کر گئی تھی۔ اس نے ایک بار بھی اماں یا کسی اور کو اپنی خوشی کا یا خوش ہونے کا عندیہ نہیں دیا تھا۔
عفت اتنی خود غرض نہیں تھی کہ بہن کو ناخوش دیکھ کر اطمینان حاصل کرتی۔ مگر پھر بھی نہ جانے کیوں نائلہ کی

کھنکتی چوڑیوں میں' اس کے مہکتے گجروں میں شوخ رنگ کی لپ اسٹک سے سجے مسکراتے لبوں میں کہیں نہ کہیں اس دشمن جاں کی محبت تھی ضرور۔
اس نے یک لخت ہی دل کو کئی حصوں میں بٹتے دیکھا اور پھر پلٹ کر تیز تیز قدم اٹھاتی' سب سے آخری میز کی سب سے اندھیرے والی کرسی پر جا بیٹھی۔
وہ نائلہ سے ملنا نہیں چاہتی تھی وہ اس کا سامنا بھی کرنا نہیں چاہتی تھی۔
وہ حدید سے محبت کرنے کا حق کھو چکی تھی۔ اس کے لیے یہ ہار ہی کافی تھی۔ پھر کیا ضروری تھا کہ اس کی بیوی اس کی اپنی سگی بہن ہوتی۔
"کیا میں اس شخص کو کبھی اپنے بہنوئی کا درجہ دے پاؤں گی جسے ہمیشہ جیون ساتھی کے روپ میں دیکھا اور حدید..."

اس کے دل میں کیا تھا وہ' کیسے جان پاتی۔ نہ کوئی وعدے تھے۔ نہ پیمان نہ قسمیں۔ اور سامنے سے اس کی بہن چلی آرہی تھی۔ سجی سنوری۔ نو بیاہتاؤں والے تمام سنگھار خود پر آزمائے ہوئے۔
عفت نے اس سے نظریں ٹکرانے سے پہلے ہی چہرہ واپس موڑ لیا۔ مگر تب تک وہ اسے ڈھونڈ ڈھانڈ کر واپس چلی گئی تو' خاندان کی کوئی اور لڑکی اس کے سامنے تھی۔
"آپ کو سب اسٹیج پر بلا رہے ہیں۔ آپ یہاں کیوں بیٹھی ہیں جائیں۔" مرے مرے قدموں سے بمشکل خود کو گھسیٹتی وہ اس طرف آئی تھی۔
فوٹو گرافر مہارت سے تصویریں اتارنے میں مصروف تھا۔ ماہا اور حسیب کی جوڑی خوب جچ رہی تھی۔ اس نے دل ہی دل میں نظر اتاری۔
دائیں طرف سہا اور انس ساتھ ساتھ بیٹھے تھے۔ بائیں جانب نائلہ اور حدید۔ حدید جھک کر نائلہ کے کان میں کچھ کہہ رہا تھا۔ عفت نے اپنے لبوں پر زبردستی سجائی مسکراہٹ کو اس کے لبوں پر امڈتے دیکھا۔
کتنا مکمل منظر تھا۔ سب خوش باش تھے۔ ایک سوائے خود اس کے۔ عفت نے اس سے خود کو بے حد اکیلا اور ادھورا محسوس کیا۔

٭ ٭ ٭

"کہاں تھیں تم سارا وقت۔ میں تمہیں ڈھونڈ ڈھونڈ کر پاگل ہو گئی۔" نائلہ کے انداز میں کہیں بھی شوخی نہیں تھی۔
ماہا کی رخصتی عمل میں لائی جا چکی تھی۔ چچی جان اور سہا اس سے لپٹ کر خوب رو چکنے کے بعد اب' حدید اور انس کے پاس بیٹھی ان کے چٹکلوں پر ہنس رہی تھیں۔
عفت نے بغور اس کا چہرہ دیکھا۔
"تم خود بھی تو ایسی غائب ہوئیں کہ پلٹ کر آئی ہی نہیں۔ ایسے بھی کوئی پرایا ہوتا ہے۔" عفت نرمی سے کہتے ہوئے مسکرا دی۔
"کیا کروں۔ حدید کے پاس ٹائم ہی نہیں ہوتا کہیں لانے لے جانے کا۔" عفت کو اس کا انداز کھویا کھویا سا لگا۔
"تمہاری طبیعت ٹھیک ہے۔ تم خوش ہو۔"
"پتا نہیں خوش ہونا کسے کہتے ہیں۔" وہ اتنا کہہ کر چپ ہو گئی۔ اس کی نظریں دور سہا کے پاس کھڑے حدید پر جمی تھیں۔

"کیا مطلب ہے تمہارا۔" عفت کو اسے واپس حال میں لانا پڑا۔
"کوئی نہیں میں تو بس ویسے ہی۔" نائلہ سر جھٹک کر مسکرا دی۔
"اگر ٹائم ملا تو ہفتے کو آؤں گی گھر۔ پھر رات میں رک جاؤں گی۔ پھر ہم لوگ خوب ساری باتیں کریں گے۔ رات میں جاگیں گے۔"
اس کے لہجے اور آواز میں ایکسائٹمنٹ کا وہ عنصر مفقود تھا۔ جو نئی نویلی دلہن کے اپنے میکے میں پہلی رات گزارنے پر اس کا خاصہ ہوا کرتا ہے۔
"تم کرنا باتیں۔ میرے پاس تو کوئی بات ہی نہیں بچی۔" عفت اداسی سے مسکراتے ہوئے جیسے خود سے بول رہی تھی۔
نائلہ اسے دیکھ کر رہ گئی۔

☆ ☆ ☆

ولیمہ کی تقریب ماہا اور حسیب کے ساتھ ہی رکھی گئی تھی۔ خاندان والے جہاں ماہا کی اتنی جلدی رخصتی پر حیران تھے۔ وہیں حدید اور نائلہ کے اتنے چپ چپاتے نکاح کی خبر سب ہی کے لیے سرپرائز تھی۔ غرض کہ جتنے منہ اتنی باتیں۔
ایکسیڈنٹ کے بعد ہونے والی آفس لیوز کی وجہ سے حدید کو نہ نکاح والے دن چھٹی ملی نہ اس کے بعد۔ وہ ایک گئی بندھی روٹین کے تحت صبح آفس جاتا جہاں سے شام کو واپسی ہوتی اور کھانے کے بعد سونا۔
ہاں اگر اس روٹین میں کوئی معمولی سی ردوبدل ہوئی بھی تھی۔ تو صرف یہ کہ اب اس گھر میں اس کے کاموں کو ذمہ داری سے سرانجام دینے کے لیے نائلہ موجود تھی۔ ایک مٹی کی مورت۔ جو دن بھر ایک سپاٹ سا تاثر چہرے پر سجائے صبح سے شام تک کام میں لگی رہتی۔
سوہا گھر واپس آچکی تھی۔ یوں اس کی ذمہ داری اس پر سے ہٹ تو گئی مگر وہ پھر بھی خود کو جان بوجھ کر کاموں میں مصروف رکھتی اور یہ مصروفیت حدید کی آفس سے واپسی پر بھی کم نہ ہوتی۔
فراغت کے لمحے بہت مشکل سے میسر آتے۔ تو وہ چپ چاپ حدید کے پاس سر جھکا کر بیٹھ جاتی۔ یا اس کی ٹانگ کی مالش کرتی رہتی۔
حدید نے شادی سے پہلے اگر اسے پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا ہوتا تو بہت جلد اسے اپنی طرف مائل کر لیتا مگر اس کا تو معاملہ ہی الٹ گیا تھا۔ چاہا تو کسی اور کو تھا۔ اس سے تو وہ ایک بار بھی یہ بات نہ کہہ سکا۔ اور بن مانگے مل گیا کوئی اور۔
نہ اس طرف کوئی شوق تھا نہ اس طرف کوئی اصرار۔
نئی زندگی کا خوب صورت ترین آغاز ہی۔ بے حد عام سے انداز میں ہوا تھا۔ انجام کی کس کو خبر تھی۔
بس وہ یہ جانتی تھی کہ وہ ماں بننے والی ہے۔ لیکن اس بچے کا باپ حدید نہیں ہے۔ جب رات اپنے سیاہ پروں سے کائنات کو ڈھانپے اونگھ رہی ہوتی تو اس کی جاگتی آنکھوں میں خوف کا دور دورہ ہوتا۔
وہ کسی صورت کسی کی ناجائز اولاد کو دنیا میں نہیں لانا چاہتی تھی۔ ابھی یہ بات صرف اسے معلوم تھی یا اماں کو اور اس کا حل بھی یقیناً "خو" اسی کو ڈھونڈنا تھا۔

☆ ☆ ☆

گرما گرم کافی کے بھاپ اڑاتے مگ کو سامنے رکھے وہ مسلسل اسے دیکھ رہا تھا۔

"بس کریں اس طرح کیوں دیکھ رہے ہیں۔"
"نظر لگاؤں گا۔" اس کی نگاہوں کی طرح لہجے میں بھی وارفتگی تھی۔
"نظر پرائی چیزوں کو لگائی جاتی ہے۔ میں تو آپ کی اپنی ہوں۔" وہ مسکراتے ہوئے محبت سے بولی۔
"ہاں تو میں کون سا بری نظر سے دیکھ رہا ہوں تمہیں۔ اپنی جو چیزیں انسان کو پسند ہوتی ہیں۔ ان پر نیت تو لگتی رہتی ہے نا۔" اسے زور سے ہنسی آگئی۔
"آپ کتنے ہنستے ہیں۔ ہے نا۔"
"ہاں نا۔ بہت۔"
حسیب کے انداز میں معنی خیزی اور شرارت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ ماہا کی ہنسی بے قابو ہوگئی۔
ہر روز' روز عید اور ہر شب' شب برات ہونے کا حقیقی مطلب اسے اب حسیب کی سنگت میں سمجھ میں آیا تھا۔
اس نے شادی کے بعد ان چند ہی دنوں میں اسے اتنا پیار دیا تھا۔ اتنی چاہت دی تھی کہ ماہا کو دنیا اپنے قدموں تلے لگنے لگی تھی۔
حسیب اسے پاکر خوش تھا تو اس نے اپنی خوشی کو ذرہ بھر بھی ماہا سے چھپانے کی کوشش نہیں کی تھی۔ بلکہ اپنی چاہتیں یوں بے حساب اس پر لٹائی تھیں کہ وہ خود کو دنیا کی خوش قسمت ترین لڑکی سمجھنے لگی تھی۔
کل ان لوگوں کو دبئی فلائی کرنا تھا اور آج شام ای کے گھر پر دعوت تھی۔ وہ اس میں پہننے کے لیے کپڑے نکالنے اٹھ رہی تھی مگر وہ اٹھنے دیتا تب نا۔ جانے محبتوں کی کون کون سی شدتیں ابھی وارنا باقی تھیں۔

☼ ☼ ☼

ماہا اور حسیب کے ساتھ ہی ماہا اور نائلہ کی بھی دعوت تھی۔ ماہا اور سوہا تو پہنچ گئی تھیں مگر نائلہ کے آنے میں ابھی دیر تھی۔ انس نے ایک بار حدید کو فون کیا تو پتا چلا کہ وہ خود تو تیار ہے۔ نائلہ البتہ نہانے گئی ہوئی تھی۔
"ہاں ہاں، ہم بس پہنچتے ہیں۔" انس کی تسلی کرواکر اس نے فون بند کیا تو نائلہ کمرے میں داخل ہوئی۔
"کیا بات ہے تم اتنی دیر کیوں لگا رہی ہو۔"
"آپ میری وجہ سے کیوں لیٹ ہو رہے ہیں۔ آپ جائیں۔"
"کیا مطلب۔ تم نہیں جا رہیں۔"
"نہیں۔" وہ اطمینان سے بال کھول کر سلجھانے لگی۔
حدید اسے الجھن سے دیکھنے لگا۔ اسے نائلہ کی اکثر باتوں سے ایسی ہی الجھن محسوس ہوتی تھی۔ جیسے وہ اب تک کوئی نام نہیں دے پایا تھا۔
"کیوں نہیں چل رہیں تم۔"
"میری طبیعت خراب ہے۔"
"پھر تو ضرور جانا چاہیے۔ بہنوں سے ملوگی تو دل بہل جائے گا۔"
وہ نائلہ کو چھوڑ کر نہیں جانا چاہتا تھا۔ وہاں پر سب ہی اس سے پوچھتے اور کوئی نائلہ کی طبیعت خرابی کے بہانے پر یقین نہیں کرتا کہ انس اور سوہا ابھی اسے بھلا چنگا بلکہ دعوت کی تیاریوں میں مصروف چھوڑ کر گھر سے نکلے تھے۔
"آپ بہلا لیجیے گا اپنا دل میری بہنوں سے مل کر۔ مجھے کوئی شوق نہیں۔" اس نے بےزاری سے کہہ کر اپنا سابقہ مشغلہ جاری رکھا۔

"کیا مطلب ہے تمہارا اس بات سے۔" حدید چاہتا تھا تو بات کو رفع دفع کر سکتا تھا۔ جیسا کہ شادی کے پہلے دن سے کرتا آرہا تھا۔ مگر اس نے ایسا نہیں کیا۔

"میرا کوئی ذو معنی مطلب نہیں اس بات سے۔ میں ڈبل مینگ باتیں نہیں کرتی۔" وہ حدید کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولی۔ حدید اسے دیکھتا رہ گیا۔

"میں نے کب کہا کہ تم کرتی ہو۔"

"تو پھر مطلب کیوں پوچھ رہے ہیں۔"

"میں سمجھا نہیں تھا بات تمہاری۔ تم کیا کہنا چاہ رہی تھیں۔"

"اس میں نہ سمجھنے والی کیا بات ہے۔ میرا دل نہیں چاہ رہا۔ میں نہیں جاؤں گی۔ آپ کا دل ہے آپ جائیں۔"

حدید ایک بار پھر چپ ہو کے اسے دیکھتا رہا۔ وہ اطمینان سے کنگھا کرتی رہی۔ اسے اندازہ ہو چکا تھا کہ نائلہ سے بحث کرنا بے کار ہے۔

"اوکے۔" وہ سر ہلا کر باہر نکل گیا۔

☼ ☼ ☼

گھر پر سب ان ہی دونوں کے منتظر تھے۔ مگر حدید کو اکیلا آئے دیکھ کر سب کے احساسات عجیب سے ہو گئے۔

"نائلہ... نہیں آئی۔" سوال تو سب کے دلوں میں تھا۔ زبان پر صرف اماں کی ہی آیا۔

"جی وہ اس کی طبیعت بالکل اچانک ہی خراب ہو گئی تھی۔" اس کا لہجہ رکا رکا سا تھا اور نظریں کچن میں کام کرتی عفت کے وجود پر جمی تھیں۔

"خدا خیر کرے۔ سب خیریت تھی نا۔" امی بھی سن کر فکر مند سی ہو گئیں۔

"جی بس وہ کچھ سستی سی آرہی تھی تو..."

وہ راستے بھر سوچتا ہوا آیا تھا کہ گھر جا کر نائلہ کے بارے میں کیا کہے گا پھر بھی اس وقت جھوٹ بولتے ہوئے زبان لڑکھڑا سی گئی۔

عفت سارا وقت سر جھکائے کام میں لگی رہی اور نظریں عفت کے آگے پیچھے لگی رہیں۔ اسے ایک بار بھی یہ خیال نہیں آیا کہ وہ اب کسی اور کا شوہر ہے۔ خیال آ بھی کیسے سکتا تھا۔ خیال دلانے والی ہی ساتھ نہیں تھی۔ اپنی مرضی سے اور وہ خود بھی اسے بہت دور کہیں پیچھے چھوڑ آیا تھا۔

نائلہ نے بال سلجھا کر ڈھیلے ہی باندھ لیے۔ حدید گھر سے جا چکا تھا۔

وہ تھوڑی دیر وہیں بیٹھ کر اطمینان کرتی رہی کہ اس کی بائیک گلی سے نکل گئی ہو گی۔ پھر اٹھ کر تیزی سے اپنی شال اوڑھ کر دروازے پر تالا لگایا اور باہر نکل گئی۔

اس کی قدم چند گلیاں چھوڑ کر آگے موجود فیملی پلاننگ اور ہیلتھ کیئر سینٹر کی طرف اٹھ رہے تھے۔

چند دن پہلے تک ایک کنواری لڑکی کو وقت اور حالات نے اتنا شعور اور آگاہی دے دی تھی۔ کہ وہ اپنی غلطی سے جس مشکل میں پڑ چکی تھی۔ اب ہاتھ پیر چلا کر اس مشکل سے نکلنے کی تدبیر کرنے چلی تھی۔

☼ ☼ ☼

دعوت سے واپسی پر ماہا' سوہا' امی اور عفت کے گلے لگ کر خوب روئی۔ یوں لگتا تھا اصل' رخصتی آج ہو رہی ہے۔ کل اسے دبئی چلے جانا تھا۔

سوہا اور انس نے وعدہ کیا تھا کہ وہ لوگ اسے ایئرپورٹ چھوڑنے ضرور آئیں گے۔ حسیب بھی کافی دیر تک امی

کو دلاسا دیتا رہا۔
اپنی بیٹی کو اتنی دور پرائے دیس بھیج دینے کا خیال بہت روح فرسا تھا۔ ابا کو خود بھی اب صحیح معنوں میں احساس ہو رہا تھا کہ وہ سب سے کس قدر دور جا رہی ہے اور کتنی اکیلی ہو جائے گی۔ خوف اور اجنبیت کی ایک ملی جلی کیفیت اس پر طاری تھی۔
واپسی کے لیے اٹھتے اٹھتے کافی رات ہو چکی تھی۔
عفت تو کھانا کھاتے ہی نیچے چلی گئی تھی۔ ہاں البتہ برتن اس نے سارے سمیٹ کر سنک میں ڈھیر کر دیے تھے اور امی کو اطمینان دلا دیا تھا کہ سب میں صبح آکر دھو جاؤں گی۔ کھانے کے بعد چائے کا دور چلا بھی وہ اوپر واپس نہیں آئی۔ پہلے نماز اور بعد میں ابا کا بہانہ کر کے معذرت کر لی۔
حدید باقی کا سارا وقت اس کی کمی محسوس کرتا رہا۔ اس نے گفتگو میں بھی بہت زیادہ حصہ نہیں لیا۔
انس نے اس کی خاموشی کو بہت محسوس کیا اور اس نے اسے نائلہ کی غیر موجودگی پر محمول کیا۔

☆ ☆ ☆

رات گئے ان لوگوں کی واپسی ہوئی۔ سوہا حسب معمول اور حسب توقع میکے میں ہی رک گئی تھی۔ نائلہ دروازہ کھول کر چپ چاپ کمرے میں جا کر لیٹ گئی۔
حدید نے کمرے میں جا کر بستر پر دراز اس کا وجود دیکھا۔ پھر دھیرے سے چلتا ہوا پاس آگیا۔
"اب کیسی ہے طبیعت۔" اس نے نرمی سے پوچھا۔ جانے کیوں نائلہ کی آنکھیں نم ہو گئیں۔
آج ہیلتھ کیئر سینٹر میں لیڈی ہیلتھ ورکر کے ہاتھوں جو ذلت اٹھانی پڑی۔ وہ صرف وہ خود جانتی تھی یا پھر اللہ۔ وہ بھول کر بھی وہ وقت یاد نہیں کرنا چاہتی تھی۔ اس لیے جلدی سے اٹھ بیٹھی۔
حدید کو اس کے چہرے سے کچھ غیر معمولی سا احساس ہو رہا تھا۔ وہ اس کے پاس بیٹھ کر اس کا ہاتھ تھام کر محبت سے پوچھنے لگا۔
"اسی لیے کہا تھا ساتھ چلی چلو۔ اکیلے میں یقیناً" دل گھبرا گیا ہو گا۔ ہے نا۔" نائلہ نے ایک نظر اسے دیکھ کر اپنا ہاتھ چھڑا لیا۔
"ہاں بس یونہی۔ آپ سنائیں۔ کیسی رہی دعوت۔" اس نے ہتھیلیاں چہرے پر رگڑ کر زبردستی بشاشیت پیدا کرنی چاہی۔
"اچھی رہی۔ تم بھی چلی چلتیں تو۔"
"اُف وہ! پھر وہی بات۔ کتنی بار کہہ چکی ہوں میں نہیں جانا چاہتی تھی۔ آپ پتا نہیں کیوں میرے پیچھے ہی پڑ گئے ہیں۔"
وہ بے طرح چڑ کر بیڈ سے اٹھی اور دھم دھم کرتی باہر نکل گئی۔ حدید کی بات ہونٹوں میں رہ گئی۔
وہ نائلہ کے مزاج کی برہمی کی وجہ بھی نہیں ڈھونڈ سکتا تھا۔

☆ ☆ ☆

"سوہا رات کو پھر گھر نہیں آئی وہیں رک گئی۔" حدید کو ناشتا دیتے وقت بھی اس کا موڈ سدھر نہیں سکا تھا۔
"ہاں شاید انس بھی چھٹی کرلے گا آفس سے۔"
"ٹھیک ہے آپ ان سے کہہ کر جائیے گا۔ کہ ناشتا اپنے سسرال جا کے کریں۔"
"پاگل ہو گئی ہو۔ بہت اچھا لگے گا۔" کہتے ہوئے۔

"ہاں تو ان کو خود خیال ہونا چاہیے نا۔" اس نے غصے میں کیتلی سنک میں پٹخی۔
"میں آپ کے جانے کے بعد سوؤں گی۔ یا ان کے جاگنے کا انتظار کروں گی۔ ناشتا دینے کے لیے۔ مہارانی کو اتنا خیال نہیں کہ یہاں اس کے میاں کو کھانے پینے کی مشکل ہو گی۔"
"تو تم کاہے کے لیے ہو۔ تم دے دینا۔" حدید کو اس کی اونچی آواز تنگ کر رہی تھی۔
"کیوں' میں کیا ان میاں بیوی کی نوکر لگی ہوں جو' کھانے اور ناشتے کی ٹرے سجا سجا کر ان کے سامنے رکھتی رہوں اور وہ وہاں اپنی اماں کے گھر ہمیشہ سے پڑی رہے۔"
"آہستہ بولو سن لے گا انس۔ کتنا برا لگے گا اسے۔" حدید نے اسے ٹوکا۔
"لگتا ہے برا تو لگے۔ میں کوئی غلط بات نہیں کر رہی۔ ٹھیک ہے اگر آپ نہیں کہہ سکتے تو میں کہہ دوں گی۔"
"کوئی ضرورت نہیں ہے کوئی بات کہنے کی تمہیں۔"
"تو ٹھیک ہے۔ میں سونے جا رہی ہوں۔ آپ ابھی جا کر اس کو اٹھا کر یہ کہتے ہوئے جائیے گا کہ مجھے ڈسٹرب نہ کریں۔" نائلہ زور زور سے بولتی ہوئی اپنا چائے کا کپ اٹھا کر کمرے میں چلی گئی۔
حدید اپنا کپ لے کر کچن سے نکلا تو انس وہیں آرہا تھا۔ دونوں نے دل ہی دل میں اپنی جگہ بے حد شرمندگی محسوس کی۔
"پتا نہیں کیا ہوا ہے نائلہ کو۔ بہت چڑچڑی ہو رہی ہے۔" وہ شرمندہ سا ہو کر انس کو صفائی دینے لگا۔
"انس او کے۔ وہیں تو جانا ہے۔ میں ناشتا وہیں کر لوں گا۔ تم حسیب کو سی آف کرنے ایئرپورٹ ضرور آجانا۔" وہ اسے تاکید کرنا نہیں بھولا تھا۔

☼ ☼ ☼

ماہا حسیب کے ساتھ دبئی سدھار گئی۔
سوہا اور عفت نے نمناک نظروں سے اسے رخصت کیا اور امی نے ڈھیروں خلوص بھری دعائیں ان کے سنگ کردیں۔
سوہا انس کے ساتھ ہی گھر واپس آگئی۔
حدید آفس سے ٹائم نکال کر وہاں پہنچا مگر واپس وہیں سے آفس چلا گیا۔ حسب معمول تقریباً" سبھی افراد ایئرپورٹ پر تھے سوائے نائلہ کے اور' اس کی کمی کسی نے محسوس نہیں کی۔ مگر حدید کو اس کی کمی بہت محسوس ہوئی۔
عفت کے دل میں نرم گوشہ رکھنے کے باوجود وہ' یہ حقیقت دل سے قبول کر چکا تھا کہ نائلہ اس کی شریک سفر بن چکی ہے۔
اس کا مزاج ذرا تیکھا تھا۔ مگر وہ سچے دل سے چاہتا تھا کہ اپنی محبت سے اس کا دل جیت لے اور اسے ایک محبت کرنے والی باوفا شریک حیات کے روپ میں ڈھال لے۔ وہ نہیں جانتا تھا۔
جس عورت سے وہ وفا اور وفاداری کی امید لگا بیٹھا ہے۔ وہ اس سے پہلے اپنے جذبے کسی اور پر' اور اپنی عزت کسی اور پر نچھاور کر بیٹھی ہے۔ پھر بھی یقیناً" زندگی میں کوئی نیکی کی تھی جو' حدید جیسے باکردار شریف النفس شخص کی بیوی بن گئی۔ ہاں لیکن یہ بات سمجھنا مشکل تھی کہ اس کا ساتھ حدید کے لیے کسی ناکردہ گناہ کی سزا تھا یا کسی متوقع اجر کی آزمائش۔

☼ ☼ ☼

دن اپنے معمولات پر واپس آ کر تیزی سے گزرنے لگے۔
سوہا اور رما کی فون پر بات چیت ہوتی رہتی تھی۔ وہ وہاں خوش تھی اور اس کی خوشی میں یہاں اس کی ماں اور بہن ۔

مگر سوہا کے لیے یہ گھر صحیح معنوں میں اب نائلہ کی آمد کے بعد سسرال واقع ہونے لگا تھا۔
سوہا امید سے تھی اور ان دنوں جتنی شدید گرمی لگتی اتنی ہی رج کے نیند آتی۔ جبکہ نائلہ نے اس گناہ کے بوجھ سے اپنے آپ کو بہت سہولت آسانی اور رازداری کے ساتھ آزاد کروالیا تھا۔
اتنا بڑا کام اس نے اتنی خاموشی اور مہارت سے کیا کہ جب اماں کو خبر دی تو وہ کتنی دیر منہ کھولے اسے تکتی رہ گئیں۔
"مجھے لگتا نہیں نائلہ کہ تو نے میرے بطن سے جنم لیا ہے۔" مارے حیرت کے وہ بس یہی کہہ سکیں۔ ان کی آواز میں دکھ ہی دکھ تھا۔
"کیوں! ایسے کون سے پہاڑ توڑ ڈالے میں نے۔"
"توڑ ڈالتی تو شاید مجھے اتنی حیرت نہ ہوتی۔ پھر یہ تو بتا۔ جس کا کوئی قصور نہ تھا۔ اس سے زندگی کیوں چھین لی تو نے۔" اماں افسوس زدہ لہجے میں پوچھ رہی تھیں۔
"تو اور کیا کرتی۔ زندگی بھر کسی اور کی ناجائز اولاد کو حدید پر بوجھ بنا کر رکھتی۔" اس کی آواز میں ذرا کی ذرا نرمی لہرائی۔
"پر اسے کیا پتا چلتا۔"
"یہ تو اور بھی زیادتی ہوتی اس کے ساتھ اور میں کیسے برداشت کرتی۔ ایک دھوکے باز شخص کی جھوٹی نشانی کو وہ ایمانداری سے اپنی محبتیں اور توجہ دیے جاتا۔ اپنی اولاد سمجھ کے۔ مجھے بھی اللہ کو منہ دکھانا ہے اماں۔" اس کے چہرے پر تاریک رات اتر آئی۔
"اونہہ!" اماں ایک طنزیہ ہنکارا بھر کر رہ گئیں۔
"خوف خدا کی ماری کو تو دیکھو۔"
حقیقت یہ تھی کہ انہیں اپنی بیٹی سے اب برائے نام محبت رہ گئی تھی۔ سگی ماں ہونے کے باوجود اس نے اس ڈھلتی عمر میں جو رسوائی کا داغ دینے کی کوشش کی تھی۔ جسے انہوں نے بڑی دقتوں کے بعد دنیا والوں کی نظروں میں آنے سے بچایا تھا۔ اس کے بعد ان کا دل اس کی طرف سے کھٹا ہو چلا تھا۔
وہ خدا کے حضور بڑی شدت سے دعا گو رہتی تھیں۔ کہ عفت کا معاملہ بھی جلدی سے بن جائے تو وہ سکون سے آنکھیں موند لیں۔
اپنے خاوند کی مستقل معذوری اور وقت سے پہلے بڑھاپے کی وجہ سے پہلے ہی بڑے سخت حالات جھیلے تھے۔ اوپر سے نائلہ کی طرف سے لگنے والی کاری ضرب نے جیسے ان کی کمر توڑ کر رکھ دی تھی۔

☼ ☼ ☼

مندی مندی آنکھوں اور بے حد سست رفتاری سے وہ کچن میں انس کا ناشتا تیار کر رہی تھی۔ نائلہ نے صبح صبح اٹھ کر ٹی وی چلایا ہوا تھا اور بڑے صبر سے اس کے کچن سے نکلنے کا انتظار کر رہی تھی۔
حدید اور انس آفس جانے کی تیاریوں میں تھے اور وہ جانتی تھی سوہا ناشتا بنا کر رکھتے ہی اوپر سونے چلی جائے گی۔ یہی ہوا سوہا ناشتے کی ٹرے لے کر نکلی اور لاؤنج میں رکھ کر سیڑھیاں چڑھ گئی۔ اسی وقت حدید تیار ہو کر کمرے سے

نکلا۔ نائلہ پھرتی سے اٹھی۔

"آپ ناشتا کریں میں انس کے لیے دوسرا بناتی ہوں۔"

اسے آج بھی انس کے نام کے ساتھ باتی کالاحقہ لگانے میں وقت ہوتی تھی۔

اس نے ایک لمحے میں فیصلہ کیا اور عمل کرنے میں دیر نہیں لگائی۔ حدید بھی جلدی میں تھا وہیں بیٹھ گیا۔

انس جب نیچے آیا تو نائلہ ابھی ناشتا تیار کر رہی تھی۔ جبکہ حدید بائیک نکال رہا تھا۔

"بیٹھیں آپ۔ میں ناشتا لا رہی ہوں۔" اس کے ہاتھ اور بھی تیزی سے چلنے لگے۔

انس ایک گہری سانس بھر کر لاؤنج میں بیٹھ گیا۔ اس کی نظریں وال کلاک پر تھیں۔ نائلہ نے اپنے تئیں کافی تیزی سے ناشتا تیار کر کے اس کے سامنے لا کر رکھا تھا۔ پھر بھی اس کے چہرے سے اندازہ ہو رہا تھا کہ اس کا موڈ بگڑ چکا ہے۔ وہ ماتھے پر شکن ڈالے چپ چاپ تیزی سے نوالے نگلنے لگا۔ جبکہ نائلہ کچن سمیٹتے ہوئے مسکرا رہی تھی۔

☆ ☆ ☆

وہ ایک خوب صورت چھوٹا سا صاف ستھرا اور قدرے سجا ہوا اپارٹمنٹ تھا۔ دیار غیر میں ایک گوشہ عافیت' ماہا حسیب کی محبتیں پا کر اس کی شدتوں میں کھو سی گئی تھی۔ اب جو اپنے گھر کے مالکانہ استحقاق ملا تو سرشار سی ہو گئی۔

اس قدر اپنائیت' چاہت' مان اور خلوص۔

اس نے سوچا ہی نہ تھا کہ حسیب اسے اس قدر محبت دے گا۔ اتنی چاہ سے اس نے ماہا کا ہاتھ مانگا تھا۔ ماہا کو اندازہ ہی نہ تھا۔

اس کی سنگت میں بیتنے والے شب و روز جیسے کسی خواب کا تسلسل تھے۔ بعض اوقات اسے لگتا' پلک جھپکی تو یہ حسین خواب ٹوٹ کر بکھر جائے گا۔

"ایسا بھی کیا خاص ہے مجھ میں میں کب تھی اس قدر چاہت کے قابل۔" وہ اس کی شدتوں کا فخر پا کر اترا اترا جاتی۔

حسیب واقعی ایک بے مثال شوہر ثابت ہوا تھا۔ بہت کم دنوں میں اس نے ماہا کو سر سے پیر تک اپنی محبتوں میں بھگو ڈالا تھا۔ اس کے لبوں سے ہمہ وقت ایک مسکراہٹ پھوٹی رہتی۔

دبئی آنے سے پہلے پاکستان میں ہی اس پر اس قدر نکھار آگیا تھا۔ کہ نگاہ ٹھہرتی نہ تھی اور یہاں آکر تو جیسے دونوں ایک دوسرے میں کھو سے گئے تھے۔

"پہلی نظر تم پر ڈال کر ہی فیصلہ کر لیا تھا کہ جیون ساتھی بناؤں گا تو صرف تم کو۔" وہ کتنی ہی بار یہ بات اسے بتا چکا تھا۔

"ہمیشہ میری رہو گی نا۔ کبھی چھوڑو گی تو نہیں مجھے۔" وہ اظہار کے معاملے میں جتنا بے باک تھا ماہا اتنی ہی شرمیلی۔ وہ شرما کر سر نفی میں ہلا دیتی اور وہ اس کا مہکتا ہوا وجود خود میں جذب کر لیتا۔

زندگی نے ماضی میں اگر چند رشتوں کو اس سے چھین کر بے اعتباری کی سزا دی تھی۔ تو اب ماہا کو اس کی زندگی میں شامل کر کے یقیناً" اس کا ازالہ بھی کر دیا تھا۔ وہ خدا کے حضور جتنا بھی شکر گزار ہوتا کم تھا۔

☆ ☆ ☆

سوہا اور انس میں جھڑپ ہو گئی تھی۔

انس بڑبڑ کرتا غصے میں گھر سے نکل گیا۔ اس کے جانے کے بعد حدید سوہا کے پاس آیا۔ نائلہ شام میں امی کے

یہاں چلی گئی تھی۔

"کیا بات ہو گئی تھی۔" سہا صوفے پر بیٹھی سسک رہی تھی۔

سہا نے اسے دیکھ کر جلدی جلدی چہرا صاف کیا۔ کچھ بھی تھا۔ اسے حدید کے سامنے انس سے ڈانٹ پڑنے یا جھڑکی کھانے پر شرمندگی محسوس ہوتی تھی۔

رات کے دس بجے تھے۔

"خیر یہ کوئی کپڑے دھونے کا ٹائم تو نہیں۔ مگر نائلہ نے آج واشنگ مشین لگائی تھی میرے کپڑوں کے لیے تو تم اس سے کہہ دیتی نا۔"

"وہ خود کہہ رہی تھی کہ وہ دھو دے گی۔ میں کھانا کھا کر سو گئی۔ وہ کپڑے دھو کر کام سمیٹ کر چلی گئی۔ مجھے جتایا ہی نہیں کہ اس نے انس کے کپڑے دھوئے ہی نہیں۔ ابھی میں نے چھت پر جا کر دیکھا تو......"

اس کی آنکھوں میں پھر آنسو جمع ہو گئے۔ اس نے بات ادھوری چھوڑ دی۔

حدید پر سوچ نگاہوں سے اسے دیکھے گیا۔

جب نائلہ نے کہہ دیا تھا تو پھر دھوئے کیوں نہیں۔ گھر سے خالو جان کی اچانک طبیعت خرابی کی اطلاع آ گئی تھی۔ حدید گھر آیا تو نائلہ نے میکے جانے کے جلدی مچا دی۔ اس وقت تک انس گھر نہیں پہنچا تھا۔ جب حدید واپس آیا تو انس اور سہا میں تلخ کلامی جاری تھی۔

"چلو اٹھو جا کر ہاتھ منہ دھوؤ میں دے دوں گا اپنے کپڑے۔ وہ کل کوئی میرا پینٹ شرٹ پہن جائے گا۔"

حدید نے سہولت سے اس کی مشکل حل کر دی۔ وہ سوں سوں کرتی منہ صاف کرنے لگی۔

☆ ☆ ☆

انس کے خراب موڈ اور آئے دن سہا کے ساتھ جھگڑوں کا سبب جلد ہی سامنے آ گیا۔ اس کی پروموشن جس کا اسے پچھلے چھ مہینوں سے انتظار تھا۔ کسی اور کے حصے میں لکھی گئی۔ مایوسی اور غصے کی انتہا پر جا کر وہ اس روز گھر واپس آیا تو سہا گھر پر نہیں تھی۔

"وہ امی کے یہاں گئی ہے ان کے ساتھ۔" نائلہ کچن میں ہی تھی۔

"حدید کے ساتھ ایسی کیا آفت آ گئی تھی کہ اس کا جانا ضروری تھا۔"

"پتا نہیں مجھے کہہ رہی تھی شاید کپڑے سل کر آ گئے ہیں۔ وہ لینے تھے۔"

نائلہ نے جلدی جلدی چائے بنا کر کپ میں انڈیلی اور اس کے کمرے میں لے گئی۔ انس نہا دھو کر نکلا تو گرما گرم چائے کا کپ اور ہلکی پھلکی تیاری کے ساتھ فریش سی نائلہ وہیں موجود تھی۔

انس بیڈ پر بیٹھ کر چائے پینے لگا۔ وہ پاس پڑے صوفے پر بیٹھ کر اسے دیکھے گئی کتنا مکمل منظر تھا۔

آفس سے واپسی پر نہا دھو کر نکھرا ہوا شوہر اور ایک سجی سنوری چائے کے کپ کے ساتھ اس کا انتظار کرتی بیوی۔ پرسکون خاموشی۔

اس مکمل منظر میں اگر کہیں کچھ غلط تھا یا نامکمل تھا تو فقط ان کا آپس کا رشتہ۔ وہ اس کی بیوی بنتے بنتے بھابھی بن گئی۔ یہ الگ بات تھی کہ انس نے کبھی اسے اپنی بیوی بنانا چاہا ہی نہ تھا۔ وہ اپنی سوچوں میں گم تھا اس لیے نائلہ کا ارتکاز اسے متوجہ نہ کر سکا۔

آفس میں چلنے والی سیاست اور ایک دوسرے کی ٹانگ کھینچ کر خود آگے بڑھ جانے والی پالیسی اختیار کر کے' کمپنی کے کرتا دھرتا کے سامنے 'ہم اچھے ہیں۔ یہ برا ہے۔' کی رپورٹ پیش کرنے والے کتنے کامیاب رہے

تھے۔ اس کے جونیئرز کو لیگ اس کی سالوں کی محنت کو پیروں تلے روند کر آگے بڑھ گئے تھے۔ اس کی محنت فقط ایک شاباش کی حق دار ٹھہری۔ اور دوسروں کی چاپلوسی اور خوشامد اتنی کام آئی کہ ان کی تنخواہوں میں اسی فیصد تک اضافہ کر دیا گیا۔

گاڑیاں مل گئیں۔ ترقیاں ہو گئیں۔

انس اور اس جیسے چند ایک دوسرے محنتی ور کرز سب کا منہ دیکھتے رہ گئے۔

اسے جب جب اپنے سے جونیئر اسٹاف کا خوشامدی لہجہ یاد آتا۔ غصے کی ایک تیز لہر اس کے اندر سر اٹھاتی۔ اس وقت بھی اس کی کنپٹی کی رگیں تن گئیں۔ اس نے غصے سے سر اٹھایا تو سامنے نائلہ کھڑی تھی۔

"میں نیچے جا رہی ہوں۔ آپ کو کھانا ابھی لا دوں یا۔۔۔" یہاں اس وقت اس کی جگہ سوہا کو ہونا چاہیے تھا۔ مگر۔۔۔

"نہیں رہنے دو۔ سوہا آئے گی تو اس کے ساتھ ہی کھالوں گا۔" اس کا لہجہ روکھا سا ہو گیا۔ نائلہ باہر نکلتے ہوئے طمانیت سے مسکرا دی۔

انس نے ایک بار سوہا کو فون کیا۔ نمبر بزی تھا۔ اس نے غصے سے فون پٹخ دیا۔ اب اس کا سوہا کو فون کرنے کا کوئی ارادہ نہ تھا۔ وہ انتہائی غصے میں سوہا کی گھر واپسی کا انتظار کر رہا تھا۔ آج پچھلے سارے دن کی محنت کی ناکامی کا نزلہ یقیناً" سوہا پر گرنے والا تھا۔

☼ ☼ ☼

سوہا اور حدید کو امی نے کھانے کے لیے روک لیا تھا۔ آج خالہ جان بھی اوپر چلی آئی تھیں عفت کے سر میں درد تھا۔ وہ نیچے ہی رہی۔ یوں بھی نائلہ کی شادی کے بعد سے وہ کوشش کرتی تھی کہ حدید سے سامنا کم ہی ہو۔

اسے حدید کا سامنا کرنا مشکل لگتا تھا۔ وہ نائلہ سے ان دونوں کے تعلقات کے بارے میں زیادہ بات بھی نہیں کرتی تھی۔

کھانے کے فوراً" بعد ماہا کا فون آگیا۔ وہ سوہا کو بتانے لگی کہ وہ لوگ کہاں کہاں گھومنے گئے۔ حسیب کے دوستوں نے دعوتیں کیں اور یہ سلسلہ ابھی تک چل رہا ہے۔

سوہا اپنی بہن کی خوشی میں خوش تھی۔

اس نے دو ایک بار انس کو فون بھی کیا یہ کہنے کے لیے کہ وہ بھی نائلہ کو لے کر ادھر ہی آجائے۔ مگر انس نے فون اٹینڈ نہیں کیا۔ بیل بجتی رہی۔ یہاں تک کہ خود ہی لائن کٹ گئی۔

☼ ☼ ☼

رات کو گیارہ بجے کے قریب ان لوگوں کی واپسی ہوئی تو لائٹ نہیں تھی۔ انس چھت پر سونے جا چکا تھا۔ جو اس کی طرف سے ناراضی کا واضح اعلان تھا۔

نائلہ کمرے میں تھی۔ حدید اسے دیکھ کر کمرے میں ہی چلا گیا۔ وہ چھت پر چلی آئی۔ انس پتا نہیں واقعی گہری نیند میں تھا یا اسے دیکھ کر سوتا بن گیا سوہا بھی اس کے برابر میں ہی لیٹ گئی۔ جانے کس وقت نیند مہربان ہوئی آنکھ کھلی تو سورج کی تیز شعاعیں منہ پر پڑ رہی تھیں۔

اس نے بڑبڑا کر چادر منہ سے ہٹائی۔ وہ چھت پر اکیلی تھی۔ انس خدا جانے کس وقت اٹھ کر نیچے چلا گیا تھا۔

ایک پل کو تو اسے خوف محسوس ہوا کہ شاید وہ ساری رات چھت پر اکیلی سوتی رہی ہے۔ مگر اس وقت چونکہ دن نکل آیا تھا۔ اس لیے خوف زیادہ دیر حاوی نہ رہ سکا۔

نیچے آئی تو انس آفس کی تیاریوں میں تھا۔ اس نے سوہا سے کوئی بات نہیں کی۔ یہ اس کی طرف سے ناراضی کا اظہار تھا۔

آج کچن میں نائلہ کا راج تھا۔ سوہانہ صرف جاگ چکی تھی۔ بلکہ حدید کا ناشتا بنانے میں لگی ہوئی تھی۔

سوہا ایک گہری سانس لے کر لاؤنج میں بیٹھ گئی۔ وہ نائلہ کی موجودگی میں کچن میں جانا نہیں چاہتی تھی۔ جس دن نائلہ واشنگ مشین لگا کر انس کے کپڑے دھوئے بغیر گھر چلی گئی تھی۔ اور سوہا کو اس کی وجہ سے انس کی ناراضی برداشت کرنی پڑی تھی۔ اس دن سے وہ نائلہ سے ذرا کھنچ سی گئی تھی۔

اس نے دوبار کچن کے دروازے تک چکر لگایا۔ مگر نائلہ مصروف تھی۔ بالآخر ہی ہوا جو اس نے سوچا تھا۔ انس تیار ہو کر نیچے آیا اور اسے وہیں ٹہلتا دیکھ کر ضبط سے ناشتے کا پوچھا۔

"آپ بیٹھیں میں بس دے رہی ہوں۔ دراصل آج...." انس نے اس کے گھبرائے ہوئے لہجے کی ادھوری وضاحت کو کوئی اہمیت نہیں دی۔

"ایک گھنٹہ ہو گیا تمہیں نیچے آئے ہوئے۔ تم سے ابھی تک ایک آدمی کا ناشتا نہیں بنا۔" اس کی آواز بہت بلند تھی۔ سوہا کو لگا کچھ بھی کہنا بے کار ہے۔

بظاہر اس کے چلانے پر نائلہ بھی گھبرا کر کچن سے نکلی اور حدید کے لیے تیار کیا ہوا ناشتا لے جا کر میز پر رکھ دیا۔

"آپ یہ ناشتا کرلیں۔ سوہا جو آپ کے لیے بناتی۔ اب وہ حدید کرلیں گے۔" اپنے تئیں اس نے چٹکیوں میں مسئلہ نمٹایا تھا۔ انس نے ایک غصہ ور نگاہ شرمندہ سی سر جھکائے کھڑی سوہا پر ڈالی۔

"حدید کا بھی تم ہی بنادو۔ یہ تو صبح سے شام کردیں گی۔"

سوہا حیرانگی سے اسے دیکھتی رہ گئی۔ کتنی بے یقین سی بات تھی کہ آج اس کے اتنے پیار کرنے والے شوہر نے نائلہ کے سامنے اسے باتیں سنائی تھیں۔ اس کے اوپر غصہ کیا تھا۔ حالانکہ اس سے پہلے وہ ہمیشہ خیال رکھتا تھا۔ کہ کم سے کم کسی تیسرے کے سامنے سوہا کو براہ راست کچھ نہ کہے۔

نائلہ کچن میں جا چکی تھی۔ انس اس کی طرف سے پشت کیے تیزی سے ناشتا کرنے میں مصروف تھا۔ سوہا کو لگا وہ بے کار ہی وہاں کھڑی ہے۔

حدید کمرے سے نکلا تو اس نے پژمردہ قدموں سے سوہا کو سیڑھیوں کی طرف جاتے دیکھا۔ پھر اطمینان سے ناشتا کرتے انس کو۔ ذرا دیر پہلے کی آوازیں یقیناً" اس تک بھی پہنچی ہی تھیں۔

وہ انس کے طرز عمل پر صرف افسوس ہی کر سکتا تھا۔

☆ ☆ ☆

ماہا کو یہاں آئے مہینے سے اوپر ہو چلا تھا۔ اس نے گھر کا انتظام مکمل طور پر سنبھال لیا تھا۔

حسیب کو صبح وہ خود ہی ناشتا بنا کر دیتی۔ پھر اس کے جانے کے بعد گھر کی صفائی ستھرائی کے بعد فراغت ہی فراغت ہوتی۔ دو بندوں کا کھانا بھی فٹافٹ بن جاتا اور کبھی وہ لوگ ڈنر کرنے باہر چلے جاتے تو وہی کھانا دوسرے دن چل جاتا۔ راوی چین ہی چین لکھتا تھا۔

حسیب نے دوستوں کے لیے پارٹی ارینج کی۔ حسب توقع پارٹی بہت اچھی رہی۔ زیادہ تر چیزیں ماہا نے اپنے ہاتھ سے بنائیں۔ تمام دوستوں اور ان کی بیگمات کو حسیب کی بیگم کی طرح' اس کے ہاتھ کے کھانے بھی بہت پسند آئے۔

حسیب اور ماہا کے درمیان موجود عمروں کا واضح فرق اور دوسرے موضوعات کی طرح زیر بحث آیا۔ مگر سب ہی

کا مشترکہ خیال تھا کہ ان دونوں کی جوڑی اچھی لگتی ہے اور وہ لوگ ایک دوسرے کے ساتھ کھڑے ہوئے خوب جچتے ہیں۔

وہ ہر روز کی طرح شام میں نہادھو کر تیار بیٹھی حبیب کے آنے کا ہی انتظار کر رہی تھی۔ آج اس نے حبیب کی پسند کا آسمانی رنگ کا سوٹ زیب تن کیا تھا۔ جو اس نے یہاں آنے کے بعد گفٹ کیا تھا۔ اپنی تیاریوں پر ایک آخری نگاہ ڈال کر اس نے حبیب کو کال کی۔

"کہاں ہیں آپ۔ آج اتنی دیر لگا دی آنے میں۔" لائن ملتے ہی اس نے بہت لگاوٹ سے پوچھا۔

"بس آ ہی رہے ہیں جان من۔ لگتا ہے۔ بہت انتظار ہو رہا ہے۔"

"انتظار نہیں تو۔"

"اچھا تم انتظار نہیں کر رہیں میرا۔" اسے حیرت ہوئی۔

"بالکل نہیں۔" وہ مزے سے بولی۔

"تو پھر مجھے فون کیوں کیا۔"

"ایویں دل لگی کے لیے۔" وہ کہتے ہوئے ہنس پڑی۔

"اچھا۔ یہ دل لگی کہیں دل کی لگی نہ بن جائے۔"

"اوں ہوں۔ مشکل ہے۔"

"ٹھیک ہے۔ پھر میں اس مشکل کو آ کے آسان کرتا ہوں۔"

"آجائیں دیکھتے ہیں۔" وہ فون بند کرنے کے بعد بھی دیر تک مسکراتی رہی۔

☼ ☼ ☼

اماں عفت کے رشتے کے لیے پریشان تھیں اور زیادہ پریشان اس لیے تھیں۔ کیونکہ عفت نے شادی کرنے سے قطعی طور پر انکار کر دیا تھا۔

"کسی سے تو کرے گی نا۔"

"نہیں کسی سے بھی نہیں کروں گی۔"

"باؤلی ہو گئی ہے کیا۔" عفت نے پیاز کاٹتے ہاتھ روک کر انہیں دیکھا۔

"اس میں باؤلے ہونے کی کیا بات ہے۔ ضروری تو نہیں کہ دنیا میں ہر لڑکی کی شادی ضروری ہو۔"

"پر تو کوئی لاوارث ہے کیا۔ جن کا کوئی نہیں ہوتا دنیا میں۔ شادی تو وہ بھی کر لیتی ہیں۔"

"کر لیتی ہوں گی۔ مجھے نہیں کرنی۔"

وہ اماں کی طرف سے رخ موڑ کر پیاز کاٹنے لگی۔ آنکھوں سے قطار در قطار موتی ٹپکنے لگے۔ یہ پیاز کی وجہ سے نہیں تھے۔ مگر صد شکر کہ بھرم رہ گیا تھا۔

اسے اب اکثر ہی اپنی وہ بات یاد آتی۔ جو اس نے جانے کس جھونک میں نائلہ کے سامنے کہی تھی۔

"حدید کو تو اسی گھر کا داماد بننا ہے ہر حال میں۔"

اس وقت اسے اندازہ نہیں تھا کہ صورت حال یوں بھی ہو سکتی ہے۔

☼ ☼ ☼

ایک خوب صورت کینڈل لائٹ ڈنر کر کے وہ لوگ لانگ ڈرائیو پر نکل گئے تھے۔ آج ماہا کا دل کچھ الگ ہی مخمور اور سرشار سا تھا۔ ساحل سمندر کی گیلی ریت... دیر تک اس کے کندھے پر سر رکھ کر بیٹھی رہی۔ اپنی اپنی سوچوں

میں گم ایک دوسرے کی موجودگی کو پوری طرح محسوس کرتے ہوئے دونوں نے ہی ان لمحات کے امر ہو جانے کی دعا مانگی تھی۔

"اب چلیں۔" حبیب نے پیار سے اس کے بال سہلائے۔"

"ہوں۔" وہ سر ہلا کر کھڑی ہو گئی۔

"ماہا۔" حبیب اسے دیکھ رہا تھا۔

"جی۔" وہ اپنے دامن سے ریت جھاڑ رہی تھی۔

"آئی لو یو۔" اس نے چونک کر حبیب کو دیکھا۔ پھر مسکرا دی۔

"آئی لو یو ٹو۔" اس نے حبیب کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ حبیب نے ہاتھ تھام کر اٹھنے کے بجائے اسے اپنے اوپر کھینچ لیا۔

دونوں کے لبوں سے پھوٹتی ہنسی کی چاندنی سے پورا ماحول مہکنے لگا۔

☼ ☼ ☼

حدید نے اس حقیقت کو قبول کر لیا تھا کہ عفت کے بجائے نائلہ اس کی زندگی میں شامل ہو گئی۔ مگر نائلہ اس سچائی کو تسلیم نہیں کر پا رہی تھی۔

حدید جتنا بھی اس کے قریب آنے کی کوشش کرتا وہ اتنا ہی اپنے خول میں سمٹ جاتی۔ گھر اور گھر کے معاملات اس نے بخوبی سنبھال لیے تھے۔

حدید کے ذاتی کام' کپڑے' کھانے کی ذمہ داری وہ ایک ذمہ دار' بیوی کی طرح نبھا رہی تھی۔ مگر رات کی تنہائی۔

رات کی تنہائی میں جب حدید اس کے بالکل پاس ہوتا۔ اس کا پہلو سلگنے لگتا۔ کبھی وہ سوتی ہوئی بن جاتی۔ حدید کی پکار بھی اسے جگا نہیں سکتی تھی۔ کبھی اس کے پاس تھکن کا بہانہ ہوتا۔ کبھی وہ حدید کے ساتھ کمرے تک آتی تو رات وہیں رک جاتی یا اٹھنے میں اتنی دیر لگا دیتی کہ حدید کا اپنا دماغ اور آنکھیں نیند سے بوجھل ہو جاتیں۔

وہ سمجھ نہیں پا رہا تھا کہ نائلہ ایسا کیوں کر رہی ہے۔ حقیقتاً" اس کا دل بھی ابھی تک پوری طرح نائلہ کی طرف مڑ نہیں پایا تھا۔ خوابوں کی ٹھنڈی راکھ کے نیچے اب بھی کہیں عفت کے نام کی چنگاری سلگ رہی تھی۔ اب یہ نائلہ کے ہاتھ میں تھا کہ وہ اپنے حسن سلوک سے اس چنگاری کو بجھا کر اپنی محبت کا دیا جلاتی۔ یا پھر اس کا وجود کھنڈر ہو جاتا اور یہ چنگاری بھڑک اٹھتی اور اپنے ساتھ سب کچھ جلا کر خاکستر کر دیتی۔

وقت آگے کیا کروٹ لینے والا تھا۔ اس کا اندازہ ان تینوں میں سے کسی کو نہیں تھا۔ نہ عفت کو 'نہ نائلہ' نہ حدید کو۔

مگر اس وقت کو کروٹ دلانے کی کوشش تینوں ہی اپنے اپنے طور پر کہیں نہ کہیں کر رہے تھے۔

نائلہ تنہائی میں حدید کو اپنے نزدیک نہیں آنے دیتی تھی۔ آئے بہانے اسے خود سے دور رکھتی۔ چند ایک بار کے علاوہ حدید کو کبھی خلوت نصیب نہ ہوئی تھی۔ حدید نے ابھی تک نائلہ کے گریز کا سنجیدگی سے نوٹس نہیں لیا تھا۔ کیونکہ اس کا دل ابھی تک اس طرح نائلہ کی طرف ملتفت نہ تھا۔ جس طرح نائلہ کی جگہ عفت کی موجودگی میں ہوتا۔

"اور عفت... وہ کسی نئے رشتے' یا بندھن میں شادی کے نام پر بندھنے کو تیار نہ تھی۔ یہ جانتے ہوئے بھی کہ جس شخص کے ساتھ کی اس کو خواہش تھی... وہ اس کی بہن سے جڑ چکا ہے۔ زندگی بھر کے لیے...

☼ ☼ ☼

حسیب کو صبح آفس جانا تھا پھر بھی وہ لوگ رات گئے تک جاگتے رہے۔ گھر واپسی پر حسیب اتنا تھک چکا تھا کہ لیٹتے ہی بے خبر ہو گیا۔ ماہا کو یاد آیا اس نے سوہا کو فون کرنے کے لیے کہا تھا مگر اب رات بہت ہو چکی تھی۔ اس نے فون کرنے کا ارادہ ترک کر کے حسیب کا فون چارجنگ پر لگایا ہی تھا کہ کسی کی کال آنے لگی۔

کمرے کی خاموش فضا میں فون کی مدھری ٹیون بھی غیر معمولی شور پیدا کر رہی تھی۔ وہ جلدی سے کمرے سے باہر آ گئی کہ حسیب کی نیند خراب نہ ہو۔

"ولی کالنگ۔" عجیب ہی نام تھا۔

اس نے ایک لمحے کو سوچا اور فون کی آواز بند کرنے کے لیے سائلنٹ کا بٹن دبا دیا۔ پتا نہیں کون تھا یہ۔ اسے اس سے بات کرنی چاہیے بھی یا نہیں۔ کیا پتا حسیب کا کوئی دوست ہو یا کلائنٹ۔

کال کرنے والا یا تو ڈھیٹ تھا یا طبیعت سے فارغ۔ مسلسل پانچویں بار کال آنے پر اس نے فون کان سے لگایا۔

"ہیلو پاپا۔ ویئر آر یو۔ کب سے کال کر رہا ہوں آپ کو۔" ماہا کی سماعتوں پر کسی نے بم دے مارا تھا۔

☼ ☼ (باقی آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیں)

درثمین بلال
ابھی محبت کے دن نہیں تھے

نصیب ایک ایسی چیز ہے۔ جس کے آگے بڑے بڑے عقل منداور حسین و جمیل لوگ ہار جاتے ہیں مجبور اور بے بس ہو جاتے ہیں۔ نصیب ایک جیتے جاگتے انسان کو راکھ کا ڈھیر بنا دیتا ہے۔ جھلسا دیتا ہے لوگ اس نصیب کے آگے گھٹنے ٹیک دیتے ہیں۔ نصیب عقل مند کو بے عقل بنا دیتا ہے اور خوب صورت کو بد صورت۔۔۔ اس نصیب کو آج تک کوئی نہیں سمجھ سکا۔ یہ انسان کو کبھی ساتویں آسمان سے زمین پہ لے آتا ہے اور کبھی زمین سے انسان کو ساتویں آسمان پہ پہنچا دیتا ہے۔ یہ ایک معمہ ہے نا سمجھ میں آنے والا۔ یہ ایک ایسا پیچیدہ سوال ہے جسے آج تک کوئی حل نہیں کر سکا۔

انسان اس کو جتنا سمجھنے کی کوشش کرتا ہے اتنا ہی الجھتا چلا جاتا ہے۔ میں۔۔۔ راحم گیلانی جو ہمیشہ نصیب کے حوالے سے یہ باتیں سنتا آیا تھا۔ آج چھ سال کے بعد حوریہ کو بس اسٹاپ پہ کھڑے دیکھ کر ان تمام باتوں کو تسلیم کرنے پہ مجبور ہو گیا تھا کہ اس "نصیب" سے ظالم اس دنیا میں کوئی اور چیز نہیں۔ یہ انسان کو کیا سے کیا بنا دیتا ہے؟

میں نے حوریہ کے متعلق بہت کچھ سن رکھا تھا مگر۔۔۔ آج چھ سال کے بعد اس جیسی حسین و جمیل لڑکی کو اس حالت میں دیکھ کر میرا دل جیسے کسی نے مٹھی میں دبوچ لیا تھا۔ مجھے اپنی بصارت پہ یقین نہ آرہا تھا۔ میں اس پچیس سال کی عورت نما لڑکی کو دیکھنے لگا جو چھ سال پہلے محض ایک انیس سال کی ایک حسین و جمیل۔۔۔ دبلی پتلی لڑکی ہوا کرتی تھی۔ اتنی خوب صورت کہ جو اسے دیکھتا بس دیکھتا ہی رہ جاتا تھا۔ آج چھ سال کے بعد وہی نہایت خوب صورت لڑکی محض پچیس سال کی عمر میں کیا سے کیا ہو گئی تھی؟ موٹی بھدی۔۔۔ رنگ روپ سب سنولا گیا تھا اس کا۔۔۔ میں چھ سال کے بعد زرش کی شادی کے سلسلے میں پاکستان آیا تھا۔

وہ فٹ پاتھ پہ جس جگہ اپنی مطلوبہ بس کے انتظار میں کھڑی تھی میں اس سے کچھ فاصلے پہ گاڑی روک کر اسے دیکھنے لگا۔ ایک وقت تھا جب میں اس کے حسن کا شیدائی تھا۔ اس کی معصومیت کا دیوانہ تھا۔ اس سے محبت کرتا تھا اس سے شادی کرنا چاہتا تھا مگر وہ میری قسمت میں نہیں تھی۔ میرے نصیب میں نہیں تھی۔ لاکھ کوشش کے باوجود میں اسے اپنا نہ سکا تھا۔ یوں نصیب سے لڑتے لڑتے میں تھک ہار کر یہ ملک چھوڑ کر ہی چلا گیا تھا اور آج چھ سال کے بعد میں جس لڑکی کے لیے اپنے اتنے پیارے رشتوں کو نصیب کے ہاتھوں شکست کھانے پہ مایوس ہو کر چھوڑ گیا تھا۔ اسے یوں برباد ہوا دیکھ کر اجڑا ہوا دیکھ کر میرا رہا سہا سکون بھی غارت ہو گیا تھا۔ وہ میری پہلی نظر کا پیار تھی۔

ماضی کے اوراق ایک بار پھر پھڑپھڑانے لگے تھے۔ وقت ایک بار پھر مجھے پیچھے لے گیا تھا۔

دل پر ایسے بھی عذابوں کو اترتے دیکھا
ہم نے چپ چاپ اسے خود سے بچھڑتے دیکھا
اس کو سوچا تو ہر سوچ میں خوشبو اتری
اس کو لکھا تو ہر لفظ مہکتے دیکھا
یاد آجائے تو قابو نہیں رہتا دل پر
ورنہ دنیا نے بھی ہم کو تڑپتے دیکھا
اس کی صورت کو فقط آنکھ نہیں ترسی ہے
راستوں کو بھی اس کی یاد میں روتے دیکھا
ہم محبت کے لیے آج بھی دیوانے ہیں
یہ الگ بات ہے کہ اس نے کبھی نہیں پلٹ کر دیکھا

☆ ☆ ☆

یہ ان دنوں کی بات ہے جب میں آسٹریلیا اسٹڈی کے لیے گیا ہوا تھا اور دو سال کے بعد پاکستان آیا ہوا تھا زرش میری اکلوتی چھوٹی بہن تھی اور حوریہ زرش کی بیسٹ فرینڈ تھی دونوں کالج میں کلاس فیلوز تھیں۔ ہمارا شمار اپر مڈل کلاس گھرانے سے تھا جبکہ حوریہ کا گھرانہ خاندانی تو تھا مگر معاشی طور پہ خوشحال ہرگز نہ تھا۔ ہمارے اور ان کے اسٹیٹس میں بہت فرق تھا اس کے باوجود زرش اور حوریہ ایک دوسرے کی بہترین

فرینڈز تھیں۔ انہی دنوں زرش کی برتھ ڈے تھی۔ میں چونکہ تین مہینے کے لیے پاکستان آیا ہوا تھا سو میں نے اپنی اکلوتی چھوٹی بہن زرش کی برتھ ڈے کو خوب دھوم دھام سے منانے کا پلان بنالیا تھا۔ اس سلسلے میں... میں نے اپنی فیملی کے چند اہم رشتے داروں کو دعوت بھی دے ڈالی تھی۔

زرش نے بھی حوریہ کے ساتھ ساتھ اپنی کلاس کی دیگر لڑکیوں کو اس برتھ ڈے پارٹی میں مدعو کیا تھا۔ میں نے زرش سے حوریہ کے صرف قصے ہی سن رکھے تھے۔ زرش کی برتھ ڈے پارٹی میں... میں نے پہلی بار حوریہ کو دیکھا تھا اور دیکھتا ہی رہ گیا تھا۔ وہ واقعی کسی حور سے کم نہ تھی۔ خدا نے اسے فرصت سے بنایا تھا۔

اس دن اس پارٹی میں خاندان کی لڑکیوں سے لے کر زرش کی تمام فرینڈز نے مجھ سے بے تکلف ہونے کی کوشش کی تھی۔ سوائے حوریہ احسان کے... اس محفل میں ہر لڑکی مجھے متاثر کرنے کی کوشش میں مصروف تھی اس کی وجہ شاید میری پرسنالٹی اور میرا برائٹ فیوچر تھا اور میں ابروڈ سے آیا ہوا تھا۔ اتنی ساری لڑکیوں کی موجودگی کے باوجود میری نظریں بار بار بلیک اور پنک سوٹ میں ملبوس... حوریہ احسان پہ اٹھ رہی تھیں۔

وہ لان میں لگے ٹیبلز میں سے ایک کونے میں بیٹھی تھی اور میری نظریں اس کے معصوم حسن اور بلش ہوتے چہرے کا طواف کررہی تھیں۔ میرے یوں دیدہ دلیری سے... دیکھنے پہ وہ بے چاری گھبرا رہی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ وہ زرش کی برتھ ڈے کا کیک کٹتے ہی گھر جانے کو تیار ہوگئی تھی اور زرش سے اجازت لے رہی تھی۔

"زرش اب مجھے چلنا چاہیے۔ شام ہورہی ہے۔" وہ دھیرے سے زرش سے مخاطب ہوئی تھی۔ میں اس سے قدرے فاصلے پہ کھڑا تھا، مگر میرے کان اسی کی جانب لگے ہوئے تھے۔

"ارے اتنی جلدی؟ ہرگز نہیں... ابھی تو کیک کاٹا ہے اور تم نے واپس جانے کی رٹ لگالی؟" زرش نے اسے مصنوعی خفگی سے ڈپٹا۔

"مگر زرش... ابا خفا ہوں گے۔" جواباً وہ دھیرے سے بڑبڑائی تھی۔ "تم تو جانتی ہو نا... ابا کو؟"

"زرش ٹھیک کہہ رہی ہے آپ تھوڑی دیر تو اور رکیں... میں آپ کو گھر ڈراپ کردوں گا۔" اس کے واپس جانے کا سن کر میں ان دونوں کے قریب آگیا تھا۔ حقیقت یہی تھی کہ میں اسے اپنے آس پاس دیکھنا چاہتا تھا۔ اپنی نظروں کے سامنے۔

"ڈونٹ وری یار میں خود تمہیں بھیا کے ساتھ جاکر چھوڑ آؤں گی اور انکل سے ایکسکیوز کرلوں گی تم فی الحال کہیں نہیں جارہی ہو۔ دیٹس اٹ..." زرش نے اپنا حتمی فیصلہ سناتے ہوئے کہا تو وہ مایوس سی اس کے ساتھ کھڑی ہوگئی تھی۔ جیسے ٹیچر سزا کے طور پہ کسی اسٹوڈنٹ کو سبق یاد نہ ہونے کی صورت میں کھڑا کردیتا ہے۔

وہ میری نظروں سے خائف ہورہی تھی۔ مجھے اپنی طرف دیکھتا ہوا پاتی تو یا سر جھکا لیتی یا رخ موڑ لیتی اس کے حسن کے ساتھ ساتھ حوریہ کی یہی شرم و حیا مجھے کسی مقناطیس کی طرح اپنی جانب کھینچ رہی تھی اور پھر باقی کی تقریب میں بھی یہی کچھ ہوتا رہا۔ اس کا گریز اس کی شرم و حیا مجھے اس کا دیوانہ بناگئی تھی۔ میں راہم گیلانی اس دن اپنے دل میں یہ فیصلہ کرچکا تھا کہ مجھے شادی کرنا تھی تو صرف حوریہ احسان سے... وہ میرے دل میں سماگئی تھی۔ میری آنکھوں میں بس گئی تھی۔

اس رات میں اور زرش اسے گھر ڈراپ کر آئے تھے۔ زرش اس کے گھر جاکر اس کے دیر سے آنے پہ اس کے والدین سے ایکسکیوز بھی کر آئی تھی۔

واپسی پہ میرا دل بجھ سا گیا تھا۔ دل میں ایک خالی پن کا احساس ہونے لگا تھا۔ اپنا آپ ادھورا سا لگنے لگا تھا اور پھر میں اکثر زرش کو کالج چھوڑنے اور پک کرنے لگا تاکہ اسی بہانے چند لمحوں کے لیے مجھے اس کا دیدار نصیب ہوجائے۔ وہ پیدل گھر جایا کرتی تھی۔ میرے اور زرش کے لاکھ گاڑی میں بیٹھنے اور اسے گھر ڈراپ کرنے کی پیش کش کو رد کرتے ہوئے وہ پیدل گھر

جانے کو ترجیح دیا کرتی تھی۔ وہ میری گاڑی میں نہیں بیٹھتی تھی اس کے پاس فون بھی نہیں تھا سو اس سے بات کرنا ناگزیر تھا۔

دوسری بار وہ ایک مہینے کے بعد ہمارے گھر تب آئی تھی جب زرش اور حوریہ کے ٹرم ہونے والے تھے اور وہ کمبائن اسٹڈی کے لیے زرش کے اصرار پہ ہمارے گھر آئی تھی۔ اسے اپنے گھر دیکھ کر میرا دل باغ باغ ہو گیا تھا۔ ایک عجیب سی خوشی نے مجھے سرشار کر دیا تھا۔ اس دن مما نے اور زرش نے زبردستی اسے لنچ کے لیے ڈائننگ ٹیبل پہ بلا لیا تھا اور حسب سابق وہ میری موجودگی میں کھانا کھانے کے دوران بہت نروس ہو رہی تھی۔ اس کا یوں گھبرایا ہوا انداز دیکھ کر ایک دھیمی سی مسکراہٹ میرے لبوں کو چھو گئی تھی۔ وہ میری موجودگی میں کھانا نہیں کھا پا رہی تھی۔ اس وجہ سے میں جلد ہی ڈائننگ ٹیبل سے اٹھ گیا تھا اور اپنے کمرے میں آ گیا تھا تاکہ وہ آسانی سے کھانا کھا سکے۔

ناجانے کیوں وہ مجھے ان چند دنوں میں اتنی اچھی لگنے لگی تھی اور پھر اسی دن میں شام کو کچن میں اپنے لیے کافی بنانے آیا تھا جب وہ فریج سے پانی کی بوتل نکال رہی تھی۔ یقیناً" زرش نے اسے پانی لانے کو کہا تھا۔ مما بھی اپنے کمرے میں تھیں۔ مجھے اچانک کچن میں داخل ہوتے دیکھ کر وہ گھبرائے ہوئے انداز میں جلدی سے پانی کی بوتل فریج سے نکال کر شیلف سے گلاس لے کر کچن سے نو دو گیارہ ہونے لگی تھی جب میں نے اس کا راستہ روک کر اس سے پوچھا تھا۔

"آپ مجھے دیکھ کر اتنی نروس کیوں ہو جاتی ہیں؟ اچھا خاصا ہینڈسم شخص ہوں۔ اتنا خوفناک تو نہیں کہ جسے آپ دیکھتے ہی بری طرح سے گھبرا جاتی ہیں؟" میرے لہجے میں ناچاہتے ہوئے بھی شرارت عود آئی تھی۔

میرے سوال پہ پہلے اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئی تھیں پھر گڑبڑا کر اس نے نگاہیں جھکا لی تھیں اور خجلت میں سائیڈ سے اس نے نکلنا چاہا تھا مگر میں نے ہاتھ بڑھا کر اسے روک لیا تھا۔

"آپ بہت خوب صورت ہیں حوریہ!" بے اختیار میرے لبوں سے یہ جملہ ادا ہوا تھا۔

"پلیز مجھے جانے دیں۔" وہ بے بسی سے منمنائی تھی۔ "پلیز اپنا ہاتھ ہٹالیں۔" اس نے التجا کی تھی۔

"میں آپ کو ہمیشہ کے لیے اپنے پاس روکنا چاہتا ہوں۔" میری فرمائش پہ ایک بار پھر حیرت سے اس نے مجھے دیکھا تھا۔

"یہ۔ یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟" شدید حیرت سے پوچھا تھا اس نے۔

"پلیز آپ مجھ سے ایسی باتیں مت کریں۔" اس نے چہرہ جھکا لیا تھا۔

"تو پھر کیسی باتیں کروں؟ آپ سے محبت کرنے لگا ہوں اور کیا کہوں میں آپ سے؟"

"آپ زرش کے بھائی ہیں میرے لیے بہت قابل احترام ہیں۔" اس نے دھیرے سے بتایا تھا۔

"میں چاہتا ہوں آپ احترام کے ساتھ ساتھ مجھ سے محبت بھی کریں۔ ان فیکٹ میں بھی آپ سے محبت کرنے لگا ہوں۔" میں بے اختیار اس کے قریب آیا تھا۔

اور وہ بے اختیار چند قدم پیچھے ہٹی تھی "کچھ کام نہ زبردستی ہوتے ہیں نہ التجا سے۔ وہ نصیب سے ہوتے ہیں اور پلیز۔ اتنی بڑی بات مت کہیں مجھ سے کچھ باتوں کے جواب مختصر ہوتے ہیں مگر ان کے جواب بعد میں بہت تکلیف دیتے ہیں۔" وہ دکھ سے بولی تھی۔

"کیسی تکلیف۔؟" میں حیران ہوا تھا۔ تب وہ بولی تھی۔

"آپ جس محبت کی بات کر رہے ہیں وہ محبت ایک تکلیف ہی تو ہے۔" اس کا انداز ہنوز ویسا ہی تھا۔ کھویا کھویا۔ میں اس کی باتوں کو سمجھ نہیں پا رہا تھا۔

"نہیں محبت تکلیف نہیں راحت ہے سکون ہے۔ خوشی ہے۔" میں نے بے چینی سے کہا تھا۔

"جیسے میں آپ کو دیکھ کر خوشی محسوس کرتا ہوں۔ آپ کو دیکھ کر مجھے سکون مل جاتا ہے' راحت مل جاتی ہے۔ میرا دل کھل اٹھتا ہے۔ میری آنکھوں میں

عجیب سی روشنی آجاتی ہے۔" میرے انداز میں بے ساختگی تھی۔

"میں ایک خوب صورت سوال کا ادھورا جواب ہوں۔ مجھ میں خوشی تلاش کریں گے تو دکھی ہو جائیں گے راحت ڈھونڈیں گے تو بے سکون ہو جائیں گے۔ پلیز۔ مجھ سے آئندہ کبھی کوئی ایسی بات مت کریئے گا۔ جن کے جواب دیتے دیتے میں بے بس ہو جاؤں۔" اس کے لہجے میں اداسی اتر آئی تھی اور وہ مجھے حیرت زدہ چھوڑ کر آگے بڑھ گئی تھی۔ آج تک کبھی نہ ہوا تھا میں نے کسی لڑکی سے اظہار محبت میں پہل کی ہو۔ ہمیشہ لڑکیاں ہی مجھ سے اظہار محبت کیا کرتی تھیں مجھ سے دوستی کی خواہش کیا کرتی تھیں میں نے پہلی بار کسی لڑکی سے سچے دل سے اظہار محبت کیا تھا اور وہ مجھے اپنی باتوں میں الجھا کر چلی گئی تھی۔ اسے تو خوش ہونا چاہیے تھا کہ راہم گیلانی جیسا لڑکا (جس پہ خاندان بھر کی لڑکیاں مرتی تھیں) اس سے اظہار محبت کر رہا تھا اور وہ۔ وہ کیسی عجیب باتیں کر گئی تھی مجھ سے؟ میں اس کی الجھی باتوں کو سمجھ نہیں پایا تھا میرا ذہن الجھ گیا تھا۔ میں نے اس سے اپنی محبت کا اظہار کیا تھا اور وہ مجھے بری طرح سے الجھا گئی تھی۔

دوسرے دن اتفاقاً" زرش کی طبیعت بہت خراب ہو گئی تھی اور وہ کالج نہیں گئی تھی مگر میں اس کی ادھوری باتوں کے جواب لینے اور اپنے الجھے ذہن کو سلجھانے چھٹی کے وقت کالج گیٹ پہ جا کھڑا ہوا تھا۔ مجھے دیکھ کر وہ بہت حیران ہوئی تھی مگر خاموشی سے اپنے گھر کی طرف جانے والے راستے پہ چلنے لگی تھی۔ میں بھی کمال ڈھٹائی سے گاڑی میں اس کے پیچھے پیچھے آنے لگا تھا۔ تنگ آکر اس نے غصے میں مجھ سے پوچھا تھا۔

"آپ آوارہ لڑکوں کی طرح کیوں میرا پیچھا کر رہے ہیں؟"

"آپ سے محبت کرتا ہوں اس لیے۔ دماغ خراب ہو گیا ہے۔ سڑک چھاپ عاشق بن گیا ہوں۔"

"پلیز میرے پیچھے مت آئیں کسی نے دیکھ لیا تو۔۔۔؟" اس نے دائیں بائیں جانب دیکھا تھا۔

"تو اسی لیے کہہ رہا ہوں کہ پلیز گاڑی میں بیٹھ جائیں مجھے آپ سے ضروری بات کرنی ہے۔" میرے لہجے میں التجا تھی۔ "میں نے آپ سے سیدھی سی بات کی تھی مگر آپ نے مجھے عجیب سی الجھن میں ڈال دیا۔"

"مگر مجھے آپ کی کوئی بات نہیں سننی ہے۔" اس نے اپنا حتمی فیصلہ سنا دیا تھا۔

"تو ٹھیک ہے میں آپ کے پیچھے آرہا ہوں کوئی دیکھتا ہے تو دیکھے۔" مجھے غصہ آیا تھا۔

"پلیز آپ ایسے مت کریں میرے ساتھ۔۔۔" اب کے اس کے لہجے میں التجا تھی۔

"پلیز آپ بھی پانچ منٹ کے لیے گاڑی میں بیٹھ جائیں۔۔۔ میں آپ سے بات کر کے واپس چلا جاؤں گا۔" جواباً" میری التجا۔ وہ پرسوچ انداز میں گاڑی کی پچھلی سیٹ پہ بیٹھ گئی تھی اس نے خود کو چادر میں چھپا رکھا تھا۔ اور منہ پہ نقاب لے لیا تھا۔

"جلدی بتائیں کیا بات کرنی ہے آپ نے۔" وہ ادھر ادھر دیکھتے ہوئے گھبرائے ہوئے انداز میں بولی تھی۔ میں نے جلدی سے گاڑی واپس موڑلی تھی۔ اور پھر کالج کی حدود سے نکل کر میں نے گاڑی ایک دوسرے راستے پہ ڈال لی تھی۔

"یہ۔۔۔ یہ آپ کہاں جا رہے ہیں؟ پلیز گاڑی یہیں روک دیں اور جلدی بتائیں آپ نے کیا بات کرنی ہے مجھ سے۔" وہ رو دینے کو تھی۔ میں نے اچانک بریک لگائی تھی۔

"بے فکر رہیں میں آپ کو اغوا کرنے کا ہرگز بھی ارادہ نہیں رکھتا۔ بس یہ کہنا ہے کہ مجھے آپ سے محبت ہو گئی ہے اور میں آپ سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔ آپ کے بغیر مجھے اپنی زندگی ادھوری لگتی ہے۔" میری بات کے جواب میں وہ کتنے ہی لمحے خاموشی سے مجھے تکتی رہی تھی۔

"تو یہ پلیز کچھ بولو۔ مجھے تمہارا جواب چاہیے

تاکہ میں زرش اور مما سے بات کر کے انہیں تمہارے گھر بھیج سکوں۔" میں اس کی خاموشی سے بے چین ہو گیا تھا۔

"یہ ناممکن ہے۔" وہ جیسے خود سے بولی تھی۔

"مگر کیوں؟" میں ازحد حیرت سے اسے دیکھنے لگا تھا۔ میرا دل جیسے کسی نے مٹھی میں دبوچ لیا تھا۔

"آپ کو زرش نے نہیں بتایا؟" اس کی نظریں اب کسی غیر مرئی نقطے پر جمی ہوئی تھیں۔

"کیا؟" میرا دل تیزی سے دھڑکنے لگا تھا۔ نہ جانے وہ کیا کہنے والی تھی۔

"یہی کہ میں۔۔۔" وہ چند لمحے کے لیے رکی تھی۔ اس کی آنکھیں جھلملا رہی تھیں۔

"یہی کہ میرا نکاح ہو چکا ہے اپنے کزن سے۔۔۔ چار مہینے کے بعد میری رخصتی ہے۔" اس کے انکشاف پہ میرے دل کے پرخچے اڑ گئے تھے۔ ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے تھے میرے دل کے، کتنی ہی دیر میں بول ہی نہیں سکا تھا۔ میں اسے اپنا بنانے کے خواب دیکھ رہا تھا مگر وہ میری نہیں تھی۔

"یہ۔۔۔ یہ کک کیا کہہ رہی ہو تم؟" مجھے اپنی آواز کسی گہری کھائی سے آتی سنائی دی تھی۔

"یہ سچ ہے میرا نکاح ہو چکا ہے۔" اس کے لہجے میں بھی دکھ بول رہا تھا اور آنکھوں میں آنسو تھے۔ میں نے دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھام لیا تھا۔ میرے ارد گرد جھکڑ سے چل رہے تھے۔ میرا دل و دماغ اس خوفناک حقیقت کو تسلیم کرنے پہ تیار نہ تھا۔ میں چند دنوں میں یکطرفہ طور پہ اس کی محبت میں مبتلا ہو گیا تھا۔

"تم۔۔۔ تم اپنے کزن سے خلع لے لو۔۔۔ پھر ہم دونوں شادی کر لیں گے میں۔۔۔ میں تمہیں اتنا خوش رکھوں گا کہ تم۔۔۔ تم سوچ بھی نہیں سکو گی۔" میں نے پاگلوں کی طرح جیسے خود کو تسلی دینے کے لیے کہا تھا۔ گویا خود کو ڈوبنے سے بچا رہا تھا اسے آفر دے رہا تھا۔

"میں کسی صورت بھی خلع نہیں لے سکتی۔ گو کہ یہ رشتہ میرے ابا نے زبردستی میری رضامندی کے بغیر اپنے بھتیجے سے طے کیا ہے مگر اس کے باوجود مجھے اپنے ابا کی عزت بہت پیاری ہے۔ میں ایسا کبھی سوچ بھی نہیں سکتی۔ اور پلیز آپ بھی میرا خیال اپنے دل سے نکال دیں۔۔۔ کچھ چیزیں انسان کے نصیب میں نہیں ہوتیں۔" اس کا لہجہ بھیگ گیا تھا اور اس کی آنکھیں بھی جھلملا گئی تھیں "مجھے جو ملنا تھا وہ مل چکا آپ کو بھی یقیناً" کوئی اچھی سی لڑکی مل جائے گی۔" اس کے بعد میں نے اس سے کوئی سوال نہیں کیا تھا۔ ایک مکمل خاموشی تھی جو اس کے اور میرے بیچ چھا گئی تھی۔ کچھ سوالوں کے جواب واقعی اتنے تکلیف دہ ہوتے ہیں کہ انسان کو چپ لگ جاتی ہے۔ مجھے بھی چپ لگ گئی تھی۔ اس دن میں نے اسے کالج کے قریب اتار دیا تھا۔ میں غائب دماغی سے کس طرح گاڑی چلا کر گھر واپس آیا تھا مجھے کچھ خبر نہ تھی۔

☆ ☆ ☆

میرا دل بجھ گیا تھا۔ ہر چیز سے میرا دل اچاٹ ہو گیا تھا۔ میرے دل سے خوشی نام کی چیز اس دن نکل گئی تھی میں جو دو سال کے بعد تین مہینے کی چھٹی گزارنے پاکستان آیا تھا اپنوں کے ساتھ ریلیکس کرنے کے لیے بے چین اور بے سکون ہو کر میں نے اگلے ہی ہفتے آسٹریلیا واپس جانے کا فیصلہ کر لیا تھا کیوں کہ میں جانتا تھا مجھے اس جیسی کوئی بھی لڑکی نہیں ملنے والی تھی وہ لڑکی صرف حوریہ تھی۔ مما، پاپا اور زرش نے لاکھ مجھ سے اتنی جلدی واپس جانے کی وجہ پوچھی تھی مگر میرے پاس انہیں بتانے کے لیے کچھ بھی نہیں تھا۔ میں ان دنوں واپس آسٹریلیا جانے کی تیاری کر رہا تھا۔ زرش میرے اچانک واپس جانے کے پلان سے اداس ہو گئی تھی یہی وجہ تھی کہ وہ دو دن سے کالج نہیں جا رہی تھی۔

ان دنوں آخری بار میں نے حوریہ کو تب دیکھا تھا جب وہ اپنے ضروری نوٹس لینے کے لیے زرش کے پاس ہمارے گھر آئی تھی۔

میں اپنے ہی دھیان میں اچانک زرش کے کمرے میں آیا تھا اور وہ بیڈ پہ بیٹھی تھی۔ میں چند لمحے اپنی جگہ

سے مل نہیں سکا تھا۔ پہلی بار اس نے مجھے دیکھ کر نظریں نہیں جھکائی تھیں۔

"آئم سوری میں سمجھا کہ زرش اکیلی ہو گی کمرے میں۔ وہ ایکچوئیلی مجھے زرش سے ایک کام تھا۔" میں بلاوجہ وضاحت کرنے لگا تھا۔ میرا دل ایک بار پھر اسے دیکھ کر دہائی دینے لگا تھا۔

محبت میں برباد ہونے کے لیے بڑا حوصلہ چاہیے ہوتا ہے۔ وہ ایک بے تاب آرزو بن کر میرے دل میں دھڑکی تھی اور اگلے ہی لمحے۔ حوریہ کے انکشاف نے مجھ سے میری دھڑکن چھین لی تھی۔

"اٹس اوکے۔" وہ سنبھل کر بیٹھتے ہوئے دھیرے سے بولی تھی۔

میں کمرے سے نکلنے لگا تھا اور پھر نہ جانے کیوں رک گیا تھا؟ نہ جانے کیوں؟

"میں پرسوں واپس آسٹریلیا جا رہا ہوں۔" توقف کے بعد میں نے اسے اطلاع دی تھی۔ کیوں؟

"اتنی جلدی؟" بے اختیار پوچھا تھا اس نے مگر پھر اپنے ہی سوال پہ شرمندہ ہو کر خاموش ہو گئی تھی وہ۔

"دیر سے جانے اور یہاں رکنے کی وجہ بھی تو نہیں رہی میری پاس۔" میری نگاہیں اس کے جھکے چہرے مرکوز تھی۔ جواباً وہ خاموش رہی تھی اور اپنے ہاتھوں کی لکیریں کھوجنے لگی تھی۔ اس کے چہرے پہ اداسی عود آئی تھی۔

"بہرحال تمہیں تمہاری زندگی میں آنے والی ایک نئی زندگی کی مبارک دیتا ہوں میں۔" میرے لہجے میں دکھ تھا شکست تھی۔ ہار اور مایوسی تھی۔ سب کچھ ٹوٹ جانے کی تکلیف تھی۔

"اوکے اپنا خیال رکھیے گا۔" اس نے بھیگے لہجے میں مجھے تنبیہہ کی تھی۔ پتا نہیں کیوں؟"

اور میں۔ راہم گیلانی۔ کتنی ہی دیر بے بسی سے اسے دیکھتا رہ گیا تھا۔ میری زندگی میں بہت سے کیوں جمع ہو گئے تھے۔ محض ان چند دنوں میں۔

کتنا عجیب ہے ان کا انداز محبت؟
رولا کے کہتے ہیں اپنا خیال رکھنا

میرے شعر پڑھنے پہ ایک بار پھر اس نے اپنا جھکا سر اٹھا کر مجھے دیکھا تھا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو تھے اس کے وہ آنسو۔ جو میرے دل کو رلا رہے تھے۔ بے چین کر رہے تھے تب میں دھیرے سے بولا تھا۔ "کاش دنیا میں کوئی ایسی عدالت ہوتی جس میں مقدمہ محبت درج کروایا جا سکتا۔" میں نے بھیگے لہجے اور دھندلائی آنکھوں سے اسے دیکھا تھا اور کمرے سے باہر نکل گیا تھا۔

٭ ٭ ٭

ابھی تو جذبات نرم ہونٹوں کی اوٹ
سرگوشیوں میں گم تھے ابھی تو ہم
گفتگو کے سانچے میں ڈھل رہے تھے
ابھی تو جذبے مچل رہے تھے ابھی تو دل پگھل رہے تھے

ابھی فلک سے بھی رشتے پختہ نہیں ہوئے تھے
ابھی تو اڑان میں تھی
ابھی تو پہلے جہان میں تھی
ابھی زمانے کو اپنی نظر سے تکنا تھا ہم کو۔
ابھی تو بادل امڈ رہے تھے محبتوں کے
صداقتوں کے
عقیدتوں کے
ابھی تو نقشے سنور رہے تھے
ابھی ہوائیں تھمی ہوئی تھیں
ابھی گھونسلے بکھرنے کے دن نہیں تھے
تو مان لے نا۔
یہ تیرے بچھڑنے کے دن نہیں تھے
تو ایسے بچھڑا کے سارے موسم
اداس لمحوں کی سازشوں میں گھر گئے ہیں
ہمارے جذبات مر گئے ہیں
تو ایسے بچھڑا
بہار رت بھی خزاں جیسی لگی ہے
ابھی تو گلشن میں پھول خوشبو کو ہاتھ باندھے
یہ کہہ رہے ہیں

یہ اپنے کھلنے کے دن تھے لیکن
ہمیں خزاں کے ہاتھ بیچا گیا ہے کیوں کر؟
سنو میری جان!
یہ ایسا کرنے کے دن نہیں تھے
ابھی بچھڑنے کے دن نہیں تھے

اس کے بعد اس کے سامنے ٹھہرا رہنے کی ہمت نہ تھی مجھ میں۔۔۔ نہ جانے کیوں میں اس سے اتنی شدت سے محبت کرنے لگا تھا۔ وہ آہیں تھیں جو آسٹریلیا آکر بھی میرا پیچھا کرتی رہی تھیں۔ میں واپس آکر اسی طرح اسٹڈی کے ساتھ جاب میں مصروف ہو گیا تھا پھر اسی طرح مشینی انداز میں کام کرنے لگا تھا، مگر میرے وجود میں دھڑکنے والا دل رک گیا تھا۔ اس کی مشینری خراب ہو گئی تھی۔ شارٹ سرکٹ کی وجہ سے اس دل میں سب کچھ جل کر خاک ہو گیا تھا۔ بس ایک دھواں سا تھا جو ہر وقت۔۔۔ میرے دل سے اٹھتا رہتا تھا۔۔۔ جیسے کسی مزار پہ جلنے والی اگربتی سلگتی رہتی ہے۔ ویسے ہی اس کی یاد کا دھواں خوشبو بن کر میرے آس پاس سلگتا رہتا تھا۔ محبت ایک گہری چوٹ کی طرح مجھے مسلسل تکلیف دیتی رہی اور پھر ایک دن میں نے سنا تھا کہ اس کی رخصتی ہو گئی تھی۔

اس دن میں کوئی بھی کام نہیں کر پایا تھا۔ میرا جسم بے جان ہو گیا تھا۔ وہ میری پہلی نظر کا عشق تھی دو چار راتوں میں ہی یکطرفہ طور پہ میں نے اس کی سنگت کے نہ جانے کتنے ہی سپنے دیکھ ڈالے تھے؟ محبت اکثر دھوکا دے کر انسان کی جان لیتی ہے۔ بھیس بدل کر جو راہوں میں ملتی ہے اور جان نکال دیتی ہے۔ مجھے بھی اس یکطرفہ محبت نے مار دیا تھا۔ گو کہ حوریہ نے مجھ سے کوئی بھی عہد و پیماں نہیں کیے تھے، مگر میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ وہ میرے علاوہ بھی کسی اور کی ہو سکتی ہے؟ اس کم بخت محبت نے خوا مخواہ مجھے خوش فہمی میں مبتلا کر دیا تھا کہ وہ صرف میری تھی۔ کئی مہینے میں نے اسی ٹرانس کی کیفیت میں گزار دیے تھے اور پھر ایک دن مجھے زرش سے معلوم ہوا تھا کہ حوریہ اپنے شوہر کے ساتھ خوش نہیں تھی۔ اس کا کزن۔۔۔ اس کا حافظ قرآن شوہر اس پہ ہاتھ اٹھاتا تھا اسے مارتا پیٹتا تھا۔ یہ بات سن کر میرا دل اور بھی تکلیف میں آگیا تھا۔ یہ نصیب کی بات تھی۔ میں دل و جان سے اسے چاہتا تھا، مگر وہ میرے نصیب میں نہ تھی اور وہ جس کے نصیب میں تھی وہ اسے چاہتا نہیں تھا۔ وہ میرے لیے بہت خاص تھی، مگر وہ شوہر کے لیے ایک عام اور معمولی سی لڑکی تھی۔

مجھے اس میں دنیا جہاں کی خوبیاں نظر آتی تھیں اس کے شوہر کو اس میں دنیا جہاں کی برائیاں نظر آیا کرتی تھیں۔

میں اس کے حسن کا دیوانہ تھا۔ اس کا شوہر اس کی حد درجہ خوب صورتی سے خائف رہتا تھا۔ وہ مجھے دنیا کی سب سے معصوم اور پاکیزہ لڑکی لگتی تھی۔ اس کا شوہر اسے دنیا کی سب سے چال باز اور مکار لڑکی سمجھتا تھا۔ یہی فرق تھا میری محبت اور اس کے شوہر کی نفرت کے بیچ۔۔۔ مجھے اس کے شوہر کی قسمت پہ رشک آتا تھا، مگر اس کا شوہر اپنی قسمت پہ نالاں رہتا تھا اس کا شوہر سائیکو تھا انتہا پسند مذہبی۔۔۔ اپنے مطلب تک کی احادیث پڑھنے والا۔۔۔ وہ نمازی جس کے عمل نیک نہ تھے۔

پھر مجھے زرش سے معلوم ہوا کہ اس کا شوہر اسے اولاد نہ ہونے کے طعنے دیتا ہے۔ اسے اس بات پہ بھی مارتا ہے۔ اس کے شوہر کا کاروبار ڈاؤن ہو رہا تھا۔ اس کا شوہر اس بات پہ بھی حوریہ کو بد نصیب اور منحوس ہونے کے طعنے دیتا تھا۔

وہ سارا دن اس جاہل مولوی اور اس کے ان پڑھ گھر والوں کی خدمت کرتی تھی اس کے باوجود اس کا شوہر اسے سر آنکھوں پہ بٹھانے کی بجائے جوتے کی نوک پہ رکھتا تھا۔

یوں نت نئے انکشافات سنتے سنتے پانچ سال گزر گئے تھے۔ اس دوران مما اور زرش نے میرے لیے ایک سے بڑھ کر ایک رشتے دیکھے تھے، مگر کوئی لڑکی میرے دل کو نہیں جچی تھی۔ میرا دل راکھ ہو چکا تھا۔ کوئی بھی لڑکی اس راکھ کے ڈھیر پہ اک نیا جہاں آباد

نہیں کر سکتی تھی کوئی بھی لڑکی۔ ان تمام لڑکیوں میں سے حوریہ احسان نہیں تھی نہ بن سکتی تھی نہ ہو سکتی تھی اور پھر ان دنوں میں نے ایک نئی خبر سنی تھی۔ حوریہ کا شوہر دوسری شادی کر رہا تھا اور اسے طلاق دے رہا تھا۔ وہ پانچ سال ایک ظالم شخص کے ساتھ رہی تھی اس کے ہاں اولاد نہیں ہوئی تھی اس میں بھی قصور اس بے چاری کا نہیں تھا مگر پھر بھی سزا کے لیے اسی کو منتخب کیا گیا تھا۔ نجانے عورت اور خاص طور پہ بیوی کو ہی ہر بات پہ کیوں الزام دیا جاتا ہے اسی کو سزا کیوں دی جاتی ہے؟ جو گناہ اس نے کیے نہیں ہوتے؟ جو غلطیاں اس سے ہوئی ہی نہیں ہوتیں؟ ان کی سزائیں ہمیشہ عورت کو ہی کیوں دی جاتی ہیں؟

اس دن پہلی بار ایک مرد ہو کر میں نے عورت کے بارے میں یوں سوچا تھا اور مجھے کوئی جواب نہیں ملا تھا۔ عورت بھی تو ایک ایسے ہی الجھے ہوئے سوال کا ادھورا جواب ہے جو اکثر سمجھ نہیں آتا' میں بھی یہ بات نہیں سمجھ پا رہا تھا کہ اگر اس کا شوہر ایک جاہل میٹرک فیل شخص تھا اور ذہنی طور پر بالکل پست خیالات کا حامل شخص تھا تو اس نے پانچ سال کیسے اس شخص کے ساتھ گزار دیے تھے؟ تب میں نے اس کے خوش رہنے کی دل سے دعا کی تھی مگر میں یہ نہیں جانتا تھا کہ اکثر دل سے نکلنے والی سچی اور پر خلوص دعائیں بھی رائیگاں چلی جاتی ہیں سو میری تمام دعائیں بھی رائیگاں چلی گئی تھیں اور اسے طلاق ہو گئی تھی۔

☼ ☼ ☼

وہ اپنے والدین کے گھر آ گئی تھی۔ یہاں آ کر بھی اسے کچھ نئی چیزوں کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ اس کے دونوں بھائی اپنے بیوی بچوں کے ساتھ ایک مکمل لائف گزار رہے تھے۔ حوریہ کے گھر واپس آجانے سے ان کی زندگیوں پہ کوئی اثر نہیں پڑا تھا۔ تاہم بھابھیوں کے نازیبا رویوں سے اور ان کے سامنے اپنے بھائیوں کو بے بسی کی تصویر بنے دیکھتے ہوئے اس نے ایک فیصلہ کیا تھا۔ کہیں جاب کرنے کا فیصلہ۔ اور پھر وہ کسی پہ

بوجھ بنے بغیر جاب کرنے لگی تھی اپنے اخراجات خود پورے کرنے لگی تھی۔ حوریہ اپنی مطلوبہ بس میں سوار ہوگئی تھی اور ماضی سے جڑی میری سوچیں مجھے بھی حال کی دنیا میں واپس کھینچ لائی تھیں۔ میرے دونوں ہاتھ گاڑی کے اسٹیرنگ پہ جمے ہوئے تھے اور میری نگاہیں اس دور جاتی بس پہ جمی ہوئی تھیں جس میں حوریہ سوار ہوگئی تھی۔

اس دن میں نے حوریہ کو دیکھ کر ایک اور فیصلہ کیا تھا۔ اسے اپنانے کا فیصلہ گو کہ مما میرے اس فیصلے سے بہت زیادہ خوش نہیں ہوئی تھیں میں نے جس حوریہ سے محبت کی تھی وہ حوریہ کسی جنت کی حور سے کم نہ تھی اور اب میں جس حوریہ سے شادی کی بات کررہا تھا وہ حوریہ اب حور نہیں رہی تھی۔ غم دیمک کی طرح اس کے حسن کو کھا گیا تھا۔ وہ ایک طلاق یافتہ عورت تھی۔ اس پہ بانجھ پن کا لیبل بھی لگا ہوا تھا۔

اس صورت حال میں مما کو حوریہ کے لیے منانا انتہائی مشکل تھا۔ اس سلسلے میں۔ میں نے زرش سے ہیلپ مانگی تھی جواباً" زرش نے اس سلسلے میں ایک اچھی چھوٹی بہن اور حوریہ کی بہترین دوست ہونے کا ثبوت دیتے ہوئے مما سے میری بھرپور وکالت کی تھی۔ جس پر مما نیم رضامند ہوگئی تھیں مگر انہوں نے مجھ سے ایک سوال پوچھا تھا اور کتنے ہی لمحے بول نہیں پایا تھا میں۔ میرے اندر ایک لمحے کے لیے خاموشی چھا گئی تھی۔

"راہم مجھے سمجھ نہیں آرہا کہ تم حوریہ سے شادی کی ضد کیوں کررہے ہو؟۔ وہ اب پہلے جیسی خوب صورت نہیں رہی ہے۔ اس کے بانجھ پن کی وجہ سے اسے طلاق دے دی گئی ہے۔ تم میرے اکلوتے بیٹے ہو اگر تمہاری اولاد نہ ہوئی تو۔۔۔؟ میں یہ غم سہہ نہیں پاؤں گی۔" میرے پاس مما کو مطمئن کرنے کے لیے الفاظ نہیں تھے۔ میں کئی لمحے دل ہی دل میں خود سے یہی سوال کرتا رہا تھا پھر دھیرے سے میرے دل نے یقین، روشنی اور سچائی کے ساتھ امید کا ایک نیا راستہ دکھاتے ہوئے چپکے سے میرے کان میں سرگوشی کی تھی۔ وہ سرگوشی جو من وعن میرے لبوں سے ادا ہوگئی تھی۔ مما یہ سچ ہے چھ سال پہلے مجھے حوریہ کے حسن نے ازحد متاثر کیا تھا۔ اور میں اس کی محبت میں یکطرفہ طور پر مبتلا ہوگیا تھا مگر سچی محبت چہروں سے نہیں دلوں سے کی جاتی ہے روح سے کی جاتی ہے چہرے روپ بدل لیتے ہیں۔ زمانے کی تلخیاں گردش کر انسان کے حسن کو ماند کردیتی ہیں۔ ختم کردیتی ہیں مگر روح روپ نہیں بدلتی۔ محبت کبھی بدصورت نہیں ہوتی یہ ہمیشہ خوب صورت اور تروتازہ رہتی ہے۔

اور رہی بات اولاد کے ہونے یا نہ ہونے کی تو یہ بات کہنا نہ مجھے زیب دیتا ہے اور نہ آپ کو جس عزت، ذلت، دولت، غربت، خوشی، غم پہ ہمارا کوئی اختیار نہیں تو ہم یہ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ فلاں کے ہاں اولاد نہیں ہوسکتی؟ فلاں خوش نہیں رہ سکتا؟ فلاں دولت مند بھی غریب نہیں ہوسکتا؟ ہم کون ہوتے ہیں یہ فیصلہ کرنے اور سنانے والے؟ ہم کون ہوتے ہیں یہ باتیں طے کرنے والے؟ ان باتوں کو طے کرنے کا حق تو صرف اللہ کو ہے۔" میری بات پہ مما خاموش ہوگئی تھیں۔ اب ان کے پاس کہنے کو کچھ نہ تھا۔ میں نے انہیں منالیا تھا۔ اب بس مجھے حوریہ کو منانا تھا۔ اسے خود کو اپنا بنانا تھا۔ اور مجھے یقین تھا اب کہ میں نے اسے آسانی سے منالینا تھا۔ گو کہ جب وہ مجھ سے بچھڑی تھی۔ وہ وقت وہ دن اس سے بچھڑنے کے دن نہیں تھے۔ مگر اللہ نے یہ دن چھ سال کے بعد میری زندگی میں شامل کرنے کے لیے منتخب کررکھے تھے۔

کبھی کبھی چیزیں ہمیں وقت پہ نہیں ملتیں۔ مگر مل ضرور جاتی ہیں۔ اس خوب صورت سوچ نے مجھے مسکرانے پہ مجبور کردیا تھا۔ میرے دل کا خالی کمرہ ایک بار پھر حوریہ کے نام سے آباد ہونے والا تھا۔ راکھ کے ڈھیر پہ محبت کا پودا ایک بار پھر کھل اٹھا تھا۔ بکھری ہوئی چیزیں ایک بار پھر اپنے ٹھکانے ڈھونڈنے لگی تھیں۔

میری محبت کی ادھوری کہانی مکمل ہونے والی تھی۔ میری ذات کے اندر بکھرا خزاں کا موسم ایک بار پھر بہار کے موسم میں بدلنے والا تھا۔

☼ ☼

مکمل ناول
نبیلہ ابرراجہ
میں گماں نہیں یقین ہوں
دوسری قسط ۲
WWW.PAKSOCIETY.COM

"اچھا چلو پھر اس پہ بات کریں گے" انہوں نے دل ہی دل میں کسی نتیجے پہ پہنچتے ہوئے مصلحت سے کام لے کر نرم انداز میں بات چیت کا اختتام کرنا چاہا۔ دوسری طرف موجود معاذ نے سکون کی سانس لی اور انہیں اپنا خیال رکھنے کا کہہ کر فون بند کر دیا۔ ملک جہانگیر اپنی سوچوں میں گم تھے۔ کافی دیر سے خاموشی طاری تھی۔

"بابا جان کیا بات ہے آپ خاموش کیوں ہیں۔ معاذ سے کیا بات ہوئی ہے؟" ایبک احترام میں کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد بول پڑا۔ ملک جہانگیر اس کی طرف دیکھ کر پھیکے انداز میں مسکرائے۔

"بس ایسے ہی ادھر ادھر کی باتیں کر رہا تھا بول رہا تھا ابھی نہیں آسکتا۔" وہ خود پہ قابو پا کر نارمل انداز میں بولے۔ ایبک کو کچھ کچھ اندازہ تھا کہ اصل بات کیا ہے کیونکہ معاذ کی آواز فون سے باہر تک آرہی تھی مگر بابا جان اسے ٹال گئے تھے۔ کچھ دیر بعد انہیں سونے کا کہہ کر باہر نکلا تو سامنے ارسلان چچا کے پورشن کی طرف نظر اٹھ گئی۔ اندرونی اور بیرونی سب لائٹیں آن تھیں۔ وہ بلا ارادہ ان کے پورشن کی طرف بڑھا۔ یہ پہلو بہ پہلو ایک جیسے ڈیزائن اور طرز تعمیر کی حامل دو حویلیاں تھیں۔ ایک میں ملک جہانگیر اور دوسری میں ملک ارسلان اپنی بیوی عنیزہ کے ساتھ رہائش پذیر تھے۔ دونوں عمارتیں دو منزلہ تھیں درمیان میں چند فٹ کا فاصلہ حائل تھا۔

ملک ایبک تھوڑی دیر بعد چچا کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ عنیزہ بھی جاگ رہی تھی۔ چچا سے حال احوال دریافت کرنے کے بعد ایبک خاموش ہو کر کچھ سوچنے میں مگن تھا۔ "کن خیالوں میں گم ہو ایبک؟" عنیزہ چچی نے خاموشی کے طلسم کو توڑا تو وہ چونک کر مسکرایا۔ "ابھی سے حسین تصورات میں کھو گئے ہو جناب۔ جبکہ پہلے ہم نے معاذ کے لیے لڑکی دیکھنے جانا ہے۔" ارسلان چچا کا لہجہ شرارت سے بھرا ہوا تھا۔ وہ گڑبڑا سا گیا۔

"تمہیں بھابھی نے بتایا تو ہو گا۔" عنیزہ چچی نے بات آگے بڑھائی ان کا اشارہ افشاں بیگم کی طرف تھا۔ ایبک انہیں بے چارگی سے دیکھ کر رہ گیا۔

"تمہیں اتنا تو پتا ہو گا کہ بھائی جان تمہاری اور معاذ کی شادی ایک ساتھ کرنا چاہتے ہیں۔ معاذ کے لیے تو انہوں نے لڑکی پسند کر لی ہے۔ جبکہ تمہارے لیے کوئی ان کی نظروں میں سما ہی نہیں رہی۔" آخر میں چچا ارسلان شرارت سے مسکرائے تو وہ بھی ہنس دیا۔

"چچا جان ابھی بابا جان کی معاذ سے بات ہوئی ہے وہ شاید شادی اور اس رشتے کے لیے راضی نہیں ہے۔" ایبک نے محتاط الفاظ کا انتخاب کیا۔

"ہاں وہ شروع سے ہی اپنی پسند ناپسند کے بارے میں بہت حساس ہے۔ اس کی یہ عادت ابھی تک نہیں بدلی ہے۔ زندگی کا ساتھی چننے کے معاملے میں بھی وہ بھائی کی پسند پہ اعتبار نہیں کرے گا۔" ارسلان نے صورت حال اور معاذ کے بارے میں درست ترین تجزیہ کیا تھا۔ ایبک اپنی الجھن کو دور کرنے ان کے پاس آیا تھا اور واقعی تھوڑی دیر بعد وہ سب فکریں ذہن سے جھٹک کر ان کے ساتھ مسکرا رہا تھا۔ عنیزہ بہت غور سے اسے تکتے ہوئے دل ہی دل میں جانے کیا کچھ سوچ رہی تھیں۔

☼ ☼ ☼

زیان کالج سے آکر کھانا کھا رہی تھی۔ رحمت بوا اس سے حسب عادت ادھر ادھر کی باتیں کر رہی تھیں وہ پوری دلچسپی سے سن رہی تھی جب انہوں نے ایک سماعت شکن دھماکا کیا۔

"زیان بیٹا آج کل گھر میں تمہاری شادی کی باتیں ہو رہی ہیں۔" بوا نے ادھر ادھر نگاہیں دوڑا کر کسی کے نہ ہونے کا یقین کر کے دبی دبی آواز میں یہ جملہ بولا۔ زیان اپنی جگہ سے کسی اسپرنگ کی طرح اچھلی۔ ہاتھ میں پکڑا روٹی کا نوالہ چھوٹ کر نیچے گر گیا۔

"آپ کو کس نے کہا ایسا؟" ہاتھ میں پکڑا پانی کا گلاس اس نے ٹیبل پہ پٹخنے کے انداز میں رکھا۔ بوا اس کے تیوروں سے سہم گئیں۔ بات ان کے منہ سے

نکل چکی تھی وہ اب پچھتا رہی تھیں کہ ناحق اس ذکر کو چھیڑا۔

"چھوٹی بیگم' امیر میاں سے اس موضوع پہ بات کر رہی تھیں میں دودھ رکھنے ان کے کمرے میں گئی تو کچھ باتیں نہ چاہتے بھی میرے کان میں پڑ گئیں۔" انہوں نے ڈرتے ڈرتے کہا۔

"کیا کہہ رہی تھیں وہ؟" زیان کا اشارہ زرینہ بیگم کی طرف تھا۔ اس نے دانت سختی سے ایک دوسرے پہ جما رکھے تھے۔

"یہی کہہ رہی تھیں کہ اب زیان کی شادی کی فکر کرنی چاہیے۔۔۔ ایک لحاظ سے وہ ٹھیک ہی کہہ رہی تھیں۔ امیر میاں کے جیتے جی تمہیں اپنے گھر کا ہو جانا چاہیے یہاں ایک پل کا بھی اعتبار نہیں ہے۔ پھر امیر میاں بھی تو فالج کے بعد بستر کے ہو کر رہ گئے ہیں۔ ایسے میں چھوٹی بیگم کے سر پہ ہی ساری ذمہ داری ہے نا۔" زیان سن کر گہری سوچ میں ڈوب گئی۔ بوا نے شکر کیا کہ اس نے شور نہیں کیا۔ ورنہ اس سے کچھ بھی بعید نہ تھا۔

زیان انہی قدموں چل کر اپنے کمرے میں آ گئی۔ اس نے شادی کے بارے میں کچھ سوچا نہیں تھا اور ابھی شادی کے نام پہ اس کے خیالات عجیب سے ہو رہے تھے۔ جن کو وہ کوئی بھی معنی پہنانے سے قاصر تھی۔ دبے دبے الفاظ میں پہلے بھی اس کی شادی کا تذکرہ ہوتا تھا مگر اب شاید سنجیدگی سے اس پہ غور و فکر ہو رہا تھا تب ہی تو بوا نے اسے بتایا تھا۔ ورنہ وہ اس کے ساتھ ایسی باتیں کم ہی کرتی تھیں۔

"لگتا ہے زرینہ آنٹی مجھے اس گھر سے بہت جلد رخصت کرانے کے چکر میں ہیں اس سے پہلے ہی مجھے اپنے پیروں پہ کھڑا ہو جانا چاہیے تاکہ گھر والوں کی دست نگر بن کر زندگی نہ گزارنی پڑے۔" وہ بہت حساس ہو کر سوچ رہی تھی۔

امیر علی دو سال پہلے مفلوج ہونے کے بعد بستر کے ہی ہو کر رہ گئے تھے۔ ان کے جسم کا دایاں حصہ سن تھا۔ مفلوج ہونے سے پہلے گھر پہ ان کی حکمرانی تھی۔

زرینہ بیگم اونچی آواز میں بات کرتے ہوئے بھی ڈرتی تھیں۔ امیر علی کے آنکھ کے اشارے تک کو سمجھ جاتیں پر اب وہ خود زرینہ بیگم کے اشارے پہ چلتے۔ زرینہ نے ان کے مفلوج ہونے کے بعد دل و جان سے ان کی خدمت کی ضروریات کا خیال رکھا' ہر طرح سے اپنا فرض ادا کیا' اور کر بھی رہی تھیں بس اب بساط کے مہرے بدل گئے تھے۔ کوئی بھی کام ان کی مرضی کے بغیر سرانجام نہ پاتا۔ امیر علی کی بادشاہت ختم ہو گئی تھی۔

یہ زرینہ بیگم کی حکمرانی کا دور تھا اور وہ اس کے نشے میں چور تھیں۔ رابیل' منال اور آفاق تینوں ان کی طاقت تھے وہ ماں سے خائف ہونے کے علاوہ دبتے بھی تھے۔ انہوں نے گھر میں سختی دیکھی تھی پہلے باپ کی اور اب ماں کی۔

انہیں کوئی فرق نہیں پڑتا تھا کہ حکمرانی کرنے والا کون ہے بس چہرے بدل گئے تھے پہلے امیر علی اور اب زرینہ بیگم حاکم تھیں۔ زیان امیر علی کی سب سے بڑی اولاد تھی۔ اس کا معاملہ اپنے تینوں بہن بھائی سے مختلف تھا۔ زرینہ اسے کسی خاطر میں ہی نہ لاتی تھیں۔ اتنے برس گزر جانے کے بعد زیان بھی بے حس ہو چکی تھی۔ وہ اندر سے باغی اور بے چین روح تھی۔ اپنی بغاوت کو فرو کرنے کے لیے اس کے پاس کوئی راستہ نہ تھا۔ اس کے لب سلے تھے اور دل میں طوفان تھے۔ ان طوفانوں نے جانے کون کون سی تباہی ابھی لانی تھی۔ ابھی تک وہ حدود جاں میں ہی مقید تھے۔

☼ ☼ ☼

رنم دو دن سے کومل کی طرف تھی۔ وہ دونوں کمبائن اسٹڈی کر رہی تھیں۔ اشعر اور فراز بھی روز کچھ گھنٹوں کے لیے کومل کی طرف آ جاتے' تاکہ پڑھائی میں ان کی مدد کر سکیں۔ فراز خاص طور پہ اس سلسلے میں بہت مخلف تھا اپنے محنت سے بنائے گئے نوٹس تک ان کے حوالے کر دیے تھے۔

رنم پہ احمد سیال نے کہیں آنے جانے پہ کبھی کوئی

پابندی نہیں لگائی تھی ہوش سنبھالنے سے لے کر اب تک وہ اپنے فیصلے خود کرتی آئی تھی۔ وہ کسی بھی معاملے میں ان کے سامنے جواب دہ نہیں تھی۔ انہوں نے اسے ہر طرح کی آزادی دے رکھی تھی۔ ساتھ دنیا جہان کی ہر نعمت اس کے قدموں میں ڈھیر کردی تھی۔

کنزی احمد سیال کی محبوب بیوی اور رنم اس بیوی کی محبوب ترین نشانی تھی۔

کنزی سے ان کی شادی زوردار لو افیر کے بعد ہوئی۔ اسے پاکر وہ خود کو دنیا کا خوش قسمت ترین انسان تصور کرتے تھے۔ پر ان کی یہ خوش قسمتی زیادہ عرصہ ان کے ساتھ نہیں رہ پائی۔ کنزی، رنم کو جنم دینے کے صرف چار سال بعد کینسر جیسی موذی بیماری میں مبتلا ہونے کے بعد چل بسی۔ انہوں نے بیوی کے علاج پہ پانی کی طرح پیسہ بہایا اچھے سے اچھے ڈاکٹر کو دکھایا علاج کی خاطر ملک سے باہر تک لے گئے مگر اسے یعنی کنزی کو موت کے منہ سے واپس نہ لا سکے۔ اس کی زندگی ہی مختصر تھی۔ وہ ان کا ساتھ چھوڑ کر ابدی سفر پہ روانہ ہو گئی۔

رنم چار سال کی بھولی بھالی بچی تھی اسے دیکھ بھال کے لیے عورت کی ضرورت تھی۔ یہ ضرورت ایک گورنس اور آیا کے ذریعے پوری ہو گئی۔ رنم انہی کے زیر سایہ عمر کے مدارج طے کرتی گئی۔ احمد سیال کو لوگوں نے شادی کے لیے اکسایا پر وہ جی جان سے بیٹی کی پرورش و تربیت میں مصروف رہے۔

رنم دودھیالی رشتوں کے معاملے میں خاصی بدنصیب واقع ہوئی تھی۔ کیونکہ اس کے پاپا اپنے والدین کی اکلوتی اولاد تھے وہ بھی عرصہ ہوا فوت ہو چکے تھے۔ رنم اپنے دادا دادی کی وفات کے بعد دنیا میں آئی۔

ہاں ننھیال میں اس کی ایک خالہ تھیں جو شادی کر کے لینڈ امیں جا بسیں تھیں ان سے فون پہ ہی رابطہ ہوتا وہ بھی کم کم۔

احمد سیال کاروباری بکھیڑوں اور کامیابیوں میں ایسے مصروف ہوئے کہ پھر مڑ کر کسی چیز کی طرف بھی نہ دیکھا۔ دوستوں، ملنے جلنے والوں نے دوسری شادی کے لیے بہت اکسایا، لڑکیاں دکھائیں آنے والے وقت سے ڈرایا پر وہ اپنے ارادے سے ایک انچ نہ سرکے۔ جسمانی اور جذباتی تقاضے کنزی کے ساتھ ہی مر گئے تھے۔ اب تو رنم جوان ہو گئی تھی۔ ان کے لیے وہی سب کچھ تھی۔

رنم کو انہوں نے ہر قسم کی آسائش اور آزادی دے رکھی تھی۔ اس کے حلقہ احباب میں لڑکے لڑکیاں دونوں تھے ویسے بھی اس کا تعلق معاشرے کی جس کلاس سے تھا وہاں یہ سب برا نہیں سمجھا جاتا تھا۔ رنم پارٹیز اور کلب جاتی، سوئمنگ کرتی، اپنے گھر میں دوستوں کو انوائیٹ کر کے ہلا گلا کرتی۔ احمد سیال اسے دیکھ دیکھ کر خوش ہوتے۔ انہوں نے کومل کے گھر کمبائن اسٹڈی کرنے کی اجازت بخوشی دی تھی۔

پچھلی بار سب دوستوں نے رنم سیال کے گھر رہ کر اگزام کی تیاری کی تھی۔ اس بار کومل کی باری تھی۔

☼ ☼ ☼

راعنہ گروپ کو جوائن ہی نہیں کر پا رہی تھی فراز اور اشعر روز شام کو کچھ گھنٹے کے لیے آجاتے۔ ان کے جانے کی بعد کومل اور رنم پھر سے پڑھائی اسٹارٹ کرتیں پر راعنہ نہیں آتی تھی۔

کومل تو صاف کہتی کہ راعنہ کو اپنے شادی کے خیالوں سے فرصت ملے تو وہ پڑھائی کی بھی فکر کرے۔

وہ آج کل سب دوستوں کی شرارتوں اور چھیڑ کا نشانہ بنی ہوئی تھی۔ وہ تو مزے سے انجوائے کر رہی تھی۔ انہیں کمبائن اسٹڈی کرتے ہوئے چھٹا دن تھا جب ان محترمہ کی شکل نظر آئی۔

کومل اور رنم نے اس کے وہ لتے لیے کہ توبہ ہی بھلی۔ اس نے کوئی احتجاج کیے بغیر کتابیں کھولیں۔ فراز اور اشعر اس کی درگت پہ مسکرانے لگے۔ کومل نے گھور کر اشعر کی طرف دیکھا تو وہ وہیں ہونٹ سیکوڑ کر سعادت مند بچہ بن گیا، پر فراز اپنے مخصوص انداز میں مسکراتا رہا۔

راعنہ سنجیدہ بی بنی پڑھتی رہی۔ پھر کومل نے بھی حیرت انگیز شرافت کا مظاہرہ کرتے ہوئے اسے دوبارہ کچھ نہیں کہا۔ رات گیارہ بجے کے قریب راعنہ کے ہونے والے شوہر شہریار کی کال آئی تو وہ اپنا سیل فون لے کر کمرے کے کونے میں آگئی۔ وہ کافی آہستہ آواز میں بول رہی تھی۔ "کیا کر رہی ہو؟" شہریار نے چھوٹتے ہی پوچھا۔

"میں فرینڈز کے ساتھ مل کر اگزام کی تیاری کر رہی ہوں۔"

"اب سو جاؤ صبح اٹھ کر پڑھ لینا اپنی صحت کا خیال رکھا کرو۔ اسی مہینے ہماری شادی ہے۔" اس نے ڈانٹنے والے انداز میں کہا تو راعنہ نے چور نگاہوں سے ان سب کی طرف دیکھا۔ وہ سب بھی اسی کو دیکھ رہے تھے۔

راعنہ نے شہریار کو خدا حافظ بول کر فوراً" فون بند کر دیا۔ "میں سونے لگی ہوں۔" اس نے کتابیں سمیٹ کر ٹیبل پہ رکھ دیں۔

"ہاں ہاں اب تمہیں پڑھائی کی کیوں فکر ہوگی۔ آپ کے شہریار صاحب نے کہا ہو گا کہ جلد سو جایا کرو تاکہ شادی والے دن خوب صورت ترین نظر آؤ۔" کومل کا اندازہ سو فی صد درست تھا۔ راعنہ جھینپ سی گئی۔ رنم نے بڑی دلچسپی سے راعنہ کی طرف دیکھا جس کے چہرے پہ رنگ ہی رنگ بکھرے محسوس ہو رہے تھے۔ اس حال میں وہ اور بھی دلکش نظر آرہی تھی۔ ویسے بھی رنم اور کومل کی نسبت وہ اتنی بولڈ نہیں تھی کافی حد تک مشرقیت اس میں موجود تھی۔ جس کا اظہار ابھی بھی اس کے رویئے سے ہو رہا تھا۔

فراز صرف اس بات کی وجہ سے راعنہ کو بہت سراہتا اور وہ پھول کر کپا ہو جاتی۔ "میں کل گھر جاؤں گی پاپا سے ملنے ہو سکتا ہے واپس نہ آؤں" رنم نے بھی کتابیں سائیڈ پہ کرتے ہوئے اعلان کیا۔

"ہوں پاپا ز چائلڈ۔" "پتا نہیں شادی کے بعد کیا بنے گا تمہارا۔" کومل نے گہری فکر مندی سے اسے دیکھا تو جواباً" ہاتھ میں پکڑا کشن رنم نے اس پہ اچھالا۔

✿ ✿ ✿

میں چاہوں تجھ کو میری جان بے پناہ

آئینے میں خود کو دیکھ کر بال سنوارتے ہوئے سیٹی پہ شوخ سی دھن گنگناتے وہاب بہت مسرور نظر آرہا تھا۔ روبینہ قدرے دور بیٹھی اس کی تیاری ملاحظہ کر رہی تھیں اور جی ہی جی میں کلس رہی تھیں۔ وہاب کی تیاری ابتدائی مراحل میں تھی آخر میں اس نے خود کو پرفیوم میں تقریباً" نہلا ہی تو دیا۔ روبینہ کے دل میں عجیب عجیب سے خیالات آرہے تھے۔ یقیناً" وہ زرینہ کے گھر جانے کے لیے اتنا اہتمام کر رہا تھا تب ہی تو ان کے دل میں اتھل پتھل ہو رہی تھی۔ ان رہا نہیں گیا اپنی جگہ بیٹھے بیٹھے بیٹے کو آواز دی "وہاب ادھر آؤ میری بات سنو۔"

"جی امی کیا بات ہے؟" وہ پرفیوم کی بوتل ڈریسنگ پہ رکھ کر ان کی طرف آیا۔

"میرے پاس بیٹھو۔" انہوں نے گہری نگاہ سے تک سک سے تیار بیٹے کو دیکھا۔

"جی اماں۔" حیرت انگیز طور پہ وہاب کا لہجہ پیار بھرا تھا۔ وہ لاڈ میں انہیں "اماں" بلاتا تھا۔

"کہیں جانے کی تیاری ہے؟" روبینہ کی نگاہ جیسے وہاب کو آج اندر تک پڑھ رہی تھی۔

"ہاں اماں دوستوں کے ساتھ باہر کھانے کے لیے جا رہا ہوں میری پروموشن ہوئی ہے نا اس لیے وہ سب ٹریٹ کا مطالبہ کر رہے ہیں۔" اس نے تفصیل سے بتایا تو روبینہ کے لبوں سے سکون کی گہری سانس بر آمد ہوئی۔ وہ کچھ اور ہی سوچ رہی تھیں اور بیٹے نے ان کی سوچ کو غلط ثابت کیا تھا پہلی بار انہیں اپنی سوچ کے غلط ثابت ہونے پہ خوشی سی ہوئی۔

"مجھے تم سے ایک بات کرنی تھی۔" انہوں نے ٹھہر ٹھہر کر ایک جملہ بولا۔ "ہاں اماں کریں" وہ سوالیہ نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔ میں چاہتی ہوں اب تمہاری شادی ہو جائے۔ اچھا کما رہے ہو گھر ہے گاڑی ہے "زندگی میں سکون ہی سکون ہے اس لیے میری خواہش

ہے کہ تمہاری شادی ہو جائے۔ تین بہنوں کے اکلوتے بھائی ہو آخر۔ ہمارے بھی تو کچھ ارمان ہیں۔"

"اماں مجھے تھوڑا اور سیٹل ہونے دیں سال چھ مہینے تک اس کے بعد شادی بھی کر لوں گا۔ میں اپنی بیوی کو زندگی کی ہر سہولت اور خوشی دینا چاہتا ہوں۔ ویسے بھی زیان ابھی پڑھ رہی ہے مجھے انتظار تو کرنا ہے۔" آخر میں روانی میں اس کے منہ سے زیان کا نام نکل گیا تو روبینہ ایسے اچھلی جیسے بچھو نے ڈنک مار دیا ہو۔

انہوں نے بہت مشکل سے اپنی اندرونی حالت پہ قابو پایا۔ "ہمارا بھلا زیان کی پڑھائی سے کیا لینا دینا۔"

"اماں مجھے زیان سے ہی شادی کرنی ہے۔" وہاب کی آنکھوں میں زیان کے نام سے ہی جگنو اتر آئے تھے۔ روبینہ کو دل کتنا محسوس ہوا۔ ایک ثانیے کے لیے انہوں نے خود کو وہاب کی جگہ رکھ کر سوچا مگر پھر فوراً اس کیفیت سے پیچھا چھڑایا۔

"امیر علی کبھی نہیں مانیں گے وہ اس کی شادی کم سے کم ہمارے خاندان میں کبھی نہیں کریں گے۔ اس لیے تمہیں کوئی آس لگانے کی ضرورت نہیں ہے۔" روبینہ نے اسے ڈرایا مایوس کرنا چاہا۔

"آپ کو کیسے پتا کہ وہ ہمارے خاندان میں زیان کی شادی نہیں کریں گے؟" وہاب نے سوال کیا۔

"ارے میری زرینہ سے کتنی بار بات ہوئی ہے۔ وہ کہتی ہے امیر علی زیان کی شادی اپنے خاندان میں اپنی مرضی سے کریں گے۔" روبینہ نے بیٹے سے نگاہ چراتے ہوئے سفید جھوٹ بولا۔

"میں بس اتنا جانتا ہوں کہ مجھے ہر صورت زیان سے شادی کرنی ہے چاہے اس کے لیے مجھے کچھ بھی کرنا پڑے۔ میں کروں گا۔" وہاب کے تاثرات میں جارحانہ پن امنڈ آیا۔ روبینہ نے دہل کر بیٹے کی طرف دیکھا۔ اس کا یہ انداز اجنبی تھا بیٹے میں یہ جرات وبے خوفی انہوں نے پہلی بار دیکھی تھی۔

"کیا کر لو گے تم اگر امیر علی نہ مانے تو....." وہ اپنے بدترین خدشات کے حقیقت ثابت ہونے کے خوف سے تھرا گئی تھیں۔

"بہت کچھ کر سکتا ہوں میں۔"

زیان، امیر علی کی اولاد ہے ان کی مرضی وہ ہمیں رشتہ دیں نہ دیں یا جہاں ان کا دل کرے بیٹی کا رشتہ کریں۔"

"نہیں امی جہاں ان کا دل چاہے وہاں نہیں۔ میں اپنی محبت کو کسی اور کا نہیں ہونے دوں گا۔ اٹھا لوں گا میں زیان کو۔ اس کا باپ نہ مانا تو!"

"وہاب۔" روبینہ کی آواز غصے سے چیخ میں ڈھل گئی۔ گویا ان کے بدترین خدشات سچ ثابت ہو سکے تھے۔

"بکواس بند کرو اپنی۔ کسی کی بیٹی کے بارے میں اپنے گھٹیا خیالات کا اظہار کرتے ہوئے شرم آنی چاہیے تمہیں۔ آخر تمہاری بھی تین بہنیں ہیں۔ سب کی عزت سانجھی ہوتی ہے۔" وہاب ان کے چیخنے چلانے کی پروا کیے بغیر گاڑی لے کر جا چکا تھا۔ وہ اپنی سوچوں کے گرداب میں چکرانے لگیں۔ جن کے سپرد ابھی ابھی انہیں ان کے لاڈلے سپوت وہاب نے کیا تھا۔

اس کے لہجہ میں کوئی ڈر خوف یا لحاظ نہیں تھا سو پریشانی فطری تھی۔

☆ ☆ ☆

ملک ایبک، بابا جان کی بات پہ بالکل خاموش سا ہو گیا تھا۔ وہ اس کے دل کی حالت سے بے خبر بولے جا رہے تھے۔ "معاذ کم عقل ہے اسے کیا خبر نسلوں کو چلانے کے لیے اچھی بیوی بہت مشکل سے ملتی ہے جہاں پھٹک کر انتخاب کرنا پڑتا ہے۔ احمد سیال کی بیٹی مجھے بہت اچھی لگی ہے۔

میں نے اسے معاذ کے لیے پسند کیا تھا پر وہ نہیں مان رہا اس لیے میں چاہتا ہوں کہ تم ایک نظر لڑکی دیکھ لو۔ میں اس رشتے کو گنوانا نہیں چاہتا۔ احمد سیال کا خاندان ہمارا ہم پلہ ہے۔ مجھے پوری امید ہے تم انکار نہیں کرو گے۔" ان کے لہجے میں باپ والا مان اور بے پناہ توقعات تھیں۔

"ٹھیک ہے بابا جان جو آپ کا حکم۔" وہ ٹھہر ٹھہر کر بولا۔ "مگر تم بھی تو کچھ بولو۔ یہ شادی تمہارا مستقبل ہے۔"

"بابا جان آپ نے فیصلہ کر تو لیا ہے میں اب اور کیا بولوں۔" ایبک نے پوری کوشش کی تھی کہ اس کے لہجے سے خفگی محسوس نہ ہونے پائے۔

ملک جہانگیر افشاں بیگم کے ساتھ احمد سیال اور ان کی بیٹی کے بارے میں بات کر رہے تھے۔ "آپ نے ایبک سے بات کی تو اس نے کیا کہا؟" افشاں بیگم کا لہجہ اضطراب سے بھرپور تھا۔

"اس نے کیا کہنا تھا بس یہی کہا کہ آپ کی مرضی۔ وہ میرا سعادت مند فرماں بردار بیٹا ہے۔ معاذ کی طرح اپنی من مانی کرنے والا نہیں۔"

"معاذ کو آپ نے اتنا سر چڑھایا ہوا ہے اس کی مرضی پہ چلتے ہیں۔ ایبک بھی تو ہماری ہی اولاد ہے۔ معاذ نے انکار کر دیا بغیر دیکھے اور آپ اسی رشتے کے لیے ایبک کو مجبور کر رہے ہیں۔ یہ انصاف تو نہ ہوا نا۔" افشاں کی خفگی محسوس کرنے والی تھی۔

"ارے نیک بخت میں ایبک کو مجبور نہیں کر رہا ہوں۔ بس اتنا کہا ہے کہ احمد سیال کی بیٹی بہت اچھی ہے۔" انہوں نے جھنجلا کر وضاحت دی۔

"ایبک کی بھی کوئی پسند ہو گی جبکہ آپ اپنی مرضی مسلط کر رہے ہیں۔" افشاں بیگم چڑ سی گئیں۔

"ایبک ایک بار احمد سیال کے گھر میرے ساتھ جائے گا وہاں اسے کچھ سمجھ میں آیا تو ٹھیک ہے ورنہ مجھے اپنی اولاد سے زیادہ کچھ عزیز نہیں۔"

"وہ معاذ کی طرح منہ پھٹ نہیں ہے کہ اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کرے گا۔ آپ نے ایک بار بول دیا ہے نا اب وہ نا نہیں کرے گا۔ میرا بیٹا ہے میں جانتی ہوں اسے اچھی طرح۔ اور پتا نہیں آپ کے دوست کی بیٹی کن عادات کی مالک ہے۔ ہمارا ایبک سلجھا ہوا ذمہ دار بچہ ہے۔" افشاں بیگم کی فکر مندی ماں ہونے کی حیثیت سے تھی۔ ملک جہانگیر اب اس نقطے پہ سوچ رہے تھے۔

"میں تین چار دن تک چکر لگاؤں گا۔ احمد کی طرف اس کے کان میں بات ڈال دوں گا دیکھو پھر کیا ہوتا ہے۔ بعد میں تم سب اس کے گھر چلنا۔" وہ ابھی بھی اپنے ارادے پہ قائم تھے۔

☆ ☆ ☆

افتاں و خیزاں روبینہ صبح وہاب کے آفس جانے کے بعد سیدھی زرینہ کے گھر آپہنچیں۔ ٹیکسی کر کے آئی تھیں پر سانس ایسے پھولا ہوا تھا جیسے میلوں دور سے دوڑتی آئی ہوں۔ امیر علی دوا کھا کے سو رہے تھے زیان اپنے کالج اور باقی سب بچے بھی اپنے اپنے اسکولوں میں تھے۔ زرینہ ٹی وی لاؤنج میں بیٹھیں مشہور چینل پہ ساس بہو کا ڈرامہ دیکھ رہی تھیں۔ روبینہ کو اس وقت اچانک اپنے گھر دیکھ کر حیران ہو گئیں۔ انہوں نے فون کر کے اپنے آنے کی اطلاع بھی تو نہیں دی تھی۔

"کیسی ہیں باجی آپ؟ سب خیر ہے نا؟" زرینہ نے ان کے کندھے پہ ہاتھ رکھا۔ روبینہ کے چہرے پہ بکھرے پریشانی کے رنگ بتا رہے تھے کہ سب خیر نہیں ہے کہیں نہ کہیں کوئی گڑبڑ ضرور ہے۔

"میں اس وقت کسی کے علم میں لائے بغیر تمہارے پاس آئی ہوں۔" انہوں نے اضطراب کے عالم میں دونوں ہاتھ ملے۔

"آپا بتائیں تو کیا بات ہے؟" زرینہ سے برداشت نہیں ہو رہا تھا۔ "وہاب زیان سے شادی کرنا چاہتا ہے۔" انہوں نے آرام آرام سے الف تا ے سب واقعہ ان کے گوش گزار کر دیا۔

"یہ تو مجھے بھی پتا ہے کہ زیان سے وہ شادی کرنا چاہتا ہے۔ ایسے ہی بلاوجہ یہاں کے چکر نہیں لگتے۔ پر مجھے کسی صورت بھی یہ پسند نہیں ہے۔ میں سب کچھ جانتے بوجھتے بھی اندھی گونگی بہری بنی رہتی ہوں۔ وہاب پاگل ہو چکا ہے مگر میں نے اسے کہا کچھ نہیں کیونکہ میری بہن کا بیٹا ہے۔ پر زیان کے ساتھ اس کی شادی کی خواہش کسی صورت بھی پوری نہیں کی جا

سکتی۔ کیونکہ میں ساری عمر ہرگز ذیان کو برداشت کرنے کے موڈ میں نہیں ہوں۔ میں شادی کر کے اس گھر میں آئی تو پہلے دن سے ہی میرے شوہر نے مجھے اس کی اہمیت اور مقام بتایا۔ میں سلگتی کڑھتی رہی۔ امیر علی کو بیٹی بہت عزیز تھی نئی نویلی دولہن سے بھی زیادہ۔ اتنے برس کانٹوں پہ لوٹتے گزارے ہیں میں نے۔ اب وہاب کی وارفتگی مجھ سے چھپی ہوئی نہیں ہے وہ دیوانہ وار اس کے لیے میرے گھر کے چکر لگاتا ہے صرف ایک نظر اسے دیکھنے کی خاطر اور وہ مہارانی سیدھے منہ وہاب سے بات تک نہیں کرتی۔ میرا خون کھول جاتا ہے پر وہاب کو اپنی عزت اور بے عزتی کا کوئی خیال تک نہیں ہے۔ وہ ذیان کے اس اہانت بھرے رویے کو ادا تصور کرتا ہے۔ لیکن اسے یہ ہرگز نہیں پتا کہ ذیان مجھ سے اور مجھ سے وابستہ ہر شخص سے نفرت کرتی ہے۔ کیا آپا آپ ایسی لڑکی کو بہو بنانا پسند کریں گی جو آپ کے بیٹے کی شکل تک نہ دیکھنا چاہتی ہو۔" زرینہ کے ایک ایک لفظ میں نفرت و بے زاری تھی۔ ان کا سوال سن کر روبینہ نے فوراً" نفی میں سر ہلایا۔

"مجھے کیا پڑی ہے اسے بہو بنا کر اپنی زندگی خراب کروں ساتھ بیٹے کی بھی۔ مجھے یہ قیامت تک منظور نہیں ہے۔" روبینہ آپا کے عزم سے زرینہ کے دل میں ٹھنڈک اتری۔ ورنہ انہیں خوف تھا کہ شاید آپا وہاب کی ضد اور محبت سے مجبور ہو کر ذیان اور وہاب کے رشتے کی حمایت نہ کر دیں۔

"ہاں آپا کیونکہ یہ رشتہ کسی طرح بھی آپ کے حق میں مناسب نہیں ہے۔ ذیان مجھ سے بدلہ لینے کے لیے آپ اور وہاب کی زندگی کو اجیرن کر دے گی۔" زرینہ نے آپا کو اور ڈرایا۔

"کچھ کرو زرینہ۔ وہاب تو پاگل ہو رہا ہے اس کلموہی ذیان کے پیچھے کہتا ہے اٹھواؤں گا اسے۔ جب میں نے ڈرایا کہ امیر علی کبھی بھی ہمیں رشتہ نہیں دیں گے۔"

"آپا آپ کی یہ بات سچ ہے واقعی امیر علی ذیان کا رشتہ آپ کو نہیں دیں گے۔"

"ارے نہ دیں رشتہ مجھے اس حور پری کا رشتہ چاہیے بھی نہیں جس نے میرے بیٹے کو پاگل بنا رکھا ہے۔" روبینہ نے ہاتھ نچاتے ہوئے کہا۔

"آپا اس مسئلے کا حل سوچنا پڑے گا ورنہ وہاب مایوسی کی صورت میں کوئی بھی انتہائی قدم اٹھا سکتا ہے۔"

"جلدی کچھ سوچو زرینہ میرا وہاب تو پاگل ہو رہا ہے۔" "میں اس پہ غور کر رہی تھی آپ کے آنے سے پہلے۔" زرینہ کی آواز بہت دھیمی اور سرگوشیوں کی صورت میں تھی۔ حالانکہ اس کی ضرورت نہ تھی۔

☆ ☆ ☆

ملک جہانگیر نے راتوں رات احمد سیال کی طرف جانے کا فیصلہ کیا تھا۔ انہوں نے بیگم افشاں سے بھی مشورہ کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی۔

اب وہ صبح صبح گاڑی میں سامان رکھوا رہے تھے۔ موسمی پھلوں کے ٹوکرے، مٹھائی، خشک میوہ جات، دیگر چیزیں، حتیٰ کہ گھر کے ملازموں تک کے کپڑے بھی اس سامان میں شامل تھے۔ وہ ایبک کے رشتے کی بات چھیڑ کر احمد سیال کے دل کو ٹٹولنا چاہ رہے تھے اس لیے اکیلے ہی اس کے گھر جانے کا فیصلہ کیا تھا۔

چھٹی کا دن تھا احمد سیال گھر پہ ہی تھے۔ ملک جہانگیر کے ساتھ آئے ملازموں نے سامان گاڑی سے اتار کر اندر پہنچایا۔ احمد سیال ان کے استقبال کے لیے خود باہر آئے اور انہیں اندر لے گئے۔

ملک جہانگیر اپنے ہمراہ جو کچھ لائے تھے اس سے صاف ظاہر تھا کہ ان کا آنا بے سبب نہیں ہے۔ کوئی نہ کوئی بات ضرور ہے۔ ورنہ نوکروں سمیت لدے پھندے آنا سوچنے پہ مجبور کر رہا تھا۔ ملک جہانگیر پہلے بھی ان کے گھر آتے تھے اور گاؤں کی سوغات خاص طور پر لاتے اور بھجواتے بھی تھے پر آج نوکروں کے ہمراہ اس طرح آنا معنی خیز تھا۔ چھٹی کے دن ان کی آمد نے اور خاص طور پہ انداز نے احمد سیال کو حیران کر دیا

تھا۔

وہ انہیں لے کر ڈرائنگ روم میں بیٹھ گئے۔ ملک جہانگیر نے خیر خیریت اور دیگر احوال معلوم کرنے کے بعد فوراً" رزم کے بارے میں پوچھا۔ "وہ اپنی ایک دوست کے گھر پہ ہے کچھ دن سے۔ سب دوست مل کر امتحان کی تیاری کر رہے ہیں وہاں۔" احمد سیال نے جواب دیا۔

"اچھی بات ہے ماشاء اللہ۔ رزم بیٹی دیکھتے ہی دیکھتے اتنی بڑی ہو گئی ہے۔"

"ہاں بیٹیوں کو بڑا ہوتے کون سی دیر لگتی ہے۔" احمد سیال مسکرائے۔

"اور بیٹیوں کو بڑا ہونے کے بعد اپنے گھر بھی وداع کرنا پڑتا ہے۔" ملک جہانگیر دھیرے سے بولے تو احمد سیال نے چونک کر ان کی طرف دیکھا۔ تھوڑی دیر رک کر ملک جہانگیر پھر گویا ہوئے۔ "میں تمہارے پاس اپنے بڑے بیٹے ملک ایبک کے رشتے کے سلسلے میں آیا ہوں۔ تم میرے گہرے دوست ہو ہم دونوں کے خاندان ہم پلہ ہیں۔ میں اس دوستی کو رشتہ داری میں بدلنا چاہتا ہوں۔ تمہاری بیٹی کو اپنی بیٹی بنا کر۔" ان کی بات پہ احمد سیال نے سکون کی سانس لی۔

"میں خوش ہوں کہ تم اس مقصد کے لیے میرے گھر آئے ہو۔ مگر میں تمہیں کوئی امید نہیں دلا سکتا۔"

"کیوں۔" یکدم ہی ملک جہانگیر پریشان ہو گئے۔

"میں نے اپنی بیٹی کو لاڈ پیار سے پالنے کے ساتھ ساتھ ہر طرح کی آزادی بھی دے رکھی ہے۔ میں کسی بھی معاملے میں اس پہ اپنی مرضی مسلط نہیں کر سکتا۔ وہ باشعور ہے 'تعلیم یافتہ ہے اپنا اچھا' برا خود سوچتی ہے اور اپنے فیصلے بھی شروع سے خود کرتی آئی ہے۔" ملک جہانگیر کے چہرے پہ مایوسی کی لہر پھیلتی جا رہی تھی جو احمد سیال کی نگاہ سے پوشیدہ نہ تھی۔

"ابھی تو رزم کے اگزام کا چکر چل رہا ہے وہ فری ہو لے تو میں اس کی رائے معلوم کروں گا۔ وہ مان جائے ملاقات کے لیے راضی ہو جائے تو میں تمہیں بتا دوں گا۔" احمد سیال نے ممکن طور پہ ان کی دلجوئی کرنی چاہی۔ ساتھ ہی ملک ایبک کا بھرپور سراپا احمد سیال کے تصور میں آ گیا۔ وہ نظر انداز کرنے کے قابل نہ تھا۔ لیکن یہاں معاملہ لاڈلی بیٹی کا تھا جس نے آج تک اپنی زندگی کا چھوٹے سے چھوٹا فیصلہ بھی خود کیا تھا وہ اسے مشورہ دے سکتے تھے پر اپنی بات ماننے پہ مجبور نہیں کر سکتے تھے۔ اس لیے انہوں نے ملک جہانگیر کو صاف آگاہ کر دیا تھا۔ کہ رزم کی مرضی ضروری ہے۔ ملک جہانگیر واپسی پہ پورے راستہ معاذ کی نافرمانی اور صاف انکار پہ کڑھتے آئے تھے۔

رزم انہیں سوفی صد معاذ کی عادات کا پرتو دکھائی دے رہی تھی۔ معاذ اسے مل لیتا اس کے خیالات سے واقف ہو جاتا تو کبھی انکار نہ کرتا۔

انہوں نے ایک کا رشتہ لے جا کر غلطی تو نہیں کی ہے کیونکہ وہ معاذ کے بالکل برعکس ہے۔ جبکہ رزم کے بارے میں جو احمد سیال نے بتایا تھا وہ ملک جہانگیر کے لیے تھوڑا سا پریشان کن تھا کہ وہ زندگی کے ہر معاملے میں اپنا فیصلہ خود کرنے کی عادی ہے۔ اگر وہ مان جاتی ہے اور یہ شادی ہو جاتی ہے تو عادات کا یہ تضاد ایبک کے لیے پریشانی تو نہیں پیدا کرے گا۔ معاذ کے انکار کے بعد انہوں نے ایبک کا رشتہ لے جا کر غلطی تو نہیں کی ہے۔ وہ اپنے پریشان کن خیالات میں گھرے گھر واپس آئے تھے۔

☼ ☼ ☼

"ملک محل" میں رات کا کھانا کھایا جا رہا تھا۔ کھانے کی ٹیبل پہ پانچ نفوس موجود تھے۔ ملک جہانگیر 'احمد سیال کے بارے میں ہی بات کر رہے تھے۔ ملک ارسلان بیچ بیچ میں سوال کر رہے تھے۔ ایبک بالکل لاتعلق بنا اپنی پلیٹ پہ جھکا کھانا کھا رہا تھا۔

"بھائی جان یہ تو بتائیں کہ لڑکی کیسی ہے؟" عنیزہ چچی نے بھی سوال کرنا ضروری سمجھا۔

"لڑکی ماشاء اللہ خوب صورت ہے یونیورسٹی میں پڑھ رہی ہے اس بار جب میں احمد کے پاس جاؤں گا تو بے شک تم اور ارسلان میرے ساتھ جانا۔" ملک

جہانگیر نے کھلے دل سے آفر کی۔ "ہاں بھائی جان میں تو ضرور جاؤں گی۔"

افشاں بیگم بالکل خاموش تھیں کیونکہ ان کا لاڈلا بیٹا ایبک جو خاموش تھا۔ انہیں ملک جہانگیر کی باتوں سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔

"احمد نے بیٹی کو بڑے پیار سے پالا ہے۔ اس کی ہر خواہش پوری کی ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ شادی جیسے اہم معاملے میں بھی بیٹی کی رضامندی شامل ہو تب ہی تو اس نے کہا ہے کہ جب میری بیٹی راضی ہوئی تو میں آپ کو اپنے گھر آنے کا بول دوں گا۔ بیٹی کا باپ ہے نا۔ جوتیاں تو گھسوائے گا نا۔"

"ایبک اتنا گیا گزرا نہیں ہے کہ احمد سیال کی بیٹی کے ہاں کے انتظار میں بیٹھا رہے۔ میرے بیٹے کے لیے کمی نہیں ہے لڑکیوں کی" افشاں بیگم پہلی بار بولیں۔ انہیں ملک جہانگیر کے آخری جملوں پہ بے پناہ غصہ تھا۔

ملک جہانگیر تاویلیں اور صفائی دے رہے تھے۔ ایبک کھانا کھا کر ٹیبل سے اٹھ گیا۔ افشاں بیگم نے شکوہ کناں نگاہوں سے مجازی خدا کی طرف دیکھا۔ جیسے سارا قصور ان کا ہو۔

"آپ نے ملک صاحب! اپنے دوست کے چکر میں بیٹے کی مرضی یا رائے جاننے کی ذرا بھی زحمت نہیں کی۔ جبکہ لڑکی آپ نے معاذ کے لیے پسند کی تھی معاذ نے انکار کر دیا آپ جھٹ ایبک کے پیچھے پڑ گئے۔" افشاں بیگم کمرے میں آتے ہی شروع ہو گئیں۔ کھانے کی ٹیبل پہ انہوں نے بمشکل تمام اپنا غصہ قابو کیا تھا۔ ایبک کی مسلسل خاموشی سے ان کا دل ہول رہا تھا۔

"ارے نیک بخت احمد سیال میرا پرانا دوست ہے اس کی بیٹی کو دیکھتے ہی میرے دل میں اسے بہو بنانے کا خیال آیا۔ میں نے سوچا لڑکی اور اس کا خاندان اچھا ہے معاذ نے انکار کر دیا ہے تو کیا ہوا ایبک بھی تو میرا بیٹا ہے۔" ملک جہانگیر نے حتی الامکان نرم انداز میں اپنی شریک حیات کا غصہ کم کرنے کی کوشش کی۔

"آپ نے ہم میں سے کسی کو بھی لڑکی نہیں دکھائی اکیلے اکیلے ہی سب طے کر لیا۔ ایبک میرا بھی بیٹا ہے اس کی شادی میں فیصلے میں آپ کو میری رائے پہ بھی غور کرنا چاہیے۔" افشاں بیگم اپنے موقف پہ ڈٹی ہوئی تھیں۔

"اچھا ابھی کون سا میں نے شادی طے کر دی ہے صرف بات ہی تو کی ہے۔" ملک جہانگیر کا مصلحت آمیز نرم لہجہ افشاں بیگم کے اونچے پارے کو نیچے لانے میں کامیاب ہو ہی گیا۔

"میرے بیٹے کو کوئی اعتراض ہوا تو آپ اس کے ساتھ زبردستی نہیں کریں گے۔" وہ اس وقت ضدی بچے کی طرح ہو رہی تھیں۔

"ہاں ٹھیک ہے ایسا ہی ہو گا۔" انہوں نے فوراً اثبات میں سر ہلایا تو افشاں بیگم کے چہرے پہ مسکراہٹ آ گئی۔

☆ ☆ ☆

چھٹی کا دن تھا۔ سب گھر پہ ہی تھے۔ زیان کی آنکھ صبح نو بجے کے قریب ہونے والے شور شرابے کی وجہ سے کھلی۔ امیر علی کی طبیعت رات سے ناساز تھی۔ انہیں تیز بخار تھا اور ابھی تک حالت ویسی ہی تھی۔ زرینہ بیگم آفاق پہ غصہ کر رہی تھیں کہ کسی ڈاکٹر کو جلدی سے لے کر آؤ۔ وہ بول بول کر دل کا بوجھ ہلکا کر رہی تھیں۔ زیان آنکھیں ملتی اپنے کمرے سے باہر نکلی۔ زرینہ آفاق کو باتیں سنا ہی رہی تھیں کہ خوشبو میں بسا نک سک سے تیار وہاب چلا آیا۔ انہیں غصہ تو بہت آیا پر امیر علی کی طبیعت کی وجہ سے پی گئیں ساتھ وہاب نے آتے کے ساتھ ہی ان کی پریشانی کا بوجھ بانٹ لیا۔ وہ الٹے قدموں ڈاکٹر کو لینے چلا گیا۔

گھر میں دو دو گاڑیاں کھڑی تھیں پر ڈرائیور کل سے چھٹی لے کر گاؤں گیا ہوا تھا۔ ہفتے کی شام وہ چھٹی لے کے جاتا اور سوموار کی صبح لوٹ آتا۔ آفاق ابھی بہت چھوٹا تھا ڈرائیونگ کے قابل نہ تھا۔ زیان کو گاڑی یا ڈرائیونگ سے دلچسپی ہی نہیں تھی۔ زرینہ ڈرائیور کی

عدم موجودگی میں بہت غصہ کرتیں جیسے آج آفاق پہ کر رہی تھیں۔ حالانکہ اس کا کوئی قصور نہیں تھا۔ زیان جلدی جلدی منہ پہ پانی کے چھینٹے مار کر واش روم سے باہر آئی۔ آفاق کو سر جھکائے کھڑا دیکھ کر دل میں تاسف اور ہمدردی کی لہر اٹھتی محسوس ہوئی۔ وہ نظرانداز کر کے ابو کے پاس چلی آئی۔ کیونکہ اس کی یہ ہمدردی آفاق کو مہنگی پڑ سکتی تھی۔ وہ زیان کے ساتھ بات بھی کرلیتا تو زرینہ کے ہاتھوں اس کی شامت آتی۔ رفتہ رفتہ زیان نے ہی بہن بھائی کو مخاطب کرنا ہی چھوڑ دیا۔

بخار کی شدت کی وجہ سے امیر علی بے سدھ تھے۔ زیان کچھ دیر وہیں کھڑی رہی پھر ان کے کمرے سے باہر نکل آئی۔

تھوڑی دیر بعد وہاب اپنے ساتھ ڈاکٹر کو لیے گھر میں داخل ہوا۔ تب تک زیان اپنے کمرے میں جاچکی تھی۔ زرینہ اور آفاق دونوں وہاب اور ڈاکٹر کے ساتھ امیر علی کے پاس کھڑے تھے۔ وہاب نے متلاشی نگاہوں سے ادھر ادھر پورے کمرے میں دیکھا جیسے وہاں سے اچانک زیان نمودار ہوگی۔ اس کی نگاہوں کی یہ تلاش پریشانی کے باوجود زرینہ کی آنکھوں سے چھپ نہ سکی۔ نفرت میں ڈوبی زہر بھری مسکراہٹ ان کے لبوں پہ آگئی۔

"بہت جلد میں زیان کو اس گھر سے دفعان کرنے والی ہوں پھر دیکھوں گی کیا کرتے ہو تم۔" ڈاکٹر امیر علی کا چیک اپ کرنے کے بعد وہاب کے ساتھ واپس جارہا تھا۔ وہاب کو پلٹتے دیکھ کر زرینہ نے ایک بار پھر اپنے ارادے کو مضبوط کیا۔

☆ ☆ ☆

زیان نے آہستگی سے کمرے کا دروازہ کھولا۔ وہاب ابھی ابھی ڈاکٹر کو ڈراپ کرنے گیا تھا زرینہ بیگم بھی باہر تھیں۔ زیان چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی امیر علی کے بیڈ کے پاس آکر کھڑی ہوگئی۔ کمبل ان کے سینے تک پڑا تھا اور چہرا بخار کی حدت سے لال ہو رہا تھا۔ قدموں کی آہٹ پہ امیر علی نے آنکھیں کھول دیں۔ سامنے زیان کھڑی انہیں فکرمندی سے دیکھ رہی تھی۔ انہوں نے بمشکل تمام آنکھیں کھولتے ہوئے اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ نقاہت کے سبب ان کا بائیں ہاتھ کانپ رہا تھا۔ یہ شکر کا مقام تھا کہ زیان فالج کے اٹیک کے بعد دو سال کے عرصے میں آہستہ آہستہ ٹھیک ہوگئی تھی۔

زیان نے ان کے پاس بیٹھنے کے خیال سے جھجک محسوس کی۔ کیونکہ اسے یاد نہیں تھا کہ زرینہ آنٹی سے شادی کے بعد انہوں نے اسے اپنائیت سے اپنے پاس بٹھایا ہو۔ اب اس کے جذبوں اور دل میں خود بہ خود ہی دوری آگئی تھی۔ اس نے چاہنے کے باوجود بھی کرسی پہ بیٹھنا پسند کیا۔ امیر علی کے دل کو کسی دکھ نے جکڑا تو مارے کرب کے انہوں نے آنکھیں بند کرلیں۔

"ابو کیسی طبیعت ہے اب آپ کی؟" زیان نے اپنے آنسو پینے کی کوشش کرتے ہوئے پوچھا جو امیر علی کی اس بے بسی و بے چارگی پہ آنکھوں سے امنڈنے کو تیار تھے۔ اس سے پہلے کہ وہ کوئی جواب دیتے زرینہ اچانک اندر آئیں۔

"ڈاکٹر نے آپ کو آرام کرنے کو کہا ہے۔" زیان کی طرف دیکھتے ہوئے انہوں نے یہ بات امیر علی سے کہی۔ ساتھ ہی زرینہ بیگم نے کمرے میں جلتی وہ لائیٹ بھی بند کردی جو زیان کی آمد سے پہلے جل رہی تھی۔ کمرے میں اچانک ملگجا سا اندھیرا چھا گیا کیونکہ کھڑکیوں اور دروازے پہ بھاری پردے تھے۔ پھر موسم بھی ابر آلود تھا سورج کی روشنی ندارد تھی۔ آسمان پہ ڈھونڈے سے بھی روشنی کی کوئی کرن نہیں مل رہی تھی۔

زیان نے وہاں بیٹھے بیٹھے شدید ہتک محسوس کی۔ کرسی پیچھے کرکے وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ اس کے جانے کے بعد زرینہ نے سکون کی سانس لی۔ زیان اور امیر علی کی قربت انہیں ایک آنکھ نہ بھاتی تھی۔ کسی نہ کسی بہانے زیان کو اپنے شوہر سے دور کرکے انہیں یک گونہ خوشی ملتی۔

امیر علی کے چہرے پہ چھائے دکھ کے سائے اچانک کچھ اور بھی گہرے ہوگئے۔ زرینہ اپنی خوشی میں

محسوس ہی نہ کرپائیں۔ امیر علی صرف اور صرف اس کے تھے بلاشرکت غیرے۔ زرینہ نے زیان کو دودھ میں سے مکھی کی طرح نکال کر پھینک دیا تھا۔

"اب آپ کچھ بہتر محسوس کررہے ہیں؟" زرینہ کا ہاتھ ان کے ماتھے پہ تھا۔ امیر علی کو اس وقت زرینہ کا ہاتھ کوڑیالے ناگ کی طرح ڈستا محسوس ہو رہا تھا۔ انہوں نے اپنے ماتھے پر سے زرینہ کا ہاتھ ہٹادیا۔ لیکن اب انہیں پروا نہیں تھی کیونکہ زیان یہاں کمرے میں نہیں تھی۔

"تم نے اچھا نہیں کیا ہے زرینہ۔ زیان چلی گئی ہے۔ پہلے ہی وہ مجھ سے صدیوں کے فاصلے پہ کھڑی ہے۔ تمہیں کیا ملتا ہے میری یہ چھوٹی سی خوشی چھین کر۔" امیر علی کی آنکھیں بند تھیں۔ مگر ان بند آنکھوں کے پیچھے جو غصہ اور بے بسی تھی زرینہ کو اس کا اندازہ تھا۔

"میں نے اپنی محبت ' چاہت اعتبار سب کچھ تمہیں سونپا پر اس کے باوجود تمہاری تنگ دلی نہیں جاتی۔ زیان کے ساتھ تم ایسا کیوں کرتی ہو۔ کیوں باربار اسے یہ احساس دلاتی ہو جیسے وہ میری بیٹی ہی نہ ہو اس کی کوئی اہمیت ہی نہیں ہے۔ وہ زیرو ہے میری زندگی میں۔" بولتے بولتے ان کی آواز رنج سے بھرا سی گئی۔

"ارے آپ خوامخواہ ایسا سوچ رہے ہیں میں نے کبھی اسے یہ احساس نہیں دلایا ہے۔ خون کا اثر ہے یہ۔ اس کی ماں بھی تو ایسی تھی نا۔ آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ فضول کی سوچوں کو ذہن پہ سوار مت کریں۔" زرینہ ان کا سر دبانے بیٹھ گئیں۔ جیسے کوئی بات ہی نہ ہوئی ہو۔

امیر علی تھک ہار کر خاموش ہو گئے۔ کیونکہ زرینہ ہار ماننے والی نہیں تھیں۔ اس کا اندازہ انہیں اپنی بیماری کے دوران اچھی طرح ہو گیا تھا اور ہو بھی رہا تھا۔ "اچھا آپ کے لیے کھانے کیا بنواؤں؟" کمرے میں چھائی وحشت ناک خاموشی کو زرینہ نے توڑنا چاہا۔

"جو مرضی بنالو۔"

"پھر بھی آپ کا دل کوئی خاص چیز کھانے کو کر رہا ہو تو۔" وہ اصرار پہ اتر آئیں۔

"نہیں مجھے بھوک نہیں ہے۔ جو بنا ہوا کھالوں گا۔" ان کی بے نیازی بدستور قائم تھی۔ "میں بوا سے کہتی ہوں کھیر بنالے آپ کو پسند بھی تو ہے نا۔" جواباً امیر علی خاموش رہے جیسے بات نہ کرنا چاہ رہے ہوں۔

زرینہ پہ کوئی اثر نہیں ہوا۔ وہ بدستور مسکراتی کچن کی طرف آگئیں۔ رحمت بوا وہیں تھیں زرینہ نے انہیں کھیر بنانے کا بول کر زیان کی تلاش میں ادھرادھر نظر دوڑائی۔ پر وہ سامنے کہیں بھی نظر نہیں آرہی تھی۔ زرینہ کے سینے سے آسودہ سانس خارج ہوئی۔ وہ دوبارہ امیر علی کے کمرے کی طرف جانے ہی والی تھیں کہ وہیں رک گئیں۔ وہاب ڈاکٹر کو چھوڑ کر واپس آرہا تھا۔ وہ آتے ہوئے میڈیکل اسٹور سے امیر علی کی دوائیاں بھی لے آیا تھا۔ اس نے دوائیوں کا شاپر زرینہ بیگم کے حوالے کیا اور خود صحن میں پڑی کرسی پہ ڈھیر ہو گیا۔

زرینہ بیگم نے وہیں سے رابیل کو آواز دی کہ دوائیاں اندر لے جا کر رکھ دے۔ وہاب زرینہ سے باتوں میں مصروف تھا۔ بوا اس کے لیے ناشتا بنا رہی تھیں کیونکہ وہ گھر سے ناشتا کیے بغیر آیا تھا۔

اتوار کے دن اس کا خاص چکر لگتا تھا خالہ زرینہ کی طرف۔ دن کا بیشتر حصہ یہاں گزارنے کے بعد وہ شام ڈھلے واپسی کی راہ لیتا۔ آج بھی وہ اپنے پرانے معمول پہ کاربند رہا۔

صحن میں بہت ٹھنڈ تھی۔ زرینہ اور وہاب دونوں سٹنگ روم میں آگئے جہاں ہیٹر جلنے سے خوشگوار گرمائش پھیلی ہوئی تھی۔

وہاب کی نگاہیں مسلسل کچھ ڈھونڈ رہی تھیں پر گوہر مقصود مل کے نہیں دے رہا تھا۔ اس کی نگاہوں کی بے چینی و بے قراری صاف ظاہر تھی۔ زرینہ واقف تھیں پر جان کر انجان بن گئیں۔

بوا نے ناشتا کمرے میں لا کر رکھا۔ گرم گرم پراٹھے کے ساتھ آملیٹ کھاتے ہوئے اور چائے سپ کرتے ہوئے وہاب کا دل زیان میں ہی اٹکا رہا۔

رحمت بوا نے کھانا بنایا' سب کو دیا' پھر دوسری کام والی لڑکی ثمینہ نے کچن سمیٹا' برتن دھوئے' اپنی جگہ پہ رکھے۔ بادل لحہ بہ لحہ گہرے ہوتے جا رہے تھے دوپہر کا وقت تھا پر رات کا سماں محسوس ہونے لگ گیا تھا۔ زیان باوجود کوشش کے بھی وہاب کو نظر نہیں آئی تھی۔ وہ اپنے کمرے میں تھی اور دروازہ اندر سے بند تھا۔

وہاب اس کے کمرے کے سامنے سے کتنے چکر لگا چکا تھا۔ ابر آلود موسم کی وجہ سے سب اپنے اپنے کمروں میں دبکے پڑے تھے۔

ایک وہی تھا جو اس سرد موسم میں اس سرد مہر لڑکی کی ایک جھلک دیکھنے کے لیے مرا جا رہا تھا۔ تھک ہار کر وہ ٹی وی لاؤنج میں بیٹھ گیا اور ریموٹ کنٹرول کے بٹن خوا مخواہ دبانے لگا۔ یہ مشغلہ اکتا کر رکھ دینے والا تھا۔

آسمان سے بادلوں کی گڑگڑاہٹ اور گرج کی صورت میں صدائے احتجاج بلند ہوئی تو اسے سب کچھ ہی فضول لگنے لگا۔ بارش کسی بھی وقت شروع ہو سکتی تھی وہ جیکٹ کے کالر اونچے کر کے زرینہ کے گھر سے نکل آیا۔ خالہ خدا حافظ کہنے اور چھوڑنے گاڑی تک اس کے ساتھ ہی آئیں۔ وہاب کے چہرے کی پژمردگی اور ویرانی ان کی دلی خوشی کو بڑھا رہی تھی۔

☼ ☼ ☼

رنم نے اپنے گھر سے کچھ ضروری چیزیں لینی تھیں۔ وہ ایسے وقت آئی جب احمد سیال گھر پہ ہی تھے۔ وہ آدھ گھنٹہ پہلے ہی پہنچے تھے۔ وہ پاپا کے گلے لگ گئی۔ "پاپا میں ٹائم پہ پہنچی ہوں نا۔" وہ شوخی سے ان کی آنکھوں پہ لگے گلاسز اتار کر خود پہنتے ہوئے بولی۔

"ہاں تم اور میں دونوں ٹائم پہ آئے ہیں کھانا اکٹھے کھائیں گے۔"

او کے پاپا میں چینج کر کے آتی ہوں ساتھ مجھے اپنے کچھ کپڑے لینے ہیں۔ واپس بھی تو جانا ہے نا۔"

"ہاں تم نے جو کرنا ہے کرو جب تک کھانا بھی لگ جائے گا۔"

"او کے پاپا۔" وہ بال جھلاتی منظر سے ہٹی۔ کپڑے ملازمہ نے نکال کر رکھ دیے تھے اور کھانا بھی تیار تھا۔ احمد سیال اس کے انتظار میں تھے۔ "اگزام کی تیاری کیسی چل رہی ہے؟" وہ واپس ڈائننگ ٹیبل پہ آ کر بیٹھی ہی تھی کہ پاپا نے پوچھا۔

"پاپا تیاری تو اے ون ہے۔ آپ سنائیں مجھے مس تو نہیں کیا؟" وہ مسکراتے ہوئے دریافت کر رہی تھی۔

"ارے روز مس کرتا ہوں پھر یہ سوچ کر خاموش ہو جاتا ہوں دل کو تسلی دے لیتا ہوں کہ ایک دن تمہیں اس گھر سے جانا ہی تو ہے۔" اداسی ان کی آنکھوں سے عیاں تھی۔

"اوہو پاپا آپ تو بہت کل فادر لگ رہے ہیں۔" رنم نے ہنستے ہوئے بریانی کی ڈش سے چاول نکالے۔

"ہاں تم ٹھیک کہہ رہی ہو شاید۔ بیٹی کے معاملے میں ہر باپ کی سوچ اور فکر مندی ایک جیسی ہوتی ہے۔ اینی وے تمہارے لیے ایک خبر ہے میرے پاس۔" احمد سیال نے بغور اس کی طرف تکتے جیسے اس کا رد عمل جاننا چاہا۔ "کیسی خبر؟" اس نے بھنویں اچکائیں۔

"میرے ایک دوست ہیں ملک جہانگیر تم نے نام تو سنا ہوگا۔ ابھی کچھ دن پہلے ہمارے گھر آئے بھی تھے۔ تم سے خیر خیریت بھی پوچھی تھی۔"

"ہاں ہاں وہی انکل چوہدری ٹائپ سے۔" رنم کی بے اختیار کہی گئی بات پہ احمد سیال کو ہنسی آ گئی۔

"ارے وہ چوہدری ٹائپ نہیں ہے اپنے علاقے کا بہت بڑا جاگیردار ہے۔ خیر وہ اپنے بیٹے کا پرپوزل لائے ہیں تمہارے لیے میں چاہتا تھا تمہارے اگزام ہو جائیں تو تم سے شیئر کروں پر تم کو دیکھ کر رہا نہیں گیا۔" انہوں نے وضاحت دی۔

"پاپا ابھی تو میں بہت بزی ہوں۔ بعد میں اس ٹاپک پہ بات ہوگی۔" وہ جلدی جلدی کھانا کھا رہی تھی۔

"ایز یو وش بیٹا۔" ہمیشہ کی طرح اس بار بھی احمد

سیال نے بال اس کے کورٹ میں ڈال دی۔ کم سے کم انہوں نے رنم کو اس پروپوزل کی بابت بتا تو دیا تھا۔ باقی کا بعد میں سوچنا تھا۔

رنم کھانے کے بعد زیادہ دیر رکی نہیں جلدی چلی گئی۔

☆ ☆ ☆

اگزام شروع ہونے والے تھے۔ درمیان میں صرف دو دن باقی تھے اور راعنہ کا دل پڑھائی میں کم اور خیالوں میں زیادہ ڈوبا ہوا تھا۔ اس کی اس کیفیت کو سب ہی نوٹ کر رہے تھے۔ فراز کئی بار ڈانٹ چکا تھا۔ اشعر آیا ہی نہیں تھا۔ رنم الگ بیٹھ کر پڑھ رہی تھی۔ راعنہ کی طرح وہ بھی الجھی ہوئی تھی۔ پاپا نے پروپوزل کی بابت بتا کر اس کی توجہ منقسم کردی تھی۔ اگر وہ اس کے اگزامز ہونے تک انتظار کر لیتے تو اچھا تھا۔ یہ رنم کی اپنی سوچ تھی۔ وہ جوانی کی حد میں قدم رکھ چکی تھی۔ لڑکوں کے ساتھ اس کی فرینڈشپ تھی اکٹھے گھومنا پھرنا، شاپنگ، پکنک، گٹس گیدرنگ سب کچھ ہی تو تھا پر اس نے بھولے سے بھی نہ سوچا تھا کہ شادی بھی ہوگی

"پاپا نے تو ڈسٹرب ہی کر دیا ہے۔" اس نے جھنجلا کر خود سے کہا۔

کومل نوٹ کر رہی تھی کہ اس کا پڑھائی میں دھیان نہیں ہے۔ "کیا ہوا انم۔ تم کچھ اپ سیٹ نظر آ رہی ہو؟" کومل نے اپنائیت سے پوچھا تو راعنہ اور فراز بھی متوجہ ہو گئے۔

"یار میں گھر گئی تھی...." وہ بولتے بولتے رک گئی۔ جیسے الفاظ جمع کر رہی ہو۔

"ہاں پھر کیا ہوا گھر گئی تھی تو....؟" فراز نے بے تابی سے پوچھا۔ کومل اور راعنہ نے معنی خیز نگاہوں سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔

کچھ تو تھا فراز کے انداز میں جو خاص تھا۔ "میرے لیے ایک پروپوزل آیا ہے۔ پاپا بتا رہے تھے" اس نے عجیب سے انداز میں کہا تو کومل چیخ ہی پڑی۔

"کیسا پروپوزل؟" فراز نے خاصی ناگواری سے کومل کی طرف دیکھا اس میں چیخنے کی تک نہیں تھی۔ راعنہ نے بھی ناراضی سے کومل کو آنکھیں دکھائیں۔

"ہاں یار پروپوزل۔ پاپا کے کوئی فرینڈ ہیں ان کا بیٹا ہے۔" اس نے رسان سے بتایا تو کومل نے فراز کے چہرے پہ کچھ تلاش کرنا چاہا پر ہمیشہ کی طرح ناکام ہوئی۔

"پھر تم نے دیکھا کیسا ہے کون ہے کیا کرتا ہے؟" کومل کو عجیب سی کھوج لگی تھی "مجھے کل ہی تو پاپا نے بتایا ہے کیسے دیکھتی نہ مجھے اس کے بارے میں زیادہ علم ہے۔" وہ چڑ سی گئی۔

"او اچھا اچھا ایزی رہو۔" راعنہ نے کومل کو گھورا "تم دیکھ نہیں رہی رنم ڈسٹرب ہے۔"

"او کے میں اب کسی سے کچھ بھی نہیں کہتی" کومل نے منہ پھلا لیا۔

"مجھے اتنا ہی پتا ہے جو پاپا نے بتایا ہے۔ میں نے کوئی سوال اپنی طرف سے نہیں کیا" رنم کومل کی خفگی محسوس کر کے رسان سے گویا ہوئی۔

"کتنا مزا آئے گا نا رنم تمہاری شادی پہ" کومل کا یہ جملہ بیساختہ تھا۔ راعنہ اور فراز مسکرانے لگے۔ یہ طے تھا وہ بدلنے والی نہیں تھی۔

"پھر تم ہاں کرو گی لڑکے والے جب تمہارے گھر آئیں گے؟" کومل کی طرف سے ایک اور احمقانہ سوال آیا۔ جس کا جواب رنم نے عقل مندی اور حاضر دماغی سے دیا۔

"یہاں ساری بات میری مرضی کی ہے۔ زبردستی والا حساب نہیں ہے۔ نہ پاپا مجھے پریشرائز کر سکتے ہیں۔ انہوں نے ساری بات مجھ پہ چھوڑ دی ہے۔ اگر لڑکا اس کے گھر والے مجھے پسند آئے تو بات آگے بڑھے گی ورنہ نہیں۔" اس کے لہجے کا اعتماد قابل دید تھا۔

راعنہ نے رشک سے اس کی سمت دیکھا۔ "کتنی لکی ہو تم رنم۔" فراز اس دوران خاموشی سے ان کی باتیں سن رہا تھا۔

کومل اور راعنہ کسی کام سے باہر آ گئیں تو رنم نے کھل کر پروپوزل کے بارے میں اس سے بات کی۔

آخر کو وہ اس کا کلوز فرینڈ تھا۔ اس نے پورے سکون سے رنم کی بات سنی مناسب مشورے سے نوازا تو وہ بالکل ہلکی پھلکی ہو گئی۔ فراز ایسا ہی حساس اور مخلص دوست تھا۔ اس سے شیئر کر لینے کے بعد رنم خود کو ہر بوجھ سے آزاد محسوس کرتی۔

☼ ☼ ☼

روبینہ' وہاب کا مطالبہ سن کر دونوں ہاتھوں سے سر پکڑ کر بیٹھی تھیں۔ وہاب اطمینان سے کرسی پہ بیٹھا پاؤں ہلا رہا تھا۔ روبینہ کو ایسے محسوس ہو رہا تھا جیسے سب اس کی سماعت کا دھوکہ ہو جو کچھ دیر قبل اس نے سنا۔

"امی آپ میرا رشتہ لے کر زرینہ خالہ کے گھر جائیں فوراً۔" وہ بالکل عام سے لہجے میں بات کر رہا تھا۔

"تمہیں میں نے اس دن بتایا تو تھا کہ امیر علی خاندان سے باہر رشتہ نہیں دیں گے ساتھ ذیان ابھی پڑھ رہی ہے۔" زرینہ سے کی گئی تازہ ترین گفتگو ان کے ذہن میں تازہ تھی وہ بھلا کس برتے پہ اس رشتے کی حمایت کرتیں۔

"انہیں ذیان کا رشتہ ہر حال میں مجھے دینا ہو گا۔" وہاب کے انداز میں جارحیت تھی۔

"ان کی بیٹی ہے ذیان مرضی ہے ان کی' رشتہ دیں نہ دیں اور وہ تو تمہیں پسند نہیں کرتی۔ آج تک سیدھے منہ اس نے تم سے بات تک تو کی نہیں اور تم شادی کے لیے مرے جا رہے ہو۔ حد ہوتی ہے اپنی بے عزتی کروانے کی۔" روبینہ نے اس کی سوئی غیرت کو للکارنا چاہا پر اس کا الٹا ہی اثر ہوا۔

"شادی سے پہلے سب لڑکیاں ایسی ہی ادائیں اور نخرے دکھاتی ہیں بعد میں سیٹ ہو جاتی ہیں۔ ذیان کو بھی آپ اس حال میں دیکھیں گی کہ میرا گھر سنبھال رہی ہو گی۔ میرے بچے پال رہی ہو گی۔" جوش جذبات میں وہ ضرورت سے زیادہ ہی بول گیا تھا۔

"چھوڑ دے یہ خواب دیکھنا وہاب۔ میری بات مان جاؤ۔"

"امی آپ سے بول رہا ہوں نا۔ آپ ذیان کے لیے جائیں گی کہ نہیں ورنہ میں اسے اغوا کر کے زبردستی نکاح پڑھوا لوں گا' اگر وہ مجھے نہ ملی تو اسے گولی مار کر خود بھی مر جاؤں گا۔" وہاب کے لہجے میں مذاق کا شائبہ تک نہ تھا۔ روبینہ ماں تھیں اندر تک دہل کر رہ گئیں۔ کچھ بھی تھا وہ اپنے کڑیل جوان بیٹے کو خود کشی کرتے تو دیکھ نہیں سکتی تھیں۔

ذیان ان کے لاڈلے بیٹے وہاب کی محبت تھی۔ وہ بیٹے کی خاطر زرینہ کے آگے جھولی پھیلانے جائیں گی۔ کیا ہوا جو ذیان وہاب کو یا ان سب گھر والوں کو منہ نہیں لگاتی۔ وہ وہاب کی خوشی کے لیے یہ بھی برداشت کر لیں گی۔ اس طرح وہاب تو خوش رہے گا نا۔

وہ زرینہ کو بھی سمجھائیں گی پرانی رنجشوں کو بھول جائے آخر کو اتنے سال گزر گئے ہیں۔ کچھ بھی ہو وہ وہاب کو کسی بھی قسم کا نقصان پہنچتے نہیں دیکھ سکتی تھیں۔

☼ ☼ ☼

زرینہ کا چہرہ سوچوں کی آماجگاہ بنا ہوا تھا۔ تھوڑی دیر پہلے ہی روبینہ آپا وارد ہوئی تھیں۔ وہ حسب معمول ٹی وی پہ اپنا پسندیدہ ڈرامہ دیکھ رہی تھیں جو ری ٹیلی کاسٹ ہو رہا تھا۔ آپا کے آنے کے بعد ڈرامے میں ان کی ساری دلچسپی ختم ہو گئی تھی بلکہ انہوں نے ریموٹ کنٹرول کا بٹن دبا کر ٹی وی بند ہی کر دیا۔ ان کے کانوں میں تو جیسے سائیں سائیں ہونے لگی تھی ورنہ وہ تو مزے سے ڈرامہ دیکھتے ہوئے کافی کا مگ لیے وقفے وقفے سے سپ کرتے اپنے اردگرد کے ماحول تک سے بے خبر تھیں۔ اب کافی کا آدھے سے زیادہ مگ جوں کا توں پڑا تھا۔

بوا کچن میں مصروف تھیں وہ کھانا بنانے کے ساتھ ساتھ ذیان کے لیے سوئیٹ ڈش کے طور پہ دودھ والی سویاں بنانے کی تیاری کر رہی تھیں اسے بے حد پسند تھی۔ زرینہ اور روبینہ دونوں بہنیں کمرا بند کیے بیٹھی

تھیں ہلکی سی آواز تک نہ آرہی تھی۔ روبینہ کی تین ہفتوں میں دوبارہ آمد خالی از علت نہیں تھی۔ پہلے بھی آئی تھیں تو بوا نے ان کے چہرے پہ پریشانی کے سائے ناچتے دیکھے تھے اور آج تو ان کا چہرا ایسے ہو رہا تھا جیسے کسی نے خون تک نچوڑ لیا ہو۔

"میں وہاب کی ماں ہوں پہلے اس نے کبھی میرے سامنے ایسی بات نہیں کی مجھے لگتا ہے وہ کہنے سننے کی حد سے باہر ہو گیا ہے۔ تم نے زیان کی شادی کہیں نہ کہیں تو کرنی ہے نا۔ اگر وہاب سے اس کی شادی ہو جائے تو کیا برائی ہے۔" روبینہ نے آخری جملہ بڑے رسان سے کہا پر زرینہ پہ اس کا الٹا اثر ہوا۔

"آپا کم از کم آپ سے مجھے اس بات کی توقع نہیں تھی آپ کو میرا تکلیف بھرا وقت بھول گیا ہے جب امیر علی نے پہلے دن سے ہی میری نفی کی۔ اپنی بیٹی کی نوکرانی سمجھتے رہے مجھے وہ حق اور محبت نہیں دی جس کی میں توقع کر رہی تھی۔ پہلی بیوی کی بے وفائی سے اکتائے ہوئے میرے شوہر نے مجھ پہ بے جا سختیاں کیں۔ آپ سوچ بھی نہیں سکتیں آپا کہ میں نے کس طرح وہ ٹائم گزارا۔ اب کہیں قسمت مہربان ہوئی ہے مجھ پہ تو۔۔۔ تو میں ہار نہیں مانوں گی۔ زیان نفرت کرتی ہے مجھ سے۔ میرے وجود کو طوعاً "کرہاً" برداشت کیا ہے اس نے۔ رگ رگ میں زہر ہے اس کی میں کیسے برداشت کروں گی کہ وہ باقی عمر بھی میرے سینے پہ مونگ دلتی رہے۔۔۔ آپا آپ نے بھی خوب کہی ہے وہاب اور زیان کی شادی کی۔" زرینہ سانس لینے کے لیے ذرا رکی۔

روبینہ غور سے اس کی ایک ایک بات سن رہی تھیں حالانکہ سب پرانی بار بار کی دہرائی جانے والی باتیں تھیں کچھ بھی نیا پن نہیں تھا یا کم از کم روبینہ کے لیے وہ نئی بات نہیں تھی۔ کیونکہ زرینہ شروع سے ہی امیر علی کی سختیوں اور زیادتیوں کے قصے خاندان بھر کو سناتی آئی تھیں۔

اب تو سب ہی ان داستانوں کے عادی ہو گئے تھے پر پھر بھی روبینہ پوری دلچسپی سے سن رہی تھیں آخر کو زرینہ ان کی چھوٹی بہن تھی۔

"زیان نے آج تک خود سے کبھی وہاب کو مخاطب تک نہیں کیا ہے۔ سلام بھی ایسے کرتی ہے جیسے لٹھ مار رہی ہو۔ ایسی لڑکی کو ساری عمر آپ بہو کے روپ میں قبول کر لیں گی۔ وہ کسی اور کو پسند کرتی ہے ماں کا کچھ نہ کچھ اثر تو آیا ہو گا بیٹی میں بھی۔ آپ شوق سے اسے بیاہ لے جائیں گی اور شادی کے بعد وہ اپنے عاشق کے ساتھ آپ سب کے منہ پہ کالک مل کے چلی گئی تو۔۔۔ کیا ہو گا اس کا بھی سوچا ہے آپ نے۔ وہاب بہت اونچی ہوا میں اڑ رہا ہے منہ کے بل گرے گا۔ آپ سمجھائیں اسے۔" زرینہ نان اسٹاپ بول رہی تھیں اور روبینہ مستقبل کی تصویر کشی سے بے طرح ڈر گئی تھیں۔

حقیقت میں زیان کی بیگانگی، سرد مہری انہیں بری طرح کھلتی تھی۔ بہن کے منہ سے یہ سب سن کر انہیں دھچکا لگا تھا۔ اوپر سے اکلوتا لاڈلا بیٹا محبت جیسا روگ لگا بیٹھا تھا۔ زیان نے کہیں اور آنکھیں لڑا رکھی ہوں گی اور وہاب پاگل ہو رہا تھا اس کے حصول کے لیے۔ کسی نہ کسی طرح شادی ہو بھی جاتی ہے وہاب اور زیان کی اور کچھ عرصہ بعد وہ وہاب کو قتل کر کے اپنے عاشق کے ساتھ فرار ہو جائے تو پھر کیا ہو گا۔۔۔!"

اس سوال کے جواب نے انہیں لرزا کے رکھ دیا۔

"آپا آپ پریشان مت ہوں۔ میں اس مسئلے کا کوئی نہ کوئی حل نکال لوں گی۔" زرینہ نے محبت و ہمدردی سے بہن کے کندھے پہ ہاتھ رکھا۔ "تم کیا حل نکالو گی؟" وہ ڈوبتی امیدوں کے سرے پھر سے تھامے ان کی طرف دیکھنے لگیں۔

"میں زیان سے بات کرتی ہوں اس کے دل کا حال معلوم کرنے کی کوشش کروں گی اس نے کسی کا نام لیا تو کہوں گی جلدی اسے گھر لا کر ہم گھر والوں سے ملوائے۔ مان گئی تو جلدی دفعان کر دوں گی۔ آپ کے سر سے جلدی یہ تلوار ہٹ جائے گی۔"

"تم جو بھی کوشش کرنا وہاب کو اس کی بھنک بھی نہ پڑے ورنہ اچھا نہ ہو گا وہ بپھرا ہوا ہے۔"

"آپا میں جو بھی کروں گی پوری رازداری سے کروں گی۔ زیان رخصت ہو کر اپنے گھر چلی جائے گی تو وہاب کو یہ خبر ملے گی۔" زرینہ کے لبوں پہ پرسرار مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔ روبینہ کے سر سے جیسے منوں بوجھ سرکا۔ آتے ہوئے وہ بہت پریشان تھیں مگر اب جاتے ہوئے ہلکی پھلکی تھیں۔ گیٹ سے باہر نکلتے ہوئے ان کا ٹکراؤ زیان سے ہوا جو کالج سے ابھی ابھی آئی تھی۔ سفید یونیفارم اور سفید ہی دوپٹے میں ملبوس زیان اپنی گلابی رنگت سمیت بے پناہ دلفریب لگ رہی تھی۔ کالج کا عام سا سفید یونیفارم اس پہ بے پناہ سج رہا تھا۔ روبینہ تیکھی نگاہوں سے اسے گھورتی آگے گیٹ پار کر گئیں۔ انہوں نے ایک لفظ تک نہ بولا تھا۔

آج سے پہلے بھی ایسا نہیں ہوا تھا کہ انہوں نے اسے مخاطب نہ کیا ہو یا خیریت معلوم نہ کی ہو۔ کیسے اسے گھورتی ہوئی گئی تھیں۔ ان نگاہوں نے زیان کو سچ میں ڈسٹرب کیا تھا۔

تب ہی گھر میں داخلے ہوتے ہی اس نے بوا کو یہ بات جتانی ضروری سمجھی۔ انہوں نے زیان کی بے پناہ حساس فطرت کی وجہ سے اس کے سامنے خاص اہمیت نہیں دی "ارے وہ اپنی کسی پریشانی میں ہوں گی اس لیے تمہیں زیادہ محسوس ہو رہا ہے۔ تم فوراً" کپڑے بدل کر آؤ میں نے تمہارے لیے دودھ والی سویاں خاص طور پہ بنائی ہیں۔" بوا نے نہایت خوب صورتی سے وقتی طور پہ زیان کے ذہن کو اس طرف سے موڑ دیا تھا۔ وہ سر ہلاتی اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔ بوا اس کے جانے کے بعد دل ہی دل میں سوچ رہی تھیں جانے روبینہ نے ایسا کیوں کیا ہے۔ زیان کے ساتھ وہ ہمیشہ اچھے طریقے سے ملتی تھیں۔

☼ ☼ ☼

تاحد نظر پھیلے باغ میں مالٹوں اور لیموؤں کی کھٹاس بھری مہک پھیلی ہوئی تھی۔ خوشگوار دھوپ کے ساتھ یہ مہک بھلی محسوس ہو رہی تھی۔ ملک ایبک فصل کا جائزہ لینے آیا تھا۔ اگلے چند روز میں اسے شہر واپس جانا تھا۔ اس بار کچھ زیادہ دن اسے گاؤں میں رکنا پڑ گیا تھا کیونکہ بابا جان پہ اچانک ہی اس کی شادی کرنے کی دھن چڑھی تھی۔ پھر وہ کافی کمزور اور بیمار بھی تھے ایبک نے ضد کرنا مناسب نہیں سمجھا۔ حالانکہ اس کی پلاننگ میں ابھی شادی شامل نہیں تھی۔

ابھی ملک جہانگیر زمینوں پہ اس کے ساتھ جانے کی ضد کر رہے تھے مگر ان کی طبیعت کی خرابی کے پیش نظر ملک ایبک انہیں ساتھ نہیں لایا تھا۔ ویسے بھی زمینوں جائیدادوں کا انتظام و انصرام ملک ایبک اور ملک ارسلان کے سپرد تھا۔

ایبک گاؤں آتا تو اپنی غیر موجودگی میں ہونے والے کاموں کا جائزہ لیتا۔ بڑے بکھیڑے تھے ایک ایک کام خود دیکھنا پڑتا۔ فیصلے کرنے کی طاقت اور اس پہ ڈٹے رہنے کی خوبی ملک ایبک میں بدرجہ اتم موجود تھی۔ اسی وجہ سے ملک جہانگیر اور ملک ارسلان دونوں اسے بہت پسند کرتے تھے۔ اس کی رائے اور مشورے کو اولیت دی جاتی۔

ملک ایبک کو باغ کی طرف آگے کا رخ کرتا دیکھ کر رکھوالے بھاگے بھاگے آئے۔ محبت و احترام سے اسے سلام کیا۔ جواب میں ایبک نے بھی ان کی خیریت دریافت کی۔ یہ گاؤں کی کمین کم حیثیت لوگ جنہیں چوہدری، ملک اور صاحب حیثیت زمیندار کسی گنتی میں نہ لاتے تھے ایبک ان کے ساتھ بڑے آرام سے بات کرتا اسی وجہ سے وہ ان سب میں ہر دلعزیز تھا۔ اس کی پیٹھ پیچھے بھی اسے اچھے الفاظ میں یاد کیا جاتا۔ یہ عام سے بے حیثیت و بے قدر لوگ اسے دعائیں دیتے نہ تھکتے۔

درختوں سے فصل اتاری جا رہی تھی نیچے زمین پہ مالٹوں کا ڈھیر جمع تھا۔ ایبک کے لیے فوراً" ہی ایک کرسی اور پلاسٹک کی میز کا اہتمام کیا گیا اس کے بیٹھنے کی دیر تھی پلیٹ میں مالٹے سجا کر رکھ دیے گئے۔

ایبک ناشتا کر کے زمینوں کی طرف نکلا تھا۔ ٹائم بھی اتنا زیادہ نہیں ہوا تھا کہ اسے بھوک ستاتی پھر بھی اس نے مزارعوں کا دل رکھنے کو دو تین پھانک

کھائیں۔ وہ اسی میں خوش تھے۔ اس باغ کی دیکھ بھال الیاس اور اکرم کے سپرد تھی۔ ایک طرح سے وہ باغ کے کرتا دھرتا تھے۔ وہ ملک ایبک کو فصل کے بارے میں بتا رہے تھے۔ ذائقہ وہ چکھ چکا تھا فصل اس کے سامنے تھی جو کافی زیادہ تھی۔ یہ سب اوپر والے کی مہربانی اور زمین پہ کام کرنے والے مزارعوں کی محنت تھی۔ اردگرد کے تمام زمینداروں کی نسبت ان کی زمین سب سے زرخیز تھی اسی حساب سے غلہ اور دیگر اجناس کی حاصل پیداوار بھی زیادہ تھی۔

ایبک دل ہی دل میں اس بار کی فصل سے حاصل ہونے والی آمدنی کا اندازہ لگا رہا تھا۔ اس بار اس کا ارادہ تھا کہ تمام مزارعوں کو طے شدہ اجرت سے زیادہ دے گا کیونکہ زائد فصل سے حاصل ہونے والی آمدنی میں ان سب کا بھی تو حصہ بنتا تھا۔ وہ اس معاملے میں بلاوجہ ڈنڈی مارنے کا قائل نہیں تھا۔

ملک ایبک' الیاس اور اکرم کے ساتھ فصل کے بارے میں ہی گفتگو کرتا رہا۔ واپسی پہ بصد اصرار الیاس اسے اپنے گھر لے گیا۔ گھر کیا تھا باغ کے اختتام پہ دو کمروں کا بنا مکان تھا جس کی چار دیواری کچی اینٹوں سے تعمیر کی گئی تھی۔ ایبک نے وہاں اس کی بیوی کے بنے ہاتھ کی چائے پی اور سوجی کے لڈو کھائے۔ الیاس بہت خوش تھا کہ ملک ایبک نے اس کے گھر سے چائے پی ہے۔ وہ تو کھانے کے لیے بھی باربار کہہ رہا تھا پر اپنی وجہ سے ایبک اسے مشکل میں نہیں ڈالنا چاہ رہا تھا اس لیے سلیقے سے معذرت کرکے واپسی کے لیے چل پڑا۔

☼ ☼ ☼

زیان بستر کی چادر جھاڑ کر ٹھیک کر رہی تھی جب بیڈ روم کے دروازے پہ نامانوس سی دستک ہوئی۔ وہ کچھ سوچتی ہوئی دروازے کی طرف آئی اور کھول دیا۔ باہر حیرت انگیز طور پہ زرینہ آنٹی کھڑی تھیں۔ اس کی حیرت سے محظوظ ہوتے ہوئے وہ اس پہ ایک نظر ڈال کر کمرے میں اندر آکر اس کے بیڈ پہ بیٹھ گئیں۔

"کیا ہو رہا تھا؟" انہوں نے بہت اپنائیت سے پوچھتے ہوئے حیرت کا ایک اور بم اس کے حواسوں پہ گرایا جبکہ وہ ابھی پہلے سے بھی نہیں سنبھلی تھی۔ زرینہ آنٹی شاذو نادر ہی اس کے کمرے میں آئی تھیں اتنی اپنائیت سے مخاطب کرنا۔ سوچنا بھی محال تھا۔

"بس سونے کی تیاری کر رہی تھی" حیرت کے پے در پے لگنے والے جھٹکے سے سنبھل کر زیان بمشکل تمام جواب دینے کے قابل ہوئی۔ "آج کل تم اپنے بیڈ روم سے باہر ہی نہیں نکلتیں' اس لیے میں خود ہی تمہارے پاس آگئی ہوں۔" وہ اسے قریبی سہیلی کی طرح بات کر رہی تھیں۔

"بس ایسے ہی" وہ اتنا ہی کہہ سکی۔ زرینہ اس کی حیرت کو خوب اچھی طرح سمجھ رہی تھیں' پر لمبی تمہید میں وقت ضائع کرنے کے موڈ میں ہرگز نہیں تھیں۔ اس لیے بہت جلد اصل بات کی طرف آگئیں۔

"میں تمہارے پاس بہت ضروری بات کرنے آئی ہوں۔" انہوں نے بات کا آغاز کیا۔ زیان سانس روکے جیسے ان کی طرف متوجہ تھی۔ "کہنے کو تو میں ہمیشہ سوتیلی ماں ہی رہوں گی مگر تمہاری بہتری کا فیصلہ سگی ماں کی طرح کروں گی۔" زیان نے نگاہیں اٹھا کر ان کی طرف دیکھا۔ یقیناً وہ ایک بہترین اداکارہ تھیں۔

"تم اس وقت مجھے اپنی ماں' دوست' ہمدرد کچھ بھی کہہ سکتی ہو۔ تمہارے ابو تمہاری شادی کے بارے میں سوچ رہے ہیں۔ انہوں نے مجھے تمہارا عندیہ معلوم کرنے بھیجا ہے۔ اگر تم کسی کو پسند کرتی ہو تو بتا دو۔ ہم مناسب طریقے سے تمہاری اس کے ساتھ شادی کر دیں گے۔" اف اس کی سماعتوں کے قریب جیسے کوئی بم پھٹا۔ اس کا چہرہ لال ہو گیا۔ ابو اس کے بارے میں کیسے سوچ سکتے ہیں کہ وہ کسی کو پسند کرتی ہے یا اس کے ساتھ شادی کرنا چاہتی ہے۔

"تم پریشان مت ہو اس کا نام بتاؤ۔ تمہارے ابو کو راضی کرنا میرا کام ہے۔" زرینہ اس کے چہرے پہ تذبذب کے آثار دیکھ کر جھٹ بولیں۔

"میں کسی کو بھی پسند نہیں کرتی نہ کسی سے شادی

کرنا چاہتی ہوں۔" اس نے شرم و خجالت کے ملے جلے تاثرات سمیت کہا۔ زرینہ کے چہرے پہ اطمینان سا ابھر آیا گویا ان کا اندازہ غلط ثابت ہوا تھا۔

"تمہارے ابو رشتہ ڈھونڈ رہے ہیں ملنے جلنے والوں کو کہہ رکھا ہے جیسے ہی اچھا گھرانہ نظر میں آیا تمہیں رخصت کردیں گے۔" زرینہ مزے سے بول رہی تھیں۔

"مجھے ابھی شادی نہیں کرنی۔" وہ چیخ کر بولی۔

"تو کیا کرو گی۔ اپنی ماں کی طرح خاندان کی عزت اچھالو گی۔" زرینہ بیگم سے زیادہ دیر اداکاری نہیں ہو پا رہی تھی اس لیے بہت جلد مصنوعی چولے سے باہر آگئیں۔ زیان کے دل میں جیسے ایک تیر ترازو ہو گیا۔

"اپنی ماں کی طرح عاشقوں کی لائن لگاؤ گی مبارک ہو۔ وہاب کی صورت میں تمہیں جان لٹانے والا پاگل مل گیا ہے۔" زرینہ کا لہجہ زہر میں ڈوبا ہوا تھا۔

"میری طرف سے بھاڑ میں جائے وہاب۔ میں اس کی شکل تک نہیں دیکھنا چاہتی۔" زیان بھی زیادہ دیر اپنی نفرت چھپا نہ پائی۔

"تم اس کی شکل نہیں دیکھنا چاہ رہی پر وہ تمہیں پانے کے لیے پاگل ہو رہا ہے۔ اس کی ماں آئی تھیں میرے پاس۔ وہاب تمہیں پانے کے لیے ہر جائز ناجائز حربہ استعمال کرے گا۔"

"مجھے اس سے شادی نہیں کرنی۔" وہ جیسے پھٹ سی پڑی۔ "مجھے پتا ہے تم اسے پسند نہیں کرتیں مگر وہ صرف تم سے ہی شادی کرنا چاہتا ہے۔ میرے یا تمہارے انکار کی اس کے سامنے کوئی اہمیت نہیں ہے۔ انکار کی صورت میں وہ تمہیں زبردستی اٹھوا کر نکاح پڑھا سکتا ہے۔ مجھ پہ یقین نہ آئے تو روبینہ آپا سے پوچھ لو ابھی کال ملا کر دیتی ہوں۔ وہ خود اس وجہ سے بے پناہ پریشان ہیں۔ میرے پاس مدد مانگنے آئی تھیں کہ کسی طرح وہاب کو اس کے اس ارادے سے باز رکھا جاسکے۔"

"میں مر کر بھی وہاب سے شادی نہیں کرنا چاہتی" آنسو زیان کی آنکھوں سے باہر مچلنا چاہ رہے تھے اس نے بمشکل انہیں پلکوں کی باڑ سے پرے سمیٹ رکھا تھا۔

"مجھے پتا ہے تمہیں وہاب ناپسند ہے۔ اس لیے میں نے روبینہ آپا کو صاف انکار کہلوا دیا ہے۔ تبھی وہاب جنونی ہو رہا ہے۔" زرینہ آنٹی ایک کے بعد ایک روح و فرسا خبر سنا رہی تھیں۔

"مجھے نہ وہاب سے نہ کسی اور سے شادی کرنی ہے۔" اس کی آنکھیں غصے کی شدت سے لال ہو رہی تھیں۔

"میری چندا! وہاب کے ہاتھوں بے آبرو ہونے سے بچنے کے لیے تمہیں کسی نہ کسی سے شادی کرنی ہی ہو گی۔" زرینہ آنٹی نے ایک بار پھر اسے حقیقت کا آئینہ دکھانے کی کوشش کی۔ زیان بالکل خاموش تھی۔ اس کی نگاہیں کسی غیر مرئی نقطے پہ جمی تھیں۔ "تم اچھی طرح سوچ لو۔ میں تمہارے لیے اچھے خاندان میں رشتہ ڈھونڈوں گی آخر کو تم میری سوتیلی بیٹی ہو۔" اس بار زرینہ کا لہجہ مصنوعی نہیں تھا۔ شاید زیان کی اس بے بسی و کسمپرسی پہ اسے ترس آگیا تھا۔ وہ اسے ترس آمیز نگاہوں سے دیکھتی چلی گئی تھیں۔

بہت دیر بعد اٹھ کر زیان نے دروازہ بند کیا۔ اس نے کمرے کی سب لائٹس آف کردیں کمرے میں رکھے ساؤنڈ سسٹم سے قدرے دھیمی آواز میں زرینہ بیگم کے آنے سے پہلے میوزک لگا تھا۔ ان کے آنے اور جانے کے بعد بھی وہ یکساں رفتار سے چل رہا تھا۔ اسے انسانی احساسات و جذبات سے کوئی سروکار نہیں تھا۔

ر علی عظمت کا آنسو۔ زیان کے دل کے کئی پرانے درد جگا گیا تھا۔ وہ کھڑکی کے پاس کھڑی سب پردے سرکائے باہر اندھیرے میں دیکھتی بے آواز آنسوؤں سے رو رہی تھی۔ ساری عمر اس نے اپنی ماں کے حوالے سے طعنے الزام تراشیاں برداشت کی تھیں۔ اس ماں کے حوالے سے۔ جس کا نام لینا بھی امیر علی کے گھر میں جرم تھا۔ اپنی ماں کی شکل تک اسے یاد نہیں تھی۔

نہ ماں کی ممتا اور گود کے حوالے سے اس کے ذہن کے نہاں خانوں میں کچھ محفوظ تھا۔ ہوش سنبھالنے سے پہلے ہی وہ "ماں" جیسے وجود سے ناآشنا تھی۔ ہاں اس کے حوالے سے دیے جانے والے طعنے تو جیسے جنم جنم سے اس کے ساتھی تھے۔ بچپن میں اس کا بہت دل چاہتا کہ وہ ماں کے پاس رہے وہ اس کے لاڈ اسی طرح اٹھائے جیسے زرینہ آنٹی اپنے بچوں کے اٹھاتی ہیں۔ پر یہ صرف اس کا خواب ہی رہا۔ امیر علی نے اسے شروع سے ہی اچھی طرح باور کرادیا تھا کہ اپنی ماں کا نام بھول کر بھی مت لینا نہ یاد کرنا۔ ہاں زرینہ آنٹی وقت بے وقت اس کی ماں کو گالیوں، طعنوں اور الزام تراشیوں سمیت یاد کرتیں تب امیر علی انہیں کچھ نہ کہتے بلکہ خود بھی حسب توفیق گالیوں میں حصہ ڈالتے۔ زیان کے چھوٹے سے دل پہ قیامت گزر جاتی۔

اس نے شروع سے ہی ماں کے حوالے سے اتنا کچھ سنا تھا کہ اب اسے لفظ ماں سے ہی خوف آنے لگا تھا۔ امیر علی جب غصے میں ہوتے تو اسے وارننگ دیتے کہ اپنی ماں جیسی مت بننا کیا اس کی ماں اتنی بری اور قابل نفرت تھی؟ کم سے کم زرینہ آنٹی اور ابو نے اسے یہی باور کرایا تھا۔ ہاں اس کی ماں سچ مچ بری تھی، اچھی ہوتی تو اسے ساتھ لے جاتی نا۔ اگر امیر علی نے زبردستی زیان کو ماں سے الگ کردیا تھا تو وہ اسے عدالت کے ذریعے حاصل کرلیتی نا۔ پر نہیں وہ اس کی ماں کب تھی۔ وہ تو خود غرض تھی جو اسے چھوڑ کر اپنی نئی دنیا بسانے چل پڑی تھی۔

اس کی دنیا میں ننھی زیان کے لیے جگہ نہیں تھی اور زرینہ کی دنیا میں بھی تو زیان کے لیے جگہ نہیں تھی۔

اس کا پورا چہرا آنسوؤں سے بھیگ چکا تھا۔

تنہا تنہا جیون کے
کیسے دن گزاریں
سن لو سن سکو تو تم کو آنسو پکاریں
چلتے چلتے سوچیں کیوں ہے دوری
جائیں گے کہاں
خواہش تو نہ ہو گی پوری جائیں گے کہاں
جائیں گے کہاں جائیں گے کہاں
سن لو سن سکو تو تم کو آنسو پکاریں
ساتھ دل کے چلے دل کو نہیں روکا ہم نے
جو نہ اپنا تھا اسے ٹوٹ کے چاہا ہم نے
اک دھوکے میں کٹی عمر ساری ہماری
کیا بتائیں کسے پایا کسے کھویا ہم نے
دھیرے دھیرے دھیرے کوئی چاہت باقی نہ رہی
جینے کی کوئی بھی صورت باقی نہ رہی
سن لو سن سکو تو تم کو آنسو پکاریں
ٹوٹے ٹوٹے جو ہیں میرے سپنے آنسو ہی تو ہیں
زندگی کا حاصل اپنے آنسو ہی تو ہیں

☆ ☆ ☆

وہ بے دلی سے چھوٹے چھوٹے لقمے توڑ کے کھانا کھا رہی تھی۔ بوا دو دن سے اس کی غیر معمولی خاموشی نوٹ کر رہی تھیں۔ حالانکہ وہ پہلے بھی اتنا زیادہ بولتی نہیں تھی پر ایسی گم صم بھی تو نہیں تھی جیسے اب تھی ڈری سہمی اپنے ہی خیالوں میں گم۔ بوا کو زیان اور زرینہ بیگم کے مابین ہونے والی گفتگو کا علم نہیں تھا ورنہ وہ ضروریات کی تہ تک پہنچ جاتیں۔

"زیان کیا بات ہے دو دن سے بہت چپ چپ ہو۔ کوئی پریشانی ہے تو بتاؤ۔" بوا سے رہا نہیں گیا تو پوچھ ہی بیٹھیں۔

"مجھے یہ بتائیں کہ میری ماں کو مجھ سے پیار تھا کہ نہیں؟" زیان کا لہجہ بہت سرد تھا پر بوا تو مارے خوف کے سن ہو گئیں۔ انہوں نے فوراً ادھر ادھر دیکھا کہ کسی نے زیان کا وہ سوال سنا تو نہیں۔

"زیان بٹی اس وقت یہ خیال کہاں سے تمہارے ذہن میں آگیا ہے۔" وہ ابھی بھی خوف کے زیر اثر بہت آہستہ آواز میں بول رہی تھیں۔ جواباً زیان عجیب سے انداز میں ہنس پڑی۔ عجیب دیوانوں والی مسکراہٹ تھی۔

"مجھے پتا ہے آپ بھی اس بارے میں بات کرتے

ہوئے ڈرتی ہیں اس لیے کبھی بھی نہیں بولیں گی آپ۔"

وہ کتنی جلدی حقیقت کی تہ تک پہنچ گئی تھی۔ بوا نے اس سے نظر چرالی۔ ذیان کے چہرے کی حسرت و کرب اور دکھ کا سامنا کرنا اتنا آسان کہاں تھا ان کے لیے۔

"بوا جن بیٹیوں کی مائیں انہیں ایسے لاوارث چھوڑ کر چلی جاتی ہیں نا وہ بیٹیاں پھر لوٹ کا مال بن جاتی ہیں۔ جس کا داؤ لگتا ہے جیب میں ڈال کر چلتا بنتا ہے۔"

"اللہ نہ کرے میری بچی۔۔۔ ہم سب ہیں نا تم کوئی لاوارث نہیں ہو۔" بوا کے دل کو دکھ نے جکڑا۔ انہوں نے بے اختیار لپک کر ذیان کو سینے سے لگالیا۔ "مجھے جھوٹی تسلیوں سے نہ بہلائیں۔ ابو تو خود فالج کے مریض ہیں میری کہاں حفاظت کرسکتے ہیں۔" وہ ان کی آغوش سے نکل کر دور جا کھڑی ہوئی۔ بوا کے جھریوں بھرے چہرے پہ فکرو تفکر کا جال بچھا ہوا تھا۔ نہ جانے ذیان آج ایسی تلخ تلخ باتیں کیوں کررہی تھی۔ گہری گہری پراسرار باتیں۔ مبہم اور الجھی ہوئی بوا کو ابھی ڈور کا سرا سلجھانے سے ڈر لگ رہا تھا۔

☆ ☆ ☆

"میں نے رشتے کرانے والی ایک عورت بیگم اختر سے ذیان کے لیے کوئی اچھا سا رشتہ ڈھونڈنے کے لیے کہا تھا۔ کل وہ اسی سلسلے میں آئی تھی میرے پاس۔" زرینہ کمبل اچھی طرح اوڑھانے کے بعد امیر علی کے پاس بیٹھ گئی تھیں وہ انہیں اپنی کارگزاری بتانے کے لیے بہت بے چین تھیں پر انہوں نے تو خاص توجہ ہی نہیں دی بس خاموش رہے۔ زرینہ کو بے طرح غصہ آیا۔ "آپ کچھ بولیں تو سہی۔"

"میں کیا بولوں بھلا؟" امیر علی کے الفاظ میں بے چارگی نمایاں تھی۔

"جو رشتہ بیگم اختر نے بتایا ہے اب وہ ذیان کو دیکھنے کے لیے ہمارے گھر آنا چاہ رہے ہیں۔"

"ہاں تو آئیں بے شک میں نے کب منع کیا ہے۔" وہ عام سے بے تاثر لہجہ میں بولے۔ زرینہ نے توجہ نہیں دی ان کے لیے یہی بہت تھا کہ امیر علی کو لڑکے والوں کے اپنے گھر آنے پہ اعتراض نہیں تھا۔

"آپ اسی ہفتے میں کوئی دن بتادیں تاکہ میں بیگم اختر کو بتاؤں پھر وہ لڑکے والوں کو لے کر ہمارے گھر آجائیں گی۔" وہ پھر سے پرجوش ہورہی تھیں۔

"تم خود ہی بتادو ان کو جو دن اور ٹائم مناسب لگتا ہے۔" امیر علی نے ساری ذمہ داری ان کے سر ڈال دی۔ زرینہ کی آنکھیں مارے خوشی کے چمک اٹھیں۔ اب ذیان کو اس گھر سے دفعان ہونے سے کوئی نہیں روک سکتا تھا۔ انہیں صرف بیگم اختر کو مطلع کرنا تھا۔ بیگم اختر نے تو لڑکے اور اس کے خاندان کی بہت تعریفیں کی تھیں۔

روبینہ بیگم کا سیل فون مسلسل بج رہا تھا۔ وہ باہر لان میں تھیں۔ وہاب ٹی وی لاؤنج میں ٹی وی دیکھ رہا تھا روبینہ کا سیل فون وہیں ٹی وی کے پاس رکھا تھا۔ مسلسل بجتے فون کو اس نے ناگواری سے دیکھا اور با دل ناخواستہ ہاتھ بڑھا کر اٹھالیا' وہ فون بند کرنا چاہ رہا تھا پر زرینہ خالہ کی کال دیکھ کر ارادہ ملتوی کردیا اور فون آن کرکے کان سے لگالیا۔ "آپا آپ کہاں ہیں فون کیوں نہیں اٹھا رہی ہیں؟ آپ کو ایک بات بتانی تھی۔" دوسری طرف زرینہ وہاب کے ہیلو کہنے سے پہلے ہی شروع ہوگئی تھیں ان کے لہجے میں ہیجان صاف محسوس کیا جاسکتا تھا۔

"خالہ امی باہر لان میں ہیں ایک منٹ ہولڈ کریں آپ کی بات کرواتا ہوں۔" وہاب کی آواز کان میں پڑتے ہی زرینہ فوراً" سنبھل گئی اور باقی بات زبان تلے روک لی۔ شکر تھا انہوں نے کچھ اور نہیں بول دیا تھا۔

وہاب نے فون روبینہ کے حوالے کیا اور خود دروازے کے پاس ٹھہر گیا۔ زرینہ خالہ کے لہجے میں اتنا جوش اور خوشی تھی کہ وہ سبب جاننے کے لیے وہیں رک سا گیا۔ پر روبینہ تو بہت آہستہ آواز میں بات کر رہی تھیں۔ انہوں نے دروازے کے پاس موجود وہاب کی جھلک دیکھ لی تھی۔ اس لیے ادھر ادھر کی چند

باتیں کرنے کے بعد فوراً ہی رابطہ منقطع کردیا تھا۔ وہاب کے جانے کے بعد انہوں نے بہن سے تفصیلی بات کرنی تھی۔ انہوں نے خبر ہی ایسی دی تھی کہ زیان کو دیکھنے کے لیے ایک فیملی آرہی ہے۔ وہاب آفس کے لیے نکلے تو آپ بھی آجائیں۔

وہاب رات دوستوں کے ساتھ باہر نکلا تو تب روبینہ نے بہن کو دوبارہ کال کی۔ انہیں کھد بد سی لگی ہوئی تھی۔ اس وقت وہاب گھر تھا وہ کچھ بھی پوچھ نہ پائی تھیں۔ اب کرید کرید کر ایک ایک بات پوچھ رہی تھیں۔

"آپا! بیگم اختر بتارہی تھی کہ لڑکے والوں کو شادی کی جلدی ہے وہ ایک ماہ کے اندر اندر بیٹے کی شادی کرنا چاہ رہے ہیں۔ پھر آپ کی میری سب کی جان زیان نامی سونامی سے چھوٹ جائے گی۔" زرینہ تنفر سے بتارہی تھی۔

"دعا کرو کہ وہاب شور نہ مچائے۔" روبینہ متفکر تھیں۔

"آپا آپ وہاب کو کچھ دن کے لیے لاہور بھجوادیں نا۔" زرینہ نے جھٹ مشورہ دیا جو ان کے دل کو لگا۔

"ہاں اگلے مہینے ارشاد بھائی کے بیٹے کی شادی بھی تو ہے۔" انہوں نے اپنے دیور کا نام لیا۔

"پھر تو آپ سب کو جانا ہوگا۔" زرینہ بولیں۔

"ہاں اور وہ تمہیں بھی کارڈ بھجوائیں گے۔" روبینہ نے یاد دلایا۔ "میں تو نہیں جاسکوں گی۔ امیر علی کی حالت آپ کے سامنے ہے۔" زرینہ کا عذر سچا تھا۔ "میری کوشش ہے کہ زیان کی شادی جتنا جلدی ممکن ہو ہوجائے۔"

"ہاں اللہ کرے ایسا ہوجائے۔" روبینہ نے صدق دل سے کہا۔ "آپ کوشش کرنا وہاب کو زیان کے رشتے یا کسی اور بات کی ہوا تک نہ لگے۔" زرینہ نے فون بند کرنے سے قبل ایک بار پھر یاد دہانی کرائی تو روبینہ "ہونہہ" کہہ کر رہ گئیں۔

☼ ☼ ☼

زرینہ جوش و خروش سے پورے گھر کی تفصیلی صفائیاں کروا رہی تھیں۔ وقت کم تھا کل لڑکے والے زیان کو دیکھنے آرہے تھے۔ ثمینہ نے سب کمروں کی کھڑکیوں اور دروازوں کے پردے دھو کر پھر سے لٹکا دیے تھے۔ مالی نے سب پودوں کی از سرنو گوڈی کی اور گھاس پھونس صاف کی۔ گملے دھلنے کے بعد چمک رہے تھے پورے لان اور گھر کی حالت نکھر آئی تھی۔ مہمانوں کے استقبال کے لیے سب تیار تھے۔

زرینہ پورے گھر میں زیان کو تلاش کررہی تھیں۔ نیچے وہ کہیں نظر نہیں آرہی تھی۔ وہ اوپر ٹیرس پہ تھی۔ زرینہ کے گھٹنوں میں تکلیف تھی۔ سردی میں یہ تکلیف اور بھی بڑھ جاتی تھی اس لیے انہوں نے سیڑھیاں چڑھ کر اوپر جانے کا ارادہ ملتوی کردیا۔ بوا اندر کچن میں رات کے کھانے کے لیے مٹر چھیل رہی تھیں انہیں زیان کے لیے مٹر پلاؤ بنانا تھا۔ زرینہ ان کے پاس چلی آئیں۔ بوا نے انہیں دیکھ کر مٹر چھیلنے بند کردیے کیونکہ زرینہ بیگم کا چہرہ بتا رہا تھا وہ ان سے کوئی بات کرنے آئی ہیں اور کچھ ہی دیر میں اس کی تصدیق بھی ہوگئی۔

"بوا زیان کہاں ہے؟"

"اوپر گئی تھی ابھی میرے سامنے۔"

"آپ کو پتا تو ہے کل ایک فیملی زیان کو دیکھنے آرہی ہے۔" زرینہ نے بات کی تمہید باندھی "جی چھوٹی دولہن آپ نے بتایا تھا کل مجھے" تابعداری سے سر ہلاتے بولیں۔

"آپ زیان کو بھی بتا دیتا۔ کل کالج سے چھٹی کرلے اور ذرا اچھے کپڑے پہن کر تیار ہو۔"

"چھوٹی دولہن میں اسے بول دوں گی پر کالج سے چھٹی نہیں کرے گی وہ۔" بوا دبے دبے لہجے میں بولیں تو زرینہ بیگم کے ماتھے پہ بل پڑ گئے۔

"کیوں چھٹی نہیں کرے گی۔ میں نے لڑکے والوں کو ٹائم دیا ہوا ہے بارہ بجے کا جبکہ مہارانی زیان دو بجے کالج سے گھر آتی ہے۔" زرینہ کا پارہ ہائی ہونے لگ گیا تھا۔

"وہ کہہ رہی تھیں اس کے کالج میں کوئی ڈرامہ

ہونے والا ہے۔ وہ ادھر ہی مصروف ہے۔ اگر لڑکے والے بارہ بجے بھی آئے تو چائے پانی ناشتے باتوں میں تین چار گھنٹے لگ ہی جائیں گے۔ زیان بھی دو بجے تک گھر آجائے گی۔" بوا رسان سے سمجھانے والے انداز میں بات کر رہی تھیں۔ زرینہ کا غصہ تھوڑا کم ہو گیا تھا پر بالکل ختم نہیں ہوا تھا۔ بوا سے بات کرنے کے بعد ان کی ذمہ داری قدرے کم ہو گئی تھی ویسے بھی زیان کو بوا ہی سنبھال سکتی تھیں۔

گھر میں غیر معمولی چہل پہل تھی مہمان اپنے ٹائم تشریف لا چکے تھے۔ ڈرائنگ روم میں سب موجود تھے سوائے امیر علی کے۔ اونچی آواز میں گفتگو کا سلسلہ جاری تھا۔ زیان کالج سے لوٹی تو اونچی آوازوں نے اس کا استقبال کیا اس کی حس سماعت خاصی تیز تھی پر جو مہمان آئے تھے وہ غالباً" دوسروں کو بہرا تصور کر رہے تھے۔ اونچے اونچے قہقہے اور اسی حساب سے آواز کا والیوم بھی گونجیلا تھا۔ زیان نے بیگ جا کر ٹیبل پہ رکھا اور حسب معمول بوا کی طرح چلی آئی جو ثمینہ کے ساتھ مل کر کھانے کے انتظامات میں مصروف تھیں۔

کھانا پکنے کے آخری مراحل میں تھا بس سرو کرنا تھا۔ رابیل، آفاق اور منال تینوں میں سے ایک بھی دکھائی نہیں دے رہا تھا۔

"بوا سب کہاں ہیں؟" زیان نے بے دھیانی میں پوچھا ایک ثانیے کے لیے وہ جیسے مہمان اور ان کی آمد کا مقصد ہی فراموش کر گئی تھی۔ "بیٹا سب ڈرائنگ روم میں ہیں۔ تم جاؤ کپڑے تبدیل کر لو۔ ثمینہ نے تمہارا گلابی سوٹ پریس کر کے بیڈ پہ رکھا ہے ساتھ سینڈلز بھی ہیں۔" بوا نے لجاجت سے کہا۔

"کیوں کپڑے تبدیل کروں میں۔" وہ غصے میں پاؤں پٹخ کے بولی۔ "ابو کہاں ہیں؟" اس نے اگلا سوال کیا حالانکہ اس سوال کا جواب اسے معلوم تھا۔

"امیر میاں اپنے کمرے میں ہیں اور کہاں جانا ہے انہوں نے۔ اللہ کسی کو محتاجی اور معذوری نہ دے۔ امیر میاں کو دیکھ کر دل کٹتا ہے۔ کیسے ہر کام جلدی جلدی کرتے تھے۔ ساری ذمہ داری اپنے سر لیتے تھے اور

اب خود اوروں کے محتاج ہو کر بستر پہ پڑ گئے ہیں۔" بوا کے لہجے میں دکھ پنہاں تھا۔ ثانیہ چپ چاپ ان کا چہرہ تکنے لگی۔

"بیٹا کپڑے بدل کر مہمانوں سے مل لو۔" بوا نے ایک بار پھر منت آمیز انداز میں کہا تو وہ ان کی طرف دیکھے بغیر کچن سے نکل گئی۔ ثمینہ اس دوران بالکل خاموشی سے اپنا کام کرتی رہی۔ بوا دل ہی دل میں آنے والے متوقع حالات کے بارے میں سوچ رہی تھیں۔ زیان شاید آنے والے مہمانوں کے بارے میں سنجیدہ نہیں تھی ورنہ شور مچاتی احتجاج کرتی۔ کیونکہ بوا اس کے مزاج کی تلخی' کڑواہٹ اور درشتی سے اچھی طرح واقف تھیں۔ اس کی ناپسند سے آگاہ بھی تھیں تب ہی تو ڈر رہی تھیں۔ پر اس کا اندازہ شاید زرینہ بیگم کو نہیں تھا تب ہی تو خوشی خوشی مہمانوں سے باتیں کر رہی تھیں۔

زیان نے جب تک کپڑے تبدیل کیے تب تک مہمانوں کے لیے کھانا لگا دیا گیا تھا۔ اس نے سوچا پہلے اپنی پیٹ پوجا تو کرلی جائے بعد میں مہمانوں سے بھی وہ دو ہاتھ کر لیے جائیں گے۔ بھوک کی وہ ویسے بھی کچی تھی۔ وہ کپڑے تبدیل کر دوبارہ بوا کی طرف آئی تو وہ اسے دیکھتی رہ گئیں۔ گلابی جوڑے میں وہ بے پناہ خوب صورت لگ رہی تھی بال برش کر کے اس نے دوبارہ سنوارے تھے آنکھوں میں کاجل بھی اہتمام سے موجود تھا۔ اس نے وہیں کچن میں بیٹھ کر کھانا کھایا۔ زیان کو مہمان سے ملاقات کا کچھ ایسا خاص شوق تو نہیں تھا پر ان کی تیز تیز آوازوں نے تجسس بڑھا دیا تھا۔

ثمینہ کھانے کے برتن واپس لا رہی تھی 'جب اس نے سب برتن اٹھا کر ٹیبل تک صاف کرلی تب زیان مہمانوں کے دیدار کے لیے ڈرائنگ روم میں داخل ہوئی۔

✡ ✡ ✡

"السلام علیکم۔" اس نے بڑی تمیز سے اندر قدم رکھتے ساتھ ہی سلام کیا تو آنے والے سب کے سب اس کی طرف متوجہ ہو گئے۔ تین عورتوں اور دو مردوں کے ساتھ ایک اور لڑکا نما مرد بھی تھا۔ لڑکا نما مرد اس لیے کہ اس کی ڈریسنگ اور بالوں کا اسٹائل رکھ رکھاؤ نوجوان لڑکے والا تھا جبکہ عمر کسی طرح بھی چونتیس سال سے کم نہیں تھی۔

"یہ میری سوتیلی بیٹی زیان ہے۔ امیر علی کی پہلی بیوی کی بیٹی۔ پر میں نے اسے اپنی بیٹی کی طرح ہی پالا ہے۔" زرینہ بیگم نے بظاہر بڑی محبت سے تعارف کراتے ہوئے ایک ایک لفظ پہ زور دے کر کہا۔ لہجہ عام سا تھا پر لفظوں کی کاٹ سے زیان اچھی طرح واقف تھی۔

"ماشاء اللہ بہت خوب صورت ہے۔" دائیں طرف رکھے صوفے پہ بیٹھی موٹی سی خاتون نے اس کی تعریف کی۔ باقیوں کی نگاہیں بھی اس پہ مرکوز تھیں۔

"ہمیں تو بہت پسند آئی ہے آپ کی بیٹی" باقی دو عورتوں نے تعریف میں اپنا حصہ ڈالا۔ دونوں مردوں کے ساتھ ساتھ لڑکا نما مرد بھی اسے غور سے دیکھ رہا تھا۔

"جاؤ زیان بوا سے بولو اچھی سی چائے بنائیں۔ تم چائے خود لے کر آنا۔" زرینہ نے بڑے آرام سے اسے وہاں سے اٹھایا۔ خود زیان سب کی نگاہوں سے الجھن محسوس کر رہی تھی۔ وہ سیدھی بوا کے پاس آئی اور زرینہ بیگم کا آرڈر ان تک پہنچایا۔ "کیا بات ہے کچھ پریشان نظر آ رہی ہو؟" بوا سے اس کے تاثرات پوشیدہ نہ رہ سکے۔

"بوا بہت عجیب لوگ ہیں۔ عورتیں مرد سب مجھے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھ رہے تھے۔" اس کی الجھن زبان پہ آ ہی گئی۔

"چھوٹی دلہن کے جاننے والوں میں سے ہیں۔ سنا ہے اچھے لوگ ہیں۔ لڑکا بھی بر دکھوے کے لیے ساتھ آیا ہے کیونکہ امیر میاں خود تو لڑکے والوں کے گھر جا نہیں سکتے۔" بوا بتا رہی تھیں۔ زیان کے کانوں سے جیسے دھواں نکلنے لگا۔

لڑکا نما مرد یا مرد نما لڑکا ہی اس کا امیدوار نظر آ رہا

تھا۔ تبھی ہی اتنا گھور گھور کر دیکھ رہا تھا۔ بوا زیان کے تیوروں سے خائف سی نظر آرہی تھیں۔

"امیر میاں بیمار ہیں اللہ رہتی دنیا تک ان کا سایہ تمہارے سر پہ سلامت رکھے پر زندگی بڑی بے وفا ہے اس کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔ تم ان کی زندگی میں اپنے گھر کی ہو جاؤگی تو بہت ساری مشکلات سے بچ جاؤ گی۔ تسلی رکھو امیر میاں کو لڑکا اور اس کے گھر والے پسند آئے تو ہی وہ رضا مندی دیں گے اپنی۔" بوا نے اس کے چہرے کے بدلتے رنگوں کو دیکھ کر تسلی دی۔

پر زیان کو کہاں چین آنا تھا وہ انہی قدموں کے پاس سے اٹھ کر امیر علی کی طرف آئی۔ وہ ہمیشہ کی طرح بستر پہ دراز تھے۔ اسے دیکھ کر خوش ہو گئے۔ "آگئی تم کالج سے"

"جی" وہ اپنی انگلیوں کو اضطراب کے عالم میں مسل رہی تھی۔ اس کی اندرونی کش مکش کا امیر علی کو بھی اندازہ تھا پر وہ کچھ بول نہیں پا رہے تھے۔ "ڈرائنگ روم میں کچھ مہمان آئے بیٹھے ہیں تم ملی ہو ان سے؟" انہوں نے ایسے سوال کیا جیسے ان دونوں باپ بیٹی میں اس نوعیت کی بات چیت چلتی رہی ہو۔ "جی ملی ہوں۔"

"کیسے لگے تمہیں؟" اس سوال کا اس کے پاس جواب نہیں تھا اس کے گلابی چہرے پہ اداسی اور اضطراب تھا جیسے بہت کچھ کہنا چاہ رہی ہو پر بول نہ پا رہی ہو امیر علی کا دل اس کے لیے دکھ اور محبت سے بھر سا گیا۔

"ادھر میرے پاس آکر بیٹھو نا" ان کے لہجے میں تڑپ تھی۔ زیان نے کرلاتی نگاہوں سے انہیں دیکھا "اب نہیں۔ جب مجھے آپ کی محبت اور اعتبار کی ضرورت تھی تب آپ نے مجھے مضبوطی نہیں دی۔ اب جب آپ خود کمزور عمارت کی طرح ڈھے گئے ہیں تو محبت اور اعتبار مجھے دینا چاہ رہے ہیں۔ جب وقت گزر چکا ہے جب جذبے اور ان کی صداقتیں میرے لیے بے معنی ہو چکی ہیں۔ آپ امیدوں کے دیے جلائے میری راہوں میں کھڑے ہو گئے ہیں۔

میری ضرورت ختم ہو گئی ہے۔" زیان یہ سب دل میں ہی خود سے کہہ سکی۔ اتنے میں کمرے کا دروازہ چرچراہٹ سے کھلا۔ زرینہ بیگم مہمانوں کے ساتھ داخل ہوئیں۔

"زیان کو وہاں پا کر ایک بار پھر ان سب کی آنکھوں میں اشتیاق امنڈ آیا۔" "بھائی صاحب ہم جا رہے ہیں۔ سوچا جاتے جاتے آپ کو خدا حافظ کہہ دیں اور اپنے گھر آنے کی دعوت بھی دے دیں۔ کمال کو تو آپ نے دیکھ ہی لیا ہے اب آکر ہمارا گھر بار بھی دیکھ لیں۔" وہی موٹی عورت تیز تیز آواز میں بول رہی تھی جبکہ کمال یعنی مردنما لڑکے کی نگاہیں زیان کے گرد طواف کر رہی تھیں۔ باری باری سب امیر علی سے ملے۔ جاتے

جاتے وہی موٹی عورت زیان کے پاس رکی اور اس کے ماتھے پہ زوردار بوسہ دیا۔ باقی مردوں نے زیان کے سر پہ ہاتھ پھیرا۔ جبکہ ان میں سے ایک نے جو قدرے زیادہ عمر کا تھا اس نے کچھ نوٹ زبردستی زیان کو تھمائے۔

"زرینہ بہن جلدی آنا ہمارے گھر ہم سے زیادہ انتظار نہیں ہو گا۔" وہی موٹی عورت جاتے جاتے زیان کو پیار بھری نگاہوں سے دیکھتے ہوئے پھر سے یاد دہانی کروا رہی تھی۔ جواباً" زرینہ بیگم نے بھی آنے کی یقین دہانی کروائی۔ کمال نامی موصوف نے ایک آخری بھرپور نگاہ پھر زیان پہ ڈالی۔ وہ یہاں ہوتے ہوئے بھی یہاں نہیں تھی ورنہ کمال کی اس بے باک حرکت کا ضرور جواب دیتی۔ زرینہ بیگم مہمانوں کو رخصت کر کے آئیں تو بہت خوش تھیں۔

☼ ☼ ☼
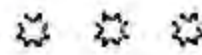
زیان ہنوز ان کے شوہر نامدار کے پاس بیٹھی تھی۔ پر اس وقت زرینہ کو خاص تکلیف یا حسد کا احساس نہیں ہوا جس سے وہ پہلے دوچار ہوتی آئی تھیں۔ کیونکہ زیان کے اس گھر سے جانے میں کچھ ہی دن باقی تھے اچھا تھا امیر علی کی بچی کچی محبت سمیٹ لیتی۔ کمال اور اس کی فیملی نے بہت ہی مثبت رد عمل کا اظہار کیا تھا۔ ویسے زرینہ کو اندازہ ہو گیا تھا کہ کمال اور اس کے گھر والے ان سے مرعوب ہیں۔ اتنا خوب صورت گھر 'دو دو گاڑیاں' نوکر چاکر مہنگا فرنیچر' زرینہ بیگم کے پہنے ہوئے زیورات 'قیمتی سوٹ کچھ بھی تو زمانے کے مروجہ معیار کے مطابق نظر انداز کرنے والا نہیں تھا اور پھر زیان کا حسن ہوش اڑانے والا تھا۔ اتنی خوب صورت حسین کم عمر لڑکی کا تصور تو کمال نے خواب میں بھی نہ کیا تھا۔ ابھی تک اس کی شادی نہ ہو پائی تھی۔ حالانکہ پڑھائی مکمل کر کے سب ذمہ داریاں سنبھالے اسے کتنے سال ہو گئے تھے۔ اس سے بڑی تین بہنیں تھیں۔ تینوں کی تینوں زبان دراز اور واجبی شکل و صورت کی مالک تھیں۔

اللہ اللہ کر کے ان کی شادیاں ہوئیں۔ ان کی شادیاں ہونے گھر بسنے میں والدہ کی دوڑ دھوپ کے ساتھ وظیفوں کا بھی عمل دخل تھا جو وہ "وقتاً" فوقتاً" کرتی تھیں۔ اب کہیں جا کر کمال کی باری آئی تھی۔ کمال کی والدہ عفت خانم 'بیٹے کی عمر سب کو چھبیس سال بتاتی تھیں حالانکہ وہ پینتیس سال سے کم کا نہ تھا۔ ملٹی نیشنل فرم میں اچھے عہدے اور تنخواہ پہ کام کر رہا تھا۔

فی الحال اتنی ہی معلومات زرینہ بیگم کو حاصل ہوئی تھی۔ یہ رشتہ بیگم اختر کے توسط سے آیا تھا انہوں نے تو بہت تعریفیں کی تھیں اور کہا تھا کہ کمال کو کوئی لڑکی نا پسند کر ہی نہیں سکتی۔ تب ہی تو زرینہ بیگم نے بالا بالا ہی بیگم اختر کو کہلوایا تھا کہ لڑکا بھی اپنے گھر والوں کے ساتھ لازمی ان کے گھر آئے تاکہ امیر علی بھی اسے دیکھ لیں۔ وہ کسی بھی تاخیر کے حق میں نہیں تھیں۔ تب ہی تو کمال اپنی فیملی کے ساتھ ان کے ہاں آیا تھا۔ امیر علی سے اس کی خاصی دیر بات چیت ہوتی رہی وہ اس کے کام کھر' خاندان اور دیگر حوالوں سے چھوٹے چھوٹے سوالات اس سے پوچھتے رہے۔ پر زرینہ کو امیر علی کے تاثرات سے کمال کے بارے میں پسند و ناپسند کا اندازہ نہیں ہو پا رہا تھا۔

ان کا بس چلتا تو زیان کو ہاتھ پکڑ کر کمال کے گھر چھوڑ آتیں۔ پر امیر علی کی وجہ سے ایسا سوچنا بھی کار محال تھا۔ آخر کو زیان ان کی "لاڈلی بیٹی" تھی۔ وہ دفعان ہو جاتی تو زرینہ بیگم سکھ کا سانس لیتیں۔

اس کا کانٹا ہی نکل جاتا جو اتنے سالوں سے دل میں پیوست چبھ رہا تھا۔

زرینہ بیگم کرسی اٹھا کر امیر علی کے بیڈ کے پاس رکھ کر خود بھی بیٹھ گئیں۔ انہوں نے ایک نظر امیر علی کے دائیں طرف بیٹھی زیان کو دیکھا اور دوسری نظر اپنے مجازی خدا پہ ڈالی جو ہاتھ سے اپنی کنپٹی سہلا رہے تھے۔

"زیان اپنے کمرے میں جاؤ۔ مجھے تمہارے ابو سے بات کرنی ہے۔" زرینہ نے رخ ہلکا سا موڑ کر زیان کو دیکھتے ہوئے تحکم آمیز لہجہ میں کہا۔

(باقی آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیں)

☼ ☼

مکمل ناول
عتیقہ ملک
دیا

رنگوں اور روشنیوں سے سجے محل میں تھوڑی دیر پہلے بارات کی واپسی ہوئی تھی' فل والیم میں "شیرازی ولا" میں بجتا ڈیک اور جھلمل کرتی روشنیوں کی عمارت کے اندر فوٹو سیشن کا عمل اختتامی مراحل میں تھا۔ بالآخر دلہن کو آراستہ و پیراستہ کمرے میں پہنچا دیا گیا تھا۔

کمرہ خالی ہونے پر اس نے فرصت سے کمرے کا جائزہ لیا تو بے ساختہ ستائش اس کے لبوں کو چھو گئی۔ شیرازی خاندان بہت دولت مند تھا اور ہر کوئی دلہن کی قسمت پر رشک کر رہا تھا۔ گھڑی کی سوئیاں ٹک ٹک کرتی دلہن کی بے زاری کو تھکن میں بدلتی رہیں۔ انتظار کے لمحات طویل ہوئے تو سیڑھیوں پر قدموں کی دھمک کے ساتھ ساتھ ہلکی ہلکی آوازیں بھی سنائی دینے لگیں۔ چند پل گزرنے پر وہ کمرے کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا تھا اور پھر۔ کمرے کا اگلا دروازہ کھول کر ٹیرس پر چلا گیا تھا۔ دلہن کی حیران نظروں نے ٹیرس کے ادھ کھلے دروازے کا تعاقب کیا تھا۔

دلہن کو بہت دیر ہو چلی تھی یہ سوچتے ہوئے کہ اسے کیا کرنا چاہیے' کیا ساری رات یوں ہی بیٹھ کر اس کے اندر آنے کا انتظار کرے یا پھر۔ اس کا ذہن اس غیر متوقع صورت حال پر ماؤف ہو چلا تھا اور اس کے ذہن میں بہت سے سوال جنم لے رہے تھے۔ سسرال والوں کا واری صدقے ہو کر اسے رخصت کرا کر لے آنا اور اب۔ عرفان کا رویہ اس کی سمجھ سے بالاتر تھا۔

جہاں تک اسے معلوم تھا اس کا شوہر اپنی والدہ کا تابعدار بیٹا تھا۔ اس نے اپنی زندگی کا یہ اہم فیصلہ بھی والدہ پر چھوڑ رکھا تھا پھر یوں اس سے منہ موڑنے کا مقصد۔ اس کی سوچوں کا تسلسل ٹوٹ گیا تھا ٹیرس سے ایک بار پھر آوازیں آرہی تھیں۔ تھوڑی دیر بعد عرفان کمرے میں داخل ہوا تو پیچھے مسز شیرازی بھی چلی آئی تھیں۔

"عرفان بیٹا میں آپ کو کپڑے نکال کر دیتی ہوں چینج کرلو۔" وہ وارڈ روب میں سر دیے کھڑی تھیں۔

"دلہن تم بھی چینج کرلو۔" انہوں نے وارڈ روب سے سر نکال کر کہا تو وہ حیران پریشان اٹھ کر ڈریسنگ ٹیبل کے آئینے میں اپنے سجے سنورے وجود پر حسرت بھری نظر ڈال کر زیورات اتارنے لگی۔ عرفان کو چینج کرنے کے لیے بھیج کر مسز شیرازی خود بھی باہر چلی گئی تھیں۔ وہ جب تک چینج کر کے آئی عرفان لائٹ آف کیے بغیر سر تاپا کمبل اوڑھے سو رہا تھا۔ اس کی تھکی بے خواب آنکھوں میں پھر سے سوال امڈنے لگے اور پھر سے سوچ کی وادیوں میں چکرانے لگی تھی۔

نہیں جانتی تھی کہ اس کے سوال دراصل سوال نہیں تھے۔ یہ تو جواب تھے ان سوالوں کے جنہوں نے کئی عشرے پہلے جنم لیا تھا۔ ایسے سوال جن کے اسرار بھرے جواب کئی زندگیوں میں نہاں تھے۔ وہ جواب جن کا خراج وقت نے ادا کرنا تھا۔ وقت جو گزرتے لمحوں میں بہت سی حقیقتیں آشکار کر جاتا ہے۔

☆ ☆ ☆

ٹیکسی شاداب والے جوہڑ کے پاس سرکاری اسکول کے عقب میں دکانوں کے سامنے رکی اور بہت نزاکت کے ساتھ بالوں کو جھٹکتے ہوئے وہ نیچے اتری اور پرس سے چند نوٹ نکال کر ٹیکسی والے کو کرایہ ادا کر کے آگے بڑھی تھی۔ وہاں موجود کھڑے اور چلتے پھرتے افراد کی نگاہیں اس کے قدموں اور لچکاتے وجود سے گویا لپٹ کر رہ گئی تھیں۔

یہ پسماندہ طبقے سے تعلق رکھنے والے لوگوں کا علاقہ تھا جو برسات کے اس بھیگے موسم میں سیلن زدہ سا معلوم ہوتا تھا۔ ایسے میں وہ ماہ جبیں سب کی توجہ کا مرکز کیسے نہ بنتی جو اس ماحول میں قطعی اجنبی معلوم ہو رہی تھی۔ گھٹنوں سے اوپر آتی شارٹ شرٹ اور تنگ پائنچوں والی گھیر دار شلوار پہنے اونچی ہیل کے ساتھ وہ کیچڑ سے بچتی بچاتی گلی کا موڑ مڑ چکی تھی اور تنگ فلیٹوں والی بلڈنگ کے کمپاؤنڈ میں ننگ دھڑنگ شور مچاتے کھیلتے بچوں کے پاس سے گزر کر سیڑھیاں چڑھتی اوپر چلی گئی تھی۔ کونے والے فلیٹ کی بیل دے کر چند لمحے انتظار کرتی رہی۔

"سمیرا تم... واؤ زبردست سرپرائز۔" خاصی دیر کے بعد دروازہ کھلا تو اس کا والہانہ استقبال ہوا تھا۔

"دروازہ بند کرتی آنا۔" پیچھے مڑتے ہوئے وہ اس سے کہہ رہا تھا۔

"یا خدا تم یہاں کیسے رہ لیتے ہو۔ میرا تو اندر داخل ہوتے ہی دم گھٹنے لگا ہے۔" وہ اگرچہ پہلی بار یہاں نہیں آئی تھی مگر ناگواری کا اظہار یوں کر رہی تھی جیسے اس ماحول سے پہلی بار آشنا ہو رہی ہو۔

"یہ بتاؤ پچھلے تین دن سے کہاں غائب ہو۔ چکر کیوں نہیں لگایا۔" کمرے میں موجود دو پلاسٹک چیئرز میں سے ایک پر بیٹھتے ہوئے وہ پوچھ رہی تھی۔

"شدید بخار نے اپنی لپیٹ میں لے رکھا تھا، چکر کیسے لگاتا۔" اس نے نقاہت سے چارپائی کے کراؤن سے ٹیک لگاتے ہوئے بتایا تھا۔

"آج تو میں یونیورسٹی سے چھٹی کرکے تمہاری خبر لینے چلی آئی ہوں، کچھ دوا وغیرہ لی کیا؟"

"ہوں۔" ارباز نے مبہم سا جواب دیا تھا۔

"ارے یہ کیا..." سمیرا نے ایک نظر سامنے رکھی پلیٹ پر ڈالی تھی جس میں ادھ کھایا نان اور آلو کی بھجیا پر مکھیاں بھنبھنا رہی تھیں۔

"ارباز تمہیں بخار ہے اور تم یہ کھانا کھا رہے ہو۔" وہ حیران ہو کر پوچھ رہی تھی۔

"ارے نہیں یہ تو شام کا بچا کھانا ہے۔" اس نے کمزور سی آواز میں جواب دیا تھا۔

"اور اب؟" جواباً وہ خاموش رہا۔

"اوہ... نو۔" تاسف کا اظہار کرتی وہ اٹھ کھڑی ہوئی اور نہ صرف کمرے سے بلکہ فلیٹ سے بھی باہر نکل گئی تھی۔ چند منٹ بعد واپس لوٹی تو اس کے ہاتھ میں دو شاپر موجود تھے جنہیں لے کر وہ کچن میں گھس گئی تھی۔

"یہ لو ڈھنگ سے ناشتا کرو اور دوا لو۔" تھوڑی دیر میں بریڈ اور فرائی انڈے کا ناشتا لیے وہ اس کے سامنے تھی۔ ناشتے کے بعد وہ دوا لے کر لیٹا تو وہ اسے پچھلے تین دن کی روٹین سے آگاہ کرنے لگی تھی۔

"باقی سب چھوڑو یہ بتاؤ صائم کا پروجیکٹ کہاں تک پہنچا ہے۔"

"پروجیکٹ بالکل مکمل ہو گیا ہے، مگر ایک بات نے مجھے بہت پریشان کر دیا ہے ارباز۔ صائم اپنے چچا کی بیٹی کے ساتھ انگیجڈ ہے۔" سمیرا نے الجھن بھرے پریشان انداز میں اسے آگاہ کیا تھا۔

"واٹ... نو آئی کانٹ بلیو اٹ۔" ارباز جھٹکے سے کمبل پھینک کر اٹھا تھا۔

☼ ☼ ☼

پھولوں کی نمائش کو دیکھنے کے لیے وہ دوستوں کے بے حد اصرار پر آنے کے لیے رضامند ہوئی تھی بلکہ رضامند بھی کیا ہوئی تھی، وہ زبردستی اسے کھینچ لائی تھیں۔ کسی نے کان پکڑا، کسی نے دھمکا جڑ کر خبل، کسی نے اس کے بغیر موسم کے بے رنگ ہونے کا اعلان کرتے ہوئے آنے سے انکار کیا اور قریب اسے یوں لگا کہ اب یہ پروگرام کینسل ہونے کے لیے اگلے کئی دنوں تک وہ معتوب ٹھہرائی جاتی رہے گی۔ تو مجبوراً اسے ان کا ساتھ دینا پڑا تھا۔

رافعہ کی گاڑی میں ٹھنس ٹھنسا کر وہ سب پارک پہنچی تھیں۔ جہاں رنگا رنگ پھول اپنی بہار دکھا رہے تھے۔ نہ صرف بلکہ ہر رنگ کے آنچل بھی لہرا رہے تھے۔ قدرت کی صناعی کو انسانی ہاتھوں نے اس طرح ترتیب دیا تھا کہ پھولوں کی خوب صورت ترتیب گویا آنکھوں کو تراوٹ بخش رہی تھی۔

پارک میں لوگوں کا جم غفیر تھا جو اس خوب صورت نمائش سے محظوظ ہو کر تبصرے کر رہے تھے۔

"دیکھو میرون کلر کے فراک پر چوڑی دار پاجامہ اور وائٹ دوپٹے پر ملٹی کلر کی کڑھائی کتنی اچھی لگے گی۔" مریم نے خاصی ایکسائٹمنٹ کے ساتھ اقرا سے رائے لی تو پاس سے گزرتے لڑکوں کی ٹولی مسکرا اٹھی تھی۔ ایسے میں وہ قدرے کنفیوژ ہو کر ادھر ادھر نظریں دوڑانے لگی تھی اور اگلے پل اس کی نظریں ٹھہری گئی تھیں اگرچہ مقابل فریق قدرے فاصلے پر تھا، مگر اتنا بھی

نہیں کہ پہچاننے میں غلطی ہو جاتی۔ یقیناً "وہ صائم ہی تھا" مگر اس کے ساتھ نظر آنے والی وہ قدرے دراز قد اور گوری رنگت والی ماڈ سی لڑکی؟ مریم الجھ کر انہیں دیکھے گئی جو اپنی گفتگو میں اس قدر منہمک تھے اور انہیں مریم کی نظروں کا ادراک بھی نہ ہوا تھا۔

"کیا ہوا مریم۔ کہاں گم ہو گئی ہو۔" اقرا نے اس کے کندھے پر ہاتھ مارا تھا۔

"ہاں... نہیں نہیں۔" وہ چونک کر اس کی طرف پلٹی تھی۔

"یار مجھے سخت بھوک لگ رہی ہے باقی لوگوں کی طرف چلتے ہیں کچھ کھا ہی لیتے ہیں۔"

"ہاں چلو۔" مریم نے کہتے ہوئے مڑ کر بار بار دیکھا تھا۔

☼ ☼ ☼

فون کی گھنٹی بجی اور پھر مسلسل بجتی رہی۔ نائلہ بیگم اندر کمرے میں تھیں مگر صائم لاؤنج میں اخبار آنکھوں کے سامنے رکھے اپنی سوچوں میں گم تھا۔

"توبہ ہے صائم فون تو اٹھا لو ایسا کیا ہے اخبار میں جو تمہیں کچھ سنائی نہیں دے رہا۔" نائلہ بیگم نے باہر نکلتے ہوئے ناگواری کا اظہار کیا اور پھر فون اٹھایا تھا۔

"وعلیکم السلام بھابھی کیسی ہیں؟" ان کا انداز تخاطب بتا رہا تھا کہ دوسری طرف فاطمہ ہیں۔ ان کی جیٹھانی اور ہونے والی سمدھن صائم چونک کر ان کی گفتگو سننے لگا۔

"بھابھی یہاں بالکل خیریت ہے آپ سنائیں بچے ٹھیک ہیں۔"

"ارے کب موسٹ ویلکم... یہ تو بہت خوشی کی خبر سنائی آپ نے۔" نائلہ بیگم نہ جانے ان کی کون سی بات کے جواب میں خوش گوار انداز میں کہہ رہی تھیں۔

"عاصم کی سیٹ کنفرم ہو گئی ہے بھابھی لوگ فرائی ڈے کی شام کو ڈیٹ فائنل کرنے آ رہے ہیں۔" انہوں نے فون بند کر کے خوش خبری سنائی تو صائم کے چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگیں۔

"امی مجھے آپ سے ایک بات کرنی ہے۔"

"ہاں بولو بیٹا کیا بات ہے۔ ویسے میں سوچ رہی ہوں ہماری تیاریاں ابھی بہت آہستہ جا رہی ہیں۔ کل جا کر جیولر کے ہاں آرڈر دے آئیں۔ اب کوئی مہینوں بعد کی ڈیٹ تو فکس نہیں کریں گے۔" اسے بولنے کی اجازت دے کر وہ اپنی کہے گئیں تو صائم ان کا چہرہ دیکھتے ہوئے چپ ہو گیا اور پھر اٹھ کر چلا گیا تھا مگر کب تک اسے اپنی چپ توڑنی ہی تھی۔ اسی روز جب شام کو مریم اسے رات کے کھانے کے بعد کافی دینے آئی تو یونہی ذرا دیر کے لیے اس کے کمرے میں ٹھہر گئی تھی۔

"بھائی جشن بہاراں کے سلسلے میں پھولوں کی نمائش میں پرسوں میں اپنی فرینڈز کے ساتھ گئی مجھے لگا جیسے آپ بھی وہاں موجود تھے۔" اس نے کچھ جھجک کر پوچھا تھا۔

"ہاں... میں بھی گیا تھا۔" صائم نے پہلے چونک کر اسے دیکھا اور پھر کافی کا کپ سائیڈ پر رکھتے ہوئے اطمینان سے اسے جواب دیا تھا۔

"آپ کے ساتھ۔" اس کی جھجک ہنوز برقرار تھی۔

"وہ تمہاری ہونے والی بھابھی تھی مریم اچھا ہوا تم نے پوچھ لیا میں خود تم سے اس کے بارے میں بات کرنے والا تھا۔" مریم کے سر پر اس کی بات سن کر گویا آسمان ٹوٹ پڑا تھا۔

☼ ☼ ☼

"کیا کہہ رہی ہو تم؟" نائلہ بیگم کو تھوڑی دیر کے لیے جیسے سکتہ ہو گیا تھا یا پھر وہ اس کی بات یوں سمجھنے کی کوشش کر رہی تھیں جیسے مریم فارسی زبان میں بات کر رہی ہو۔

"ہاں امی میں ٹھیک کہہ رہی ہوں۔ کل ہی بھائی نے مجھ سے بات کی ہے۔" مریم کے چہرے پر پریشانی کے سائے لرزاں تھے۔

"اف میرے خدا۔" نائلہ بیگم نے سر تھام لیا تھا۔

"امی میں جانتی ہوں کہ یہ بہت پریشانی کی بات ہے، مگر واقعی بھائی یہی چاہتے ہیں۔"

"شادی کی ڈیٹ فکس ہونے کو ہے اور وہ چاہتا ہے کہ ہم کسی اور لڑکی کے لیے اس کا رشتہ لے کر جائیں اسے تمہارا ابھی کوئی خیال نہیں ہے۔"

نائلہ بیگم کا پریشانی سے برا حال تھا، مگر پھر بھی انہوں نے جیٹھانی کو فون کر کے معذرت کی اور شوہر کی اسلام آباد میں ہونے والی کسی میٹنگ کا حوالہ دے کر ٹال دیا تھا، مگر ساتھ ہی انہوں نے مریم سے کہا فوراً "صائم کو فون کرو اور کہو کہ گھر آئے، ایسی ویسی بات تمہارے بابا تک پہنچی تو قیامت ڈھا دیں گے اور پھر ایک ایک کر کے اس گھر کے تمام افراد اتنے نازک موقع پر صائم کے انکار سے واقف ہوتے چلے گئے اور قیامت گویا آکر گزر بھی گئی تھی۔

☼ ☼ ☼

"رکو سمیرا پلیز میری بات سنو۔" یونیورسٹی کے فزکس بلاک کے پچھلے روڈ پر وہ اس قدر تیز تیز قدم اٹھا رہی تھی کہ صائم کو اس کے ساتھ دوڑنا پڑ رہا تھا۔ وہ آفس سے اس کی خاطر ضروری کام چھوڑ کر آیا تھا مگر۔

"میں کچھ نہیں سنوں گی صائم ہٹ جاؤ میرے راستے سے اور نکل جاؤ میری زندگی سے کبھی نہ آنے کے لیے۔"

"ایک آخری بات تم میری بھی سن لو پلیز سمیرا۔" صائم دوڑ کر اس کے سامنے آیا اور راستہ روک کر کھڑا ہو گیا تھا۔ مجبوراً وہ رک گئی۔

"میں تمہارا ہوں میری زندگی بھی تمہاری ہے جہاں تک میرے گھر والوں کی فضول قسم کی رشتہ داری جوڑنے کا تعلق ہے میں لعنت بھیجتا ہوں اور میں۔"

"تب ہی تو ان کے کہنے پر گھوڑی چڑھ کر اپنی کزن کی ڈولی لے جانے کے لیے تیار ہو۔"

"اوہ نو۔ ایسا کبھی نہیں ہو گا میری زندگی میں تمہارے علاوہ کوئی نہیں آسکتی۔ اور اس کے لیے مجھے تمہاری ہر شرط منظور ہے۔"

"ہر شرط۔؟" سمیرا نے تیکھے تیوروں کے ساتھ ہر شرط پر زور دیا تھا۔

"بالکل بشرطیکہ آنٹی ہمارے ساتھ تعاون کریں۔"

"ممی کو منانا میرا کام ہے، مگر تم جانتے ہو میری شرط کیا ہو گی۔"

"میں نہیں جانتا کہ تمہاری شرط کیا ہو گی، مگر مجھے تمہاری ہر شرط منظور ہے۔"

"کیا یہ بھی کہ آج کا سورج ڈھلنے سے پہلے۔" سمیرا نے اپنی بات روک کر اس کے تاثرات جانچے تھے۔

"آج کا سورج ڈھلنے سے پہلے تم مجھے اپنی زندگی میں شامل کر سکتے ہو، میرے ہو سکتے ہو، مجھے اپنا بنا سکتے ہو۔"

صائم حیران کھڑا اس کی بات سن رہا تھا۔

"وائے ناٹ۔" جب اسے سمیرا کی بات کا یقین آیا تو گویا خوشی سے پاگل ہو گیا تھا۔

☼ ☼ ☼

زیتون نے صفائی کرتے کرتے ایک نظر اداس بیٹھی نئی نویلی دلہن پر ڈالی تھی اگرچہ اسے اس گھر میں کام کرتے ہوئے چند ماہ ہوئے تھے، مگر وہ یہاں کے چکروں کی اتنی واقف حال تو تھی کہ اسے اس بے چاری لڑکی کی حیرت اور اداسی پر ترس آتا تھا۔

"دلہن بی بی آپ تیار ہو جائیں نا کتنی دیر سے بیگم صاحبہ کہہ کر گئی ہیں۔"

"اچھا زیتون ہو جاتی ہوں۔" اس نے یونہی گم صم انداز میں جواب دیا تھا۔

"بی بی آپ سے ایک بات کہوں برا تو نہیں مانیں گی۔" زیتون نے ایک چور نظر دروازے پر ڈالی تھی۔

"ہاں کہو زیتون۔"

"آپ کو اپنے گھر والوں کو بتانا چاہیے آخر کو آپ یہاں بیاہ کر آئی ہیں کوئی بھاگ کر تو نہیں۔"

"کیا بتاؤں زیتون مجھے کچھ سمجھ آئے تو بتاؤں۔"

"میں بھی تم سے محبت کرتی ہوں ارباز میں بھی تمہارے بغیر نہیں رہ سکتی۔" سمیرا نے ارباز کی ادھوری بات مکمل کر کے اپنا سر اس کے شانے پر رکھ کر آنکھیں موندلی تھیں۔ ارباز کو اس کے حرف حرف پر یقین آچلا تھا اور صائم کو اپنی محبت پر۔ جو ڈرائنگ روم میں بیٹھا قہقہے بکھیرتے دوستوں سے مبارک بادیں وصول کرتا مٹھائی سے شغل کر رہا تھا۔

☆ ☆ ☆

"آؤ صائم دیکھو تو تمہاری دلہن کے لیے لہنگا سل کر آیا ہے۔ کیسا ہے؟ تمہیں پسند آیا؟" جھلمل کرتے کپڑوں اور رنگین ڈبوں نے گویا لاؤنج میں بہار اتار دی تھی۔

اس کی تینوں بہنیں چائے اور اسنیکس سے لطف اندوز ہوتی شاپنگ پر خوش دلی سے تبصرے کر رہی تھیں۔ جب ماں نے اسے اپنی خوشی میں شامل کرنا چاہا تھا۔

"آخر آپ لوگ کون سی زبان سمجھتے ہیں۔" وہ اتنی بلند آواز سے دھاڑا کہ سب کے حرکت کرتے منہ، زبانیں اور نگاہیں گویا تھم کر رہ گئی تھیں۔

"کس جشن کی تیاریاں کر رہے ہیں آپ لوگ، کتنی دفعہ بتا چکا ہوں کہ آپ لوگوں کی پسند سے ہرگز شادی نہیں کروں گا۔"

"بند کرو اپنی بکواس۔ بہت ڈھیل دے دی میں نے تمہیں، اب مزید نہیں۔" نہ جانے کس وقت رضا صاحب باہر آگئے تھے اور اب ان کی آواز کے سامنے صائم کی آواز گویا دب کر رہ گئی تھی۔

"کوئی ڈھیل نہیں دے رکھی آپ نے مجھے، میری زندگی کا فیصلہ میں خود کروں، یہ میرا حق ہے۔ آپ کو اس بات کی سمجھ تب آئے گی جب آپ بارات تیار کر کے میرا انتظار کرتے رہ جائیں گے اور میں نہیں آؤں گا۔" ایک پل کے لیے وہ ان کے رعب کا شکار ضرور ہوا، مگر اگلے پل ان کے دوبدو تھا۔

"جانتے ہو نا صائم کہ ایسا کر کے تم اپنی بہن کی زندگی برباد کرو گے۔ تمہاری بہن عاصم کے نکاح میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اس دہلیز پر بیٹھی رہ جائے گی۔" اس کی ماں نے روتے ہوئے اسے آگاہ کیا تھا۔

"کس نے کہا تھا قبل از وقت نکاح کرنے کو، کس نے کہا تھا یہ وٹے سٹے کے رشتے کرنے کو؟ اپنی غلطیوں کا بھگتان خود بھگتیں مجھے پروا نہیں ہے کسی۔"

چٹاخ کی بھرپور آواز میں صائم کی آواز دب گئی کہ اس کے باپ کا ہاتھ پوری طاقت سے اس کے چہرے پر پڑا تھا۔

"نکل جاؤ اس گھر سے۔ میں تمہیں عاق کرتا ہوں اپنی تمام تر جائیداد سے۔ پائی پائی کو فقیروں کی طرح ترسو گے تو ہوش ٹھکانے آجائیں گے۔" رضا صاحب کا انداز اس قدر فیصلہ کن تھا کہ صائم سمیت وہاں موجود تمام افراد حق دق رہ گئے تھے۔

☆ ☆ ☆

وانہر اور پائپ سمیٹ کر کونے میں رکھتے ہوئے اس نے ایک نظر اس مختصر سے سرخ ٹائلوں والے صحن پر ڈالی اور مطمئن ہو کر نل کی طرف بڑھ گئی۔ ہاتھ دھوتے ہوئے اسے اپنی پشت پر کسی کی پر تپش نظروں کا احساس ہوا تو مڑ کر دیکھا تھا فراز اندر آچکا تھا۔

"فراز بھائی۔" زیر لب کہتے ہوئے اس نے تار سے اپنا دوپٹا اٹھایا تھا۔

"کیسی ہو؟" تب تک فراز اس کے پاس آچکا تھا۔

"ٹھیک ہوں فراز بھائی۔ آپ کیسے ہیں، ممانی اور روبینہ سب خیریت سے ہیں؟" وہیں چارپائی پر بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے سب کی خیر خیریت پوچھ ڈالی تھی۔

"پھوپھو کہاں ہیں؟" اس نے ادھر ادھر نظر دوڑائی تھی۔

"نماز پڑھ رہی ہیں میں بتاتی ہوں۔"

"ارے نہیں ایسی بھی کیا جلدی ہے، میں بیٹھوں گا نماز پڑھ لیں، یہ دیکھو میں تمہارے لیے سوٹ لایا تھا۔" ہاتھ میں پکڑا شاپر اس کی طرف بڑھایا تھا جسے الجھن بھرے انداز میں وردہ نے پکڑ لیا تھا۔

"آپ جیسی بھی ہیں اس گھر کی عزت ہیں اور آپ کو اپنا مقام ملنا چاہیے۔"

"جیسی بھی؟" اس نے حیرت سے دہرایا تھا اور زیتون کے چہرے پر اپنی بات کا پچھتاوا جھلکنے لگا تھا۔ اس نے کمرے سے نکلنے کی ٹھانی تھی یوں بھی وہ صفائی مکمل کر چکی تھی۔

"ادھر آؤ زیتون۔" اس کا ارادہ بھانپ کر اس نے قدرے سختی سے بلایا تھا۔

"جی دلشن بی بی۔" وہ ناچار اس کے پاس آ کر کھڑی ہو گئی۔

"یہ جیسی بھی ہے تمہاری کیا مراد ہے۔" جواباً زیتون بے چارگی کے تاثرات لیے اس کی طرف دیکھنے لگی تھی۔

"اگر تم میری بات کا جواب نہیں دو گی تو ابھی جا کر میں آنٹی سے پوچھ لوں گی۔" اس کا انداز دیکھ کر زیتون کو اپنی جان شامت میں نظر آنے لگی۔ بیگم صاحبہ کا رویہ نوکروں کے ساتھ خاصا سخت ہوتا تھا۔

"بی بی، ہم ملازم لوگ۔۔۔"

"نہیں تمہارا نام نہیں لوں گی۔" اب کے اس نے نرم انداز میں تسلی دی۔

"جی وہ شادی سے چند دن پہلے عرفان صاحب بیگم صاحبہ سے جھگڑا کر رہے تھے کہ وہ آپ سے شادی نہیں کریں گے۔" زیتون نے ایک بار پھر چور نگاہوں سے دروازے کو دیکھتے ہوئے دھیمی آواز میں بتایا تھا۔

"تو کیا عرفان کسی کو پسند کرتے ہیں۔" خشک لبوں پر ہونٹ پھیرتے ہوئے اس نے کھوج لگانی چاہی تھی۔

"زیتون۔۔۔ زیتون بھئی کتنا کام پڑا ہے اوپر کی ہی ہو کر رہ گئی ہو۔" بیگم صاحبہ کی آواز پر زیتون چھلاوے کی مانند باہر نکل گئی تھی اور وہ ان تمام حالات پر غور کرنے لگی جن میں ان کی شادی ہوئی تھی مگر یہ سب بھی لاحاصل تھا کیوں کہ اس کے لیے جو جاننا ضروری تھا اس کی کڑیاں کسی کے ماضی سے جا ملتی تھیں۔

☆ ☆ ☆

صائم نے اپنا کہا سچ کر دکھایا تھا۔ اسی شام عصر کے وقت وہ اپنے چند دوستوں کے ہمراہ نکاح خواں کو لیے سمیرا کی دہلیز پر موجود تھا اور اپنی قسمت پر نازاں، خوشی سے معمور دل کے ساتھ سمیرا کو اپنی زندگی میں شامل کر لیا تھا۔ سمیرا کے مجبور کرنے پر اس کی ماں نے بہرحال اس نکاح پر رضامندی ظاہر کی تھی یہ الگ بات کہ علیحدگی یا طلاق کی صورت میں ایک بھاری حق مہر کی شرط عائد کی جو صائم نے بخوشی منظور کی تھی۔

"یہ میں کیا سن رہا ہوں سمیرا۔" ارباز درانی جو سمیرا کا کزن تھا دوڑا چلا آیا تھا۔

نکاح کے بعد جب صائم کے دوستوں کی خاطر تواضع کے لیے سمیرا خود اپنی بہنوں کے ساتھ کچن میں موجود ٹرالی میں پلیٹیں سیٹ کر رہی تھی، ارباز کے بدحواس انداز نے سمیرا کے ساتھ ساتھ اس کی ماں اور بہنوں کے چہروں پر بھی مسکراہٹ بکھیر ڈالی تھی۔

"ادھر آؤ میں تمہیں سمجھاتی ہوں کہ تم کیا سن رہے ہو۔" سمیرا نے مسکراتے ہوئے اسے بازو سے پکڑا اور اس کے دوسرے کندھے پر اپنا بازو دراز کیے کمرے کی طرف جانے کے لیے مڑ گئی۔

"تم مجھے الو بناتی رہیں۔۔۔"

"ایسا کچھ نہیں ہے الو۔" اس نے قدرے نرمی اور پیار سے جھڑکا تھا۔

"تو پھر یہ سب کیا ہے ایسا تو کچھ طے نہیں ہوا تھا ہمارے درمیان۔۔۔" وہ بے حد پریشان جواب طلبی کر رہا تھا۔

"بے وقوف میں یہ قدم نہ اٹھاتی تو سونے کی چڑیا اڑ جاتی پھر سے۔" اس نے ہاتھ پر رکھی نادیدہ چیز کو پھونک ماری تھی۔

"تم جانتے ہو ارباز ڈیئر کہ سونے کے پنچھیوں کو آزاد کر دیا جائے تو وہ کبھی نہیں لوٹتے کہ ان کی ضرورت تو سب کو ہوتی ہے۔" صوفے پر اس کے پاس بیٹھی وہ اسے سنجیدگی سے سمجھانے لگی تھی۔

"میں تم سے محبت کرتا ہوں۔" ابھی تک اس کا دل اس حقیقت کو تسلیم نہیں کر رہا تھا۔

"میں تمہارے بغیر۔۔۔"

ایک سہانا تاثر بخش رہی تھی۔ چھت کی منڈیر سے نظر آتا اٹھکیلیاں کرتا ندی کا پانی جس پر کہیں کہیں سبز کائی جمی تھی اس میں تیرتی بھینسیں بھی جیسے ماحول کے جوبن کو محسوس کر رہی تھیں۔

ٹیبل پر رکھے پیڈسٹل فین نے یک دم گھومنا شروع کیا تو رنگین چارپائیوں میں ایک پر گاؤ تکیے سے ٹیک لگائے نیم دراز فراز نے رخ موڑ کر ماں کو دیکھا جو ملازمہ سے اچار ڈلوانے کے لیے آموں کی کیریاں ٹوکے سے کٹوا رہی تھیں۔

"روبینہ جاؤ ذرا میرے کمرے سے وہ لفافہ تو لے کر آؤ جو ماسی فاطمہ دے کر گئی تھی۔" جمیلہ بیگم ملازمہ سے فارغ ہو کر فراز کی طرف متوجہ ہوئیں تو کچھ یاد آنے پر میگزین میں سر دیے بیٹھی بیٹی سے مخاطب ہوئی تھیں۔

"فرو کو بھیج دیں نا۔" وہ قدرے بےزاری سے مخاطب ہوئی، مگر ماں کی تنبیہی نظروں پر چپلیں گھسیٹتی سڑپڑ کرتی نیچے چلی گئی تھی۔

"اماں وہ جو بابا زمین کا سودا کرنا چاہ رہے تھے اس کا کیا بنا؟"

"ہاں وہ شیرازی صاحب کی بیگم دبئی سے دو ہفتے تک آ رہی ہیں پھر ہی فیصلہ ہو گا۔"

"اماں ہمیں جمال پور کافی دور پڑتا ہے اور وہاں کا انتظام سنبھالنا کافی مشکل ہو گا۔

تمہارے بابا بتا رہے تھے وہاں کے کمدار نے انتظام اچھی طرح سنبھال رکھا ہے اور پھر وقتاً فوقتاً ہم بھی چکر لگاتے رہیں گے۔" اسی دوران روبینہ لفافہ لے کر آ چکی تھی۔

"ذرا یہ تصویریں تو دیکھو۔" انہوں نے مسکراتے ہوئے چند تصویریں لفافے سے نکال کر فراز کے حوالے کی تھیں۔

"کیوں؟" اس نے تصویروں پر نظر ڈالے بغیر سوالیہ نظروں سے دیکھا تھا۔

"تمہاری شادی کے لیے میں نے ماسی فاطمہ سے کہا ہے وہی لائی ہیں۔"

"مگر اس کے لیے ماسی فاطمہ کو کہنے کی کیا ضرورت تھی؟" وہ برہم ہوا تھا۔

"کیوں؟ کیوں کہنے کی ضرورت نہیں تھی۔" انہوں نے تیکھی چتونوں سے دیکھا تھا۔

"اماں میں آپ کو کتنی دفعہ بتا چکا ہوں کہ۔۔۔"

"اور میں تمہیں کتنی دفعہ بتا چکی ہوں کہ اتنی بڑی جائیداد کے وارث کے لیے میں کسی یتیم مسکین معمولی اسکول ٹیچر کو بہو بنانے کا سوچ بھی نہیں سکتی۔"

"آپ رہنے دیں، میں بابا سے بات کروں گا۔" وہ تصویریں چارپائی پر پھینک کر قدرے آف موڈ کے ساتھ اٹھ گیا تھا۔

فراز کے بات کرنے سے قبل جمیلہ بیگم نے شام کو ملک زمرد کے آنے پر خود ہی بات شروع کی تو ایک لمبی بحث چھڑ گئی۔ جس کا اختتام ان کے حسب منشا ہی ٹھہرا تھا۔ جب ملک زمرد دبے لفظوں میں ماں کی رضا کو اولیت دینے کی بات کی تو فراز کھانا کھائے بغیر ہی گاڑی لے کر گھر سے نکل گیا تھا۔

جمیلہ بیگم کو زیادہ پریشانی نہیں تھی۔ جانتی تھیں ڈیرے کا رخ کرے گا مگر دوسرے دن بھی واپس نہ آنے پر انہوں نے ملک زمرد کو واپس لانے کا کہلایا تھا۔

"بابا مجھے آپ سے یہ امید نہ تھی۔" وہ ان سے بھی خفا لگ رہا تھا۔ ملک زمرد کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آ گئی۔

"میری بھانجی ہے مجھے تم سے زیادہ عزیز ہے، مگر میں تمہاری ماں کو جانتا ہوں۔ اس کی مرضی کے خلاف آنے والی کوئی لڑکی اس گھر میں بھلا ٹک سکے گی؟" آخر میں قدرے افسردہ انداز میں انہوں نے سوال کر ڈالا تھا۔

"تو میں کیا کروں؟" وہ چڑ کر پوچھ رہا تھا۔

"انتظار کرو اور فیصلہ قسمت پر چھوڑ دو۔" انہوں نے اس کا کندھا تھپکا تھا۔

☼ ☼ ☼

سب کچھ درست چل رہا تھا، مگر آٹھ سال بعد

اچانک ان کی زندگیوں میں طوفان آگیا تھا شہربانو کے بھائی نے صائم کو سمیرا کے ساتھ ہوٹل میں لنچ کرتے دیکھ لیا اور پھر ان تینوں بھائیوں نے کھوج لگا کر ایک روز نکاح نامہ اس کے منہ پر دے مارا تھا۔ اس کی بہن کو دو بچوں سمیت اس کے گھر بٹھا دیا ان کی شرط تھی وہ سمیرا کو طلاق دے یا پھر ان کی بہن کو فارغ کرے' یہ شرط رکھتے ہوئے ان کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ صائم سمیرا کے کہنے پر شہربانو کو تین طلاقیں بھجوا دے گا یوں صائم کی بہن بھی اجڑ کر واپس آگئی۔

☼ ☼ ☼

"مجھے بالکل سمجھ نہیں آرہی ملک صاحب آپ کو یہ فضول کی پیش کش کرنے کی کیا ضرورت تھی ؟" جمیلہ بیگم نے ناک بھوں چڑھائی تھی۔

"تو اور کیا کرتا' مسز شیرازی پوچھ رہی تھیں کہ قریب میں کوئی اچھا ہوٹل یا گیسٹ ہاؤس ہو گا اب مجبورا" مجھے کہنا پڑا' ویسے بھی دو تین دن کی بات ہے۔؟"

"تو انہیں دو تین دن ہمارے سر پر رہنے کی کیا ضرورت ہے' کمدار کے گھر ہی رہ لیتیں۔"

"کمال کرتی ہو تم' اب وہ ملازم کے گھر پر رہتیں اور یوں بھی وہ لوگ ابھی ابھی دبئی سے آئے ہیں۔ یہاں کے ماحول سے مسز شیرازی خاصی برگشتہ لگ رہی تھیں۔ خاص طور پر بیٹے کے لیے پریشان تھیں۔ کہ اسے ایڈجسٹ ہونے میں پرابلم نہ ہو۔" انہوں نے تفصیل بتائی تھی۔

"اور ہاں فراز سے کہنا گھر پر رہے۔ عرفان کو کمپنی دینے کے لیے۔ یہ نہ ہو ادھر ادھر نکل جائے۔؟ انہوں نے ساتھ ہی ہدایت دی تھی۔

"کیا کرتا ہے مسز شیرازی کا بیٹا؟" جمیلہ بیگم سوچ رہی تھیں۔

"ایم بی۔ اے کیا ہے"۔

"جاب وغیرہ نہیں کرتا کیا؟ "

"مسز شیرازی بتا رہی تھیں اب یہاں سیٹ ہو جائیں تو پھر جاب وغیرہ کا سوچے گا۔"

جمیلہ بیگم سوچ میں پڑ کر چپ ہو گئیں۔

☼ ☼ ☼

"دیا بیٹا ہو سکتا ہے آج آپ کو دادی کے ساتھ جانا پڑے پاپا کے گھر۔"

"ماما آپ بھی چلیں گی نا پاپا کے گھر؟" دیا نے ان کی بات کاٹ کر سوال کیا تھا۔

"نہیں میری جان میں نہیں جا سکوں گی پھر آپ دادا اور دادی کے پاس ہی رہو گی۔ اور وہ آپ کا خیال رکھیں گے۔ وہ آپ سے بہت پیار کرتے ہیں۔" شہربانو نے آنکھوں کو چھپا کر اس کا سر اپنے سینے سے لگا کر چوما تھا۔

سول مجسٹریٹ کی عدالت کے احاطے کے ایک کونے میں وہ کانپتے دل کے ساتھ اسے سمجھا رہی تھی۔ وکیل نے توقع ظاہر کی تھی کہ بچوں کی عمروں کو مدنظر رکھتے ہوئے عدالت انہیں ان کے والد کے حوالے کر سکتی ہے۔ ان سے کچھ دور کھڑی مریم کا بھی یہی حال تھا۔ وہ بار بار صبا اور فواد کو مختلف ہدایتیں دے رہی تھیں۔

"حالات کو سامنے رکھتے ہوئے عدالت کا فیصلہ ہے کہ چونکہ تینوں بلوغت کی عمر کو پہنچنے والے ہیں۔ لہٰذا دیا صائم کو ان کے والد صائم رضا جبکہ فواد عاصم اور صبا عاصم کو ان کے والد عاصم خان کے حوالے کر دیا جائے۔" شہربانو اور مریم کے چہرے تاریک تھے جبکہ باقی افراد بے تاثر کھڑے تھے۔ ایڈیشنل مجسٹریٹ سائرہ نورین نے فیصلہ سناتے ہوئے تمام افراد پر ایک نظر ڈالی تھی۔

مریم نے دونوں بچوں کو پیار کر کے باپ کے پاس جانے کو کہا تھا۔ جبکہ شہربانو نے دیا کے گال چوم کر اسے دادی کے پاس جانے کی ہدایت کی تھی۔ اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے اور دل کسی انہونی کی گواہی دے رہا تھا۔ مضطرب سی دیا کورٹ کے احاطے سے نکلتے ہوئے دادی کا ہاتھ پکڑ کر بار بار مڑ کر ماں کو

دیکھتی۔

☼ ☼ ☼

مسز شیرازی اور ان کے بیٹے کی آمد ہو چکی تھی اور روبینہ کو سمجھ نہیں آرہا تھا کہ عرفان کی تعریف میں کون سے الفاظ استعمال کیے جائیں۔ بی اے انگلش کی مہلی کلیئر کرنے سے مایوس ہو کر وہ جوانی وی فلموں اور رسالوں کی دنیا میں مگن تھی عرفان بھی اسی دنیا کا باسی لگ رہا تھا۔ سرخ و سفید رنگت پر سنہری فریم کی عینک لگائے درمیانے قد کے ساتھ وہ بے حد اسمارٹ سا انٹلکچوئیل شخص گویا اس کے دل میں اتر گیا تھا اور سمجھ تو جمیلہ بیگم کو بھی نہیں آرہی تھی کہ آخر مسز شیرازی سے کس قدر اور کس طرح حسن سلوک سے پیش آئیں کہ ان کا دل جیت لیں بیٹی کے لیے وہ کسی ہم پلہ خاندان کا رشتہ چاہتی تھیں جو آکر نہیں دے رہا تھا۔ اب ان کی مراد بر آئی اگر اس انتہائی سوبر ڈیسنٹ اور مؤدب سے لڑکے کی والدہ کو متاثر کرنے میں کامیاب ہو جاتیں۔

چائے پر جلدی میں جو اہتمام ہو سکا انہوں نے کیا مگر شام کے کھانے کے لیے انہیں ورده کی مدد لینے کی سوجھی جس کا ہاتھ کا ذائقہ لاجواب تھا۔

"پھوپھو اماں نے ورده کو لینے بھیجا ہے۔"

"کیوں خیریت بچے۔" انہوں نے اپنی ازلی سادگی سے استفسار کیا تھا۔

"دراصل ہمارے گھر مہمان آئے ہیں زمین کے سودے کے سلسلے میں تو امی کا خیال تھا کہ ورده تھوڑی مدد کروا دے گی۔"

کچن میں چائے بناتی ورده کی پیشانی پر شکنیں اتر آئی تھیں "ممانی کو جب ضرورت پڑتی یاد فرماتیں اور ویسے بیوہ نند اور اس کی بیٹی کی خیر خیریت بھی معلوم کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کرتی تھیں۔ یوں بھی اسے فراز کے ساتھ جانے کے خیال سے سخت کوفت ہو رہی تھی یوں تو اس کا آنا جانا اور ملنا ملانا کم ہوتا تھا۔ مگر وہ یہاں کے سرکاری اسکول میں ٹیچر تھی ماموں کی اولاد زینہ کی سرگرمیاں اس کی سماعتوں تک پہنچتی رہتیں ڈیرے پر دوستوں کے ساتھ لگائے جانے والے شغل میلے کون سی اخلاقی حدود و قیود کو پار کر جاتے تھے۔ اس کی بھی کچھ نہ کچھ خبر مل جاتی۔ پھر فراز کا اپنی طرف جھکاؤ اسے ناگواری میں مبتلا کر دیتا تھا۔

"ورده بیٹی!" وہ چائے لے کر آئی تو اماں اس کی طرف متوجہ ہوئی تھیں۔

"بھرجائی نے تمہیں بلا بھیجا ہے تم تیار ہو جاؤ۔"

"اماں آج تو میرا بہت کام ہے' فراز بھائی میں ان شاء اللہ کل آنے کی کوشش کروں گی۔"

"بچہ آج آیا ہے اور تم۔" اماں نے مداخلت کی تھی۔

"کوئی بات نہیں پھوپھو میں صبح آجاؤں گا تم تیار رہنا۔" سیاہ مونچھوں تلے دھیمی سی مسکان سجائے وہ اس سے مخاطب تھا۔

☼ ☼ ☼

گزرتا وقت اپنے پیچھے بہت سی تبدیلیاں چھوڑ گیا تھا۔ ماں کے انتقال کے بعد سمیرا کی بہنوں نے اس کی تقلید میں اوباش رئیس پھانس لیے تھے ایک سندھ کی جاگیردار کی تیسری بیوی بن کر رخصت ہوئی۔ ایک نے اور کزنی خاندان کے اکلوتے سپوت کو نشانہ بنایا اور دیار غیر سدھار گئی اب تک اگر کوئی اس کا ساتھ نبھا رہا تھا تو وہ ارباز تھا دوسری طرف صائم کے والد کے گزر جانے کے بعد سمیرا صائم کے آبائی گھر اٹھ آئی اس سے پہلے کہ اس کا بڑا بھائی پورے گھر پر قابض ہوتا۔ سمیرا کے شفٹ ہونے کے بعد اس وسیع و عریض گھر کو دو حصوں میں تقسیم کر کے چند ایک تبدیلیاں لائی گئیں دوسرا گیٹ لگوا کر درمیان میں دیوار کھڑی ہوئی تو مریم اور صائم کی ماں دوسرے بھائی کے ساتھ جا بسیں۔ سو اب گھر میں سمیرا کا راج تھا اور اس کے ستم سہنے کو دیا موجود تھی۔ جو کبھی اس گھر کی لاڈلی ہوا کرتی تھی مگر۔۔۔

صائم دیا کو اس کی ماں کے پاس بھیج دینا' میری دیا کے معاملے میں ضد نہ کرنا یہ میرے گھر کی رونق

تھی۔ میں اسے یوں نہیں دیکھ سکتی۔" صائم کی ماں نے اس کا ہاتھ تھام کر اکھڑتی سانسوں میں التجا کی تھی۔ فرشتہ اجل کو اپنے سر پر منڈلاتے دیکھ کر اسے کسی کی فکر نہ تھی اپنی اجڑی بیٹی مریم کی نہیں اس کے بچھڑ جانے والے دو بچوں کی بھی نہیں۔ وہ کانونٹ کے بہترین ماحول میں تعلیم حاصل کر رہے تھے۔ اسے صرف دیا کی فکر تھی تب ہی تو وہ دنیا سے جاتے سمے بیٹے سے التجا کر رہی تھی۔ اور ماں کے جانے کے بعد شاید صائم ایسا کر دیتا وہ ماں کی خواہش پر دیا کو اس کی ماں کے حوالے کر دیتا اگر سمیرا اور میان میں نہ آتی اس کے دو سالہ گڈو کو دیا سے بہتر آیا نہیں مل سکتی تھی۔

☼ ☼ ☼

اسے فراز کے ساتھ آنا قطعا" گوارہ نہیں تھا۔ سو ناشتے کے ساتھ ہی ہنڈیا چڑھا کر اور آٹا گوندھ کر پڑوس کے نومی کو لے کر ماموں کی حویلی آگئی صرف دس منٹ کا فاصلہ تھا چلتے چلتے اس نے وہ سوٹ بھی لے لیا جو فراز پچھلے دنوں اس کے لیے لایا تھا اس کا ارادہ روبینہ کو تحفہ دینے کا تھا اور روبینہ جو آج کل یوں بھی اڑی اڑی پھر رہی تھی اتنا خوب صورت سوٹ تحفے میں پا کر کھل اٹھی تھی۔

فرو کے ساتھ باتیں کرتے اور تیز تیز دوپہر کے کھانے کی تیاری کرتے میں وقت کا پتا ہی نہیں چلا تھا۔ فرو ہاتھوں کی جتنی سست تھی زبان کی اتنی تیز۔ کام کے دوران اس نے کئی کام کی باتیں اس کے گوش گزار کروائی تھیں جن میں ایک تو نئے مہمانوں کی خصوصی آؤ بھگت کے پس پردہ مقاصد اور ساتھ ہی پچھلے دنوں گھر میں ہونے والے ہنگامے کا احوال بھی کہہ سنایا تھا جس کا مرکزی کردار وہ خود تھی۔

"دیکھیں بی بی مطلب کے وقت تو....." وہ اپنے ازلی منہ پھٹ انداز میں کہنے جا رہی تھی۔

"فرو جلدی جلدی کام کرو یہ باتیں پھر کسی وقت پر اٹھا رکھو۔" اس نے کڑھائی میں چمچہ ہلاتے ہوئے اسے روک دیا تھا۔

"بہن جی یہ میری بہت پیاری بیٹی ہے میری بھانجی ہے مگر مجھے اپنی بیٹی سے زیادہ پیاری ہے؟" ماموں مہمانوں کے ساتھ زمینوں کا چکر لگا کر لوٹے تو ان کی بے وقت کی طلب پر وہ انہیں چائے پکڑانے گئی تھی ماموں نے اسے خود سے لگا کر ان سے تعارف کرایا تو اس کا دل موم ہو چلا تھا کم از کم اس گھر میں کوئی ایسا شخص تو تھا جسے ان ماں بیٹی کا خیال تھا۔

"ماشاء اللہ بہت پیاری بچی ہے۔" مسز شیرازی نے مسکراتے ہوئے تعریف کی تھی۔

☼ ☼ ☼

وہ تقریبا" روزانہ ہی سمیرا کے کہنے پر گڈو کو ڈیڑھ دو گھنٹے کے لیے قریبی پارک میں لے جاتی تھی اور سمیرا ڈانٹ پھٹکار کے ساتھ روزانہ ہی اسے کہا کرتی تھی کہ دو گھنٹے سے قبل واپس نہ آئے۔ مگر اس روز گڈو کو ہلکا ہلکا ٹمپریچر تھا پہلے تو وہ اس کی گود میں گھس کر بیٹھا اور پھر وہیں بینچ پر بیٹھے اس کی گود میں سو گیا تھا۔ دیا نے احتیاط سے اٹھا کر اسے کندھے سے لگایا اور اٹھا کر گھر کی طرف چل دی تھی۔

گیٹ اندر سے بند تھا دو بار تین بار کھٹکھٹانے کے باوجود گیٹ کھولنے تو کوئی نہ آیا البتہ قریبی گیٹ سے مریم پھوپھو باہر نکلتی دکھائی دی تھیں۔

"ارے دیا یہ تم ہو۔ کافی دیر سے تم دستک دے رہی ہو شاید سمیرا ٹی وی لگا کر بیٹھی ہو گی ایسا کرو اس طرف سے چلی جاؤ۔" ان کے کہنے پر وہ چچا کے گھر سے اوپر جاتی سیڑھیوں سے ہو کر اپنے گھر کی چھت پر آئی اور وہاں سے احتیاط سے سیڑھیاں اترتی اپنے گھر میں داخل ہوئی تھی سمیرا پتا نہیں کہاں تھی گڈو کو اس کے کمرے میں سلانے کے لیے اس نے سمیرا کے کمرے کا دروازہ کھولا اور دروازے کے ہینڈل پر رکھا اس کا ہاتھ ہی نہیں پورا وجود بھی ساکت رہ گیا تھا۔ سولہ سالہ دیا کے لیے اپنی زندگی کا بھیانک منظر تھا۔ وہاں موجود دونوں نفوس چونکے تھے۔ دیا پلٹ چکی تھی۔ صائم کا بزنس کئی شہروں میں پھیلا ہوا تھا وہ کئی کئی دن کے تور پر

رہتا اور ارباز درانی۔

☼ ☼ ☼

وہ تیزی سے بچا ہوا کھانا مختلف برتنوں میں ڈال کر فریز کرنے میں مصروف تھی جب اسے پتا ہی نہ چلا فراز کچن کے دروازے پر آن کھڑا ہوا تھا۔

"تم خود کو کیا سمجھتی ہو؟" اس کے تیکھے سوال پر وہ چونک کر مڑی تھی۔

"اللہ کی ایک حقیر سی بندی۔" اس نے برجستہ جواب دیا اور دوبارہ سے اپنے کام میں مصروف ہو گئی تھی۔

"تم نے وہ سوٹ روبینہ کو کیوں واپس کیا؟" وہ چبا چبا کر پوچھ رہا تھا۔

"اس لیے کہ وہ اس سوٹ کی اصل حق دار تھی آپ نے مجھے دے کر غلطی کی اور میں نے اس غلطی کو سدھار دیا۔" وہ چپ چاپ کھڑا رہا۔

"آپ کو کچھ چاہیے کھانا' پانی چائے۔ نہیں تو مہمانوں کے پاس جاکر بیٹھیں انہیں کمپنی دیں۔" اس کے ہاتھ تیزی سے حرکت کر رہے تھے۔

"تمہیں صبح یہاں اس قدر پہنچنے کی جلدی کیوں تھی جب میں نے کہا تھا کہ میں خود تمہیں لینے آؤں گا۔"

"یہ کون سی کتاب میں لکھا ہے کہ آپ مجھے کہیں اور میں آپ کے ساتھ سیریں کرنے چل دوں۔"

"او تو میں صحیح سمجھا کہ تم اس لیے جلدی آگئیں کہ تمہیں میرے ساتھ نہ آنا پڑے۔"

"آپ جو چاہیں سمجھ لیں میری طرف سے کوئی پابندی نہیں ہے۔"

"مگر میری طرف سے پابندی ہے۔ میں تمہیں اپنے جذبات کو یوں ارزاں کرنے کی اجازت نہیں دوں گا۔" وہ طیش سے اس کی طرف بڑھا تو وہ بدک کر پیچھے ہٹ گئی وردہ کی آنکھوں میں ایک لمحے کے لیے خوف امنڈ آیا تھا۔

"آپ یہاں سے جائیں گے یا پھر میں ماموں کو آواز دوں۔"

"دیکھ لوں گا۔ تمہیں بھی اور تمہارے ماموں کو بھی۔" میری برداشت کو۔ زیادہ نہ ہی آزماؤ تو اچھا ہے۔" چبا چبا کر دھمکی دیتا وہ باہر جا چکا تھا۔

☼ ☼ ☼

اب کیا ہو گا سمی اس نے کہیں صائم کو بتا دیا تو اتنے سالوں سے بنا بنایا کام بگڑ جائے گا۔ عیاشی ارباز کی گھٹی میں پڑی تھی اور یوں بھی اتنے سالوں میں وہ تن آسانی کا عادی ہو چلا تھا۔

"ہاں پریشانی تو مجھے بھی ہے اگر اس نے باپ سے کچھ کہہ دیا تو اتنی بڑی بات سن کر وہ اگنور نہیں کرے گا۔" پہلی بار سمیرا کو یہ کھیل بگڑتا نظر آرہا تھا۔

"یہ ذلیل واپس کیسے آگئی گیٹ تو اندر سے بند تھا؟" سمیرا نے پریشانی سے اپنی پیشانی مسلی تھی۔ پھر اس کے شاطر ذہن کو ایک ترکیب سوجھ گئی تھی۔

"کیا بات ہے۔ سمیرا تم کچھ پریشان لگ رہی ہو۔" صائم شام کو واپس آیا تھا اور سمیرا کے الجھے الجھے بکھرے انداز ملاحظہ کر رہا تھا۔

"ہاں۔" وہ چونکی تھی۔ "نہیں کچھ نہیں۔" بریڈ پر جام لگا کر اس کی پلیٹ میں رکھتے ہوئے وہ پھر سے اپنی سوچ میں گم تھی۔

پریشان اور الجھی سمیرا کے انداز کو صائم نے بغور ملاحظہ کیا اور اس کا ہاتھ پکڑ لیا تھا۔

"سمیرا بتاؤ کیا مسئلہ ہے کیوں اتنی پریشان ہو۔"

"آپ ناشتا کریں پلیز۔"

"ناشتا بعد میں پہلے تم بتاؤ مسئلہ کیا ہے۔" سمیرا نے کچھ دیر الفاظ ترتیب دیے اور پھر یک دم صائم کے پاؤں پڑ گئی۔

"صائم! صائم! مجھے معاف کردو میں بہت پریشان ہوں مجھ سے غلطی ہو گئی نہ جانے کہاں چوک ہو گئی کہ اتنا کچھ ہو گیا۔" وہ اس کے پاؤں پکڑ کر مسلسل معافیاں مانگ رہی تھی۔

"سمیرا کیا ہوا ہے۔" صائم نے اسے کندھوں سے

تھام کر اٹھانا چاہا تھا۔

"صائم میں تمہاری عزت کی حفاظت نہیں کر سکی۔"

"آخر ہوا کیا ہے؟" صائم جھنجوڑ کر اس کے سامنے بیٹھا پوچھ رہا تھا۔

"صائم۔۔۔ ہماری بیٹی کو۔۔۔ دیا کو۔" وہ روتے ہوئے کچھ بتانے کی کوشش کر رہی تھی۔

"کیا ہوا ہے دیا کو۔ کیا کیا ہے دیا نے۔"

"صائم دیا۔۔۔ نے ہمیں کہیں منہ دکھانے کے قابل نہیں چھوڑا ہے۔" صائم کی آنکھیں حیرت کی زیادتی سے پھٹ گئیں اس نے یک دم کھڑے ہو کر سمیرا کو یوں دیکھا۔ جیسے کوئی اژدھا یا سانپ دیکھ لیا ہو۔ مگر وہ نہ تو سانپ تھی نہ ہی اژدھا وہ تو بس ناگن تھی۔

☼ ☼ ☼

مہمان بس رخصت ہونے والے تھے۔ اور ان سے زیادہ رخصتی کی جلدی وردہ کو تھی۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ وہ مہمانوں کے جانے کے بعد اجازت طلب کرے تو فراز اپنی خدمات پیش کر دے۔ اس نے ماہی جمیلہ سے اجازت لی تو انہوں نے اماں کے لیے کھانا لے جانے کی ہدایت کے ساتھ فارغ کر دیا۔ وہ اپنے گھر کے راستے پر تھی جب مسز شیرازی کی گاڑی نے انہیں کراس کیا۔ اور پھر ذرا سا ریورس ہو کر اس کے پاس رکی تھی۔

"آئیں بیٹا آپ کو ڈراپ کر دیتے ہیں۔"

"نہیں آنٹی آپ کو زحمت ہوگی اور ویسے بھی ہمارا گھر اندر گلی میں ہے وہاں گاڑی کا جانا مشکل ہے۔"

"مشکل ہے بیٹا ناممکن تو نہیں" انہوں نے مسکرا کر اس کی بات پکڑی اور اپنی طرف کا دروازہ کھولا تھا۔ مجبوراً" اسے بیٹھنا پڑا تھا۔

"آنٹی آئیں نا کچھ چائے پانی پی کر چلے جایئے گا۔" اس نے ایک فارملیٹی نبھائی تھی مگر اسے حیرت ہوئی جب مسز شیرازی مسکرا کر نیچے اتر آئیں یہ کہتے ہوئے

کہ "چلو آپ کی ماما سے بھی مل لیں گے۔"

"آؤ عرفان بیٹا آپ بھی آنٹی سے مل لینا۔"

ماموں کے گھر مختصر سی گپ شپ تو رہی تھی مگر یوں گھر تک چلے آنے کی قطعی امید نہ تھی۔ وردہ نے جلدی جلدی انہیں چائے بنا کر پیش کی جسے انہوں نے بہت آرام آرام سے نوش فرمایا تھا مزید دو گھنٹے اماں سے گپ شپ لگا کر جب وہ اٹھیں تو اماں انہیں گاڑی تک چھوڑنے گئیں اور واپس آ کر اس کے سر پر اماں نے گویا حیرت کا بم پھوڑ دیا تھا۔

☼ ☼ ☼

اندر سے مار پیٹ کی آوازیں آ رہی تھیں جنہیں کتنی دیر سے سنتی سمیرا کے ہونٹوں پر پر اسرار سی مسکراہٹ تھی۔

"بتاؤ مجھے کون ہے وہ؟ بتاؤ مجھے۔" صائم چیخ کر پوچھ رہا تھا۔

"پاپا کس کے بارے میں پوچھ رہے ہیں آپ مجھے نہیں پتا؟" دیا کی آنسوؤں میں بھیگی آواز بھی اس کی سماعتوں تک پہنچ رہی تھی۔

"بکواس کرتی ہے ذلیل" دیا کی زوردار چیخ ابھری تھی گڈو جو نہ جانے کس وقت سمیرا کے پاس آن کھڑا ہوا تھا یک دم چیخ چیخ کر رونے لگا تھا ہر وقت دیا کے ساتھ رہنے کی وجہ سے اس کی اٹیچ منٹ تھی لہٰذا وہ یوں اس کی چیخ و پکار اور پٹتے نہ دیکھ سکا تھا۔ سمیرا اس کو اٹھا کر جلدی سے اپنے کمرے میں لے آئی اور چپ کراتے ہوئے ٹیبل کی دراز سے چاکلیٹس نکال کر اس کو دی تھیں۔ اسے چاکلیٹس کھاتا چھوڑ کر وہ باہر نکلی تھی تو دیا انتہائی خوف زدہ حالت میں کمرے سے نکلی تھی۔ اس کے سر سے بھل بھل کرتا خون بہہ رہا تھا۔ وہ برآمد کراس کر کے صحن میں پہنچی اور وہیں نڈھال ہو کر گر گئی۔

☼ ☼ ☼

"کیا تمہارے اس فیصلے میں لچک کی کوئی گنجائش ہے کہ تم اپنے بیٹے کی شادی ہم پلہ گھرانے میں کرو

گی۔"

"ظاہری سی بات ہے ملک صاحب اس میں لچک کی کون سی گنجائش نکلتی ہے۔ رشتے ہمیشہ ہم مرتبہ لوگوں میں کیے جاتے ہیں۔" جمیلہ بیگم نے پر غرور انداز میں جواب دیا تھا۔

"ورنہ بہت سلجھی ہوئی بچی ہے دولت جائیداد ہی سب کچھ نہیں ہوتی۔" انہوں نے ناصحانہ انداز میں کہا تھا۔

"دولت جائیداد کے ساتھ جو لڑکی میں لاؤں گی وہ ورنہ سے کم نہیں ہوگی۔" جمیلہ بیگم کا انداز واقعی بے لچک تھا۔

"ورنہ میری بیوہ بہن کی بیٹی ہے۔"

"ہاں تو میں نے اس حقیقت سے کب انکار کیا ہے آپ سرپرست بن کر بیوہ بہن کی سلجھی ہوئی بچی کا رشتہ کسی اچھی جگہ کروادیں نا اور بارات کو کھانا بھی دے دیجیے گا۔" انہوں نے بات کاٹتے ہوئے تیکھے انداز میں مشورہ دیا تھا۔

"اپنی بچی آتی تو ہماری بھی خدمت......"

"خدمت کرنے کے لیے نوکر بہت" انہوں نے ایک بار پھر شوہر کی بات کاٹ دی۔

"بہرحال ایک بار پھر اچھی طرح سوچ لو۔"

"میں بے تکی باتوں کو سوچنے میں وقت ضائع نہیں کرتی یہ آپ بہت اچھی طرح جانتے ہیں۔" اور ملک زمرد کا دل چاہا ابھی اور اس وقت بہن کو فون کرکے حقیقت حال سے آگاہ کردیں وہ موبائل اٹھا کر باہر نکل گئے۔

☼ ☼ ☼

"کیا بات ہے تمہاری یار!" ارباز درانی کے ہونٹوں پر ستائش بھری مسکراہٹ تھی۔

"تمہاری ذہانت سے مجھے ایسی ہی توقع تھی۔ اس سے پہلے کہ وہ اپنے باپ کو کچھ بتائے تم نے اسے اس کی نظروں میں گرادیا۔" وہ دل کھول کر داد دے رہا تھا۔

"اس نے خود ہی جلدی گھر آکر اپنی مصیبت کو دعوت دی تھی ورنہ مجھے اس کے ساتھ یہ سب کروانے کی کیا ضرورت تھی۔" سمیرا نے کشن کے درمیان نیم دراز حالت میں اپنے شولڈر کٹ بالوں میں انگلیاں چلاتے ہوئے کہا تھا۔

"ضرورت تھی ڈیئر، تمہیں اس بارے میں ویسے بھی اب سوچنا چاہیے۔"

"کیوں بھئی یہ (چھوٹی سی) پدی سی لڑکی میرا لیتی ہی کیا ہے۔" سمیرا نے لاپروائی سے دریافت کیا تھا۔

"تم اتنی بے وقوف ہوسکتی ہو؟" اس کی بات پر ارباز درانی نے متفکرانہ انداز میں دیکھا تھا۔

"کیا مطلب؟" وہ سیدھی ہوئی تھی۔

"یہ پدی سی لڑکی تمہارے لیے خطرے کا بہت بڑا سائن ہے۔ یقیناً" آنے والے چند سال میں اس کا باپ اس کی شادی کردے گا۔"

"اگر میری مرضی ہوئی تو۔" سمیرا مطمئن تھی۔

"نہیں اس معاملے میں اس کا ننھیال کمپرومائز نہیں کرے گا۔"

"چلو پھر؟"

"اس کے ساتھ صائم کی جائیداد میں اس کے حصے کا تنازعہ بھی اٹھ کھڑا ہوگا۔" ارباز نے اسے آنے والے خطرے سے آگاہ کیا تھا۔

"اوہ آئی سی اس طرف تو کبھی میرا دھیان ہی نہیں گیا۔" سمیرا کی پیشانی پر فکرات کا جال بن چکا تھا۔

"بہرحال میں تمہیں یہ کہنے آئی تھی کہ دو ہفتے تک ادھر کا رخ مت کرنا جب تک صائم یہاں ہے۔" وہ اس وقت ارباز کے گھر میں اس کے ساتھ وقت گزارنے آئی تھی۔

"یہ تو بہت مشکل ہے بھئی۔" ارباز نے انکار میں سر ہلادیا تھا۔

"بدھو میں چکر لگاتی رہوں گی" سمیرا نے مسکرا کر تسلی دی تھی۔

☼ ☼ ☼

تمام تر حقیقت جاننے کے بعد ملک زمرد نے بہن کو

مسز شیرازی کی طرف سے دیا جانے والا رشتہ قبول کرنے کا مشورہ دیا تھا۔

اس شام جب مسز شیرازی نے دوبارہ آنے کا فون کیا تو انہوں نے اپنے بھائی کو بلوا لیا تھا۔ وردہ کے سرپرست کی حیثیت سے انہوں نے مسز شیرازی کو ہاں کی تو اسی وقت مسز شیرازی نے اپنی انگلی سے انگوٹھی اتار کر شادی کی تاریخ طے کرنے پر نہ صرف زور ڈالا بلکہ تاریخ طے کروا کر ہی اٹھی تھیں۔

"سب قسمت کے فیصلے ہیں کلثوم! میری بھی بہت خواہش تھی کہ میری بھانجی میری بہو بنے مگر رب کے فیصلے ہیں یہ۔ تم صدق دل سے اس کے فیصلے کو قبول کرو۔ اس میں بہتری ہوگی۔ عرفان بہت سمجھدار بچہ ہے ان شاء اللہ ہماری بیٹی خوش رہے گی۔"

مسز شیرازی کے جانے کے بعد بہن کا پرملال چہرہ دیکھ کر وہ بہت دیر تسلی دیتے رہے حتیٰ کہ شام کا کھانا بھی ان کے ساتھ کھایا تھا۔ بہن کو یوں افسردہ چھوڑ کر جانے کو ان کا دل نہیں مان رہا تھا۔

☼ ☼ ☼

سمیرا نے دیا کے کمرے کا دروازہ کھولا اور خشونت بھری نظر اس بے بس پر ڈالی تھی جو ایک کمرے میں قید تھی۔ سمیرا نے نہایت بے چارگی سے صائم کے سامنے خدشہ ظاہر کیا تھا۔ کہ بدنامی میں کوئی کسر باقی تو نہیں رہ گئی لیکن اگر اس پر پابندی نہ لگائی گئی تو گھر سے فرار ہو سکتی ہے اس کے ساتھ۔" صائم نے اسے کمرے میں بند کر دیا تھا۔

"جاؤ کچن میں جاکر میرے لیے چائے بناؤ۔" دیا نے اس کی طرف دیکھا اور لڑکھڑاتی ہوئی کمرے سے نکل کر کچن کی طرف بڑھی تھی۔ سمیرا اس کے پیچھے کچن تک آئی اور اسے دیگچی دھوتے ہوئے پانی رکھتے اور پھر ماچس کی تلاش میں ادھر ادھر نظر دوڑاتے دیکھا تھا وہ دروازہ بھیڑ کر باہر صحن میں چلی آئی تھی تھوڑی ہی دیر میں گھر دیا کی چیخوں سے گونج رہا تھا اور دیا کی چیخیں مدھم ہونے پر سمیرا کی چیخوں نے محلے والوں کو اس طرف متوجہ کیا تھا۔

سب سے پہلے پہنچنے والے محلے دار ڈاکٹر ارشاد دو آدمیوں کو لے کر اندر کی طرف بڑھے اور کچن کے باہر گیس کا والو بند کیا اور کچن کا دروازہ دھکا دے کر کھولنا چاہا مگر یہ کیا۔ کچن کا دروازہ باہر سے بند تھا۔ اور اندر ایک سوختہ وجود زندگی کی آخری سانسیں لے رہا تھا۔

☼ ☼ ☼

"پتا نہیں کون لوگ ہوتے ہیں جو زندگی سے اپنا حق اور حصہ وصول کر لیتے ہیں۔ ہمیں تو سب کچھ ہوتے ہوئے کچھ بھی نہ ملا۔" فراز کے الفاظ اس کا باپ کا دل چیر گئے تھے روبینہ اور جمیلہ بیگم گم صم تھیں۔ فراز کی زندہ دلی، بزلہ سنجی اور اس کے مشغلے میلے سب کچھ محض رت جگوں میں تبدیل ہو گئے تھے جس قدر وہ محفلوں کی جان ہوا کرتا تھا اسی قدر تنہائی پسند ہو گیا تھا دوستوں میں بیٹھنا ترک کر دیا تھا اور اگر دوست اس کے پاس آکر بیٹھتے تو وہ ان کے درمیان سے اٹھ کر چلا جاتا اور پھر ڈھونڈنے سے بھی نہ ملتا۔ محفلوں سے یوں دور بھاگتا جیسے خاموشی کسی پر رونق شہر سے بوریا بستر کوچ کرے۔ تنہائی اس کی ذات کا یوں حصہ بنی تھی جیسے ویرانی کسی صحرا میں ڈیرا ڈال لے۔

اس روز بھی اس کا جگری دوست کاشف اسے ڈھونڈتا چلا آیا تھا۔

"یوں ہار ماننا جگر کو سوٹ نہیں کرتا۔" وہ اس کے کندھے پر تسلی آمیز ہاتھ رکھ کر کہہ رہا تھا۔

"ہار نہ مانوں تو کیا کروں۔" "تمہارے پاس اس لڑکے کا نمبر ہے؟"

"کس کا!" اس نے سوالیہ انداز میں دیکھا تھا۔

"وہی جو ہماری بھابھی کا طلب گار بن بیٹھا ہے۔"

"ہاں ہے۔" اس نے دو لفظی جواب دیا تھا۔

"اس سے بات کرو۔"

"اس سے بات کرنے سے بھلا کیا ہوگا؟" وہ استہزائیہ انداز میں پوچھ رہا تھا۔

"فراز تو نے نوٹ کیا وہ لڑکا کچھ عجیب سا تھا۔ جیسے نہ

مردوں میں نہ عورتوں میں؟" کاشف کچھ الجھے انداز میں کہہ رہا تھا۔

"کیا مطلب؟"

"یار ہر وقت ماں کے پیچھے چلتا ہوا کچھ زیادہ ہی گاؤدی نہیں لگتا تھا۔ مجھے تو کہیں سے نہیں لگ رہا تھا کہ وہ دبئی میں پلا بڑھا ہے۔" کاشف اپنا موبائل نکال کر اس میں سم چینج کرتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ پھر اس نے عرفان کا نمبر لے کر ڈائل کیا وائس چینجر لگا کر اس کے حوالے کیا تھا۔

"تیرے دل میں جتنا جوار بھاٹا اٹھ رہا ہے گم نام بن کر اس سے کہہ دے۔" فراز نے حیران ہو کر لائن کاٹی اور جاتے ہوئے کاشف کی پشت پر سوچ نظر ڈالی تھی۔ تھوڑی دیر بعد اس نے ڈائل آپشن میں جا کر یس کا بٹن دبا دیا تھا۔

☆ ☆ ☆

دیا کے سفر آخرت کی تیاریاں شروع ہوئیں۔ مگر کچھ بھنبھناہٹیں بھی ماحول کا حصہ بنی ہوئی تھیں جن کا اختتام اس وقت ہوا جب منوں مٹی ڈال کر واپس آنے والوں کا سامنا سائرن بجاتی پولیس کی گاڑیوں سے ہوا۔ شہربانو کے بھائیوں نے صائم اور سمیرا کے خلاف قتل کی ایف آئی آر درج کرا دی تھی۔

وقت اور حالات بدلتے دیر نہیں لگتی۔ تب ہی موٹی توند والے ایس ایچ او نے اس کے بھائیوں کو اگلے روز تھانے بلا لیا تھا۔

"اگر پوسٹ مارٹم رپورٹ میں یہ ثابت ہو گیا کہ اس کے سر پر چند گھنٹے پہلے کوئی شدید چوٹ لگی تھی۔" ایک لمبی چوڑی میٹنگ کے بعد شہربانو کے بھائی نے کہا تھا۔

"یقیناً" ارشاد صاحب کی گواہی کے بعد قتل کا مضبوط کیس بن جائے گا۔ ایس ایچ او صاحب۔"

"اور اگر پوسٹ مارٹم رپورٹ میں ثابت ہو گیا کہ مقتولہ حاملہ تھی تو آپ کی کیا عزت رہ جائے گی۔ برادر۔" ایس ایچ او کے اختتامی فقرے پر سب کو سانپ سونگھ گیا تھا۔

"کچھ بھی ہو میری بیٹی تو واپس نہیں آئے گی۔ میں نے اپنا فیصلہ اللہ پر چھوڑ دیا میرا رب اس مظلوم کا حساب کرے گا۔" شہربانو نے بھائیوں سے کہہ کر قتل کی ایف آئی آر واپس لے لی تھی۔

"ہم خود اس قتل کا بدلہ لیں گے۔" شہربانو کے بھائیوں کی دھمکی سمیرا کی سماعتوں تک پہنچی تھی۔ اور وہ عورت جسے ایک بے گناہ پر ظلم ڈھاتے دل نہ کانپا تھا۔ جسے ذرا خوف خدا نہ آیا تھا۔

پہلی بار اس نے خوف زدہ ہو کر تین سالہ گڈو کو سینے سے لگا کر بھینچ لیا تھا۔

☆ ☆ ☆

وردہ کو شیرازی ولا میں ایک ہفتہ ہو چلا تھا۔ اس دوران عرفان کے عجیب و غریب رویے نے اسے مزید الجھا کر رکھ دیا تھا۔ اس کا سامنا ہونے پر وہ کچھ گھبرا جاتا مسز شیرازی روزانہ اسے زبردستی کمرے میں چھوڑ کر جاتیں اور وردہ اس کے انداز ملاحظہ کر کے حیران ہوتی رہتی۔ وہ بیڈ پر بیٹھ کر گھڑی اتارتا پھر اٹھ کر ٹیبل پر رکھتا نہایت احتیاط سے جوتے اتار تاریک میں رکھتا اور واپس آبیٹھتا پھر موزے اتارنے کی باری آتی اور وردہ سوچتی رہتی وہ یہ سب اتار کر ایک بار ہی اٹھ کر رکھ دیتا۔

مزید چند روز گزرنے پر ایک روز آنٹی اور انکل نے اسے کمرے میں بلا کر بات کی۔ اور دونوں نے اسے سمجھایا کہ عرفان بہت شرمیلا ہے اسے خود ہی اس کی طرف پیش قدمی کرنی ہو گی۔ وہ ان کی باتیں سن کر پانی پانی ہوتی رہی۔

☆ ☆ ☆

سمیرا گڈو کے معاملے میں کسی پر اعتبار نہیں کرتی تھی۔ حتیٰ کہ وہ اسے اسکول بھیجنے پر تیار نہیں تھی۔ اس ساری صورت حال کو مدنظر رکھتے ہوئے صائم نے دبئی شفٹ ہونے کا فیصلہ کیا تھا۔ گڈو کے معاملے میں سمیرا اتنی ہی محتاط تھی۔ وہ گھر آئے مہمانوں پر اعتبار

نہیں کرتی تھی۔ اسے لگتا شہر بانو کے بھائیوں کی پہنچ یہاں بھی ہو سکتی ہے۔ وہ گڈو کو خود چھوڑنے اور لینے اسکول حتیٰ کہ یونیورسٹی بھی جایا کرتی تھی۔ اس کا کوئی دوست نہیں تھا اس کی زندگی ماں' باپ ٹی وی اور کمپیوٹر کے گرد گھومتی تھی۔ وہ ذہین بچہ ہر کلاس میں ٹاپ کرتا مگر عملی زندگی میں اس کی حیثیت عضو معطل کی تھی وہ اسکول کی کینٹین سی کوئی چیز لے کر نہیں کھا سکتا تھا۔ اس کی ماں نے اس کے ذہن میں ایک بات بٹھادی تھی اس کی زندگی کو شدید خطرہ ہے۔ اگر وہ کسی اجنبی سے بات کرے گا۔ اگر وہ ماں باپ سے کہیں الگ جائے گا تو۔۔۔

وہ ذرا سے لڑائی جھگڑے کی آواز سن کر متوحش ہو جاتا۔ سوتے میں چیخیں مار کر اٹھ بیٹھتا مگر اس سب کی سمیرا کو کوئی پروانہ تھی۔ اسے صرف گڈو کی زندگی کی پروا تھی جو اکیلے گھر سے ایک قدم بھی باہر نہیں نکال سکتا تھا۔

صائم نے دبئی میں گاڑیوں کا بزنس شروع کیا تھا۔ جو دن بدن ترقی کرتا رہا۔ سمیرا اور صائم کی کامیاب زندگی کی داستانیں خاندان کے لوگ سنتے تو ان کے ذہنوں میں سوال اٹھتے کیا دیا کا خون رائیگاں گیا؟ مگر ایسا نہیں تھا شاید سمیرا کو قسمت اس موڑ پر لے آئی تھی جہاں اسے دیا کے خون کا حساب دینا تھا۔ صائم شیرازی اور سمیرا شیرازی مسز اور مسٹر شیرازی بن کر کتنے کامیاب تھے اس کا فیصلہ آنے والے وقت نے کرنا تھا ایک روڈ ایکسیڈنٹ میں صائم شیرازی نے ساتھ چھوڑ دیا تو مسز شیرازی نے حالات کو نظر رکھتے ہوئے ارباز کی مدد سے بزنس وائنڈ اپ کرتے ہوئے پاکستان کا رخ کیا تھا۔

☼ ☼ ☼

عرفان کی زوردار چیخوں کی آواز پر ارباز اور مسز شیرازی اس کے کمرے میں دوڑے چلے آئے تھے۔

"ماما مجھے مار دے گا وہ۔ مجھے بچالیں۔" عرفان ماں سے لپٹ کر التجا کیے جا رہا تھا۔

"ماما وہ مجھے چھری مار دے گا۔ پلیز مجھے بچالیں ماما مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے۔"

"کچھ نہیں ہوگا میرا بیٹا میری جان۔ یہاں کوئی آسکتا ہے بھلا۔ حوصلہ کرو میرے بچے۔ ارباز پانی دو۔" اور ارباز کی نظریں نائٹ ڈریس میں ملبوس وردہ کے حسین سراپے پر جمی تھیں۔ وردہ نے ہی گلاس میں پانی بھر کے مسز شیرازی کو دیا تھا۔

"ماما مجھے بچالیں۔"

"کس کو پیچھے لگا کر آئی ہو آوارہ لڑکی جو میرے بیٹے کو قتل کی دھمکیاں دیتا رہا ہے" یک دم ہی گلاس اس کے ہاتھ سے لیتے ہوئے وہ اس پر الٹ پڑی تھیں۔

رات کو درپیش صورت حال نے اس کا ذہن ماؤف کر کے رکھ دیا تھا کروٹیں بدلتے بدلتے نہ جانے کس وقت آنکھ لگی تھی۔ اور وہ دن چڑھے اٹھ کر کچن میں اپنے لیے چائے بنانے آئی تھی۔ مسز شیرازی کا رویہ اس کے ساتھ خاصا درشت ہوتا جا رہا تھا۔ لہٰذا ناشتے کے ٹائم پر کسی نے اس سے پوچھنا گوارہ نہ کیا تھا۔ باہر جاتے ارباز درانی نے کچن میں کھٹ پٹ کی آوازیں سنیں اور پھر اس کے کپڑوں کی جھلک پا کر کچن میں آگیا تھا۔

"بیٹا میں جا رہا ہوں شام تک واپس آؤں گا۔"

"ٹھیک ہے" اس نے قدرے عدم توجہی سے سر ہلایا تھا اسے ارباز انکل کا خود سے بتانا بالکل فضول لگ رہا تھا۔ بھلا پہلے کب وہ اسے بتا کر جاتے تھے۔

"کیا ہو رہا ہے چائے بن رہی ہے؟" وہ رک گیا تھا۔

"جی آپ پئیں گے۔" اپنے عجیب شوہر کا یہ ماموں بھی اسے کچھ عجیب ہی لگتا تھا۔ خاص طور سے پچھلے کچھ روز سے اس کا رویہ بالکل ہی عجیب ہو چلا تھا۔

"نہیں بھئی بہت شکریہ میں ناشتا کر چکا ہوں۔" اس نے پاس آکر وردہ کا گال تھپتھپایا تو وہ چونک کر حیرت سے اسے دیکھنے لگی تھی۔

☼ ☼ ☼

"تصویر تو چوڑہ پورہ کے چودھریوں کی کڑی کی ہے۔

بلکافی جی دیکھیں تو سج کے سوہنی کڑی ہے۔ شہر کے اُچے کالج سے پڑھ کر آئی ہے۔ اپنی گڈی خود چلاتی ہے۔" جمیلہ بیگم نے تصویر غور سے دیکھتے ہوئے پاس بیٹھی روبینہ کی طرف بڑھائی تھی۔

"واقعی اماں لڑکی تو بہت خوب صورت ہے۔"

"روبینہ دھی جا ذرا مجھے ایک گلاس پانی تو بلا۔" ماسی فاطمہ نے باتیں کرتے کرتے روبینہ سے کہا تھا۔

"فرو، فرو" اس نے ملازمہ کو آواز لگائی تھی۔

"نہ دھی کوئی کام بندہ اپنے ہاتھ سے بھی کر دے تو گناہ نہیں ملتا' اور پھر پانی پلانے سے تو کئی نفلوں کا ثواب ملتا ہے۔ تو خود جا کر پانی کا گلاس لے آ۔"

ماسی فاطمہ نے اپنے ازلی سادہ انداز میں ٹوکا تو روبینہ فوراً" اٹھ کھڑی ہوئی سمجھ گئی تھی کہ وہ اسے یہاں سے اٹھانے کا بہانہ کر رہی ہیں۔

"اس کڑی کا بھرا بھی اُچے کالج سے پڑھا ہے۔ ادھر شہر میں فیکٹری کا انتظام سنبھال رکھا ہے۔ آج کل اس کے لیے بھی کڑی تلاش کر رہے ہیں۔ چودھرائن تو چاہتی ہے اگر دونوں کا ایک جگہ ہی رشتہ ہو جائے تو وٹہ سٹہ میں کوئی حرج نہیں ہے۔" جمیلہ بیگم تائید میں سرہلاتی سوچ رہی تھیں۔

اب یقین تھا فراز راضی ہو جائے گا کہ ورہ کی شادی ہو چکی ہے بھلا اب کس بات کا آسرا ہے جو انکار کرے گا۔

اور اسی شام جب انہوں نے فراز کو وہ تصویریں دکھانا چاہیں تو اس نے بڑے آرام سے ان کے ہاتھ سے لے کر بہت سکون سے جلتی انگیٹھی میں ڈال دی تھیں۔

"ماں میں آپ کا بیٹا ہوں کم از کم آپ یہ تصویریں مجھے دکھانے سے پہلے یہ تو سوچ لیتیں۔" وہ اپنے اکھڑ انداز میں کہتا اٹھ کر گھر سے نکل گیا تھا۔

وہ جو سمجھ رہی تھیں موسم بدل چکا ہے۔ موسم نہیں بدلا تھا بالکل نہیں بدلا تھا اگر جو وہ دیکھ لیتیں وہ بظاہر لاپروا نظر آنے والا شخص اس دسمبر کی کہر آلود شام میں افسردگی اپنے چہرے پر لیے گزر جانے والے

موسموں کا اسیر بنا بیٹھا نہ جانے کیا سوچ رہا تھا۔ میری محبت میں کوئی کمی تھی جو اس کی آنچ تمہارے دل تک نہیں پہنچی۔ اپنا موبائل نکال ایک کے بعد ایک منظر میں وہ اسے دیکھتا چلا گیا تھا۔

یہ زرد موسم کے خشک پتے
ہوا جنہیں لے گئی اڑا کر
اگر کبھی ان کو دیکھ پاؤ
تو سوچ لینا
کہ ان میں ہر برگ کی نمو میں
زباں گیا عرق شاخ گل کا
کبھی یہ سرسبز کونپلیں تھیں
کبھی یہ شاداب بھی رہی ہیں
کھلے ہوئے کی طرح نرم اور شگفتہ
بہت دنوں تک
یہ سبز پتے ہوا کے ریلوں میں
بے بسی سے تڑپ چکے ہیں
مگر یہ اب خشک ہو چکے ہیں
اگر کبھی اس طرف سے گزرو
تو دیکھ لینا
برہنہ شاخیں ہوا کے دل میں گڑی ہوئی ہیں
یہ اب تمہارے لیے نہیں ہیں

☼ ☼ ☼

وہ جو بچپن سے سنتا آرہا تھا کہ اس کی جان کو خطرہ ہے وہ اس خوف کے ساتھ پروان چڑھا تھا یہ خوف اس کی جینز میں سرایت کر چکا تھا۔ وہ ماں کے بغیر اکیلے گھر سے باہر قدم رکھنے کا روادار نہیں تھا۔ اب ایک خطرہ مجسم اس کے سامنے آن کھڑا ہوا تو وہ پاگل پن کی حد تک اس کو اپنے ذہن پر سوار کر چکا تھا۔ اور یہی بات اسے مسز شیرازی نے دوسرے دن سمجھائی تھی۔

"اپنے بابا کی روڈ ایکسیڈنٹ میں ڈیتھ کے بعد یہ اتنا ڈسٹرب ہوا تھا کہ مجھے اس کے سائیکاٹرسٹ کتنے سیشن کروانے پڑے تھے تب جا کر یہ نارمل ہوا تھا۔

اب بھی مسئلہ یہ ہے کہ اس کے ذہن میں یہ خوف

بیٹھ چکا ہے کہ اسے کوئی مار دے گا۔ تم اسے یقین دلانے کی کوشش کراؤ کہ ایسا کچھ نہیں ہے تمہارا کسی کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے کہ تم اسے قتل کروانے کی کوشش کرو۔" آخر میں ان کا لہجہ خاصا تلخ ہو چلا تھا۔ "اس کے ساتھ دوستی سے ابتدا کرو گی تو آہستہ آہستہ یہ تمہاری طرف مائل ہو گا۔"

ان ہی کی نصیحت کا خیال کرتے ہوئے وہ لاؤنج میں ٹی وی دیکھتے عرفان کے پاس آن بیٹھی تھی۔ اس سے قبل وردہ اس سے گفتگو کا آغاز کرتی ارباز انکل بوتل کے جن کی طرح حاضر ہوئے اور وردہ کے پاس صوفے پر آن بیٹھے تھے۔

"دیکھو تو وردہ اسے ذرا دھیان نہیں ہے کہ اتنی خوب صورت بیوی پاس بیٹھی ہے اس پر ذرا سی توجہ دے۔" انہوں نے عجیب سی ہنسی ہنس کر کہا تھا۔

"حالانکہ تم اتنی پیاری ہو اتنی خوب صورت۔" وردہ نے نگاہ اٹھا کر دیکھا ان کی آنکھوں میں ہوس کا ایک جہاں آباد تھا۔

"خیر اسے چھوڑو۔ میں جو ہوں تمہارا خیال رکھوں گا' تم مجھے اتنی پیاری لگتی ہو کہ میں تمہیں بتا نہیں سکتا۔" انہوں نے حیران بیٹھی وردہ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا تو گویا اسے کرنٹ لگ گیا تھا۔ وہ بدک کر دور ہٹی تھی۔ تب ہی مسز شیرازی کمرے کا دروازہ کھول کر باہر نکلی تھیں۔ وردہ نے اپنے کمرے کی طرف جاتے ہوئے پلٹ کر دیکھا عرفان کشنز کے درمیان چوکڑی مارے بیٹھا ٹی وی پر نظریں جمائے ہوئے تھا۔ پہلی نظر میں یوں دیکھنے پر وہ بہت خوب صورت' بہت مہذب اور سنہری فریم کی عینک لگائے کوئی ماڈرن سا انٹلکچوئیل ہی نظر آتا مگر وردہ کی یہ آخری نظر تھی۔ لہٰذا اسے گھر بسانے سے زیادہ اس گھر میں اپنی عزت بچانے کا خیال آیا تھا۔ وہ پہلا دن تھا جب وردہ کے خیالات بدلے تھے اور وہ اس کا اس گھر میں آخری دن تھا۔

☆ ☆ ☆

اسے اجڑ کر آئے ڈیڑھ برس گزر چکا تھا۔ اگرچہ وہ مسز شیرازی سے اجازت لے کر یہ سوچ کر ماں کے گھر آئی تھی کہ سکون سے ان مسائل کا حل تلاش کرنے کی کوشش کرے گی' مگر محض ایک ہفتے بعد اسے طلاق نامہ موصول ہو گیا تھا۔ حادثات زندگیوں میں اپنے نشان چھوڑ جاتے ہیں مگر زندگیاں نہیں رکتیں۔ ایسے ہی وردہ کی زندگی ایک روکھی پھیکی ڈگر پر رواں دواں ہو گئی تھی۔ اسکول ٹیچرز کے لیے کچھ ٹریننگ ورکشاپس کا محکمے کی طرف سے انعقاد کیا گیا تھا۔ ورکشاپ سینٹر ڈیڑھ گھنٹے کی مسافت پر تھا لہٰذا وہ اور اس کی ساتھی ٹیچر عظمیٰ ہاسٹل میں مقیم ہو گئیں۔

"میڈم وردہ کون ہیں؟" چوکیدار نے کلاس میں آکر پوچھا تھا۔

"جی میں ہوں ؟" وہ وائٹ بورڈ سے نظریں ہٹا کر متوجہ ہوئی تھی۔

"باہر آپ کا وزیٹر آیا ہوا ہے' آپ کے گھر کوئی ایمرجنسی ہو گئی ہے۔" وہ پریشان ہوتی ہوئی اپنی فائل عظمیٰ کے حوالے کرتی بیگ لے کر بدحواس سی باہر آگئی جہاں فراز گاڑی سے ٹیک لگائے کھڑا تھا۔

"پھوپھو کی طبیعت خراب ہے بابا نے لینے بھیجا ہے۔" اس نے گاڑی کا دروازہ کھولتے ہوئے بتایا تھا۔

"کیا اماں کی طبیعت بہت زیادہ خراب ہے ؟" وہ آنکھوں میں آنسو لیے فرنٹ سیٹ پر بیٹھتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔

"نہیں بس دو تین دن سے بخار آرہا ہے میں آج اپنے کام سے ادھر آرہا تھا تو بابا نے کہا کہ تمہیں لیتا آؤں؟" اس کے دل کی دھڑکنیں کچھ اعتدال پر آنے لگیں۔

"آپ واقعی صحیح کہہ رہے ہیں فراز بھائی؟" اس نے ایک بار پھر تسلی کرنا چاہی۔

"ہاں بھئی فکر کرنے کی بالکل ضرورت نہیں۔" (بکواس کر رہا ہوں۔)

آدھے گھنٹے کی ڈرائیو کے بعد گاڑی ایک میدان میں رکی وہ ڈیش بورڈ سے کچھ نکال رہا تھا۔

"کیا ہوا ہے رک کیوں گئے آپ؟" اپنی پریشان

سوچوں سے چونک کر وہ پوچھ رہی تھی فراز نے ایک نظر ارد گرد دور تک دوڑائی' کچرے کے ڈھیر سے دو بچے کچھ تلاش کرتے پھر رہے تھے۔ اور ان کی توجہ بھی اس طرف بالکل نہ تھی۔ اگلے پل اس کا ہاتھ وریدہ کے منہ پر تھا کوئی ناگوار سی بو اس کے نتھنوں سے ٹکرائی اور وہ حواس کھوتی چلی گئی۔

☼ ☼ ☼

مسز شیرازی کو اپنی دولت پر بہت گھمنڈ تھا۔ اور سچ تو یہ تھا کہ وہ دولت کو سب کچھ سمجھتی تھیں۔ اسی دولت کے بوتے پر انہوں نے دو سین تبدیل کرنے میں دیر نہ لگائی تھی۔

دو سین بدل گئے تھے۔ مگر دو سین کے حوالے سے جو احساسات عرفان کے ذہن میں جڑ پکڑ چکے تھے۔ وہ بالکل نہیں بدلے تھے۔ یوں بھی وہ تنہائی کا مارا ماں اور باپ کے علاوہ کتابوں اور رسائل کی دنیا میں وقت گزارنے کا عادی تھا۔ گھر میں آنے والے اخبارات اول تا آخر پڑھتا آئے دن اخبارات میں قتل کے واقعات پڑھنے کو ملتے تو اس کے حساس ذہن کو فون پر ملنے والی دھمکیوں کا خوف مزید پختہ ہو جاتا اب چاہے اس کی زندگی میں وریدہ ہو یا رشنا' اس کا رقیب روسیاہ اسے جان سے مار سکتا تھا۔ رشنا سے شادی کے تیسرے دن مسز شیرازی عرفان کو بہلا پھسلا کر کمرے میں چھوڑ کر گئیں تو سونے کے چند گھنٹوں بعد وہ اسی کیفیت میں اٹھ کر چیخیں مارنے لگا تھا۔

"یہ لڑکی مجھے مروا دے گی۔ وہ مجھے مار دے گا۔ مجھے بچائیں ماما مجھے ڈر لگ رہا ہے۔ پلیز ماما میں آپ کے پاس سوؤں گا۔" تب حق بق سی رشنا مسز شیرازی پر الٹ پڑی تھی۔

"میں ہی ملی تھی آپ کو اس پاگل کے لیے' میری زندگی برباد کرنے کا حق آپ کو کس نے دیا تھا۔" وہ انہیں سناتی کھٹ کھٹ کرتی کمرے سے باہر نکلی تو ارباز راستے میں کسی دیوار کی مانند کھڑا تھا۔

"ہٹیں آگے سے راستہ دیں' نظر نہیں آ رہا راستے میں کھڑے ہیں۔" تیز طرار سی رشنا نے ارباز کو بھی نہیں بخشا تھا۔

☼ ☼ ☼

آنکھوں پر چھایا اندھیرا اور دماغ پر چھائی دھند چھٹنا شروع ہوئی اس نے کسلمندی سے آنکھیں کھول کر دیکھا اور آنکھیں بند ہونے سے پہلے کا منظر یاد آنے پر ایک جھٹکے سے اٹھ بیٹھی تھی۔ سیلن زدہ سے کمرے میں رکھے پرانے سے بیڈ پر سے اٹھتے ہوئے اس کی نظر فراز پر پڑی تھی۔ جو ایک پلاسٹک کی چیئر پر بیٹھا سکون سے سامنے ٹیبل پر پاؤں دراز کیے اخبار پڑھ رہا تھا۔

"فراز بھائی۔ کیا ہے یہ سب۔ آپ پلیز۔ مجھے بتائیں کیا کر رہے ہیں میرے ساتھ؟" آنسو اس کے گالوں پر لڑھکتے چلے گئے۔

"آج تم مجھ سے سوال مت کرو' آج میرے سوالوں کے جواب دو؟" وہ اخبار سائیڈ پر رکھ کر اس سے مخاطب ہوا تھا۔

"تم کوئی ایسی اعلا ہستی بھی نہیں ہو کہ میں تمہارے پیچھے اتنے عرصے سے خوار ہو رہا ہوں اور تم مجھے مسلسل اگنور کرتی جا رہی ہو۔"

"جب میں اتنی اعلا ہستی نہیں ہوں تو کیوں خوار ہو رہے ہیں میرے پیچھے؟" جواباً" وہ تڑپ کر پوچھ رہی تھی۔

"میں نے کہا ہے کہ آج مجھے سوال نہیں صرف جواب چاہئیں۔"

"پلیز مجھے یہاں سے جانے دیں یہ کون سی جگہ ہے۔"

"اگر یہاں سے جانا چاہتی ہو تو میرے سوالوں کا جواب دینا ہو گا۔" وہ بے بسی سے اسے دیکھنے لگی۔

"آخر مجھ میں ایسی کیا کمی ہے کہ میں کبھی بھی تمہارے معیار پر پورا نہیں اتر سکتا؟"

"یا اللہ میں ایسا کیا کروں کہ فورا" یہاں سے نکل سکوں۔" اس نے دل ہی دل میں کانپتے ہوئے سوچا تھا۔ لاکھ فراز اس کا ماموں زاد بھائی تھا مگر تھا تو غیر محرم۔

"میں نے کب کہا کہ آپ میں کوئی کمی تھی ممانی راضی نہیں تھیں تو میں۔۔۔"

"میرے اور تمہارے نکاح کے لیے ان کی رضا مندی اصول شریعت ضروری نہیں تھی۔ بھئی لڑکے لڑکی کا راضی ہونا ضروری ہوتا ہے۔" اس نے جیسے اس کی بے عقلی پر ماتم کرتے ہوئے متبسم لہجے میں کہا تھا۔

"ضروری تھا ان کا راضی ہونا' میں کوئی ان چاہا وجود بن کر ان کی حویلی میں گھسنا نہیں چاہتی تھی۔"

"بہر حال وہ تو قیامت تک راضی نہیں ہو گئیں۔" فراز نے یقین سے کہا تھا۔

"تو آپ بھی قیامت تک میرا پیچھا چھوڑ دیں نا۔"

☼ ☼ ☼
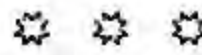
اتنی دیر سے بیل بج رہی تھی مسز شیرازی قریبی اسٹور تک گئی تھیں' گھر پر شاید کوئی ملازم بھی نہیں تھا۔

"جی کہیے کیا کام ہے؟" رشنا نے ٹیرس سے جھانک کر پوچھا تھا۔

"میڈم آپ کی ڈاک ہے سائن کر کے لے لیں۔" پوسٹ مین نے سر اٹھا کر جواب دیا تھا۔

"عرفان ذرا باہر جا کر ڈاک تو لے آئیں۔"

"مم۔۔۔ میں۔۔۔ ماما آئیں گی تو لے لیں گی (پتا نہیں یہ مجھے باہر کیوں بھیج رہی ہے)" رشنا جل کر خاک ہوتے ہوئے گیٹ پر چلی آئی تھی اور اسی روز جب مسز شیرازی نے اسے بھی سمجھانا چاہا تھا کہ وہ عرفان کے ساتھ دوستی کرنے کی کوشش کرے اس کے ساتھ' محبت سے پیش آئے تو اس نے انہیں ہاتھ اٹھا کر روک دیا تھا۔

"آنٹی آپ مجھے مت سمجھائیں البتہ آپ کو سمجھنے کی ضرورت ہے آپ اسے تیسری صف کے لوگوں میں شامل کرا دیں کہیں بھی کوئی بھی ایونٹ ہو گا وہاں ناچ بھنگڑا کر کے مخلوق خدا کا دل خوش کرے گا۔" وہ تلخ لہجے میں کہہ کر اٹھ گئی تو مسز شیرازی خون کے گھونٹ پی کر رہ گئیں کیوں کہ یہ کوٹھی وہ حق مہر کے طور پر رشنا کے نام کر چکی تھیں۔

☼ ☼ ☼

اس نے آنکھوں میں آئے آنسوؤں کو پیچھے دھکیلتے نکاح نامے پر سائن کیے تھے اور ان تین افراد کے باہر جانے کے بعد زور زور سے روتی چلی گئی۔ شدید ہتک کا کوئی احساس تھا جو رگ جاں کو کاٹ رہا تھا۔ وہ جو اپنی ذات پر نازاں ہوا کرتی تھی۔ تقدیر کے پے در پے ستم نے اسے بے بس کر دیا تھا اور اس دوراہے پر لا کھڑا کیا تھا جہاں کسی رعایا کی مانند مفتوح قرار پائی تھی۔ کوئی بے اختیاری سی بے اختیاری تھی۔ جس نے دوسرے دن ہی اسے فراز کے سامنے ہتھیار ڈالنے پر مجبور کر دیا تھا۔ کیا تھا؟ ابھی اس کے غائب ہونے کی اطلاع گاؤں تک نہ پہنچی ہو ہاسٹل انتظامیہ کو تو عظمیٰ نے مطمئن کر دیا ہو گا مگر اس سے پہلے کہ اس کی ماں زندہ درگور ہو جاتی اس نے فراز کی مرضی پر سر جھکا دیا کیوں کہ اس کی یہاں سے نکلنے کی اول و آخر شرط یہی تھی۔ شام کا اندھیرا پر پھیلائے کمرے میں اتر آیا تھا جب وہ کمرے میں آیا تھا۔

"پلیز اب مجھے گھر چھوڑ آئیں۔" وہ فوراً کھڑی ہو گئی تھی۔

"پہلے تم کھانا کھا لو پھر۔۔۔" اس نے بات ادھوری چھوڑ کر ادھیڑ عمر ملازمہ کو اندر آنے کا اشارہ کیا تھا جو پہلے بھی تین وقت کا کھانا لے کر آئی تھی۔

"نہیں پلیز چلیں میں۔۔۔ آپ نے کہا تھا کہ میں یہاں سے جا سکوں۔۔۔" اس نے دانت پیس کر یاد دلانا چاہا تھا۔

☼ ☼ ☼

ایک مہینہ رہ کر بھی پہلی دلہن جس فیصلے پر نہیں پہنچ سکی تھی دوسری دلہن نے اس پر پہنچنے میں محض ایک ہفتہ لگایا تھا یوں بھی وہ اپنے گھر والوں خصوصاً" ماں اور بھابھی کو تمام تر صورت حال سے آگاہ کیے

ہوئے تھی اور آج کل میں یہ آشیانہ چھوڑنے والی تھی دوسری طرف ارباز درانی کو جتنا رنج تھا کہ وہ ایک مہینہ رہ کر بھی اس کی دسترس سے محفوظ چلی گئی تھی۔ اب دوسرے شکار پر ہاتھ ڈالنے میں اس نے اتنی ہی جلدی کی تھی۔

مسز شیرازی گھر پر نہیں تھیں رشنا نے تھوڑے سے چاول پلیٹ میں نکالے اور ایک چکن پیس اوپر رکھ کر اوون میں رکھ کر گرم کرنے کے بعد ڈائننگ ٹیبل پر چلی آئی تھی پرسوچ انداز میں آہستہ آہستہ لنچ کرتے ہوئے اسے ذرا سا بھی احساس نہ ہوا کہ لاؤنج میں بیٹھے ارباز کی نظریں مسلسل اس کا جائزہ لینے میں مصروف تھیں۔

حتی کہ کھانے کے اختتام پر وہ جگ سے پانی پی کر کمرے کی طرف بڑھ گئی اور تعاقب کرتی نظروں سے بے خبر ہی رہی تھی۔ کمرے سے اٹیچ باتھ روم میں منہ دھوتے ہوئے اس نے اپنے کمرے کا دروازہ بند ہونے کی آواز سنی اور حیران ہوتے ہوئے تولیے سے منہ صاف کرتی باہر آئی تھی۔

"آپ... آپ یہاں کیا کر رہے ہیں؟" بند دروازے سے ٹیک لگائے ارباز کو دیکھ کر اس نے ترشی سے دریافت کیا تھا۔

"میری گڑیا... تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں... مجھے تمہارے ساتھ ہونے والی زیادتی کا احساس ہے۔" تمام تر ناپاک عزائم کے ساتھ اس کی طرف بڑھا تھا۔

"میں اس زیادتی کا ازالہ کرنا چاہتا ہوں۔"

ماں کے کمرے میں کمپیوٹر پر گیم کھیلتے عرفان نے سامنے والے کمرے سے رشنا کی چیخ وپکار سنی اور بھاگ کر اپنے کمرے کا دروازہ بند کیا تھا اور سہم کر سوچ رہا تھا اس کی جان کو شدید خطرہ ہے اسے اپنے بچاؤ کے لیے باتھ روم ہی مناسب پناہ گاہ نظر آیا تھا۔ ارباز اور رشنا کے گتھم گتھا ہونے کی آوازیں مسز شیرازی نے سنیں اور شاپر صوفے پر پھینکتے ہوئے رشنا کے کمرے کے دروازے پر زوردار دستک دی تھی۔ اس کی آواز پر بدحواس سے ارباز نے دروازہ کھولا تھا۔

"کیا ہو رہا ہے یہ؟" مسز شیرازی نے چیخ کر پوچھا تھا۔

"ممی! اس آوارہ نے مجھے بہانے سے بلایا اور..."

✿ ✿ ✿

"آخر تم اتنی بحث کیوں کرتی ہو ہر بات پر۔ کہا تو ہے کھانا کھا لو پھر چھوڑ آؤں گا۔" قدرے درشت انداز میں کہتا وہ کمرے سے باہر نکل گیا تو مجبوراً وہ بیڈ پر بیٹھ کر کھانا زہر مار کرنے لگی کہ کہیں دوبارہ آکر اس بات پر بازپرس نہ شروع کر دے۔ وہ کوئی بھی ٹائم ضائع کیے بغیر گھر پہنچنا چاہتی تھی۔ چند نوالے لے کر ٹرے پرے کھسکا کر وہ انتظار کرنے لگی کہ کب فراز واپس آتا ہے مگر اس کا انتظار طویل ہوتا جا رہا تھا ایک دوبار اس نے کمرے سے باہر جھانکا اور باہر نکل آئی جہاں سامنے کمرے میں روشنی ہو رہی تھی۔

"بی بی کچھ چاہیے۔" کھانا کھاتی ادھیڑ عمر ملازمہ اسے دیکھ کر اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

"فراز بھا...ئی... میرا مطلب ہے فراز کہاں ہے؟"

"وہ تو جی دوستوں کے ساتھ باہر گئے ہیں شاید انہیں گاؤں تک چھوڑنے گئے ہیں۔"

"یہ کون سی جگہ ہے میں یہاں سے خود باہر جا سکتی ہوں گاؤں تک..."

"نہیں بی بی اس طرح تو ملک جی ناراض ہوں گے پھر باہر تو جنگل بھرا پڑا ہے جنگلی جانوروں سے' پھر اندھیرے میں آپ کو رستہ کہاں سمجھ آئے گا۔" وہ دانت پیستی واپس پلٹ آئی تھی۔

نہ جانے کتنا وقت گزر گیا جب وہ واپس آیا تھا دونوں بازوؤں کے گھیرے میں چہرہ چھپائے وہ بیڈ کے ایک کونے میں بیٹھی تھی۔ دروازہ بند کر کے وہ واپس مڑا تو اس نے سر اٹھا کر دیکھا تھا۔

"فراز بھائی پلیز مجھے گھر چھوڑ آئیں۔ اماں مر جائیں گی انہیں پتا چلا تو..." وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے

گئی تھی۔

"فراز بھائی نہیں صرف فراز۔ یہ طرز تخاطب صرف رومینہ کو بجتا ہے کمال ہے" تمہیں تو خود ان باتوں کا اچھی طرح پتا تھا تم نے میرا دیا ہوا گفٹ رومینہ کو دے دیا تھا۔"

تصحیح کرتے ہوئے وہ اس کے پاس آن بیٹھا تھا۔

"اور جہاں تک تعلق ہے گھر چھوڑ کر آنے کا تو ابھی بھی کیا جلدی ہے چھوڑ آؤں گا مگر تمہارے پر کاٹ کر۔" وہ سپاٹ انداز میں کہہ رہا تھا۔

☼ ☼ ☼

مسز شیرازی نے رشنا کو روکنے کی بہت کوشش کی' مگر وہ ان کی ایک نہ سنتے ہوئے فوراً" ہی گھر سے گاڑی منگوا کر چلی گئی تھی۔ وہ جو اس کے جانے پر افسردہ بیٹھی تھیں انہیں علم نہ تھا کہ چند گھنٹوں میں وہ دوبارہ واپس آجائے گی چار ہٹے کٹے بھائیوں اور بہنوئی کو لے کر پہلے تو انہوں نے اسے جا کر اپنا سامان پیک کرنے کو کہا اور اس کے تمام تر کپڑے اور زیور اٹیچی میں بھر کر گاڑی میں رکھوا دیے اس دوران مسز شیرازی نے صلح صفائی کی کوشش کی۔

"اے بڑھیا تو بک بک بند کر۔" اس کے ایک بھائی نے انہیں انتہائی بدتمیزی سے جھاڑ دیا تھا۔

رشنا کا کام مکمل ہونے کے بعد انہوں نے اسے باہر گاڑی میں بیٹھنے کو کہا اور جو بھائی اٹیچی باہر رکھنے گیا تھا وہ واپسی پر بیٹ ہاتھ میں لیے ہوئے تھا جبکہ دوسرے نے ریوالور نکال لیا تھا۔ پھر انہوں نے یہ نہ دیکھا کہ ارباز کو لگ کہاں رہی ہے' چوٹ کتنی آرہی ہے۔ مسز شیرازی بیچ بچاؤ کررہی تھیں جبکہ عرفان تو ارباز کے خون پر پہلی نظر پڑتے ہی کمرے کا دروازہ لاک کرکے بیڈ کے نیچے چھپ چکا تھا۔

"تین دن کے اندر یہ کوٹھی خالی کردینا بڑھیا باقی تجھ سے ملاقات کورٹ میں ہوگی۔" اس کے بڑے بھائی نے جاتے ہوئے وارننگ دی تھی۔

کافی دیر بعد مسز شیرازی کو عرفان کا خیال آیا اور انہوں نے دستک دیتے ہوئے اسے دروازہ کھولنے کو بارہا کہا مگر دروازہ بند ہی رہا وہ یہ نہیں جانتی تھیں کہ یہ واقعہ تابوت میں آخری کیل ثابت ہوا ہے۔

تین گھنٹے بعد جب نوکروں کی مدد سے دروازہ توڑا گیا تو عرفان چیزیں اٹھا اٹھا کر ان پر پھینکنے لگا تھا۔

☼ ☼ ☼

وسیع و عریض کھیتوں میں جاتی بہار کا موسم بکھرا پڑا تھا' ہلکے ہلکے تیرتے بادلوں نے دھوپ کی حدت کو نرم سی چھلیا میں بدل دیا تھا۔ مشرق کی طرف گھٹا امنڈنے کے آثار دکھائی دے رہے تھے باجرے کے لہلہاتے کھیتوں میں لالیاں اڑ کر آتیں چند دانے چگتیں اور پھر بجلی کی تاروں پر اپنی قطار میں جا بیٹھتی چراگاہ میں بھینس جگالی میں مصروف تھیں۔ سفید بگلے بارش کے آثار پاکر سبز گھاس پر پھدکتے پھر رہے تھے۔ کبھی کبھی کسی بھینس کے اوپر جا بیٹھتے۔ وہ دم ہلاتی تو پھر سے گھاس پر پھدک بیٹھتے ٹیوب ویل کی نالیوں میں گرتے پانی کا شور گویا ارد گرد سے بسرا کررہا تھا جب گاڑی کے زوردار ہارن کی آواز پر گل محمد نے بیلچہ پھینکا اور تیزی سے گاڑی کی طرف آیا تھا۔

"سلام چھوٹے ملک۔" قریب آکر اس نے سلام کیا تھا۔

"وعلیکم السلام بابا ادھر نہیں آئے۔" سلام کا جواب دے کر وہ پوچھنے لگا تھا۔

"چھوٹے ملک جی آپ کے آنے سے پہلے چکر لگا کر واپس گئے ہیں۔"

"کس طرف گئے ہیں کچھ معلوم ہے گل محمد۔" اس نے پرسوچ انداز میں دور تک نظریں دوڑائیں اور پھر اس کی طرف متوجہ ہوا تھا۔

"ڈھیرو والی بن کی طرف گئے ہیں۔"

فراز نے سر ہلا کر گاڑی ریورس کی تھی۔ پانچ منٹ کی ڈرائیو کے بعد ڈھیرو والی بن پر بھینسوں کے وسیع و عریض شیڈ کے سامنے گاڑی روکی تھی۔

"ایسے کیسے پائپ ٹوٹ گیا۔" ملک زمرد ایک

کمدار کے ساتھ الجھے ہوئے تھے۔
"ملک جی وہ بھینس اوپر چڑھ گئی تھی۔"
"نور محمد تم جاؤ۔" درمیان میں مداخلت کرتے ہوئے اسے جانے کا اشارہ کیا تھا۔
"کیا بات ہے فراز خیریت تو ہے؟" وہ کافی سنجیدہ لگ رہا تھا لہٰذا وہ مکمل طور پر اس کی طرف متوجہ ہو گئے تھے۔
"خیریت ہی ہے بابا۔ بس ذرا ان میں سے کوئی کارڈ پسند کرلیں۔" اس نے شادی کارڈ کے چند ڈیزائن ان کے سامنے رکھے تھے تو وہ حیرت اور ناسمجھی سے اسے دیکھنے لگے تھے۔
"میرا خیال ہے اب آپ اپنی بھانجی کو رخصت کرنے کی فارمیلٹی نبھا ہی لیں۔"
"فراز تم جانتے ہو اپنی ماں کو وہ پہلے بھی وردہ کا نام سننے کو تیار نہیں تھی اور اب تو اس کی زندگی پر۔"
"تو کیا چاہتے ہیں آپ' میں اسے طلاق دے دوں؟" اس نے چڑ کر پوچھا تھا۔
ملک زمرد اچنبھے سے اسے دیکھتے چلے گئے تھے۔

☼ ☼ ☼

اور پھر خلق خدا نے دیکھا تھا۔
پھر خلق خدا نے جانا تھا۔
اور خلق خدا نے مانا تھا۔
ظلم کبھی رائیگاں نہیں جاتا' کیوں کہ پردہ غیب حساب والا موجود ہے جس کا حساب کھرا اور سچا ہے وہ جو نظر نہیں آتا' مگر اٹھے ہاتھ کی التجاؤں کو سنتا ہے۔
وہ لوگ جو سوال کرتے تھے دیا کا خون رائیگاں گیا وہ دیکھتے تھے جب وہ پھٹے کپڑوں بڑے بالوں اور شیو کے ساتھ کہر آلود صبحوں اور دھندلی شاموں میں: سردی کی شدت سے بے نیاز کوڑے کے ڈھیر سے رزق چنتا' کبھی پارک میں پودوں کے درمیان سو جاتا تو لوگ اس کے پاس ترس کھا کر کھانا رکھ جاتے' کیوں کہ وہ جاگتے میں کسی انسان کو پاس نہیں آنے دیتا تھا۔ وہ دبئی کے بہترین اداروں سے تعلیم حاصل کرنے والا عرفان شیرازی تھی۔ کوئی اسے دیکھتا تو کبھی نہ مانتا' وہ تو کوئی مجذوب تھا کوئی اللہ والا تھا جس پر موسم کی شدتیں بھی اثر نہ کرتی تھیں۔

☼ ☼ ☼
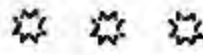
موبائل پر اس کا نمبر ڈائل کر کے وردہ کی انگلیاں شل ہو چکی تھیں' مگر فراز تھا کہ کال ریسیو نہیں کر رہا تھا نہ جانے کتنے ہی اس نے میسج کر ڈالے تھے' مگر اس نے کسی بھی میسج کا جواب دینے کی زحمت گوارہ نہیں کی تھی۔ بیل جاتی رہتی' مگر وہ فون ہی بند کر دیتا اور وردہ کا دل بند ہونے لگتا تھا اس کے دل میں ڈھیروں اندیشے اترنے لگتے وہ سوچتی شاید اس نے خود کو ٹھکرانے کا بدلہ لیا ہے۔ اب کبھی پلٹ کر نہ پوچھے گا۔
وہ روز دن انگلیوں پر گنتی اور اتنی بار گنتی کہ اسے گنتی بھولنے لگتی تھی۔ اس روز جب وہ گرد و پیش سے

بے نیاز سیڑھیوں پر مسلسل اس کا نمبر ڈائل کر رہی تھی۔ گھنٹی کی آواز قریب سے بجنے پر اس نے نظر اٹھا کر دیکھا تو وہ سامنے ہی لبوں پر دھیمی مسکراہٹ لیے اس کی بے تابی اور پژمردگی ملاحظہ کر رہا تھا۔

"فراز۔" اس کے لب پھڑپھڑا کر ساکت ہوئے تھے۔ وہ تیزی سے اٹھ کر اندر کی طرف چلی تھی۔

"ارے ارے بھئی سنو تو پلیز۔ اتنی اچھی خبر ہے میرے پاس آج بابا آرہے ہیں پھوپھو سے بات کرنے کے لیے۔" اس نے کمرے میں گھس کر دروازہ اندر سے بند کر لیا تھا۔

تب ہی پھوپھو باہر نکلیں تو بے بس سی سانس بھر کر رہ گیا تھا۔

صرف پانچ دن کے بعد خاصی دھوم دھام سے وہ فراز کے سنگ رخصت ہو کر حویلی آچکی تھی۔ ملکانی جی خاصے مارے دل کے ساتھ مبارک بادیں وصول کرتی پھر رہی تھیں۔ یہ تو انہوں نے خواب میں بھی نہ سوچا تھا کہ وردہ ان کی بہو بنے گی اور وہ بھی اتنا کچھ ہو جانے کے بعد۔ مگر ملکانی جی نے خود فراز کو یہ راستہ چننے پر مجبور کیا تھا۔

وہ خاصی عجلت کا مظاہرہ کرتے ہوئے کمرے میں آیا تو سادہ سے سوٹ کا انتخاب کرنے کے بعد وہ واش روم کا رخ کر چکی تھی۔

"ارے ارے زندگی میں پہلی بار میرے نام سے تیار ہوئی ہو اور مجھے درشن بھی نہیں کرنے دو گی۔" اس نے بازو سے پکڑ کر اس کا رخ اپنی طرف موڑا تھا۔

"اب تو تمہیں مجھ سے کوئی شکوہ نہیں ہونا چاہیے۔" اس کا ہاتھ تھام کر پاس بٹھاتے ہوئے وہ بہت بھولپن سے پوچھ رہا تھا۔

"آپ اتنے دن سے میری کال نہیں اٹینڈ کر رہے تھے، میسج کا جواب بھی نہیں دے رہے تھے اور فون بھی بند کر دیتے تھے۔"

"تو ہو اتنی شکایتیں۔۔۔ یہ کون سی کتاب میں لکھا ہے کہ میں ہی تمہارے پیچھے بھاگوں اور تم پروا نہ کرو۔" وہ اس کی بے چینیوں اور بے تابیوں پر حظ اٹھا رہا تھا۔

"فراز میری جان سولی پر لٹک گئی تھی۔" اس کے گالوں پر آنسو لڑھک آئے تھے۔ "وردہ میں مانتا ہوں کہ تمہیں اپنانے کا طریقہ کار غلط تھا۔ مگر میں کیا کرتا نہ اماں کبھی راضی ہوتیں اور نہ ہی کبھی تم۔ مگر یقین کرو تم کو آئندہ میری طرف سے کبھی کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔" وہ دونوں ہاتھ جوڑے اس کے آگے کھڑا تھا۔ وردہ نے آگے بڑھ کر اس کے جوڑے ہاتھ کھول دیے۔

"آئندہ یہ آنسو مت بہانا۔ مجھ پر بہت بھاری گزرتے ہیں۔" فراز نے ہاتھ بڑھا کر اس کے آنسو صاف کیے تھے اور۔۔ وارفتگی بھری نظر اس کے سجے سنورے وجود پر ڈالی تو وہ بے ساختہ رخ موڑ گئی۔ مگر ایک بار پھر اس کے سامنے تھی جہاں ڈریسنگ ٹیبل کے آئینے میں وہ اسے محبت پاش نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ اب وہ اس محبت سے بچ کر نہیں جا سکتی تھی کہ اس کے سائے میں تو اس نے زندگی گزارنی تھی۔

بہت دن ہو گئے ہیں وحشتوں کی بھیڑ میں ہم کو
درختوں پر ہوائیں موسموں کے گیت گاتی ہیں
جہاں پر چاند تاروں کو لیے مٹی میں اترا ہے
جہاں سورج کی کرنیں رات بھر پہرہ بٹھاتی ہیں
جہاں خاموشیوں کو گفتگو کرنے کی عادت ہے
جہاں سے جاتے ہیں انجانی مسافت کو
چلو ان منظروں کے ساتھ چلتے ہیں
ذرا ان کشتیوں کو غور سے دیکھو
جو پتوار کی بانہوں میں
سمندر میں کبھی خاموشیوں کو گفتگو کا ساز دیتی ہیں
ہمیں آواز دیتی ہیں
ادھر دیکھو
پرندے بادلوں کے گرد اڑتے ہیں
کبھی بادل کے ٹکڑے پاؤں میں لے کر
کناروں پر اترتے ہیں
چلو ان منظروں کے ساتھ چلتے ہیں

✡ ✡

سویرا فلک

رات کے گیارہ بج چکے تھے۔ نگین نے تیزی سے ہاتھ چلاتے ہوئے سلیب اور چولہا صاف کیا۔ فرش پر پانی ڈالا اور وائپر پھیر دیا۔ ایک طائرانہ نظر کچن پر ڈالی پھر سوئچ آف کر کے دودھ سے بھرا گلاس لے کر اپنے بیڈ روم کی طرف آگئی۔

"یا اللہ یہ سو نہ جائیں کہیں۔ دن بھر کے تھکے ہارے تو ہوتے ہیں۔" اس نے پرسوچ انداز میں دروازہ کھولا تو فہد کو ٹی وی دیکھتا ہوا پا کر ایک ٹھنڈی آہ بھری۔

"صد شکر کہ آپ سوئے نہیں۔ اب بتائیے کیا بات ہے۔ شام سے ہی آپ چپ چاپ ہیں۔ کھانا بھی ڈھنگ سے نہیں کھایا۔ جبکہ ہری مرچ کا قیمہ تو آپ بہت شوق سے کھاتے ہیں۔" نگین نے دودھ کا گلاس بیڈ کی سائیڈ ٹیبل پر رکھا اور خود بیڈ کی پائنتی کے پاس فہد کے مقابل آکر بیٹھ گئی۔

"ارے کچھ نہیں یار۔ بس ایسے ہی۔" فہد جو ٹی وی کے ٹاک شو میں مگن تھا۔ نگین کے مخاطب کرنے پر ٹی وی بند کر کے کنپٹیاں مسلنے لگا۔

"دیکھیے میں نے آپ سے کئی بار کہا ہے کہ ہم صرف میاں بیوی ہی نہیں۔ اچھے دوست بھی ہیں اور دوست سے دکھ سکھ بانٹ لیے جائیں تو دہرا فائدہ ہوتا ہے۔ ذہن اور دل کا بوجھ بھی ہلکا ہو جاتا ہے اور اکثر اوقات کوئی اچھا مشورہ بھی ہاتھ لگ جاتا ہے۔ بتائیے نا پلیز۔" نگین نے رسانیت سے کہا تو فہد مسکرانے لگا۔

"ارے بیوی! تم خوامخواہ پریشان ہو رہی ہو۔ ایسی کوئی بات نہیں ہے۔"

"آپ ساری دنیا سے جھوٹ بول سکتے ہیں' پر مجھ سے دل کا حال نہیں چھپا سکتے' آپ کا چہرہ آپ کی آنکھیں پڑھ سکتی ہوں میں۔ اس لیے خوب جانتی ہوں۔ جناب۔۔۔ کچھ تو ہے۔ جس کی پردہ داری ہے۔۔۔ آفس کا کوئی مسئلہ ہے۔۔۔ راشد صاحب پھر تنگ کر رہے ہیں کیا؟" نگین اب باقاعدہ فہد کا چہرہ کھوجنے لگی۔

"ارے نہیں۔۔۔ باس تو سیٹ ہے۔ انہیں بس میرے لیٹ آنے سے ہی پرابلم تھی۔ اب بائیک ہے۔ اب وقت پر پہنچ جاتا ہوں تو اب سب سیٹ ہے۔ کام کا لوڈ ہے تو وہ تو پرائیویٹ اداروں کا چلن ہے کہ خون نچوڑ کر پیسہ دیتے ہیں۔"

"تو پھر کیا وجہ ہے؟ بتائیں نا پلیز آپ کو پتا ہے نا آپ کو پریشان دیکھ کر میں کتنا ڈسٹرب ہو جاتی ہوں۔ نیند تک نہیں آتی مجھے۔" نگین نے اب فہد کے ہاتھ تھام لیے تھے۔

"بہت ضدی ہو تم۔۔۔ بات دراصل یہ ہے کہ عامر ہے نا میرا دوست۔۔۔ وہ اپنی دکان بیچنا چاہ رہا ہے۔ دکان بیچ کر وہ باہر نکلنے کے چکر میں ہے۔ تمہیں پتا ہے آج کل ملک کی بگڑتی ہوئی صورت حال کے باعث ہر کوئی باہر بھاگنے کے چکر میں ہے۔ اس نے مجھ سے بھی کہا تھا۔ مگر میں تمہیں اور بچوں کو چھوڑ کر نہیں جانا چاہتا۔ میں چاہ رہا تھا کہ اچھا موقع ہے' دکان کی لوکیشن بھی اچھی ہے تو لے لوں۔ ایک تو مہنگائی نے جینا حرام کر رکھا ہے تو پارٹ ٹائم کے طور پر اچھی آمدنی ہو جائے گی۔ دوسرا میرے ذہن میں یہ بھی ہے کہ اگر دکان اچھی چل نکلی تو جاب چھوڑ کر مکمل طور پر کاروبار کی طرف دھیان دوں۔

راشد صاحب آئے دن فری میں اوور ٹائم کرانے کے چکر میں رہتے ہیں۔ اوپر سے تنخواہ بڑھانے کی بات کرو تو منہ پھلا لیتے ہیں اور پھر بات بے بات ذلیل کر کے غصہ نکالتے ہیں۔" فہد نے بات ختم کر کے خشک حلق کو تر کرنے کے لیے دودھ کا گلاس اٹھا کر منہ سے لگا لیا۔

"مگر آج کل تو ہر تاجر کاروبار کی بربادی اور نقصان کا رونا روتا نظر آرہا ہے۔ رسکی تو نہیں ہوگا؟ جاب میں کم از کم فکس آمدنی تو ہے۔" نگین نے خدشہ ظاہر کیا۔

"رہنے دو۔۔۔ تاجر جتنا ٹیکس بھتہ اور چالان دیتے ہیں۔ چیزوں کی قیمت بڑھا کر سارا نقصان عوام سے پورا کر لیتے ہیں۔ ان کو کوئی پوچھنے والا تو ہے نہیں۔ اس ملک میں تو جنگل کا قانون ہے۔ سب ٹوپی ڈراما ہے

یہ نقصان اور مندی کا واویلا... اگر سچ ہوتا تو نئے بازار نہ کھل رہے ہوتے، بلکہ جو ہیں وہ بھی بند ہو رہے ہوتے۔" فہد نے دودھ کا گلاس خالی کر کے واپس ٹیبل پر رکھ دیا۔

"بس اتنی سی بات... میں آپ کے ہر فیصلے میں آپ کے ساتھ ہوں۔" نگین نے مسکرا کر فہد کو دیکھا تو وہ بھی جواباً مسکرا اٹھا۔

"تھینکس میری جان... مگر مسئلہ یہ ہے کہ دکان کے لیے رقم کہاں سے آئے گی۔ ہماری سیونگ تو بمشکل تیس چالیس ہزار ہے۔"

"دو منٹ رکیں۔" نگین اٹھی اور اپنی وارڈروب کھول کر ایک ڈبا اٹھا کر لے کر آئی۔ "یہ لیں... اسے بیچ کر تو لازمی آجائے گی... کیوں...؟" نگین نے طلائی زیورات بیڈ پر رکھ دیے۔

"نہیں نگین! انہیں رکھ دو... یہ تمہارے جہیز کی نشانی ہیں اور بہت قیمتی ہیں۔" فہد نے زیور ڈبے میں واپس ڈالنا چاہا۔

"فہد! یہ الماری میں بند پڑے ہیں۔ چوری ڈکیتی کے ڈر سے سونا پہننا بالکل چھوڑ دیا ہے۔ دکان چل نکلے تو پھر دلا دیجیے گا۔ میں آپ سے ہوں۔ آپ خوش ہیں تو میں خوش ہوں۔ آپ کا چاہت بھرا ساتھ ہی میرا بار سنگھار ہے۔"

"بیوی ہو تو تم جیسی۔" فہد نے نگین کا ماتھا چوما۔ "یہ خاصے بھاری ہیں مگر اس کے باوجود کچھ اور رقم بھی درکار ہوگی۔" فہد نے زیورات ہاتھ میں لے کر مالیت کا اندازہ لگانا چاہا۔

"آپ پہلے یہ بیچ کر دیکھیں کہ کتنی رقم حاصل ہوتی ہے۔ پھر میں اسکول میں بات کرتی ہوں۔ کوئی نہ کوئی ادھار دے ہی دے گا۔ یہ بھی ارینج کرلیں گے۔ جیسے بائیک کے لیے کی تھی۔"

"وہ ہی ٹھیک رہے گا۔ قرضہ لے کر بندہ اور خوار ہوجاتا ہے، چلو کل دکھاتا ہوں جیولر کو اور عامر سے بھی بات کرتا ہوں کہ کچھ رعایت کردے۔"

"جیسا آپ مناسب سمجھیں۔ اب سو جائیں، ورنہ صبح اٹھنا مشکل لگے گا۔" نگین نے وال کلاک کی طرف دیکھ کر کہا جو ایک بجا رہی تھی فہد نے اثبات میں سر ہلا دیا اور نائٹ لیمپ آف کردیا۔

☼ ☼ ☼

نگین ایک شوہر پرست عورت تھی۔ فہد سے اس کی شادی مکمل ارینج میرج تھی۔ فہد کی فیملی نے نگین کو کسی شادی پر پسند کیا تھا۔ صبیح رنگت والی دبلی پتلی نگین فہد کو بھی بھلی ہی لگی۔ جبکہ مناسب خدوخال اور گندمی رنگت والا فہد جو متوسط طبقے سے تعلق رکھتا تھا اور پرائیویٹ فرم میں ملازم تھا۔ نگین کے گھر والوں کو بھی پہلی نظر میں ہی پسند آگیا۔ نگین اپنے گھر اور بچوں سے ٹوٹ کر محبت کرنے والی عورت تھی۔ وہ ان عورتوں میں سے تھی جو شوہر کو حقیقتاً مجازی خدا مانتی ہیں۔ اس نے کبھی فہد کی کسی بات سے اختلاف نہیں کیا تھا۔ وہ سراپا اس کی پسند میں ڈھل گئی تھی۔ وہ حقیقی معنوں میں فہد کی شریک سفر تھی۔ کیونکہ شادی کے کچھ عرصے بعد جب فرم کے اچانک بند ہوجانے کے باعث فہد بے روزگار ہوگیا تو ایک سالہ حماد کے ہوتے ہوئے اس نے فوری طور پر ایک پرائیویٹ اسکول جوائن کرلیا۔ فہد کو کچھ عرصے بعد حب میں واقع ایک فیکٹری میں کم تنخواہ پر جاب تو مل گئی مگر گھر سے دوری کے باعث علی الصبح نکلنے کے باوجود ویگنوں کے دھکے کھا کر اور ٹریفک میں پھنس کر وہ آئے دن لیٹ ہوجاتا۔ ایسے میں نگین نے کمیٹیاں ڈال کر فہد کو بائیک خرید دادی۔ وہ کھانے پینے سے لے کر پہننے اوڑھنے تک میں فہد کی پسند ناپسند کا خیال رکھتی۔

فہد نگین جیسی بیوی پاکر یقیناً خوش تو تھا مگر مزاجاً وہ موڈی تھا۔ کبھی کبھی وہ بے بات بھی نگین سے لہجہ بدل لیتا تھا۔ مگر نگین شوہر کے مزاج کو سمجھ کر چلنا جانتی تھی۔ ایسے میں وہ فہد کو زیادہ ڈسٹرب نہیں کرتی تھی مگر فہد کے آرام اور ضروریات کا مکمل خیال ہر حال میں اسی طرح رکھتی تھی۔ ماہ و سال گزر رہے تھے۔ حماد چار سال کا ہوگیا تھا۔ نگین نے اسے اپنے

ہی اسکول میں داخل کرالیا تھا اسے فیس میں تو رعایت مل گئی تھی۔ لیکن کتابوں اور یونیفارم کا خرچہ بھاری پڑ رہا تھا۔ اسی لیے فہد آمدنی بڑھانے کی فکر میں مبتلا رہنے لگا کہ قدرت نے اسے یہ موقع فراہم کردیا۔

✡ ✡ ✡

"آئیڈیا تو اچھا ہے۔ مگر نگین تم سوچ لو۔ کاروبار کے اپنے کئی طرح کے مسئلے ہوتے ہیں۔ بجلی کا بل + ٹیکس وغیرہ تو فہد بھائی کو ہر حال میں دینے ہوں گے۔ پھر دوکان ملنے کے بعد سامان ڈالنے میں بھی کافی پیسہ خرچ ہوگا۔ اتنی رقم کے لیے تم جتنی بڑی کمیٹی ڈالوگی اتنی ہی لمبی بھی چلے گی اور بیوقوف عورت تم زیور کیوں بیچنے لگی ہو۔" ورده نگین کی اسکول کی سب سے قریبی کولیگ تھی وہ دونوں اپنی کلاس پر باتیں ایک دوسرے سے شیئر کرتے تھے۔

"ورده میں فہد کا ساتھ نہیں دوں گی تو اور کون دے گا۔ پھر وہ یہ سب ہمارے لیے ہی تو کررہے ہیں۔ دو مہینے بعد دوسرا بچہ بھی ہمارے ساتھ ہوگا۔ خرچے مزید بڑھیں گے۔ اور یہ زیور تو ہوتا ہی اس لیے ہے نا کہ اچھے برے وقتوں میں کام آسکے۔ کمیٹی بھی ختم ہو ہی جائے گی۔ میں کون سا کل جاب چھوڑ رہی ہوں اور میڈم ذاکرہ کا تمہیں پتا ہے' امی کی جاننے والی ہیں تو اللہ کا شکر ہے کہ پرائیویٹ جاب ہونے کے باوجود مجھے کسی قسم کے کوئی خدشات نہیں ہیں۔ بس تم دعا کرو سب ٹھیک ٹھاک ہوجائے۔" نگین نے دکھتی کمر کو کرسی کی پشت سے ٹکا کر آرام دینا چاہا۔ وہ دوسری بار ماں بننے جارہی تھی۔

"دعا تو تم نہیں بھی بولوگی تو بھی میں کروں گی ہی ڈیئر۔ مگر آج کے دور میں' میں نے تم جیسی بیوی پہلی دفعہ ہی دیکھی ہے قسم سے۔ شوہر کی اس قدر تابعدار۔ خدا کی بندی ان مردوں کے ساتھ بڑا ٹرک سے چلنا چاہیے ان کا کچھ بھروسا نہیں کہ کب نگاہیں بدل جائیں۔ ایسے ہی تو طوطا چشم نہیں کہا جاتا انہیں۔ تمہیں اپنے میاں سے چھپا کر کچھ پرسنل سیونگز بھی کرنی چاہئیں۔ اچھا برا وقت پوچھ کر نہیں آتا۔ یہاں تو گھر بیٹھی عورتیں بھی میاں کے دیے سودے کے پیسوں یا جیب خرچ میں سے ڈنڈی مار کر اپنا خزانہ بھرتی ہیں اور ایک تم بدھو عورت ہو کہ اپنا کما کر بھی پائی پائی کا حساب میاں کو اس کے بن مانگے ہی دینے بیٹھ جاتی ہو۔" ورده نے ہمیشہ کی طرح نگین کو سمجھانا چاہا تو نگین نے رسان سے کہا۔

"ورده میاں بیوی کے رشتے کو مضبوط کرنے والی سب سے پہلی چیز اعتبار ہے۔ ایک دوسرے پر بھروسا کیے بغیر' ایک دوسرے کا ساتھ دیے بغیر اس رشتے کو نمو قطعاً" ممکن نہیں اور شوہر کو مجازی خدا کا درجہ تو میرے مذہب نے دیا ہے تو پھر میں اس سے منکر ہو کر اپنا ایمان کیوں خراب کروں۔ قسمت کے لکھے کا کیا ہے جانے کب کس کو روند ڈالے۔ اعمال کے حساب کتاب کا معاملہ اللہ نے طے کرنا ہے نہ کہ انسان نے۔" اور ورده ہمیشہ کی طرح نگین کے پختہ نظریات کے آگے سرنگوں ہوئی اور گہری سانس لے کر خاموش ہوگئی۔

✡ ✡ ✡

فہد دکان لے کر بہت خوش تھا۔ شومئی قسمت وہ حسب توقع چل بھی نکلی تو اس نے منصوبے کے مطابق نوکری سے استعفیٰ دے کر اپنا مکمل دھیان دکان پر لگادیا۔ اس نے اپنی دکان میں جنرل آئٹم رکھے تھے کہ روز مرہ کی چیزوں کے بہانے کچھ لوگ کچھ نہ کچھ خریدتے رہیں اور اس کی آمدنی بڑھتی رہے۔ چھ ماہ گزر گئے۔ اسی عرصے میں نگین بھی فارغ ہوگئی۔

روا کی آمد کو فہد نے اپنی خوش بختی قرار دیا۔ بیٹیاں تو ویسے بھی باپ کو بے حد پیاری ہوتی ہیں۔ نگین بھی اپنے فیملی مکمل ہونے پر خوش اور مطمئن تھی گو کہ اس کی ذمہ داریوں میں اضافہ ہوگیا تھا کیونکہ دکان ہونے کے باعث فہد بھی دیر سے گھر آتا تھا۔ ایسے میں نگین گھر اور بچوں کو اکیلے ہی دیکھتی تھی۔ مگر فہد کو مطمئن دیکھ کر وہ مسرور تھی۔ پھر جانے کس کی نظر لگی

کہ تقدیر نے کھیل کھیلا۔ ایک دن فہد کا دکان سے واپسی پر ایکسیڈنٹ ہوگیا۔ سر میں بھی چوٹیں آئیں اور سیدھے پیر کے گھٹنے میں فریکچر ہو گیا۔ فہد کی یہ حالت دیکھ کر نگین کے تو اوسان ہی خطا ہو گئے۔ مگر لوگوں کے سمجھانے پر اس نے ایک بار پھر ہمت باندھی اور شوہر کی خدمت میں تندہی سے جت گئی۔ فہد کو مجبوراً" دکان بند کرنا پڑی کیونکہ ڈاکٹر نے بیڈ ریسٹ کا مشورہ دیا تھا۔ چوٹیں شدید اور زخم گہرے تھے تو فہد کی صحت یابی میں بھی وقت لگ رہا تھا۔ اچھے ہوتے حالات کو واپس تنزلی کی طرف جاتا دیکھ کر فہد کو شدید ذہنی دھچکا لگا اور وہ بے حد چڑچڑا ہو گیا۔

مگر نگین نے فہد کے بدلتے مزاج اور زندگی کے بدلتے رویے کو انتہائی تحمل مزاجی سے گزارا۔ اسکول سے اس نے چھٹیاں لے لی تھیں اور وہ اس کا ہر کام اپنے ہاتھ سے کرتی تھی۔ وہ محبت کرنے والی 'وفاشعار بیوی تھی۔

"نگین پہلے ہی دواؤں پر ڈاکٹروں کا خرچا کم ہے جو تم روز ہی فروٹ اٹھا کر لے آتی ہو۔" فہد اسے ٹوکتا۔

"معلوم ہے آپ کو کتنا خون ضائع ہو گیا ہے۔ کھائیں گے پئیں گے تو ہی تو صحت بنے گی۔ آپ یہ سب باتیں مت سوچا کریں۔ بس اب جلدی سے کھا پی کر تندرست ہو جائیں۔ کتنے دن ہو گئے ہم شاپنگ پر آؤٹنگ پر نہیں گئے۔"

وہ یونہی فہد کی ہر پریشانی خوش دلی سے دور کرنے کے لیے کوشاں رہتی۔ اور کڑا وقت گزر ہی گیا کیونکہ وقت کا تو کام ہی گزرنا ہے۔

فہد نے صحت یاب ہو کر واپس دکان کھول لی۔ نگین نے بھی اسکول واپس جوائن کر لیا۔ زندگی پھر دوڑنے لگی۔ نگین اور فہد کا بیٹا حماد یونیورسٹی میں پہنچ گیا اور روا نے گریجویشن مکمل کر کے ٹیکسٹائل ڈپلومہ کورس جوائن کر لیا۔ حالات کی بہتری کے باوجود نگین نے ذاکرہ کے کہنے پر جاب جاری رکھی۔ ان کے احسانات کا مان رکھنے کے لیے نگین نے بھی ان کا کہا مان لیا۔ فہد کو بھی کوئی اعتراض نہ تھا۔

مگر زندگی نے ایک بار پھر اسے آزمائش میں ڈال دیا۔ اس بار نگین لپیٹے میں آگئی۔ وہ غسل خانے میں پھسل کر کولہے کی ہڈی تڑوا بیٹھی۔ بچوں نے اصرار کر کے اسے نوکری سے استعفیٰ دلوادیا۔ اب وہ خود ہی تھک چکی تھی۔ اس کی ہمت بھی دم توڑ رہی تھی۔ ردا کی دن رات کی خدمت نے اسے جلد کھڑا تو کردیا مگر اندرونی کمزوری کے باعث وہ وہیل چیئر پر ہی رہنے لگی تھی۔

"دکان سے جلدی آجایا کریں۔ کچھ دیر میرے پاس بھی بیٹھ جایا کریں۔ بور ہو جاتی ہوں۔" فہد رات گئے لوٹتا تو وہ بڑی یاسیت سے کہتی۔

"کوشش تو کرتا ہوں۔ میں خود تھک جاتا ہوں۔ حماد پڑھائی سے فارغ ہو تو کہوں اب وہ سنبھالے۔ تم ٹی وی دیکھ لیا کرو ناول وغیرہ پڑھ لیا کرو۔" فہد سپاٹ لہجے میں جواب دے کر کروٹ بدل کر سو جاتا تھا اور وہ اسے تکتی رہ جاتی۔

بستر پر پڑے پڑے وہ بے زار ہونے لگی تھی۔ ماں کی حالت کے باعث ردا پر سارے گھر کی ذمہ داری آپڑی تھی سو وہ چاہ کر بھی ماں کے پاس نہ بیٹھ پاتی۔ اس دن نگین سو کر اٹھی تو کچھ فریش تھی۔ اس نے سوچا آج ناشتا کمرے میں کرنے کے بجائے باہر سب کے ساتھ کیا جائے۔ سب اسے اچانک ڈائننگ ٹیبل پر

دیکھ کر خوش بھی ہو جائیں گے۔ اس نے آہستہ آہستہ بیڈ سے اپنا وجود وہیل چیئر پر منتقل کیا اور اس کے پہیوں کا رخ دروازے کی طرف کردیا۔ وہ ڈائننگ ہال کے دروازے کے پاس پہنچی تو فہد کی تیز آواز نے اس کا دل گویا مٹھی میں کرلیا۔

"یہ کیا تم روز نئی نئی لسٹیں بنا کرلے آتی ہو۔ صرف گوشت کھانے اور مرغیوں کے سوپ پینے سے طاقت نہیں آتی۔ سبزیاں بناؤ اور کھلاؤ ماں کو۔ کچھ پتا ہے کس قدر مہنگائی ہے۔ دوائیں پوری کروں یا تمہیں مرغی اور پھل ہی لا کر دیتا رہوں۔ روز جوس بنانا ہے۔ روز یخنی بنانی ہے۔"

"مرد کا کوئی بھروسا نہیں۔ جانے کب آنکھیں بدلے۔" نگین کے حلق میں نمکین پانی اتر گیا۔

"یہ تھا اس کی عمر بھر کی ریاضت کا صلہ۔" وہ پہلی بار شکوہ کناں تھی۔

"پاپا۔ مما کو اچھی غذا کی ضرورت ہے۔ وہ بہت ویک ہو گئی ہیں۔ کس قدر محنت کی ہے ساری عمر۔ آپ نے تو پھر صرف کاروبار کیا ہے انہوں نے تو جاب اور گھر دونوں کی ذمہ داریاں اکیلے اٹھائی ہیں۔ اگر آپ کو پرابلم ہے تو کوئی بات نہیں۔ میں اپنی ٹیوشنز فیس سے سب لے آؤں گا۔ اتنا تو کما ہی لیتا ہوں۔

ردا تم کو جو منگوانا ہو مجھے بتا دینا۔ اور پاپا۔۔۔ بہت افسوس ہوا آپ کی بے حسی دیکھ کر۔۔۔ آپ کو بدلتا دیکھ کر۔۔۔" حماد کی تلخ آواز نے فہد کو سناٹوں میں لا کھڑا کیا تو نگین کی ہچکیاں بندھ گئیں۔

"مجھے معاف کردے مولا۔۔۔ تو کب قربانیوں کو ضائع جانے دیتا ہے۔ اعمال کا حساب کتاب تو تیرے ہاتھ میں ہے۔ صلہ دینے والا تو تو ہے مالک۔۔۔ صرف تو۔"

نگین کے رخسار تیزی سے شکرانے کے آنسوؤں سے تر ہونے لگے تھے۔

☆ ☆

شعاع عمیر

القرآن

☆ ارشاد ربانی ہے۔ "اور جس کا نامہ اعمال دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا تو وہ فرط مسرت سے (دوسرے لوگوں سے) کہے گا کہ لو پڑھو' میرا نامہ عمل۔ مجھے یقین تھا کہ میں اپنے حساب کو پہنچ جاؤں گا۔ پس (یہ خوش نصیب) پسندیدہ زندگی بسر کرے گا عالیشان جنت میں' جس کے درختوں کے خوشے جھکے ہوئے ہوں گے۔ انہیں (اجازت دے دی جائے گی) کھاؤ پیو اور مزے اڑاؤ۔ یہ ان اعمال کا بدلہ ہے جو تم نے گزشتہ دنوں میں آگے بھیج دیے تھے۔"

(سورہ الحاقہ۔ 19 تا 24)

☆ ارشاد ربانی ہے۔ "اور جس کا نامہ عمل بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا وہ کہے گا۔ اے کاش! مجھے میرا نامہ اعمال دیا ہی نہ جاتا اور میں نہ جانتا کہ میرا حساب کیا ہے؟ اے کاش! موت ہی نے میرا قصہ پاک کر دیا ہوتا۔ آج میرا مال میرے کسی کام نہ آیا۔ میری سلطنت بھی فنا ہوگئی۔ (فرشتوں کو حکم ہوگا۔) اس کو پکڑ لو اور اس کی گردن میں طوق ڈال دو۔ پھر اسے دوزخ میں جھونک دو۔ پھر ستر ستر گز لمبی زنجیر میں اس کو جکڑ دو۔ بے شک یہ بدبخت اللہ پر ایمان نہیں لاتا تھا' جو بزرگ و برتر ہے اور نہ مسکین کو کھانا کھلانے کی ترغیب دیتا تھا۔ پس آج اس کا یہاں کوئی دوست نہیں اور نہ کوئی کھانے پینے کا سامان سوائے پیپ کے' جسے خطاکاروں کے علاوہ کوئی بھی نہیں کھاتا۔"

(سورہ الحاقہ۔ 25 تا 37)

☆ ارشاد ربانی ہے۔ "بے شک اللہ تعالیٰ حکم دیتا ہے کہ ہر معاملے میں انصاف کرو اور (ہر ایک کے ساتھ) بھلائی کرو اور اچھا سلوک کرو' رشتے داروں کے ساتھ اور روکتا ہے بے حیائی اور برے کاموں سے اور سرکشی سے۔ اللہ تعالیٰ تمہیں نصیحت کرتا ہے تاکہ تم نصیحت قبول کرو۔"

(سورۃ النحل۔ 90)

☆ ارشاد ربانی ہے۔ (ترجمہ) "نہیں پڑتی کوئی مصیبت زمین میں اور نہ تمہاری اپنی جانوں پر' مگر وہ (لکھی ہوئی ہے) ایک کتاب میں اس سے پہلے کہ ہم اسے پیدا کریں۔ بلاشبہ' یہ بات اللہ کے لیے بہت آسان ہے۔

☆ یہ اس لیے ہے تاکہ نہ غم کھاؤ' کسی نقصان پر اور نہ اتراؤ تم اس پر جو عطا فرمائے وہ تم کو۔ اور اللہ نہیں پسند کرتا ہر گھمنڈ کرنے والے اور فخر جتانے والے کو۔"

(سورۃ الحدید۔ آیات 22،23)

امینہ ملک۔ کراچی

برے عمل کا بدلہ

حضرت ابوبکر بن ابی زہیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب یہ آیات نازل ہوئی کہ تمہاری خواہشات اور اہل کتاب کی خواہشات کا کوئی اعتبار نہیں' جو برا عمل کرے گا۔ اس کا بدلہ پائے گا۔ تو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا۔ "یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا ہمیں ہر برے عمل کی سزا دی جائے گی؟" نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ "اے ابوبکر! اللہ آپ پر رحم فرمائے۔ کیا آپ بیمار نہیں ہوتے؟ کیا پریشان نہیں ہوتے؟ کیا آپ غمگین نہیں ہوتے؟ کیا آپ رنج و تکلیف کا شکار

نہیں ہوتے؟" عرض کیا۔ "کیوں نہیں۔" "آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ "یہ ہی تو بدلہ ہے۔" 71

(مسند احمد بن حنبل)

ابن آدم کی سعادت مندی

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ "تین چیزیں ابن آدم کی سعادت مندی کی علامت ہیں اور تین چیزیں اس کی بدنصیبی کی علامت ہیں۔ ابن آدم کی خوش نصیبی تو یہ ہے کہ اسے نیک بیوی ملے اور اچھی رہائش ملے اور عمدہ سواری ملے' جبکہ اس کی بدنصیبی یہ ہے کہ اسے بری بیوی ملے اور بری رہائش ملے اور بری سواری ملے۔" 1445

(مسند احمد بن حنبل)

اللہ نے ہر بیماری کے لیے شفا اتاری ہے

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ "اللہ تعالیٰ نے کوئی بیماری نہیں اتاری' مگر اس کے لیے شفا اتاری ہے۔ دوسری روایت میں ہے کہ ہر بیماری کی دوا ہے جب دوا بیماری کو پہنچ جائے۔ (تو) اللہ تعالیٰ کے حکم سے مریض اچھا ہو جاتا ہے۔" 4316

(مشکوۃ شریف۔۔۔ کتاب الطب والرقی)

رشیدہ فیض۔۔۔ جام پور

ایک حکایت 'ایک سبق

حضرت ابراہیم بن ادھم کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا اور کہنے لگا۔ حضرت! میں گناہوں میں مبتلا ہوں' کوئی ایسی نصیحت ارشاد فرمایئے کہ میں گناہوں سے بچ جاؤں' آپ نے فرمایا۔ "تمہیں پانچ چیزیں بتاتا ہوں' اگر تم ان کی پابندی کرلو تو تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔" پھر فرمایا۔ "جب تم گناہ کا ارادہ کرو تو اللہ کا رزق نہ کھایا کرو' اس شخص نے پوچھا کہ پھر کیا کھاؤں؟ اس لیے کہ زمین میں جو کچھ ہے وہ تو اللہ کا عطا کردہ ہے۔ حضرت ابراہیم بن ادھم نے فرمایا۔ اے اللہ کے بندے! کیا تجھے یہ زیب دیتا ہے کہ تو اللہ کا دیا ہوا رزق کھائے اور پھر بھی اس کی نافرمانی کرے؟ اس شخص نے کہا بالکل نہیں دوسری بات حضرت ابراہیم بن ادھم نے یہ ارشاد فرمائی۔ جب گناہ کا خیال دل میں آئے تو اللہ کی زمین پر آباد شہروں کو چھوڑ دینا۔ اس نے کہا کہ یہ تو بہت مشکل ہے۔ اگر میں اللہ کی زمین پر نہ رہوں تو اور کہاں رہوں گا؟ آپ نے فرمایا کہ اللہ کا دیا ہوا کھاتے ہو۔ اس کی زمین پر چلتے ہو' پھر بھی اس کی نافرمانی کرتے ہو۔ آپ نے تیسری بات یہ فرمائی کہ اگر پھر بھی گناہ کا خیال دل میں آئے تو ایسی جگہ جا کر گناہ کرنا' جہاں تمہیں اللہ تعالیٰ نہ دیکھ سکے۔ اس شخص نے کہا کہ حضرت! ایسی کون سی جگہ ہے جہاں اللہ تعالیٰ نہ ہو' آپ نے فرمایا کہ جب ہر جگہ اللہ تعالیٰ موجود ہے اور تم اس کے سامنے گناہ کرو گے تو تمہیں شرم نہیں آئے گی؟ اس کے بعد حضرت ابراہیم بن ادھم نے چوتھی بات یہ بتائی کہ جب ملک الموت تیری روح قبض کرنے آئے تو اس سے کہنا ٹھہریے' مجھے مہلت دیجئے' تاکہ میں سچی توبہ کرلوں اور اللہ تعالیٰ کو راضی کرلوں' اس شخص نے کہا کہ ملک الموت میری اس بات کو نہیں مانے گا' اس لیے کہ اسے تو اللہ تعالیٰ نے مقررہ وقت پر میری روح قبض کرنے کا حکم دیا ہے۔ حضرت ابراہیم بن ادھم نے فرمایا کہ جب تو جانتا ہے کہ تو موت کو نہیں روک سکتا اور تجھے یہ بھی معلوم ہے کہ تیری موت کا وقت مقرر ہے۔ اس میں تاخیر نہیں ہو سکتی تو تجھے کس طرح امید ہے کہ تو اللہ کے عذاب سے چھوٹ جائے گا؟ اس کے بعد آپ نے پانچویں نصیحت یہ فرمائی کہ قیامت کے دن جب جہنم کی طرف لے جانے والے فرشتے تجھے پکڑ کر جہنم میں لے جانا چاہیں تو تو ان کے ساتھ نہ جانا۔ اس نے کہا کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ وہ تو مجھے نہیں چھوڑیں گے۔ حضرت ابراہیم بن ادھم نے فرمایا کہ پھر تجھے کیوں کر

امید ہے کہ تو عذاب سے بچ جائے گا؟ یہ سن کر وہ شخص کہنے لگا کہ حضرت! میں توبہ و استغفار کرتا ہوں اور گناہ نہ کرنے کا عہد کرتا ہوں' کہتے ہیں کہ اس شخص نے سچی توبہ کرلی اور آئندہ ساری زندگی اپنی توبہ پر قائم رہا اور اس نیکی کی حالت میں وہ دنیا سے رخصت ہوگیا۔"

شبانہ افضال۔۔۔ قصور

حضرت علی کے اقوال

☆ وعدہ کو وفا کرنا سب سے بہترین امانت ہے۔

☆ سب سے بہترین ذکر قرآن کی تلاوت ہے کہ اس کی تلاوت کی وجہ سے سینے کھل جاتے ہیں اور باطن نورانی ہوجاتے ہیں۔

☆ بہترین تجربہ وہ ہے جس سے نصیحت حاصل ہو۔

☆ بہترین عطا و بخشش یہ ہے کہ احسان نہ جتایا جائے۔

☆ طاقت ور انسان کا سب سے نیک کام معاف کردینا ہے۔

طاہرہ ملک۔۔۔ جلال پور پیروالا

انسان

کسی انسان نے کوئل سے پوچھا۔ "تو کالی نہ ہوتی تو کتنی اچھی ہوتی۔"

سمندر سے پوچھا۔ "تو کھارا نہ ہوتا تو کتنا اچھا ہوتا۔"

گلاب سے پوچھا۔ "تجھ پر کانٹے نہ ہوتے تو کتنا اچھا ہوتا۔"

تینوں نے ایک ہی جواب دیا۔

"اے انسان تجھ میں دوسروں کے عیب ڈھونڈنے کی عادت نہ ہوتی تو کتنا اچھا ہوتا۔"

نشا نورین۔۔۔ بوتلہ جھنڈا سنگھ

باتوں سے خوشبو آئے

☆ خواہشات کے دھارے میں اس طرح نہ بہہ جاؤ جب ڈوبنے لگو تو تیرنا بھی بھول جاؤ۔

☆ اونچی اڑان کی خواہش رکھو مگر پہلے اچھی طرح دیکھ لو کہ تمہارے پر اس قابل ہیں یا نہیں۔

☆ اپنے نفس کو قابو میں رکھو' تاکہ اللہ تعالیٰ تم پر نازل ہونے والے قہر کو قابو میں رکھے۔

☆ کسی کو کبھی یہ مت کہو کہ وہ دل کا برا ہے۔ یہ سب ہمارے دماغ کی خرافات ہوتی ہیں' ہر شخص کا دماغ اچھا یا برا ہوتا ہے۔

☆ اپنے اندر اتنی سچائی پیدا کرو کہ جھوٹ بھی تم سے دور بھاگے۔

☆ جینے کے لیے نام پیدا کرو اور مرنے کے لیے مقام۔

☆ راز کی قیمت خاموشی کے سوا کچھ نہیں۔

☆ تم محبت کی قدر کرو' محبت تمہاری قدر کرے گی۔

☆ مشکل حالات میں جبر سے نہیں' صبر سے کام لینا پڑتا ہے۔

☆ انسان کی فطرت اس کے چھوٹے چھوٹے کاموں سے معلوم ہوتی ہے۔

☆ ہم زندگی کے بارے میں مختلف تجزیے کرتے ہیں' مگر یہ بھول جاتے ہیں کہ درحقیقت زندگی ہمارا تجزیہ کررہی ہوتی ہے۔

عائشہ بشیر۔۔۔ قصور

مہکتی کلیاں

☆ خوشیاں پھولوں کی مانند ہوتی ہیں' جس کا دورانیہ مختصر ہوتا ہے۔

☆ افواج کے حملے کو روکا جاسکتا ہے' لیکن خیالات کے حملے کو روکنا بے حد مشکل ہے۔

☆ زندگی کی ٹھوکریں' بہترین ذریعہ تعلیم ہیں۔

☆ زندہ رہنے کے لیے ہمت سے کام لو' ہر کوئی آسانی سے مر سکتا ہے۔

☆ کسی دوسرے سے کیا ہوا وعدہ ٹوٹ جاتا ہے' مگر اپنے دل سے کیا ہوا وعدہ کبھی نہیں ٹوٹتا۔

☆ زندگی ایک غیر ملکی زبان ہے' جس کا تلفظ ہر کوئی غلط ادا کرتا ہے۔

☆ وقت سے پہلے کبھی اپنے ارادے کا اظہار مت

کرو۔

☆ علم کی طلب میں شرم مناسب نہیں، جہالت شرم سے بدتر ہے۔

☆ آنسوؤں کو مسکراہٹ میں بدل دو تو زندگی میں خوشیاں تلاش کرنا آسان ہو جاتا ہے۔

☆ مشاہدے سے آپ بہت کچھ جان سکتے ہیں، مگر سیکھتے تجربے سے ہی ہیں۔

☆ کہنے والا یقین سے محروم ہو تو سننے والا تاثیر سے محروم رہتا ہے۔

☆ فکر کے درخت کو صبر کا پانی دیتے رہنا چاہیے، تاکہ آنے والی نسلیں خوش حال زندگی بسر کر سکیں۔

☆ زندگی گزارنے کا صحیح لطف اسی میں ہے کہ آپ کا دل محبت اور دماغ عقل سے بھرا ہوا۔

کہکشاں انجم۔ فیصل آباد

علامت

ناصر۔ "میں اب بوڑھا ہو گیا ہوں۔" شریف نے کہا۔

"تمہیں کیسے اندازہ ہوا؟" ناصر نے پوچھا۔ "کیا تمہارے جوڑوں میں درد رہنے لگا ہے یا نظر کمزور ہوئی ہے؟"

شریف نے بتایا۔ "ناصر! مجھ میں ان سے بھی واضح علامت پیدا ہوگئی ہے۔ میں اکثر ماضی کو یاد کرتا رہتا ہوں۔"

نسبت سنبھل۔ کہروڑ پکا

بولتے لفظ

☆ اللہ نے جو نعمتیں دی ہیں ان کا یہ ہی شکر ہے کہ تکلیف برداشت کرو۔

☆ سمجھنے کا آسان طریقہ بتاتا ہوں۔ سمجھانا نہ شروع کرو بنا۔ پہلی بات ہے۔ سمجھانے کی کوشش نہ کرو۔ آپ سمجھنا شروع کردو گے۔

☆ آپ کوئی ایک چیز ذہن کے نسخے کے مطابق ایک عمل اپنی زندگی میں شامل کرلو، زندگی ساری کی ساری دین میں ڈھل جائے گی۔

☆ "اگر ظرف نہ ہو تو عطا انسان کو مغرور بنا دیتی ہے۔ زیادہ ظرف والا آدمی مرتبہ ملنے پر انکساری سے کام لینے لگتا ہے، اس لیے اپنے ظرف سے باہر کی تمنائیں نہیں کرنی چاہییں۔

☆ آج بھی تہجد گزار موجود ہیں۔ آج بھی ہر شے آباد ہے۔ ہر مقام آباد ہے۔ آج بھی لوگوں کے دل محبت سے بھرے ہوئے ہیں۔ آج بھی قربانی دینے والے لوگ ہیں۔ آج بھی عمل کرنے والے ہیں۔ آج بھی لوگ خاموش ہیں۔ یہ وقت نہیں آیا کہ نیکی پر راستہ بند ہو گیا ہو۔ اگر آپ نیک وقت گزارنا چاہتے ہو تو گزر سکتا ہے۔

(واصف علی واصف)

سیدہ نسبت زہرا۔ کہروڑ پکا

گوہر آبدار

☆ جن کو لفظوں کے روگ لگ جائیں، پھر ان کو کوئی روگ نہیں لگتا ہے۔ وہ ساری عمر ان ہی میں چکراتے پھرتے ہیں۔

☆ آگ لکڑی میں نہیں اس ہاتھ میں ہوتی ہے جو اسے لگاتا ہے۔

☆ ظاہری شکل پہ مت جاؤ۔ آگ سرخ ہوتی ہے، مگر اس کا جلایا ہوا کالا ہوتا ہے۔

☆ جو شخص زمین کا سفر کرتا ہے، اس کے پاؤں میں آبلے پڑتے ہیں اور جو آسمان کا سفر کرتا ہے، اس کے دل میں آبلے پڑتے ہیں۔

☆ سمجھوتے میں زبردستی کا عنصر ہوتا ہے۔ مان لینے کی کیفیت نہیں ہوتی۔

☆ سب کچھ جانتے ہوئے سمجھوتا کرنا بڑا کربناک ہے۔ گمان کرنے کے لیے جاننا ضروری نہیں۔

☆ بعض اوقات جب ہم اپنی آرزو کو حاصل کرتے ہیں، تو محسوس ہوتا ہے کہ یہ وہ چیز نہیں جو ہم نے چاہی تھی۔ ہم نے یوں تو نہ چاہا تھا۔ تمنا اور حاصل میں بڑا فرق ہے، خوابوں میں اور تعبیروں میں بڑے فاصلے ہوتے ہیں۔

فوزیہ ثمر بٹ۔ گجرات

خلیل جبران کے اقوال

☆ فطرت کا قرب دل کو سادگی اور قناعت عطا کرتا ہے اور قناعت بے نیازی کو جنم دیتی ہے۔

☆ گلشن زیست میں صرف محبت ہی ایک پھول ہے جو بہار کا محتاج نہیں۔ اس کی نمو اور شگفتگی خزاں اور بہار سے بے نیاز ہے۔

☆ ایک بوڑھے انسان کے آنسو جوان آدمی کے آنسوؤں سے زیادہ اثر انگیز ہوتے ہیں کہ یہ اس کے کمزور جسم کی آخری پونجی ہوتے ہیں۔

☆ رکاوٹوں کے باوجود آگے بڑھنا اور دکھوں کو ہنسی سے جھیلنا ہی زندگی ہے' جدوجہد کا اضطراب فرار کے سکون سے بہتر ہے' شمع کے گرد طواف کرتے ہوئے جل مرنے والا پتنگا تاریکی میں رہنے والے چھچھوندر سے کہیں بہتر اور افضل ہے۔

نوشابہ منظور۔۔۔ بھریا روڈ

محبت کہیں جسے۔۔۔۔

☆ محبت کے مسافر راستے میں نفرت کا پڑاؤ نہیں ڈالتے۔

☆ دعائیں مانگو' مگر کبھی بھی محبت میں کامیابی کی دعا نہ مانگنا' ورنہ تمہیں محبت سے نفرت ہو جائے گی اور جب وہ تمہارے پاس پہنچے گی تو اپنی قدر کھو دے گی۔

☆ محبت نہ ملے تو انسان جی لیتا ہے' لیکن جسے وہ محبت سمجھتا ہے اگر وہی شخص آپ کا مان نہ رکھے تو پھر ریزے بھی نہیں ملتے۔

نوشابہ منظور۔۔۔ بھریا روڈ

علامات محبت

حضرت سیدنا ذوالنون مصری رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ "میں نے ساحل پر ایک نوجوان کو دیکھا' اس کا رنگ اڑا ہوا تھا' جبکہ چہرے پر قبولیت کے انوار اور قرب و محبت کے آثار دکھائی دے رہے تھے۔ میں نے اسے سلام کیا تو اس نے احسن انداز میں جواب دیا۔

میں نے پوچھا کہ "محبت کی علامت کیا ہے؟"

اس نے جواب دیا۔

"دربدر کی ٹھوکریں کھانا' لوگوں میں رسوا ہونا' نیند نہ کرنا اور بارگاہ الٰہی سے دوری کا خوف رکھنا۔"

(اقتباس از آنسوؤں کا دریا)

نوشین اقبال نوشی۔۔۔ گاؤں بدر مرجان

کردار

جس طرح کمرے کے چھوٹے چھوٹے سوراخوں سے سورج کے نمودار ہونے کا پتا چلتا ہے اسی طرح چھوٹی چھوٹی باتوں سے انسان کا کردار نمودار ہوتا ہے۔

دلچسپی اور طلب

دلچسپی کو طلب مت بننے دو۔ کیونکہ طلب کی شدت بڑھ کر ضرورت بن جاتی ہے اور ضرورت بڑھ کر کمزوری۔

حنا صادق۔۔۔ کوٹ رادھا کشن

بکھرے ذرے

☆ جذبات کا اظہار انسان کو بے وقعت کر دیتا ہے۔ جہاں تک ممکن ہو جذبات پر قابو پاؤ۔

☆ جذبات و خیالات قیمتی موتی ہیں' دوسروں کے لیے انہیں ضائع نہ کرو۔

☆ زیادہ الفاظ کا استعمال انسانی جذبات کو بے معنی کر دیتا ہے۔

☆ جذبات کا اظہار عزت نفس کی موت ہے۔

☆ جس کو عزت نفس کا پاس نہیں وہ شخص قابل احترام نہیں۔

مبین۔۔۔ بھائی پھیرو

تیری یادیں

تیری یادیں کسی مفلس کی پونجی سی\
جنہیں ہم پاس رکھتے ہیں\
جنہیں ہم محفوظ کرتے ہیں\
جنہیں ہم سب سے چھپاتے ہیں\
جنہیں ہم روز گنتے ہیں

(راشد ملک)

آمنہ میر۔۔۔ گجرات

بُشریٰ محمود

یاسمین رؤف، کی ڈائری میں تحریر

پروین شاکر کی غزل

کو بہ کو پھیل گئی بات شناسائی کی
اس نے خوشبو کی طرح میری پذیرائی کی

کیسے کہہ دوں اس نے چھوڑ دیا ہے مجھے
بات تو سچ ہے مگر بات ہے رسوائی کی

وہ کہیں بھی گیا لوٹا تو میرے پاس آیا
بس یہی بات ہے اچھی میرے ہرجائی کی

اس نے جلتی ہوئی پیشانی پہ جب ہاتھ رکھا
روح تک آ گئی تاثیر مسیحائی کی

اب بھی برسات کی راتوں میں بدن ٹوٹتا ہے
جاگ اٹھتی ہیں عجب خواہشیں انگڑائی کی

علینا فاطمہ، کی ڈائری میں تحریر

احمد فراز کی غزل

وحشتیں بڑھتی گئیں ہجر کے آزار کے ساتھ
اب تو ہم بات بھی کرتے نہیں غم خوار کے ساتھ

اب تو ہم گھر سے نکلتے ہیں تو رکھ دیتے ہیں
طاق پر عزت سادات بھی دستار کے ساتھ

اس قدر خوف ہے کہ اب شہر کی گلیوں کے لوگ
چاپ سنتے ہیں تو لگ جاتے ہیں دیوار کے ساتھ

ایک تو خواب لیے پھرتے ہو گلیوں گلیوں
اس پہ تکرار بھی کرتے ہو خریدار کے ساتھ

ہم کو اس شہر میں تعمیر کا سودا ہے جہاں
لوگ معمار کو چن دیتے ہیں دیوار کے ساتھ

سیدہ نسبت زہرا، کی ڈائری میں تحریر

محسن نقوی کی غزل

وہ لڑکی بھی عجب ایک پہیلی تھی
پیاسے ہونٹ تھے آنکھ جیسے سمندر جیسی تھی

سورج اس کو دیکھ کے پیلا پڑتا تھا
وہ سرما کی دھوپ میں ڈھل کر نکلی تھی

اس کو اپنے سائے سے ڈر لگتا تھا
سورج کے صحرا میں وہ تنہا ہرنی تھی

آتے جاتے موسم اس کو ڈستے تھے
ہنستے ہنستے پلکوں سے رو پڑتی تھی

دور سے اجڑے مندر جیسا گھر اس کا
وہ اپنے گھر میں اکلوتی دیوی تھی

تیز ہوا کو روک کے اپنے آنچل پر
سوکھے پھول اکٹھے کرتی پھرتی تھی

سب پر ظاہر کر دیتی تھی بھید اپنا
سب سے ایک تصویر چھپائے رکھتی تھی

کل شب چکنا چور ہوا تھا دل اس کا
یا پھر پہلی بار وہ کھل کر روئی تھی

محسن کیا جانے کیوں دھوپ سے بے پروا
وہ اپنے گھر کی دہلیز پہ بیٹھی تھی

سدرہ وزیر کی ڈائری میں تحریر

فیض احمد فیض کی نظم

وہ لوگ بہت خوش قسمت تھے
جو عشق کو کام سمجھتے تھے

یا عاشقی سے کام لیتے تھے
ہم جیتے جی مصروف رہے
کچھ عشق کیا کچھ کام کیا
کام عشق کے آڑے آتا رہا
اور عشق کام سے الجھتا رہا
پھر تنگ آ کر ہم نے آخر
دونوں کو ادھورا چھوڑ دیا

گڑیا شاہ کی ڈائری میں تحریر

فرحت عباس شاہ کی نظم

میں نے ہمیشہ ہواؤں کو اپنی
روح سے چھونے کی خواہش کی ہے
پرندوں اور گیتوں سے پیار کیا ہے
پھولوں کو چوم کر ہاتھوں سے لگایا ہے
خوبصورت نظموں اور اداس کر دینے والے
افسانوں کے سنگ راتیں بتائی ہیں
اور شعروں کے ہجوم میں رہا ہوں
لیکن اس کے باوجود
میرے اور ان کے درمیان
ہمیشہ کوئی نہ کوئی پردہ حائل رہا ہے
اور جہاں بھی یہ پردہ
ذرہ ہٹا ہے
میں نے شدت سے
خود کو تنہا محسوس کیا ہے

فوزیہ ثمر بٹ کی ڈائری میں تحریر

منیر قیصر کی غزل

گلیاں اداس کھڑکیاں چپ در کھلے ہوئے
اُکتا گیا ہوں میں تو یہ سب دیکھتے ہوئے

کاغذ پہ لکھ کے دیکھتا رہتا ہوں اس کا نام
مدت گزر گئی ہے جسے خط لکھے ہوئے

خوشبو و رنگ، آب و ہوا ساز و خامشی
کیا قافلے ہیں دشتِ خلا میں رکے ہوئے

کچھ پوچھتی ہیں راہوں کی سرسبز ٹہنیاں
کچھ کہہ رہے ہیں زرد سے پتے گرے ہوئے

ہاتھوں میں لے کے چلتا ہوں آنکھوں کی مشعلیں
ہر سمت ہیں فضاؤں میں چہرے بنے ہوئے

اے ماورائے فکر اب آواز دے کہ ہم
خود سے بچھڑ گئے ہیں تجھے ڈھونڈتے ہوئے

صدف عمران کی ڈائری میں تحریر

ن۔م دانش کی غزل

دیکھے ہوئے کسی کو بہت دن گزر گئے
اس دل کی بے بسی کو بہت دن گزر گئے

ہر شب چھتوں پہ چاند اترتا تو ہے مگر
اس گھر میں چاندنی کو بہت دن گزر گئے

کوئی جواز ڈھونڈ تم ناشناس کا
بے وجہ بے کلی کو بہت دن گزر گئے

اب تک اکیلے پن کا مسلسل عذاب ہے
دنیا سے دوستی کو بہت دن گزر گئے

مدت ہوئی کہ ٹوٹ کے رویا نہیں ہوں میں
اس بے بسی کی گھڑی کو بہت دن گزر گئے

تیری رفاقتیں تو مقدر میں ہی نہ تھیں
اب اپنی ہی کمی کو بہت دن گزر گئے

شگفتہ سلیمان

صدف عمران ——— کراچی

یہ ہجوم شہر ستم گراں نہ سنے گا تیری صدا کبھی!
مری حسرتوں کو سخن سنا، مری خواہشوں سے خطاب کر

نشاء خان ——— جام پور

کچھ وقت کی روانی نے ہمیں یوں بدل دیا
وفا پر اب بھی قائم ہیں مگر محبت چھوڑ دی ہم نے

سندس ——— فیصل آباد

کاش کہ ایسا بھی ہوا ہوتا
میری کمی نے تجھے بھی اداس کیا ہوتا

بلو جابٹ ——— سیالکوٹ

تیرے بعد کون روکے گا ہمیں
ہم خود کو جی بھر کے برباد کریں گے

فرزانہ جاوید ——— کراچی

کوئی خاموش ہو جائے تو ہم تڑپ جاتے ہیں
ہم خاموش ہوئے تو کسی نے حال تک نہ پوچھا

صدف نیلم ——— سکھر

مقام محبت تو نے سمجھا ہی نہیں ورنہ
جہاں تک تیرا ساتھ، وہاں تک میری زندگی

زینب خان ——— سرگودھا

ان کے آگے جو جھکی رہتی ہیں نظریں اپنی
اس لیے ہم ہی خطاوار نظر آتے ہیں

فہمیدہ کنول ——— جام پور

اب تھکن پاؤں کی زنجیر بنی جاتی ہے
راہ کا خوف یہ کہتا ہے کہ چلتے رہیے

حنا صادق ——— کوٹ رادھا کشن

فرصت ملے تو یاد کر لینا ہمیں کبھی کبھی!!
بڑی پُررونق ہوتی ہیں یادیں ہم اداس لوگوں کی

انیلا ——— پھول نگر

اب موت سے کہہ دو ناراضگی ختم کر لے ہم سے
وہ بہت بدل گیا جس کے لیے ہم زندہ تھے

روبینہ یاسمین ——— اسلام آباد

وہ بظاہر جو کچھ نہیں لگتے
ان سے رشتے بلا کے ہوتے ہیں

فرح بشیر ——— بھائی پھیرو

خوشی ملی تو کئی درد مجھ سے روٹھ گئے
دعا کرو میں پھر سے اداس ہو جاؤں

سیدہ نسبت زہرا ——— کہروڑ پکا

تم آئے ہو تو وفا کی بات کریں
وفا کی بات میں ہر بے وفا سے کرتا ہوں

گڑیا شاہ ——— کہروڑ پکا

جس سے مجھے امید تھی جیتے گا وہ مجھے
حیرت کی بات ہے وہی ہار کر گیا

نزہی ——— کہروڑ پکا

وہ اگر بُرا نہ مانیں تو جہان رنگ و بو میں
میں سکون دل کی خاطر کوئی ڈھونڈ لوں سہارا

ملیحہ رضوان ——— اسلام آباد

عجیب رنگوں میں گزری ہے زندگی اپنی
دلوں پہ راج کیا پھر بھی پیار کو ترسے

گیلانی سسٹرز ——— کہروڑ پکا

کوئی اچھی سی سزا دو مجھے
چلو ایسا کرو بھلا دو مجھے
تم سے بچھڑوں تو موت آ جائے
دل کی گہرائی سے دعا دو مجھے

امثل بخاری ——— ملتان

کیسی محبت، کیسی چاہت، ہم یہ سب کچھ دشمن تھا
یوں ہی ذرا سا شوق ہوا تھا آؤ دل برباد کریں

ثمرہ، اقراء ——— کراچی

غضب آیا، ستم ٹوٹا، قیامت ہو گئی برپا
فقط اتنا ہی پوچھا تھا کہاں مصروف رہتے ہو

عذرا ناصر ——— کراچی

ہزاروں مشغلے ہیں جو مجھے مصروف رکھتے ہیں
مگر محسن وہ ایسا ہے کہ پھر بھی یاد آتا ہے

دعا شاہد ——— کورنگی کراچی

اس کے تبسم کی معصومیت پہ نہ جا فراز
بے وفا لوگ بڑے فنکار ہوا کرتے ہیں

اقصیٰ ناصر ——— کراچی

سپرد خاک کر ڈالا تیرے اندر کی مستی نے
ہزاروں سال جی لیتے جو تم سے پیار نہ ہوتا

طاہرہ ملک ——— جلال پور پیر والا

نہ ملے گا جب اسے کوئی ہماری طرح چاہنے والا
بہت روئے گا وہ شخص اس دن ہمیں دوبارہ ملنے کے لیے

نوشابہ منظور ——— چھرپار روڈ

یہ میرا ہنر تیری خوشیوں سے وابستہ
میرے سارے لفظوں پہ تیری حکمرانی ہے
کھیل جو بھی تھا جان! اب حساب کیا کرنا
جیت جس کی ہو ہم نے ہار مانی ہے

حرا قریشی ——— ملتان

تمہیں نہ پایا تو موج در موج بٹ گئے ہیں
یہ شرط ہم اس طرح ہارے ندی کنارے
تمہیں نہ دیکھا تو رائیگاں رائیگاں گئے ہیں
شراب، شبنم، شفق، شرارے ندی کنارے

فاطمہ ——— کراچی

ذرا تم مل کے آ جانا، خدا ہم جھک کے مل لیں گے
خراکت سے ہی دنیا کے یہ کاروبار چلتے ہیں

عاصمہ ندیم ——— کراچی

پھولوں کا بکھرنا تو مقدر ہی تھا لیکن
کچھ اس میں ہواؤں کی سیاست بھی تھی بہت

فوزیہ ثمر بٹ ——— گجرات

ابھی تو پاؤں کے نیچے زمین معلوم ہوتی ہے
جہاں یہ ختم ہو گی وہیں پر گھر بنائیں گے
یہی ہے ناں تمہیں ہم سے بچھڑ جانے کی جلدی ہے
کبھی ملنا تمہارے مسئلے کا حل نکالیں گے

ندا، فضہ ——— کراچی

یوں بھی نہیں کہ شہر کو ویران چھوڑ آئے
لوگوں میں اس سے عشق کے امکان چھوڑ آئے
لہجے کے بعد اب وہ بدلتا نگاہ بھی
رستہ بدل کہ ہم اسے حیران چھوڑ آئے

مہین ——— قصور

مانا کہ غلط ہم ہی تھے جو ان سے اتنی محبت کر بیٹھے
پر روئے گا وہ بھی بہت ایسی وفا کی تلاش میں

قرۃ العین ——— لاہور

کبھی کبھی جو تیرے قرب میں گزارے تھے
اب ان دنوں کا تصور بھی میرے پاس نہیں
مجھے یہ ڈر ہے تیری آرزو نہ مٹ جائے
بہت دنوں سے طبیعت میری اداس نہیں

صائمہ جیمی ——— کراچی

میں چاہتا ہی نہیں تھا اسے لاجواب کرنا
ورنہ جواب میرے پاس اس کے ہر سوال کا تھا

مدیحہ نورین مہک ——— برنالی

بدلا یوں رنگ اس کا حیرت ہوئی مجھے
موسم کو بھی مات دے گئی فطرت جناب کی

کرن، بینش ——— فیصل آباد

یقین تھا کہ بھول جاؤ گے ہمیں
خوشی ہوئی امید پہ پورے اترے

ایم۔ آر۔ کے ——— مظفر گڑھ

بسا لیتے ہیں ذہنوں میں ہزاروں بت محبت کے
وہ جس کو پوجتے تھے آج وہ پتھر نہیں ملتا
وہ ماجد دن میں شرماتا ہے باہر ہی نہیں آتا
اندھیرے میں نکلتا ہے تو میرا گھر نہیں ملتا

روبینہ شریف

پاگل

ارسلہ بیوی شوہر اسد سے۔ "آپ مجھ سے کتنی محبت کرتے ہیں؟"

اسد بولا۔ "بہت۔"

ارسلہ۔ "کیا مطلب؟"

اسد۔ "مطلب یہ ہے کہ میں تم سے محبت کرتا ہوں۔"

ارسلہ۔ "پھر بتائیے اسد میں اگر مرگئی تو آپ کیا کریں گے؟"

اسد۔ "جنوں ہو جاؤں گا' پاگل ہو جاؤں گا۔"

ارسلہ۔ "دوسری شادی تو نہیں کریں گے؟"

اسد۔ "دیکھو بیگم! پاگل کا کیا بھروسا' وہ تو کچھ بھی کرسکتا ہے۔"

سیدہ نسبت زہرا۔۔۔ کروڑ پکا

اب کے برس

ہالی ووڈ سے تعلق رکھنے والی شخصیات کے بچوں کی گفتگو پہلا بچہ۔ "تمہارے ڈیڈی تو میرے ڈیڈی کے پاؤں کی دھول بھی نہیں۔"

"یہ بات ہے" دوسرا بچہ بولا۔ "تو ذرا اگلے سال تک انتظار کرو۔"

"اگلے سال کیا ہوگا؟ کیا تمہارے ڈیڈی سپر اسٹار بن جائیں گے۔"

"نہیں۔۔۔" دوسرے بچے نے جواب دیا۔ "اگلے سال ممکن ہے میری ممی ڈیڈی بدل دیں۔"

ثریا شاہ۔۔۔ کروڑ پکا

مولوی

نکاح کے بعد دولہا مولوی سے۔ "آپ کی فیس؟"

مولوی۔۔۔ "بیوی کی خوب صورتی کے مطابق دے دو۔" دولہے نے سو روپے دیے۔

مولوی کو بڑا غصہ آیا۔ اچانک ہوا سے دلہن کا گھونگھٹ اٹھ گیا۔ مولوی مسکرا کر بولا۔

"بیٹا یہ لو بقایا 80 روپے۔"

نشا نورین۔۔۔ بوتلہ جھنڈا سنگھ

خوش فہمی

میاں' بیوی میں ذرا سی تو تو میں میں بڑھتے بڑھتے اچھے خاصے فساد میں تبدیل ہو گئی۔ دونوں سخت طیش میں آگئے۔ بیوی نے غصے سے کہا۔

"میں روز روز کے اس جھگڑے سے تنگ آگئی ہوں۔ اب یہاں رہے میری جوتی۔ میں جا رہی ہوں اپنے میکے۔"

شوہر نے برہم ہو کر کہا۔ "خدا کے لیے میری جان چھوڑو۔"

بیوی جاتے جاتے ایک دم لوٹ آئی اور یکایک والہانہ لہجے میں بولی۔

"ہائے۔۔۔ خدا کے لیے میری جان چھوڑو' آپ مجھے میری جان کہہ کر خدا کا واسطہ دے رہے ہیں' آپ کے یہ ہی الفاظ میرے پیروں کی زنجیر بن جاتے ہیں۔ چلیں آپ کے کہنے سے میں نے چھوڑ دیا۔ بھلا دیا ساری کڑوی کسیلی باتوں کو' اب میں آپ کو چھوڑ کر کہیں نہیں جاؤں گی۔"

طاہرہ ملک۔۔۔ جلال پور پیر والا

بکواس

لڑکا... "میں تم سے پیار کرتا ہوں۔"
لڑکی... "بکواس مت کرو۔"
لڑکا... "میں تمہارے خاطر مر جاؤں گا۔"
لڑکی... "بکواس مت کرو۔"
لڑکا... "میں تمہارے بغیر نہیں رہ سکتا۔"
لڑکی... "بکواس مت کرو۔"
لڑکا... "میں تم کو ایزی لوڈ بھیجوں گا۔"
لڑکی... "واقعی...؟"
لڑکا... "بکواس مت کرو۔"

حنا کرن۔پتوکی

بعد اصرار

فوج میں ایک صاحب کا کورٹ مارشل ہو گیا کہ انہوں نے اپنے سارجنٹ کے بارے میں نازیبا الفاظ استعمال کیے تھے۔ ان صاحب سے پوچھا گیا کہ انہوں نے ایسا کیوں کیا؟
"جناب! میرا کوئی قصور نہیں ہے۔ وہ مجھ سے اصرار کر رہا تھا کہ میں اسے بتاؤں میں اس کے بارے میں کیسے خیالات رکھتا ہوں۔ سو میں نے بتا دیا۔"

شازیہ اعجاز۔کراچی

بلا کا ٹلنا

ایک پٹھان نے دکان دار سے دو آنے کا سرسوں کا تیل مانگا۔ شیشی میں ڈالتے ہوئے دکان دار سے تیل نیچے گر گیا۔
پٹھان بولا۔ "او بائی تم نے ہمارا نقصان کر دیا۔"
دکان دار نے ذرا تمسخر سے کہا۔ "خان نقصان کیا ہوا۔ تمہارا بلا ٹل گیا۔"
وہ بھی پٹھان تھا۔ اس نے لات مار کر دکان دار کا سب تیل گرا دیا۔ دکان دار نے شور مچایا تو پٹھان نے کہا۔
"اب کیوں چیختا ہے آج ام (ہم) نے تمارے (تمہارے) سب خاندان کا بلا ٹال دیا۔"

عائشہ بشیر۔بھائی پھیرو

احتیاط

صاحب بضد تھے کہ گاڑی وہ خود چلائیں گے۔ ڈرائیور کو انہوں نے اپنے پاس بٹھالیا۔ راستے میں کئی بار صاحب اونگھ گئے۔ ایک بار انہوں نے ڈرائیونگ کرتے کرتے اپنا سر اسٹیرنگ وہیل پر تقریباً" ٹکا ہی دیا۔
ڈرائیور نے ڈرتے ڈرتے ان کا کندھا ہلایا اور بولا۔
"سر! آپ بے شک اچھی ڈرائیونگ کر رہے ہیں' لیکن وہ بدتمیز درخت بڑی تیزی سے ہماری طرف آرہا ہے۔"

غزل۔ملتان

غلطی کا امکان

ایک سیاسی لیڈر قومی اسمبلی کے انتخاب کے سلسلہ میں بڑی شان دار تقریر کر رہے تھے کہ سامعین میں سے ایک آدمی نے مرغ کی نقل میں ککڑوں کوں بہت بلند آواز سے کہا۔ نقل اتنی مطابق اصل تھی کہ حاضرین ہنسنے لگے۔ لیڈر کے حمایتی بہت ناراض ہوئے۔ لیکن اس نے اشارے سے انہیں خاموش رہنے کے لیے کہا اور خود خاموش ہو کر سننے لگا۔ جب دو' تین دفعہ ککڑوں کی آواز آکر بند ہو گئی تو لیڈر نے اطمینان سے اپنی جیب سے گھڑی نکال کر دیکھتے ہوئے کہا۔
"صاحبان میری گھڑی میں صرف دس بجے ہیں لیکن ہو سکتا ہے کہ میری گھڑی غلط ہو کیونکہ مرغوں سے غلطی کا امکان نہیں ہو سکتا۔"

سونیا عامر۔کراچی

فیصلہ

رضی...! "تم اس وقت گھبرائے ہوئے کیوں ہو۔"
اکرم... "بات یہ ہے میں نے گھر سے چلتے وقت دو خط لکھے تھے۔ ایک اپنے دوست کو جس میں پوچھا تھا

کہ "کیا آپ مجھے بے وقوف خیال کرتے ہیں۔" اور دوسرا مس ثریا کو کہ کیا۔ "آپ مجھ سے شادی کرنے پر رضامند ہیں۔ جب میں گھر واپس آیا تو معلوم ہوا کہ کسی نے میرے بعد ٹیلی فون کیا تھا اور خط کے جواب میں ہاں کہا تھا۔ میں یہ فیصلہ نہیں کر پایا کہ یہ جواب دوست کی طرف سے تھا یا مس ثریا کی طرف سے۔"

صائمہ سلیم سندھو۔ اسلام آباد

انجام محبت

ایک صاحب نے اپنے دوست سے پوچھا۔ "نجمہ کے ساتھ آپ کی محبت کا ان دنوں کیا عالم ہے؟"

دوست نے بتایا۔ "محبت کا وہ معاملہ تو کوئی چھ ماہ ہوئے ختم ہو چکا ہے۔"

ان صاحب نے اظہار افسوس کرتے ہوئے کہا۔

"پھر تو تم اس کی صورت دیکھنے کے بھی روادار نہ ہو گے؟"

"صورت تو دیکھنی پڑتی ہے 'میری اس سے شادی جو ہو گئی ہے۔" دوست نے مسکرا کر جواب دیا۔

عظمیٰ آفتاب۔ فیصل آباد

فیس بک ناشتا

شوہر صبح فیس بک کھول کر بیٹھ گیا۔ اس کی ایک دوست نے سینڈوچ کی تصویر اپ لوڈ کی اور لکھا۔ "آؤ سب ناشتا کریں۔"

شوہر نے کمنٹ کیا۔ "بہت مزے دار تھا' مزا آگیا۔" بیوی نے کمنٹ پڑھ لیا اور شوہر کو ناشتا نہیں دیا۔ چار گھنٹے بھوکا رکھنے کے بعد بیوی بولی۔

"لنچ گھر پر کرو گے یا فیس بک پر۔"

صدف سمعی۔ کراچی

آلو کے پراٹھے

شوہر۔ "یہ آلو کے پراٹھوں میں آلو تو نظر ہی نہیں آرہے۔"

بیوی نے۔ "چپ کر کے کھاؤ' کشمیری پلاؤ میں کشمیر نظر آتا ہے کیا؟"

ابلا ہوا پانی

ڈاکٹر۔ "بچے کو پانی دینے سے پہلے ابال لیا کریں۔"

ماں۔ "وہ تو ٹھیک ہے۔ لیکن ابالنے سے بچہ مر تو نہیں جائے گا۔"

شاہدہ عامر۔ کراچی

یہ بھوکا تو نہیں

ایک انگریز اسپین کے ہوٹل میں کھانا کھا رہا تھا قریب ہی ایک کتا بیٹھا ہوا اسے گھور رہا تھا اور بار بار اس کی طرف دیکھ کر بھونک بھی رہا تھا۔ انگریز نے تنگ آکر منیجر کو بلایا اور کہا۔

"یہ کتا بھوکا ہے یا پھر کوئی اور بات ہے۔"

"جی نہیں جناب 'یہ بھوکا تو نہیں لیکن آپ چونکہ اس کی پلیٹ میں کھانا کھا رہے ہیں اس لیے غصے کا اظہار کر رہا ہے۔" منیجر نے جواب دیا۔

فوزیہ ثموت گجرات

حیرانی

مالکن کچن میں پہنچی تو اس نے خانساماں کو بڑے مزے سے بروسٹ اڑاتے اور کولڈ ڈرنک پیتے دیکھا۔ مالکن حیرت سے بولی۔

"تم چھپ چھپ کر یہ سب چیزیں کھاتے ہو مجھے یقین نہیں آرہا۔ تم نے مجھے حیران کر دیا۔"

"آپ نے بھی مجھے حیران کر دیا بیگم صاحبہ۔" خانساماں سنبھل کر بولا۔

"میں تو سمجھا تھا کہ آپ باہر گئی ہوئی ہیں۔"

ارم۔۔۔ لاہور

شیطانیت

شیطان کی سب سے بڑی بد قسمتی یہ ہے کہ اسے موت نہیں آتی ورنہ وہ اتنا شیطان نہ ہوتا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے برگزیدہ بندوں پر کئی کتابیں اتاریں۔ کچھ ادیبوں کی کتابیں پڑھ کے تو لگتا ہے شیطانوں نے بھی

اپنے برگزیدہ بندوں پر اتاری ہیں۔
شیطان سب سے اچھا فرشتہ تھا۔ مگر راتب ہنا جب وہ بول پڑا۔
اس دنیا کا پورا نظام شیطان کی وجہ سے چل رہا ہے۔ اگر شیطان نہ رہے تو کوئی انسان نہ رہے۔ سب فرشتے بن جائیں۔ ڈاکٹر یونس بٹ کے مضمون۔ (شیطانیات سے اقتباس)

حنا۔۔۔ اسلام آباد

مختصر مختصر

1 آپ اس دفتر میں کب سے کام کر رہے ہیں۔
٥ جب سے جنرل منیجر نے مجھے نوکری سے نکالنے کی دھمکی دی ہے۔
2 سر میں آپ کو مزید سودا سلف ادھار نہیں دے سکتا۔
آپ کی طرف اتنا بڑا بل ڈیو ہو گیا ہے جتنا نہیں ہونا چاہیے تھا۔ ٹھیک ہے تم اسے اتنا کر دو۔ جتنا اسے ہونا چاہیے تھا۔ پھر میں ادائیگی کروں گا۔
3 میں ایکسٹینشن پر جب بھی کسی کام سے آپ کو اپنے کمرے میں بلانا چاہتا ہوں آپ فون پر بات کر رہی ہوتی ہیں۔ آپ فون پر اتنی مصروف نہ رہا کریں۔
٥ سر میں کمپنی کلائنٹس سے بات کر رہی ہوتی ہوں۔
٥ ٹھیک ہے لیکن آئندہ ہمارے کلائنٹس کو ڈیئر' ڈارلنگ' ہنی اور جان من کہہ کر مت مخاطب کیجیے گا۔

احتجاج

نوجوان مریض نے ماہر نفسیات کے کسی سوال کا جواب نہیں دیا تو اس نے مریض سے دل کی بات اگلوانے کا طریقہ سوچا۔ اس نے کاغذ پر پنسل سے عمودی لکیر کھینچی اور مریض سے پوچھا۔
"یہ کیا ہے؟"
"دلکش لڑکی!" نوجوان مریض نے جواب دیا۔
ماہر نفسیات نے عمودی لکیر کھینچ کر ایک طرف سے ایک افقی لکیر کھینچی اور پوچھا۔ "یہ کیا ہے؟"
"دلکش لڑکی جھکی ہوئی بال سنوار رہی ہے۔" مریض نے کہا۔
"میں تمہارا مسئلہ سمجھ گیا۔" ماہر نفسیات نے کہا۔ "تمہارے دماغ میں جنسیات سے بھری ہوئی ہے۔"
"یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں گندی گندی تصویریں تو آپ خود بنا رہے ہیں۔" نوجوان مریض نے احتجاج کیا۔

سدرہ اسلم۔۔۔ حیدر آباد

ترجیح

ٹریول ایجنٹ ایک صاحب کو سیر کے لیے یونان جانے کا مشورہ دے رہا تھا۔ اس نے کہا۔ "سر! وہاں آپ کو پرانے کھنڈرات دیکھنے کو ملیں گے۔"
وہ صاحب نفی میں سر ہلاتے ہوئے بولے۔ "نہیں۔۔۔! میں یونان نہیں جاؤں گا' میں تو نئے کھنڈرات دیکھنے کے لیے فرانس جانا پسند کروں گا۔"

آمنہ۔۔۔ سکھر

دولت اڑتی ہے

ایک کاروباری آدمی اپنے دوست سے کہہ رہا تھا۔ "میں اس کمپنی کی سالانہ رپورٹ پڑھ رہا تھا جس میں میرا بھی شیئر تھا ایک جگہ اس رپورٹ میں لکھا تھا۔ دولت اڑتی ہے' تین لاکھ ڈالر اڑ گئے۔ میں نے بورڈ کے چیئرمین کو خط لکھا کہ آئندہ رپورٹ میں تصحیح کر لی جائے کہ دولت اڑتی نہیں بہتی ہے اور تین لاکھ ڈالر بہہ گئے۔" یہ کہتے کہتے اس کا لہجہ دردناک ہو گیا۔
"پھر کیا ہوا۔" دوست نے اشتیاق سے پوچھا۔
"میرا خیال تھا کہ اس سلسلے میں اکاؤنٹینٹ کی غلطی تسلیم کر لی جائے گی لیکن چیئرمین کا جواب آیا۔ دولت واقعی اڑتی ہے جناب! ہمارا اکاؤنٹینٹ آج کل بیرون ملک میں ہے۔"

اریبہ۔۔۔ فیصل آباد

کرن کا دستر خوان

خالدہ جیلانی

چکن مکھنی

اشیاء :

چکن	ایک کلو
سرخ مرچ پاؤڈر	2 چائے کے چمچے
لیموں کا رس	3 کھانے کے چمچے
نمک	حسب ذائقہ
دہی	ایک کپ
لہسن کا پیسٹ	2 کھانے کے چمچے
گرم مسالا پاؤڈر	ایک چائے کا چمچہ
ادرک پیسٹ	2 کھانے کے چمچے
سرسوں کا تیل	2 کھانے کے چمچے
مکھن	50 گرام
ہری مرچیں (کٹری ہوئی)	ایک چائے کا چمچہ
قصوری میتھی	آدھا چائے کا چمچہ
ثابت گرم مسالا	ایک کھانے کا چمچہ
ٹماٹر کا گودا	400 گرام
چینی یا شہد	2 کھانے کے چمچے
بالائی یا کریم	ایک کپ

ترکیب :

چکن پر آدھا سرخ مرچ پاؤڈر، لیموں کا رس اور نمک لگا کر آدھے گھنٹے کے لیے رکھ دیں۔ ململ کے کپڑے میں دہی انڈیل کر پندرہ، بیس منٹ کے لیے لٹکا دیں تاکہ زائد پانی نکل جائے۔ پھر آدھا ادرک، لہسن کا پیسٹ، آدھا گرم مسالا پاؤڈر اور سرسوں کا تیل لے کر مکس کریں اور آمیزے کو چکن کے ٹکڑوں پر لگا دیں۔ اب چکن کو تین سے چار گھنٹوں کے لیے فریج میں رکھ دیں۔ اس کے بعد چکن کو پہلے سے گرم کیے گئے اوون میں 170- سنٹی گریڈ پر 10 سے 12 منٹ تک بیک کریں۔ ایک سوس پین میں مکھن گرم کریں، ثابت گرم مسالہ ڈال کر بھونیں اور پھر باقی ادرک، لہسن کا پیسٹ اور کٹری ہوئی ہری مرچیں ڈال کر دو منٹ تک پکائیں۔ اب اس میں ٹماٹر کا گودا، بچا ہوا سرخ مرچ پاؤڈر، دہی، گرم مسالا پاؤڈر، نمک اور ایک کپ پانی ڈال کر پکائیں۔ ابال آجائے تو آنچ ہلکی کر کے دس منٹ تک پکنے دیں۔ چینی یا شہد اور قصوری میتھی ڈالیں۔ اب بیک کیے ہوئے چکن کے ٹکڑے بھی شامل کریں اور دھیمی آنچ پر پانچ منٹ کے لیے پکائیں۔ آخر میں بالائی شامل کریں اور چولہے سے نیچے اتارلیں۔ نان یا پراٹھے کے ساتھ گرم گرم پیش کریں۔

چکن منچورین

اشیاء :

چکن بغیر ہڈی کی	آدھا کلو (کیوبز بنالیں)

پیاز	ایک ڈلی کچی پسی ہوئی
ٹماٹو ساس	آدھی پیالی
پائن ایپل جوس	آدھی پیالی
نمک	حسب ذائقہ
سفید سرکہ	دو کھانے کے چمچے
سفید مرچ پسی ہوئی	ایک چائے کا چمچہ
اورک لہسن پسا ہوا	ایک کھانے کا چمچہ
چینی	ایک چائے کا چمچہ
پائن ایپل کیوبز	چھ عدد
کارن فلور	دو کھانے کے چمچے
سویا ساس	دو کھانے کے چمچے
چکن کیوب ملا ہوا میدہ	ایک کھانے کا چمچہ
تیل	دو کھانے کے چمچے

ترکیب :

سب سے پہلے چکن میں سرکہ، سویا ساس، نمک، چینی اور ایک کھانے کا چمچہ کارن فلور ملا کر آدھے گھنٹے کے لیے رکھ دیں۔ ایک کڑاہی رکھیں تیل ڈال کر گرم کریں لہسن اورک ڈال کر ہلکا سا بھون کر پیاز ڈال دیں ہلکی گلابی ہو جائے تو ٹماٹو ساس، سفید مرچ، پائن ایپل جوس ملا کر ساس بنالیں۔ ایک الگ فرائنگ پین میں چکن اسٹر فرائی کر کے ساس میں ڈال دیں۔ تھوڑا سا بھون کر پائن ایپل کیوبز اور کارن فلور پانی میں گھول کر ڈالیں ساتھ ہی میدہ ڈال کر جلدی جلدی چمچہ چلائیں۔

جب ساس گاڑھی ہو جائے تو منچورین چکن تیار ہے۔ اب یہ چکن منچورین گرم کی ہوئی پلیٹ میں ڈال کر فوراً کھانے کے لیے پیش کریں۔ اگر آپ کے پاس ہاٹ پلیٹ نہیں ہے تو لوہے کا بھاری فرائنگ پین لے لیں اور چولہے پر گرم کریں جب گرم ہو جائے تو چکن منچورین اس میں ڈال کر کھانے کے لیے پیش کریں۔

بیسن میں تلی ہوئی مچھلی

اشیاء :

رہو مچھلی	ایک کلو

بیسن	ایک پاؤ
نمک اور لال مرچ	حسب ذائقہ
لہسن	چار جوے
پیاز	ایک عدد
اورک	چھوٹا سا ٹکڑا
پسا ہوا گرم مسالا	چائے کا ایک چمچہ
اجوائن پسی ہوئی	دو تولہ
تیل	ایک پاؤ
سرکہ	چار بڑے چمچے

ترکیب :

مچھلی ڈبل روٹی کے سلائس کی طرح کاٹ لیں اور نمک لگا کر رکھ دیں۔ ایک گھنٹہ یوں ہی پڑی رہے اس پر آٹا یا بیسن مل کر خوب دھوئیں اور چھلنی میں ڈال دیں تاکہ تمام پانی نچڑ جائے اجوائن کو پیس کر سرکے میں ملا دیں۔ دو جوے لہسن لال مرچ اور آدھا گرم مسالا بھی باریک پیس کر سرکے اور اجوائن میں ملا دیں۔ اب مسالا مچھلی کے ٹکڑوں پر اچھی طرح مل دیں اور چار گھنٹے تک پڑا رہنے دیں۔ بیسن میں اورک لہسن گرم مسالا نمک اور لال مرچ پیاز باریک پیس کر ملا دیں۔ پھر پانی ڈال کر خوب پھینٹ لیں۔ ایک چٹکی میٹھے سوڈے کی بھی ڈال دیں۔ کڑاہی میں تیل کڑکڑائیں۔ جب پکنے لگے تو مچھلی کے ٹکڑوں کو بیسن میں بھگو کر تلیں

بیسن سرخ ہو جائے تو نکال لیں۔

چکن شاشلک

ضروری اشیاء :

چکن بوٹی (بغیر ہڈی)	1 کلو
لال مرچ	1/2 کھانے کا چمچہ
کالی مرچ	2 چائے کے چمچے
چینی	2 چائے کے چمچے
ادرک لہسن (پسا ہوا)	1 کھانے کا چمچہ
ٹماٹر (درمیانی سائز کے)	4 عدد
شملہ مرچ	3 عدد
(درمیان میں سے بیج نکال کر کیوبز بنالیں)	
پیاز (درمیانی ڈلی)	3 عدد
	چھیل کر پرت الگ کرلیں
کوکنگ آئل	3 کھانے کے چمچے
نمک	حسب ذائقہ

ترکیب :

سب سے پہلے چکن بوٹی کو اچھی طرح سے دھو کر سارے مسالے آدھے آدھے لگا کر دو تین گھنٹے کے لیے رکھ دیں۔ ادرک لہسن پورا ایک چمچہ لگالیں۔ اب جب آپ کو شاشلک تیار کرنی ہو تو ٹماٹر کے اوپر سے گول قتلے کاٹ لیں گودا ایک طرف رکھ دیں سبزیوں میں بھی باقی آدھے مسالے لگالیں۔

ایک سیخ پر پہلے چکن بوٹی پھر شملہ مرچ پیاز ٹماٹر باری باری اسی طرح لگا کر سیخ تیار کرلیں۔ آپ ان کو کوئلوں پر بھی سینک سکتے ہیں یا پھر گیس کے چولہے پر آسانی سے سینک سکتے ہیں جب شاشلک اچھی طرح سک جائے تو برش کی مدد سے کوکنگ آئل لگا کر ایک منٹ بعد گرم گرم پیش کریں۔

ٹماٹر کے گودے سے ساس بنالیں ذرا سی سویا ساس لال مرچ نمک ایک چائے کا چمچہ کوکنگ آئل ڈال کر پکائیں اور شاشلک کے اوپر ڈال دیں۔

ایرانی بریانی

اشیاء :

بیف	ایک کلو
آلو	آدھا کلو
چاول	600 گرام
پیاز	آدھا کلو
سبز الائچی پاؤڈر	ایک چائے کا چمچہ
بادام	30 گرام
کاجو	30 گرام
ہری مرچیں	8 سے 10 عدد
زعفران	آدھا چائے کا چمچہ
کالی مرچ پاؤڈر	ایک چائے کا چمچہ
لال مرچ پاؤڈر	ایک کھانے کا چمچہ
کالا زیرہ	ایک کھانے کا چمچہ
لہسن ادرک پیسٹ	دو کھانے کے چمچے
نمک	حسب ذائقہ
لیموں کا رس	چھ کھانے کے چمچے
تیل	حسب ضرورت

ترکیب :

ایک پین میں پیاز فرائی کرنے کے لیے حسب ضرورت آئل گرم کریں اور اس میں باریک چوپ کی ہوئی پیاز سنہری کرلیں۔ اب تلی ہوئی پیاز کو ٹشو پیپر کے اوپر رکھ دیں تاکہ اضافی تیل ٹشو میں جذب ہو جائے۔ اس کے بعد آدھی پیاز لے کر گرائنڈ کرلیں۔ اسی تیل میں بادام اور کاجو کو ہلکا سا فرائی کریں اور پھر انہیں بھی

گرائنڈ کرلیں۔ آلوؤں کو چھیل کر ان کی قاشیں بنائیں اور فرائی کر کے نکال لیں۔ اب اسی پین میں گوشت ڈال کر بھونیں اور جب گوشت کا رنگ تبدیل ہوجائے تو اس میں تلی ہوئی پیاز کی آدھی مقدار 'الائچی پاؤڈر' کالا زیرہ پاؤڈر' زعفران' کالی مرچ پاؤڈر' لال مرچ پاؤڈر' ہری مرچیں اور حسب ذائقہ نمک ڈال کر چلائیں۔ اب لہسن' ادرک پیسٹ' لیموں کا رس اور گرائنڈ کی ہوئی پیاز بھی شامل کریں اور مزید چند منٹ تک بھون لیں۔ اس کے بعد پانی ڈال کر ڈھانپ دیں اور گوشت گلنے تک پکائیں' اس کے بعد تلے ہوئے آلو شامل کریں اور بھون کر اتار لیں۔ اب ایک دوسرے پین میں چاول ابالیں اور ایک کنی رہ جانے پر اتار لیں۔ ایک اور پتیلی میں پہلے ابلے ہوئے چاولوں کی تہ لگائیں' پھر سالن ڈالیں۔ اس کے بعد گرائنڈ کیے ہوئے کاجو اور بادام چھڑکیں' کیوڑہ ڈالیں اور ایک چٹکی زعفران بھی چھڑک دیں۔ اسی طرح ایک اور تہ لگائیں اور اوپر سے باقی ماندہ تلی ہوئی پیاز شامل کریں۔ اب ڈھکن کو اچھی طرح ڈھانپ کر بریانی کو دس منٹ کے لیے دم پر رکھ دیں۔

بھرے ہوئے کھٹے آلو

اشیاء :

آلو	ایک کلو
نمک	حسب ذائقہ
لال مرچ (کٹی ہوئی)	دو کھانے کے چمچے
ہلدی	ایک چائے کا چمچہ
میتھی دانہ	ایک چائے کا چمچہ
کلونجی	ایک چائے کا چمچہ
سونف	ایک چائے کا چمچہ
ثابت دھنیا	دو کھانے کے چمچے
رائی	ایک چائے کا چمچہ
امچور (آم کی سوکھی کھٹائی)	چار کھانے کے چمچے
لیموں کا رس	چار سے چھ کھانے کے چمچے
کوکنگ آئل	حسب ضرورت

سجانے کے لیے

ہرا دھنیا (باریک کٹا ہوا)	حسب ضرورت

ترکیب :

دیگچی میں آلو کو چھلکے سمیت پانچ سے سات منٹ ابالیں اور پھر چھیل لیں۔ بہت احتیاط سے ہر آلو کے درمیان کراس کٹ لگائیں تاکہ درمیان سے ٹوٹنے نہ پائے۔

میتھی دانہ' کلونجی' سونف' دھنیا اور رائی کو موٹا موٹا کوٹ لیں۔ پھر نمک' لال مرچ' ہلدی اور امچور کے ساتھ ملالیں۔ فرائنگ پین یا دیگچی میں ایک کھانے کا چمچہ کوکنگ آئل ڈال دیں۔ ان مسالوں کو درمیانی آنچ پر ذرا سا پانی کا چھینٹا دیتے ہوئے تین سے چار منٹ تک بھون لیں۔

اچھی طرح ٹھنڈا ہونے پر تھوڑا تھوڑا مکسچر آلوؤں میں بھر کر دبا کر رکھتے جائیں۔

کڑاہی یا گہرے فرائنگ پین میں کوکنگ آئل اتنا گرم کریں کہ آلو اچھی طرح سے ڈیپ فرائی ہوجائیں۔ ایک وقت میں دو دو آلو ڈال کر ڈیپ فرائی کرلیں۔

بھاری پیندے کی دیگچی میں تمام فرائی کیے ہوئے آلو رکھ کر لیموں چھڑک دیں۔ ڈھک کر پانچ سے سات منٹ تک ہلکی آنچ پر (دم پر) پکائیں۔

لوبیا اور مونگ کی ڈال

اشیاء :

لال لوبیا	آدھی پیالی
سفید لوبیا	آدھی پیالی
مونگ کی دال	آدھی پیالی

(ان تینوں کو تین گھنٹے کے لیے الگ الگ بھگودیں)

پیاز	ایک عدد (درمیانہ سائز باریک)
ٹماٹر	تین عدد (کٹے ہوئے)
کیچپ	تین کھانے کے چمچے
لال مرچ پاؤڈر	دو کھانے کے چمچے
ہلدی پاؤڈر	ایک چائے کا چمچہ
دھنیا پاؤڈر	ایک چائے کا چمچہ

املی کا گودا — تین کھانے کے چمچے
آئل — ایک پیالی

ترکیب :

ان دالوں کو بھگونے کے بعد ابال لیں (ہلکا سا ابال لیں) اب ایک پتیلی میں تیل گرم کریں۔ پیاز ڈال کر براؤن کریں۔ اس میں ٹماٹر ڈال دیں اب اس میں ٹماٹر کیچپ' لال مرچ' ہلدی' دھنیا پاؤڈر اور نمک حسب ذائقہ ڈال دیں پھر املی کا گودا بھی ڈال کر چمچہ چلائیں اور بھون لیں۔ اب تمام دالیں ڈال دیں۔ اس کو ہلکی آنچ پر رکھ دیں پھر اس کو دس منٹ بعد اتار لیں اور ہرا دھنیا باریک کاٹ کر ڈال دیں۔

پسندے

اشیاء :

گوشت کے پارچے (پسندے) ایک کلو
پسا ہوا لہسن — ایک کھانے کا چمچہ
ادرک — ایک کھانے کا چمچہ
ناریل — ایک کھانے کا چمچہ
بھنے چنے — دو کھانے کے چمچے
گوشت گلانے کا پاؤڈر — ایک کھانے کا چمچہ
تلی ہوئی پیاز — ایک پاؤ
سفید زیرہ — ایک چائے کا چمچہ
خشخاش — ایک چائے کا چمچہ
آئل — آدھا کپ
دہی — ایک کپ
سرخ مرچ پاؤڈر — دو چائے کے چمچے
گرم مسالا — دو چائے کے چمچے
نمک — حسب ذائقہ

ترکیب :

سفید زیرہ خشخاش اور ناریل کو توے پر الگ الگ بھون لیں۔ چنے چھلکا اتار کر پیس لیں۔ گوشت گلانے کا پاؤڈر پسندے پر لگا کر دو گھنٹے کے لیے رکھ دیں۔ دو گھنٹے بعد' مسالا دہی میں ملائیں اور پسندے پر لگا کر تیس منٹ کے لیے رکھ دیں۔ دیگچی میں آئل گرم کر کے پسندے اس میں ڈال کر ہلکی آنچ پر اچھی طرح گلا لیں۔ اب اتنا بھونیں کہ گھی مسالا الگ ہو جائے۔

لذیذ پسندے تیار ہیں۔ باریک کٹی ہوئی ادرک اور ہری مرچ کے ساتھ پیش کریں۔

چاکلیٹ پڈنگ

اشیاء : (اسفنج کیک)

انڈے — 2 عدد
مکھن — 100 گرام
آٹا — 100 گرام
براؤن شوگر — 100 گرام
بیکنگ پاؤڈر — 1 چائے کا چمچہ
کوکو پاؤڈر — 2 کھانے کے چمچے

ساس

کوکو پاؤڈر — 2 کھانے کے چمچے
براؤن شوگر — 50 گرام
دودھ — 3/1 کپ

مکھن اور چینی کو پھینٹیں حتی کہ ہلکی ہو جائیں۔ ایک ایک کر کے انڈے ملا دیں اور پھینٹتی رہیں۔ اب چھنا ہوا آٹا مع بیکنگ پاؤڈر اور کوکو پاؤڈر ملا دیں۔ اسے ایک گریس شدہ برتن میں جو 17 انچ گولائی میں ہو انڈیل دیں۔

ساس بنانے کے لیے کوکو پاؤڈر اور چینی ایک چھوٹے پیالے میں ڈال دیں اور دودھ کو چلاتے ہوئے ملا دیں۔ حتی کہ ملائم ہو جائے۔ اس کو اسفنج مکسچر کے اوپر انڈیل دیں۔ پیالے کو مضبوطی سے ٹائٹ کر دیں تاکہ ہوا اندر بالکل نہ جا سکے۔

میڈیم ہائی پر 10 منٹ مائیکرو ویو کریں۔ ڈھکنا ہٹا دیں۔ ایک چھری کو پڈنگ کے کناروں پر چلا دیں۔ پھر گہری فلیٹ پلیٹ سے ڈھانپ دیں۔ 10 منٹ تک رہنے دیں۔ اب پڈنگ کو سانچے سے نکال لیں اور ساس کو پلیٹ پر بہنے دیں۔ فوراً" سرو کر دیں۔ یہ فریزنگ کے لیے مناسب نہیں ہے۔

"کھول کر دیکھو میں تو راستے بھر سوچتا آیا ہوں۔ پتا نہیں تمہیں پسند بھی آئے گا یا نہیں۔"

"اس کی کیا ضرورت تھی فراز بھائی۔" اس نے ناچار کھول کر سی گرین اور پرپل کمبینیشن کا خوب صورت سوٹ دیکھتے ہوئے اعتراض کیا تھا۔

"فراز پتر آیا ہے؟" تب ہی اماں نماز پڑھ کر باہر نکلی تھیں انہوں نے خوش دلی سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا تھا۔

☆ ☆ ☆

"صائم تم اپنی کزن سے شادی کرلو۔" سمیرا کے کہنے پر صائم نے اسے یوں دیکھا گویا اس کا دماغ چل گیا ہو ان کی شادی شدہ زندگی کو صرف دو ماہ ہوئے تھے۔

"کیا کہہ رہی ہو تم؟"

"میں یہ کہہ رہی ہوں صائم کہ تم اپنی کزن سے شادی کرلو۔" سمیرا نے چبا چبا کر اپنی بات دہرائی تھی۔

"امپاسبل، سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، میری زندگی میں تمہارے علاوہ کسی کی گنجائش نہیں ہے سمیرا اور میں۔۔۔"

"صائم میں تمہیں اپنی خوشی سے اجازت دے رہی ہوں۔" وہ اس کی بات کاٹتے ہوئے بولی۔

"کیوں تم ایسا کیوں کررہی ہو؟" وہ مزید حیران تھا۔

"صائم میں تم سے محبت کرتی ہوں اور جن سے محبت کی جاتی ہے ان کی مجبوریاں دیکھی جاتی ہیں۔ محبت اسی کا نام ہے، میں تمہیں یوں بسوں میں دھکے کھاتے اور معمولی ملازمتوں کے لیے رلتے نہیں دیکھ سکتی۔ یہ میری محبت کی انتہا ہے کہ میں تمہیں دوسری عورت کے ساتھ شیئر کرلوں مگر تمہاری زندگی خوار نہ ہو، تمہیں کوئی پریشانی نہ ہو۔" پھر مزید کہنے لگی۔

"دیکھو تمہاری بہن کی زندگی کا معاملہ ہے۔ تمہاری بہن ہے تو مجھے بھی عزیز ہے، میں اسے برباد ہونے سے بچانا چاہتی ہوں۔ میں اس کی زندگی برباد ہوتے نہیں دیکھ سکتی، میں تمہیں مشکلات اور مصائب سے بچانا چاہتی ہوں۔"

"تم کتنی عظیم لڑکی ہو سمیرا کاش میرے گھر والے ہٹ دھرمی کا مظاہرہ نہ کرتے اور میں تمہیں دھوم دھام سے بیاہ کر گھر لے جاتا۔" صائم کے چہرے پر عقیدت بھرا تاثر ابھرا تھا۔

"صائم تم فوراً گھر جاؤ اس سے پہلے کہ انکل کوئی عملی قدم اٹھائیں اور تمہارے خاندان کی بدنامی ہو۔۔۔ تم انہیں جا کر بتاؤ کہ تمہیں ان کا فیصلہ قبول ہے۔"

اسے صائم کو یہاں سے اٹھانے کی جلدی تھی اور وہ اس کی بات پر سرہلاتے ہوئے واپسی کے لیے اٹھ گیا تھا۔

"آج تو تم نے ملکہ جذبات شمیم آرا کو بھی مات دے دی سمیرا ڈیئر۔" گاڑی اسٹارٹ ہونے کی آواز سن کر ارباز دوسرے کمرے سے نکلا اور ٹیبل پر دھری پلیٹ سے چلغوزے اٹھا کر کھاتے ہوئے داد دے رہا تھا۔

شہلا نو نہ صرف صائم کی بیوی بن کر اس کی زندگی میں شامل ہوگئی بلکہ قسمت کی ستم ظریفی نے اس کی گود بھی ہری کردی تھی۔ وہ ان کے گھر روشنی بن کر مسکراہٹیں بکھیرتی مگر سمیرا کو اس کی کوئی پروا نہ تھی۔ اس کا خاندان صائم کی دولت پر عیش کررہا تھا سمیت ارباز کے۔

☆ ☆ ☆

سورج جتنی گرمی اگل رہا تھا لوڈشیڈنگ کا دورانیہ اتنا ہی بڑھ رہا تھا۔ حتی کہ یو پی ایس بھی چارج نہ ہوتا۔ ایسے میں ملک زمرد کی حویلی کی چھت آباد ہوجاتی جہاں آمنے سامنے پوری شان سے کھڑے برگد کے دو پرانے پیڑ تقریباً آدھی چھت کو اپنے پروں تلے لیے ہوئے تھے۔ مزید کسر حویلی کے پیچھے لگے شہتوت اور شیشم کے درختوں نے کرڈالی تھی۔ ڈھلتے سورج کے ساتھ جیسے جیسے گرمی کی شدت کم ہو رہی تھی۔ درختوں کی شاخوں کے سائے لمبے ہو کر چھت کو مزید ٹھنڈک بخش رہے تھے۔ پن چکی کی کوک اور درختوں کی کونپلوں میں چھپی چڑیوں کی چوں چوں ماحول کو

محبوب بابر فیصل نے یہ شگفتہ سلسلہ 1979ء میں شروع کیا تھا۔ ان کی یاد میں یہ سوال و جواب شائع کیے جارہے ہیں۔

ذوالقرنین

آپ کا صفحہ

سائرہ۔۔۔ فیصل آباد

س۔ ذوالقرنین صاحب! کل رات میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک نہایت بھدی عورت بڑی بڑی آنکھیں کھچڑی سے بال ہاتھ میں بیلن پکڑے آپ کے پیچھے پیچھے دوڑ رہی ہے۔ میں تو ڈر ہی گئی۔ ویسے سنا ہے صبح کے خواب حقیقت پر مبنی ہوتے ہیں؟

ج۔ اپنی بھابی کے بارے میں تمہاری رائے بڑی غلط ہے۔

ثمینہ اشرف۔۔۔ کوئلہ

س۔ زندگی اتنی حسین دلفریب چیز ہے لیکن لوگ اس کی قدر نہیں کرتے۔ آخر کیوں؟

ج۔ یہ آپ سے کس نے کہہ دیا جسے زندگی کہتے ہیں اسی کی قدر کرتے ہیں۔

روبینہ ظفر۔۔۔ کبیروالا

س۔ اگر راہ چلتے کوئی حسین سی دوشیزہ تمہارا دامن تھام کر بولے کہاں جاتے ہو رک جاؤ تو تم کیا کرو گے؟

ج۔ پہلے تو دامن کی گرد جھاڑوں گا پھر بتادوں گا کہ ملک عدم کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔

نصرت۔۔۔ مردان

س۔ نین بھیا! میں نے تو سنا ہے کہ روزوں میں شیطان کو باندھ دیا جاتا ہے تو پھر آپ۔۔۔؟

ج۔ ابھی اتنی ترقی بھی نہیں ہوئی کہ شیطان کہلاؤں۔

بینا رانی۔۔۔ آزاد کشمیر

س۔ عید آئی ہے اے ذوقی بھیا تجھے کیا کیا بھیجوں بھابھی کے لیے چوڑیاں کانچ کی تجھے گجرا بھیجوں؟

ج۔ پہلے بھابھی تو بھیج دو۔

روبینہ ظفر۔۔۔ کبیروالا

س۔ پردیس میں محبوبہ زیادہ یاد آتی ہے یا گھروالی؟

ج۔ اگر محبوبہ ہی گھروالی ہو تو دونوں۔

بیلا عرفان۔۔۔ کراچی

س۔ اگر چاند پر شترمرغ اور زمین پر گھوڑے رہتے تھیں تو نین جی آپ کہاں رہنا پسند کریں گے؟

ج۔ کبھی چاند پر کبھی زمین پر۔

سحر اسلم راہی۔۔۔ لطیف آباد

س۔ اگر زندگی ایک امتحان ہے تو جلدی سے اپنا رول نمبر بتائیے؟

ج۔ ہمیں اس امتحان کا ایڈمٹ کارڈ ابھی نہیں ملا

مدیحہ کرن

وثیقہ زمروہ۔۔۔ سمندری

اس بار کرن 11 تاریخ کو مل گیا خوب صورت ٹائٹل اور کرن کتاب واہ واہ دل خوش ہو گیا فہرست میں اپنی فیورٹ رائٹرز نبیلہ ابر راجہ اور انیلا کرن کے ناول دیکھ کر خوشی سے جھوم اٹھے۔ یاسر شورو اور علینا چوہدری کے انٹرویو پسند آئے۔ "میں گمان نہیں یقین ہوں" اس ماہ کی بیسٹ تحریر رہی لیکن آخر میں باقی آئندہ دیکھ کر تڑپ اٹھے اب ایک ماہ کا انتظار بھی طویل لگتا ہے "در شمن کا" دل تینوں دے بیٹھے" اچھا تھا لیکن زاوین چاہے اردشیر کو تنگ کرتی تھی پھر بھی اپنی پھوپھو اور ماں باپ سے اتنی تمیز سے بات تو کرتی کہ آخر وہ بڑے ہیں۔ کردار کچھ اچھا نہیں لگا "میری تجو کا صلہ" تائی اور ان کی بیٹیوں جیسے بہت سے کردار دیکھے ہیں جو چیزیں دوسروں سے اپنا حق سمجھ کر چھینتے ہیں لیکن تقدیر کو بھول جاتے ہیں۔ ناولٹ دونوں ہی اچھے تھے "ارے ہاں سلسلے وار ناول کی تو بات کی ہی نہیں" "آک ساگر ہے زندگی" "چلو حبیبہ کا کردار واضح ہو گیا کہ وہ تو ارم کی دوست ہے اور شوکاٹ تنگ کرتا تھا وہ حبیبہ ہی تھی۔ یہ فریادا اتنا اکھڑ مزاج کیوں ہے بھئی۔ "رودائے وفا" اس کی خالہ اپنی بدنامی ان کے گلے میں کیوں ڈال رہی ہیں کرنی ہے تو عفت کی شادی کریں۔ نائمہ جیسی بھی سہی لیکن اس سے اتنی بیوقوفی کی امید نہیں تھی کہ وہ اپنی عزت داؤ پر لگا دے گی۔

افسانے بھی پسند آئے "مقابل ہے آئینہ" "ندا حسین کے جوابات اچھے لگے سروے پڑھ کر افسوس ہوا کہ ہم نے شرکت کیوں نہیں کی۔ مستقل سلسلے بھی اچھے تھے نایاب جیلانی آپ کہاں ہیں پہلے کی طرح ہر ماہ ناول لکھا کریں ہمیں اچھا بہت لگتا ہے آپ کا لکھنا۔

حرا قریشی۔۔۔ بلال کالونی ملتان

ہم چاہ کر بھی "سالگرہ کی رت" میں شرکت نہ کر سکے۔ سنیے ندا حسین جی آپ کا قلم ہمیں اچھا لگا "باتوں سے قدرے سادگی کو نظیں چھوتی دکھائی دیں۔ فوزیہ ثمر کی

باقاعدگی سے حاضری ادا نہیں ہونے دیتی۔ شمع مسکان ...؟ کوئی خیر خیریت دیجیے جناب۔۔۔ ایسی بھی کیا مصروفیت ؟ بے پد تہذیب کے قلب میں دھڑکتی آغا عشنا شاہ دور دور سے اچھی لگیں۔ اپنے انتخاب اور موضوع کے لحاظ سے کامل تحریر "نشاں" سعدیہ عزیز کی رہی۔ درحقیقت عبادت 'محبت کے سوا کچھ نہیں اور یہ بھی اس قادر مطلق کی ہی شان ہے کہ جسے چاہے عزت کی مسند پر بٹھا دے اور جسے چاہے ذلت و رسوائی عطا کر دے بس ہر وقت خیر کی دعا مانگیں اور شر سے پناہ 'جیت کا شوق مر گیا' جب "مات کی لذت چکھی! باسط نے اقرا کو زوجیت میں لے کر خود کو کہاں تک رسائی دی؟ کہ خود سے ہی سوال کر بیٹھا۔۔۔ بھلا یوں بھی ہوتا ہے کسی کے ساتھ۔۔۔؟ اور وہ خدا ہی ہے جس کی پلاننگ سب سے عمدہ ہوتی ہے وہی ہوتا ہے جو خدا چاہتا ہے۔۔۔! ام ثمامہ نے مزاح کو مزے دار ذائقہ دیا۔ خوبوا جی اور کالا بھوت۔۔۔ ہاہا! ایک منفرد انداز! افسردہ دل بار بار مسکرایا۔ "سرپرائز" نے حیران تو نہیں کیا لیکن بھئی ہم نے تو سرپرائز کو تجسس میں پڑھ ڈالا (مزید لکھتی رہیے گا نداجی! ساڈی نیک تے منفرد دعاواں تواوڈے نال نے!) بجو طوالت کے دلچسپ سفر پر گامزن رہی۔ لیکن اختتام تک لفظوں میں مٹھاس کا ذائقہ جوں کا توں برقرار رہا۔ خوشفشاں کے والدین اور ان کی بہتین نیک اولاد۔۔۔ ندا دندی سے احسن کی جگہ مزمل اس کا نصیب بنا اور کیا خوب نصیب کو یاوری ملی 'پھر صبر کا پھل بے ثمر تو جاتا نہیں نا!" "دل تینوں دے بیٹھے" ذلت کے گہرے غار میں محترمہ زاوین جا بست لگا ہی دیتی 'گر اردشیر ہدایت کی رسی نہ تھما تا 'پھر والدین نے جہاں تھوڑی بہت غفلت برتی تھی وہیں حکمت عملی سے کام لے کر اولاد کو عافیت کی راہ دکھائی۔ شاعری سے مزین اس ناول سے خوب لطف کشید کیا۔ "رت بہار کی چوڑیوں کے پس منظر میں ایک بہترین سبق منظر عام پر لائی۔ "میری تکمیل تم سے ہے" "تکمیل کے کامل نمونے پر پورا اتری۔ "میں گمان نہیں۔۔۔!" "توجہ کا ارتکاز جمنے نہیں دیا لیکن یہ کیا۔۔۔؟ باقی آئندہ۔۔۔ کیوں جی!

اب کی دفعہ بھی سلسلے معیاری رہے فاخرہ جتوئی چھائی رہی۔ یہ مختصر ساخط ہے.... طویل نہیں.... کافی ماہ کے بعد لکھا گیا ہے ان لفظوں میں چھپی محبت کو رد نہ کیجئے گا! (چھوٹی سی درخواست)

رضوانہ ملک.... جلالپور پیروالا

مارچ کا شمارہ 13 تاریخ کو ملا جسے میں نے سات آٹھ گھنٹوں میں پورے کا پورا پڑھ لیا اور پھر آپ کو خط لکھنے بیٹھ گئی۔

مارچ کا شمارہ بیسٹ تھا ہر چیز ایک سے بڑھ کر ایک تھی "سالگرہ کی رت آئی" میں سب کے جوابات اچھے تھے "ردائے وفا" میں حدید اور عفت کے بیچ میں ابھی تو ایک دوسرے کے لیے نرم جذبہ پیدا ہوا ہے اور وہ عفت کو بتانا ہی چاہتا تھا کہ وہ اسے اپنی زندگی میں شامل کرنا چاہتا ہے کہ عالم سمج درمیان میں آ گیا۔ حدید اور عفت کا ہی ملاپ ہونا چاہیے عالم کو نہیں اور ایڈجسٹ کریں اور اس کو کیا ہو گیا ہے وہ کیوں سوہا سے بے زار لگنے لگا ہے "آک ساگر ہے زندگی" میں شاہ زین اور حبیبہ کا ہی ملاپ ہونا چاہیے۔ ایشال اور ارشد ایک دوسرے کو چاہتے ہیں تو ان کی یہ چاہت شادی کے بعد بھی قائم رہے یہ نہ ہو کہ وہ شادی کے چند عرصے بعد ایک دوسرے سے بے زار ہو جائیں اور ایشال کو اپنی سابقہ منگنی یاد آنے لگے۔ رابعہ افتخار کا ناول "میری تکمیل کرتے ہے" بھی بیسٹ تھا۔ اس میں شازیہ کو تو اس کے گھر والوں نے صلہ دیا لیکن شکر ہے کہ اس کا اچھا ہم سفر مل گیا۔ بہت زیادہ وقت اور لیٹ تک تھا۔ نبیلا بہت کا ناول "میری جستجو کا سلسلہ" بھی سب سے بیسٹ تھا۔ خوشنان کی ماں جیسی ہر کسی کی ماں ہونی چاہیے جو اپنی اولاد کی بہت اچھی تربیت کرتی ہیں اور بیٹیوں کو بھی خوشنان جیسی ہونا چاہیے جو اپنی ماں کا کہا مانتی ہیں (انہیں بتائے بغیر کوئی کام نہیں کرتیں) درثمین کا ناول بھی بہت اچھا تھا اس میں اردشیر نے زاوین کو ٹھیک کر دیا اور زاوین کے ماں باپ بھی اچھے تھے جو انہوں نے اردشیر کو تھوڑی سی سختی سے کام لینے دیا اور زاوین کی زندگی خراب ہونے سے بچ گئی۔

افسانے بھی سارے اچھے تھے "میرا مرض کا افسانہ" رت بہار آئی سب سے اچھا تھا اس میں شکر ہے حنا کو عفت کی بات سمجھ آ گئی اور اس نے فضول خواہش چھوڑ دی۔

طاہرہ ملک.... جلالپور پیروالا

ہیلو مائی سویٹ کرن Birthday to you Happy ویری سوری کرن کہ میں آپ کو پہلے وش نہ کر سکی خوب صورت رنگوں سے جگمگاتا کرن 13 کو ہمارے ہاتھوں میں آیا اور 17 کو ہم تبصرہ لکھ رہے ہیں ٹائٹل گرل اپنے خوب صورت انداز میں بہت پیاری لگی حمد و نعت سے دل کو روشن کرتے ہوئے یاسر شورو' عشنا شاہ اور عنیبنا چوہدری سے ملاقات کی آپ تینوں سے مل کر بہت اچھا لگا شاہین رشید جی ویری ویری تھینکس کہ آپ ہمیں اتنے پیارے لوگوں سے ملاتی ہیں "پھر سالگرہ کی رت آئی" اپنی پیاری پیاری قارئین کی سالگرہ کے بارے میں رائے جان کر بہت اچھا لگا میں بھی آپ سے متفق ہوں کہ اتنے مصروف اور اداسیوں اور غموں میں جہاں سے تھوڑی سی بھی خوشی ملے ضرور لینی چاہیے "سیدہ اکرم جی میں آپ کی تحریریں بہت شوق سے پڑھتی ہوں۔ جب میں نے آپ کے پیارے بیٹے شہید صغیر اکرم کے بارے میں پڑھا تو میں بہت روئی تھی میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے جنت میں اعلا مقام عطا فرمائے (آمین) اور میں اکثر اس کے ایصال ثواب کے لیے کچھ نہ کچھ پڑھ کے بھیجتی رہتی ہوں' رضوانہ ملک' ثناء شہزاد افشاں اور سیدہ نسبت زہرا آپ کا سروے بہت اچھا لگا۔

"آک ساگر ہے زندگی" نفیسہ سعید بہت اچھا لکھ رہی ہیں فرہاد کے رویے پہ ہمیں بھی بہت افسوس ہو رہا ہے اور آئی تھنک حبیبہ ہی ایشال کی منگیتر ہے۔ حبیبہ اور شاہ زین کی جوڑی ویسے بھی بنی چاہیے ویسے [illegible] یہ بتانا ہے کہ زین کس کا بیٹا ہے اور... بے چاری کا کیا بنا" ردائے وفا" فرحین اظفر آپ کی مانی نے خوب صورت سے کردار بہت اچھے لگے اور عالم کو شروع میں ہی محتاط ہو کے قدم اٹھانا چاہیے تھا اور میرے خیال میں تو حدید بھی اس سے شادی نہیں کرے گا ام ثمامہ جی آپ کی مزے دار سی تحریر بہت اچھی لگی ٹھیک کیا آپ نے جب انسان خود دھتکارا جاتا ہے تب جانتا ہے رد ہونے کا دکھ کیسا ہوتا ہے۔ اور مکمل ناولز کی بات ہی نرالی ہوتی ہے بہت انجوائے کرتی ہوں یہ سب جب پڑھ کر" میں فنٹ نہیں تینوں ہی بیسٹ "میری جستجو کا سلسلہ" تینوں ایک سے بڑھ کر ایک تھے "مات" فوزیہ یاسمین' افشاں' سعدیہ

عزیز" رت بہار کی" "سیرا غزل" "سرپرائز" سب افسانے بہت اچھے لگے "مقابل ہے آئینہ" "ندا حسنین آپ سے مل کر بہت اچھا لگا" "کرن کرن خوشبو" میں امیہ، ملک، کشور منیر، شبانہ افضل، اپیلا کا انتخاب اچھا لگا۔ "کرن کا دستر خوان" "مزے دار کیک ایک سے بڑھ کر ایک تھے ویسے بھی کیک مجھے ہر فلیور میں بہت اچھا لگتا ہے۔ "یادوں کے دریچے سے" زہرا، کرن، سعد، ثریا شاہ کی غزلیں اچھی لگیں "مجھے یہ شعر پسند ہے" میں صائمہ سلیم، کرن، سدرہ، سعدیہ، لائبہ کی پسند پسند آئی "مسکراتی کرنیں" عاصمہ صدیقی، آمنہ میر، ثریا شاہ، بینا مرزا نے تو ہونٹوں پہ مسکراہٹیں بکھیر دیں اور "حسن و صحت" میں جس طرح آئی بروز کے بارے میں آپ نے پکچرز کے ساتھ اتنا تفصیل سے بتایا ہے پلیز اسی طرح آنکھوں کے میک اپ کے بارے میں مختلف اسٹائل کے میک اپ کی تصویریں اور آنکھوں کا میک اپ تفصیل سے بتا دیں یا اگر ہو سکے تو کرن کتاب میں شائع کر دیں اور ساتھ میک اپ میں استعمال ہونے والی مصنوعات کی تصویر بھی دے دیں۔ محمود بابر فیصل کے "نیلے پہ نیلا" کی تو کیا ہی بات ہے ان کی باتیں تو پورے رسالے کی جان ہیں میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اتنے خوب صورت اور ہر دل عزیز انسان کو کروٹ کروٹ جنت نصیب فرمائے۔ (آمین)

نشا نورین۔۔۔ بوتالہ جھنڈا سنگھ

مارچ کا سالگرہ نمبر اس ماہ ایسے ملا جیسے خواب دیکھ رہی ہوں۔ جب پہلی دفعہ اتنی جلدی جو ملا اور تو اور مکمل ناول میں رائٹر کے نام دیکھ کر دل باغ باغ ہو گیا۔ درثمین بھی شکریہ آپ کو ہمارا خیال تو آیا "اپیلا غنی" "میری ہو کا سفر" "تلخ ترین سارے شکوے دور کر دیے Thanks اپیلا دیر بعد آئی جواب آئی۔ نبیلہ ابر راجہ اتنی دیر بعد آئیں اور چھا گئیں شاہ رخ وہ بھی قسط وار ناول لے کے۔

"ایک ستارہ ہے زندگی" میں فرہاد کی لاپرواہی پہ مجھے بہت غصہ آتا ہے زینب پہ اس کو توجہ دینی چاہیے آخر وہ اس کی بیوی ہے۔

فرحین اظفر نے "ردائے وفا" کو پہلی قسط سے ہی ایسی گرفت میں لیا ہوا ہے مرینا کے ساتھ جو بھی ہوا بہت برا ہوا مگر اس نام نہاد و [illegible] تحریروں میں کیا فرحین نے بہت اچھا پیغام دیا ہے اس ناول میں نوجوان لڑکیوں کے لیے۔

افسانے ابھی پڑھے نہیں پر افسانوں میں فوزیہ کا افسانہ دیکھ کر جھوم اٹھے۔

"نامے میرے نام" میں اپنا نام دیکھ کر دل کو خوشی ہوئی اور دل سے تھینکس آپ نے ہمیشہ میری چھوٹی چھوٹی غلطیوں کو نظرانداز کر کے ہر سلسلے میں مجھے جگہ دی۔

"مسکراتی کرنیں" میں سب نے ہی اپنی اپنی جگہ مسکرانے پر مجبور کیا۔ اس دفعہ انٹرویو بس سو سو ہی تھے۔

"مقابل ہے آئینہ" میں ندا حسنین کے جواب پڑھ کے اچھا لگا۔

نازیہ افتخار آپ کہاں گم ہو گئی ہیں بڑی مدت ہی ہو گئی ہے آپ کی تحریر پڑھے ہوئے پلیز جلدی سے قہقہوں سے بھرپور مکمل ناول لے کر آجائیں۔

فوزیہ ثمرث، ام ہانیہ، عمران۔۔۔ گجرات

مارچ کا شمارہ 13 تاریخ کو ملا۔ بالوں میں سفید پھول سجائے ماڈل اچھی لگی۔

یاسر شورو کی باتیں اچھی لگیں۔ "میری بھی سنیے" عشنا شاہ مسکراتی لڑکی بہت پسند ہیں۔ اور حیرت ہوئی کہ ارسہ غزل کی چھوٹی بہن ہیں۔

"آواز کی دنیا سے" پہلی بار کسی کا انٹرویو اچھا لگا۔ سالگرہ سروے میں سب کے جوابات مزے کے تھے۔

اس بار سب سے پہلے فہرست کو دیکھا۔ مکمل ناول میں درثمن کا نام دیکھا۔ بہت عرصے کے بعد انٹری دی۔ خوشی ہوئی اب پہلے کی طرح پھر کرن سے غائب مت ہونا درثمن۔ درثمن کے لیے یہی کہوں گی وہ نہیں اور خواسا یہ چھا گئیں۔ "دل تھیوں" [illegible] "ناول کے نام" [illegible] تو کتنا اچھا ہوگا۔ ہیرو اور ہیروئن کے نام بھی اچھے منفرد تھے۔ زاوین کے ساتھ جو کیا اچھا کیا ارشیر نے "اسے اپنے کی کچھ تو سزا ملنی چاہیے تھی۔ اس تحریر کو ہیپی اینڈ میں بھی ہیپی ہیپی کر دیا۔

نبیلہ ابر راجہ "میں گمان نہیں یقین ہوں" ابتدا میں تو کچھ کچھ بور لگ رہی تھی اسٹوری۔ مگر جوں جوں پڑھتے گئے دلچسپی بڑھتی گئی مجھے لگتا ہے زیان ایک ہی ہیروئن ہو گی۔ اسی خیال تو تبھی جب ایک دم سے بانی [illegible] نظروں کے سامنے آیا تو بے اختیار نکلا۔ [illegible] فوزیہ تم بٹ تم پھر سے ہٹ [illegible] کیا خبر تھی۔ مزے کی اسٹوری پڑھتے پڑھتے بانی [illegible] کا اسپیڈ بریکر آجاتا ہے۔

املی کی چٹنی ہو تو برستی بارش بھی حسین لگتی ہے بالکل ویسے ہی بہار کی آمد اور ساتھ میں کرن واہ واہ!

یاسر شورو سے ملاقات بہت اچھی رہی۔ "سالا خالا اور اوپر والا" اور "تو شیطا کالا بھوت" دونوں ہی حس مزاح سے بھرپور اچھی تحریر رہی۔

تمام سلسلے وار و قسط وار ناول اپنی اپنی رفتار سے محو سفر ملے۔ نبیلہ ابر راجہ کے قلم سے لکھا زبردست سا ناول دل کو بے حد بھایا مگر آگے جا کے باقی آئندہ ماہ دیکھ کر مزا خراب ہو گیا اف یعنی بالی کے لیے آئندہ ماہ انتظار ندا حسنین کا پیار بھرا سرپرائز اچھا تھا نذیکا چھکا پیارا سا افسانہ رہا "میری تکمیل تم سے" "نام کی طرح خوب صورت سا ناولٹ دل کو اچھا رہا۔ فوزیہ یاسمین نے "مات" بے عنوان بہت اچھا افسانہ لکھا واقعی کبھی کبھار گھی ٹیڑھی انگلی کر کے نکالنا پڑتا ہے۔ (ہاہاہا) در ثمین کا مکمل ناول کرن میں روشنی بکھیر گیا بہت زبردست! "رت بہار کی" اور "شکن" کافی اچھے سبق آموز افسانے رہے۔ انیلا کرن نے بھی بہت اچھا لکھا۔

الغرض اس بار کرن میں ہر سو بہار ہی بہار دیکھنے کو ملی۔ "مقابل ہے آئینہ" میں اس بار ندا حسنین کو دیکھ کر بہت خوشی ہوئی اب بات ہو جائے سالگرہ سروے کی تو سب ہی کے جوابات پڑھ کر سالگرہ سالگرہ جیسی فیلنگز آئی سروے بہت اچھا کیا جبکہ آپ نے مجھے بھی سروے میں جگہ عنایت کی بہت ممنون ہوں آپ کی شکریہ۔

مستقل تمام سلسلے بہت اچھے تھے جبکہ "کرن کا دستر خوان" میں سالگرہ کے حوالے سے کیک نے رونق بڑھا دی حسن و صحت میں بھی آنکھوں والی جو کے بارے میں جان کر معلومات میں اضافہ ہوا۔

"نامے میرے نام" میں اپنے نام کو بھی شامل محفل دیکھ کر بہت خوشی ہوئی وہیں فوزیہ تمرہٹ اور شاشہزاد کے تبصرے بہت اچھے لگے ساتھ ہی ایک ریکوئسٹ نامے میرے نام کے جوابات بھی دیجیے اب اس دعا کے ساتھ اجازت کہ کرن ہمیشہ یوں ہی چمکتا اور روشنی بکھیرتا رہے اور خوب ترقی کرے۔ (آمین)

شاہ شہزادے۔ کراچی

مارچ کا شمارہ 13 تاریخ کو ملا سرورق بہت پیارا لگا۔ جلدی سے آگے بڑھے اور فہرست پر جو نظر ڈالی تو خوشی سے مارے چیخ نکل گئی۔ ہائے اللہ نبیلہ ابر راجہ کرن میں واپس آ گئیں۔ ان کا نام دو تین بار پڑھ کر دل کو یقین دلایا کہ یہ خواب ہے یا حقیقت مگر ہاں جی ہاں یہ تو حقیقت ہے کہاں غائب ہو گئی تھیں آپ مجھے آپ کی کمی بہت زیادہ محسوس ہوتی تھی کیونکہ آپ میری فیورٹ رائٹر ہیں۔ نبیلہ آپی دی تھینک یو سوچ کہ آپ کرن میں پھر سے جلوہ گر ہوئیں پلیز اب آپ کہیں مت جائیے گا کہانی پر تبصرہ اگلے ماہ کروں گی کیونکہ مجھ سے ایک مہینے تک انتظار نہیں ہو رہا تھا۔

اس بار سالگرہ نمبر کے حوالے سے تمام کی تمام کہانیاں میری پسندیدہ رائٹرز کی ہیں جنہوں نے مارچ کے شمارے میں چار چاند لگا دیے۔ انٹرویو میں یاسر شورو اور عشنا شاہ پڑھا دونوں کے جوابات پسند آئے۔ سروے میں بھی سب کے جواب اچھے تھے۔ افسانے سارے اچھے تھے مگر "رت بہار کی" کا جواب نہیں ہے بہت زیادہ اچھا لگا۔ سونے چاندی کے زیور ہمیں شوہر نہ دیں بس محبت سے کانچ کی چوڑیاں ہی لا کر پہنا دیں کانچ کی بھی نہ ہوں تو پھولوں کے گجرے ہی ہمیں خوش کر دیں گے رابعہ افتخار نے بھی بہت خوب لکھا کہانی کا نام ہی اتنا اچھا تھا "میری تکمیل تم سے ہے" "احمد ابراہیم کی خاموش محبت زیادہ اچھی لگی پلیز خالہ سالا اور اوپر والا" "اس کہانی کا اب اینڈ کر دیں۔ مکمل ناول "دل تھیوں دے تیشے" در ثمین صاحبہ نے تو کمال کر دیا۔ اتنی ضدی بہت محرم خود سر پد تمیز نزی کو ایک منٹ میں تیر کی طرح سید ھا کر دیا۔ ویسے ایک بات بتاؤں مجھے ایسی کہانیاں بہت پسند ہیں جس میں شروع میں ہیرو، ہیروئن نفرت کا اظہار کرے اور اینڈ میں ہیرو کی محبت کے آگے گھٹنے ٹیک دے ویلڈن در ثمین۔ انیلا کرن نے بھی بہت اچھا لکھا زبردست سالگرہ نمبر میں سب کی کہانیاں اچھی لگیں۔

"مقابل ہے آئینہ" میں ندا حسنین کے جوابات پسند آئے۔ "روائے وفا" میں نائلہ نے یہ کیا غلطی کر دی اپنی عزت کا اسے ذرا بھی خیال نہ آیا کہ یہ ایک بار چلی گئی تو پھر کبھی واپس نہیں آتی۔ نائلہ کو اس گناہ کی سزا ملنی چاہیے اور حدید کی شادی عفت سے ہی کیجیے گا پلیز۔" "ایک ساگر ہے زندگی" کو تھوڑا سا واضح کر دیں کہ اشعر صاحب کے نکاح میں جو لڑکی تھی وہ کون تھی مجھے تو حبیبہ ہی لگتی ہے مگر پھر یہ خیال آتا ہے کہ زینب کی بیٹیوں کے نام تو مریم اور جگنو تھا

☆ ☆